نومبر 2014
ماہنامہ
کرن
SCANNED BY PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

زر سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ------ 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ------ 5000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ------ 6000 روپے

مستقل سلسلے

نومبر 2014

جلد 37 شمارہ 8

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

نومبر کا کرن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

محرم الحرام ہجری سال کا پہلا مہینہ ہے۔ جو مختلف وجوہ کی بنا پر دیگر مہینوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ محسن انسانیت خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسینؓ نے حق کی خاطر ڈٹ کر اسی ماہ کی دس تاریخ کو اپنی اور خاندان والوں کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ یہ واقعہ تاریخ انسانیت میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اسلامی نظریے پر استوار ہونے والی مملکت کے بسنے والوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ نا صرف اس واقعہ سے سبق حاصل کریں بلکہ اپنی زندگیوں کو اس کی عملی تفسیر کا نمونہ بنائیں۔ اپنی محترم ہستیوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کا اس سے بہتر طریقہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم ان کے اقوال پر اپنی زندگی بسر کریں۔

اس شمارے میں،

- بیاد فرحانہ ناز ملک،
- اداکار تنویر آفریدی سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ "سارہ عمیر" کہتی ہیں۔ میری بھی سنیے،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں آصف ملک،
- اس ماہ "نشا نورین" کے مقابل ہے آئینہ،
- "اک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید کا سلسلے وار ناول،
- "تیری جستجو میں" فوزیہ یاسمین کا مکمل ناول،
- "جو بچتے تھے"، عزہ خالد کا مکمل ناول،
- "راستہ ٹھہر جائے" عائشہ نصیر کا مکمل ناول،
- "عشق سفر کی دھول" نبٹی جدون کا مکمل ناول،
- "پہلا تارہ" حیا بخاری کا مکمل ناول،
- "خالہ، سالا اور اوپر والا" فاخرہ گل کی دلچسپ مزاحیہ تحریر،
- دُرِ شہوار ارشد اور ردا ایم سرور کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

کرن کتاب "رشتے بنا بنا سیکھیں" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے

حمد باری تعالیٰ

سب ناموں کا مالک سب کے دُکھ کا چارا ہے
ہر بستی پر روشن جو بے نام ستارا ہے

ریگِ رواں کی وحشت میں بھی ایک نشانی ہے
دریا کے سناٹے میں بھی ایک اشارہ ہے

حدِ ازل سے حدِ ابد تک اس تاریکی میں
نام تمہارا روشن تھا یا نام تمہارا ہے

اتنی بڑی ان دُنیاؤں میں کتنا بے مایہ
بڑے خسارے میں ہوں بے شک، بڑا خسارا ہے

اے آنکھیں اور آنکھوں کو یہ نیندیں دینے والے
میں نے ہر اک خواب میں چھپ کر تجھے پکارا ہے

تاروں کی پوشاک پہن کر رات سجانے والے
سورج تیرے حسنِ ازل کا ایک اشارا ہے

کیسے بندے ہیں وہ امجد جو یہ سوچتے ہیں
مولا، سب دُنیا کا نہیں ہے، صرف ہمارا ہے

امجد اسلام امجد

نعت رسولِ مقبولؐ

شوقِ بے حد، غمِ دل، دیدۂ تر مل جائے
مجھ کو طیبہ کے لیے رختِ سفر مل جائے

نامِ احمدؐ کا اثر دیکھ جب آئے لب پر
چشمِ بے مایہ کو آنسو کا گہر مل جائے

چشمِ خیرہ نگراں ہے رُخِ آقاؐ کی طرف
جیسے خورشید سے ذرّے کی نظر مل جائے

یادِ طیبہ کی گھنی چھاؤں ہے سر پر میرے
جیسے تپتی ہوئی راہوں میں شجر مل جائے

نخلِ صحرا کی طرح خشک ہوں، وہ ابرِ کرم
مجھ پہ برسے تو مجھے برگ و ثمر مل جائے

سلیم احمد

تو جدا ایسے موسم میں ہوا

ریحانہ امجد بخاری

موسم بہار ہمیشہ ہی ایک تابانی سے آتا ہے' ہر جگہ سبزہ' ہر طرف پھول' ہر سمت تازگی۔ گویا کائنات کو حیات نو مل جاتی ہے۔ لیکن یہ ہریالی اور یہ شادابی جاوداں نہیں۔ ایک دن اسے نذر خزاں ہونا ہی ہوتا ہے۔ زندگی کی بہار بھی عارضی ہے۔ ساری خوشیاں زوال آمادہ ہیں۔ گلشن حیات میں دائمی بہار کبھی نہیں آتی۔ ایسی بہار جو خزاں کو جنم نہ دے۔ جس کے بطن سے افسردگی پیدا نہ ہو۔

ایسی ہی ایک افسردہ سی شام تھی آفس کے کاموں میں مصروف پتا ہی نہیں چلا کہ کب دن ڈھل گیا اور کھڑکی سے نظر آنے والی سامنے کی عمارت کا سایہ لمبا ہو گیا سر جھکائے کام کرتے کرتے کچھ تھکن سی محسوس ہوئی تو اٹھ کر کچھ دیر باہر نظر دوڑانے لگی۔

خزاں کی اداس شام گہری ہو رہی تھی بے لباس شجر' سر دوش لیے پھرتی ہوائیں' سونے راستے' سنسان گلیاں سب ہی کچھ اداس کرنے والا تھا۔ یہ اداسی نہ جانے کیوں دل میں پنجے گاڑھ کر بیٹھ گئی۔ واپس آکر کرسی پر بیٹھی ہی تھی کہ فون کی بیل بج اٹھی اس بیل میں نہ جانے ایسا کیا تھا کہ اداس دل سہم سا گیا۔

میں نے پہلی ہی بیل پر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف نبیلہ عزیز تھیں۔ سلام دعا کے بعد ڈرتے ڈرتے بولیں۔

"آپ کو فرحانہ کے بارے میں پتا چلا؟" میں نے بے ساختہ گھبرا کر دریافت کیا۔

"کیا؟"

نبیلہ بولیں۔

"آپی! ابھی فیس بک پر دیکھا ہے' فرحانہ کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی۔"

"اللہ نہ کرے۔" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

"جی آپی! میں بھی یہ ہی دعا کر رہی ہوں کہ یہ جھوٹ ہو۔ آپ کسی سے تصدیق کروائیں!" میں نے اسی وقت ادھر ادھر اپنی رائٹر دوستوں کو فون کیے اور سب نے ہی اس خبر کی تصدیق کر دی۔

بہت سخت مرحلہ تھا۔ میں جو نومبر کے کرن کی فہرست بنا رہی تھی اسی وقت فرحانہ کے ناول کی سرخی لکھوا کر لائی تھی۔ میرے سامنے ہی "فرحانہ ناز ملک" خوب صورت کتابت میں لکھا رکھا تھا۔ کسے پتا تھا نومبر کے کرن میں اس کی قسط کے بجائے تعزیتی پیغامات ہوں گے۔ میں جو اس کے ناول پر اس سے ڈھیروں باتیں کرتی تھی۔ تعریف کرتی تو کہتی۔

"ریحانہ آپ میری غلطیاں بتائیں تاکہ میں اور بہتر لکھ سکوں' کوئی بھی میری غلطیاں نہیں بتاتا۔"

میں کہتی تم اتنا اچھا لکھتی ہو تو میں کیا غلطیاں بتاؤں؟

"شام آرزو" اس کا پہلا سلسلے وار ناول تھا اور وہ بے حد خوش تھی یہ ناول شروع کرکے۔ بہت سے خواب تھے اس کے' اپنے اس ناول کے بارے میں۔ لیکن افسوس کہ "شام آرزو" کو کسی منطقی انجام تک پہنچانے سے پہلے ہی اسے زندگی کی "شام" نے آلیا اور وہ ہم سب کو اداس' ملول اور غم زدہ چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملی۔ اور صرف وہ ہی نہیں! اس کے ساتھ اس کی فیملی کے کچھ اور لوگ بھی اس حادثے کی نذر ہو گئے۔

بہت بڑا سانحہ تھا اور جتنا بڑا سانحہ تھا اتنا ہی بڑا دکھ بھی۔ آج فرحانہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہے۔

لیکن روزانہ صبح اٹھ کر کیے گئے اس کے گڈ مارننگ
کے میسج آج بھی میرے سیل فون میں محفوظ ہیں۔
اس کی باتیں 'اس کے لکھے ہوئے لفظ اسے ہمارے
دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرحانہ اور اس حادثے میں اپنی
جان 'جان آفرین کے سپرد کرنے والے تمام افراد کو
اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے اہل خانہ کو
صبر جمیل عطا فرمائے" آمین"

☆ ☆

کچھ رشتے بے نام

حرمت ردا اکرم

کچھ رشتے بے نام ہوتے ہیں۔ ان کو کوئی عنوان
نہیں دیا جاسکتا' لیکن وہ پھر بھی بہت پیارے ہوتے
ہیں۔ ان کی خوشیاں ہمارے لبوں پہ کھلکھلاہٹوں کا
باعث جبکہ ان کے غم ہمارے سینے بوجھل اور آنکھیں
نم کر جاتا ہے۔

ایسا ہی ایک رشتہ لکھاری اور قاری کا بھی ہے۔
آج بھی مجھ سے اپنے جذبات کو لفظوں کا روپ دھارنا
مشکل ہے۔

بہت سے لوگ دل سے ہنس نہیں پا رہے 'ان کے
سینے غم کے بوجھ سے دبے ہیں ان کی آنکھیں پرنم اور
ہونٹ ساکت مگر دعاؤں میں مصروف ہیں۔ مغفرت
کی دعائیں 'اگلی منزلوں کی آسانی کی دعائیں اور وجہ
ہے "فرحانہ ناز ملک" کی ناگہانی موت

کیا کہوں......؟

لفظ خاموش ہیں 'قلم دکھ سے سر نہوڑائے چپ
سادھے بیٹھا ہے۔ ابھی تو اس رشتے کا آغاز تھا ابھی تو
ہمیں ان کو پڑھنے کا بہت کم موقعہ ملا تھا۔

ایک دم سے یوں انجام؟

یوں کرتے ہیں چاہنے والوں کے ساتھ.....

مگر اجل کے سامنے کس کا زور چلا ہے؟

گیارہ اکتوبر کی سہ پہر مجھے دل کے ساتھ کام کرتے
مجھے معلوم نہیں تھا کہ دل کیوں بے چین ہے کام سے
فارغ ہو کر فیس بک کھولے بیٹھی تھی کہ ایک پیج پر
پوسٹ نے گویا چاروں طبق روشن کر دیے۔ دھندلائی
آنکھوں سے کچھ بھی پڑھنا مشکل ہو رہا تھا۔

ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ ابھی کچھ دن پہلے تو ہماری
سلام دعا ہوئی تھی' عبداللہ واثق کی پیاری سی تصویر پر
ان کے کمنٹ پڑھ کے ہنسی آئی تھی۔

کسی کے پوچھنے پر کہ یہ کون ہے؟ تو ان کا جواب
"میرا کاکا" ان کی زندہ دلی کی مثال کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

فرحانہ آپی کی وفات پر میرا کمنٹ تھا "جھوٹ" یہ
کوئی اور "فرحانہ ناز" ہوں گی مگر ایڈمن کا لنک دینے
اور میرے ہوش لوٹنے کے بعد اور کچھ کہنے کی ضرورت
باقی نہ رہی 'مونا مغل اور نیم انجم کے تصدیقی میسج
کے بعد بھی گویا دل ماننے کو تامل تھا اور پھر سوشل نیٹ
ورک پر اک کہرام برپا ہو گیا۔

ہر جگہ یہ خبر "فرحانہ ناز کی ڈیتھ ہو گئی" کی خبریں
چکرانے لگی تھیں' ہر آنکھ پرنم اور دل اشکبار تھا۔

دعاؤں کے سلسلے' مغفرت کی دعائیں لگتا تھا آج
بس یہی سب کچھ ہی ہے ان کی جواں سالہ بہن لیڈی
ڈاکٹر مہرالنساء بھائی ملک خاور عباس اور والدہ سمیت
گویا گھر کا گھر ہی اجڑ گیا۔

برسوں پہلے شازیہ چوہدری کی وفات نے کئی دن
تک اپنے اگر ملال اور حزن میں مبتلا رکھا تھا اور آج یہ

زخم پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔
بس اللہ پاک سے دعا ہے ان کی اگلی منزلوں کو آسان فرمادے' وہ جو اپنی تحاریر سے روتے دلوں کو ہنسانے کا فن جانتی تھیں اللہ پاک تو ان کو جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرما۔
ہزاروں دل جو ان کی وفات کی خبر سن کر لحظہ بھر کو دھڑکنا بھول گئے تھے' ان دلوں کی دعائیں قبولیت کا شرف میرے رب قہار و غفار کے دربار میں ہی پائیں گی ہمیں بس دعا کرنی ہے۔

نہ اس کو میں نے دیکھا تھا
نہ اس نے مجھ کو دیکھا تھا
نہ کوئی خون کا رشتہ تھا
نہ پیت کے گہرے رشتے تھے
لیکن پھر بھی پھول کی مانند
ایک لڑی میں بندھ کے
ہم دونوں اک ہار ہوئے تھے
ہم میں لفظوں کا رشتہ تھا
اس کی باتیں مجھ کو اچھی لگتی تھیں
اس کے لفظ مجھے زندگی کا ہنر سکھاتے
میری امیدیں بندھاتے
مجھ میں زندگی کی جوت جلاتے
آج وہ لفظ خاموش ہوئے ہیں
اس کے ہاتھوں میں دیا قلم
چپ سادھ چکا ہے
میرا دل' سینے کے قید خانے میں
غم کے رنگ کا جلک رہا ہے
لفظوں کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے
لفظوں کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے

دعا ہے کہ اللہ پاک ان کو غریق رحمت کرے' ان کے بھائی والدہ اور بہن کو جنت میں بلند درجات عطا فرمائے اور ان کی فیملی کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وہ چہرہ کدھر گیا

نازیہ کنول نازی

تاریکیوں میں ڈوب گیا ایک ماہتاب
ایک پھول تھا تیز ہوا میں بکھر گیا
جس پر غموں کی دھوپ بھی لگتی تھی چاندنی
آنکھوں کو ہے تلاش وہ چہرہ کدھر گیا

زندگی میں کچھ لمحات اور حادثات ایسے ہوتے ہیں جو کسی آندھی کی طرح اعصاب پر گزرتے ہیں تو وجود کو بکھرنا چھوڑتے ہیں سوچیں مفلوج اور الفاظ کند ہو کے رہ جاتے ہیں انسان کی سمجھ میں نہیں آتا وہ کہے تو کیا کہے۔

میری زندگی کی کتاب میں کئی ایسے باب درج ہیں جو ایسے لمحات اور حادثات سے عبارت ہیں جس روز مجھے "شازیہ چوہدری" مرحومہ کی اچانک موت کی خبر ملی اس وقت میرا وجود کسی ایسی ہی لال آندھی کی نذر ہوا تھا جس روز ایک دوست کی شادی سے واپسی پر مجھے "ثوبیہ جہانگیر" کی اچانک موت کی خبر ملی اس روز بھی میری یہی کیفیات تھیں۔ آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ بے یقینی اور منجمد احساسات۔۔۔۔ اور آج "فرحانہ ناز ملک" کی حادثاتی موت پر بھی میں یوں ساکت بیٹھی ہوں۔ جیسے کوئی فقیر تھکن سے نڈھال ہو کر سڑک کے چوراہے پر بیٹھ جاتا ہے۔

میری ہی برادری سے تعلق رکھنے والی "فرحانہ ناز ملک" ادبی دنیا میں میری آمد کے وقت میری بہت اچھی دوست تھی۔ بہت زیادہ تنگ کرنے والی زندہ دل لڑکی' مگر کئی سال ہوئے میری ادبی مصروفیات نے اس پری کو مجھ سے دور کر دیا تھا۔ کتنا عرصہ ہوا میرا اس سے کوئی رابطہ یا دوستی نہیں رہی تھی' مگر پھر بھی وہ میرے اندر

بستی تھی۔ بالکل ویسے ہی جیسے کسی سنسان کھنڈر میں جلتا چراغ۔

اگر مجھ سے کہا جاتا کہ "فرحانہ ناز ملک" کی زندگی پر مضمون لکھوں تو میں خوب صورت لفظوں کے ڈھیر لگا دیتی۔ اپنی قلم کاری کی ساری صلاحیتیں بروئے کار لا کر اس پری کی زندگی کے ایک ایک پہلو پر خوب روشنی ڈالتی مگر۔۔۔ وقت کی ستم ظریفی دیکھیے مجھ سے فرحانہ ناز ملک کی زندگی پر نہیں بلکہ اس کی حادثاتی موت پر لکھنے کو کہا جا رہا ہے' کوئی مجھے بتائے جب لفظ گونگے ہو جائیں' احساسات منجمد ہو جائیں سوچ کے سارے دروازوں کو اذیت کے قفل لگ جائیں تو اس کیفیت میں کوئی بھی لکھاری بھلا حال دل کو لفظوں کا کفن پہنا کر صفحات کے مقبرے میں کیسے اتار سکتا ہے۔

فرحانہ ناز ملک کی شخصیت میں جتنی بھی اچھائیاں تھیں میں اس کا کریڈٹ ان کے بہت اچھے والدین کی تربیت اور ان کے گھریلو ماحول کو دوں گی چونکہ نا صرف "فرحانہ" بلکہ ان کی بڑی بہن شبانہ مہر النساء اور بھائی ملک خاور عباس کے اخلاق کردار' محبت' شرافت کا سارا زمانہ معترف ہے۔ وہ صرف ایک اچھی رائٹر نہیں تھی بلکہ بے حد اچھی انسان' بہت پیاری بیٹی' جان لٹانے والی بہن اور بہت مشفق ماں بھی تھی۔ میں کبھی نہیں بھول سکتی کہ ابتدا میں کیسے وہ ہر دوسرے روز اجنبی نمبرز سے کال کر کر کے مجھے تنگ کیا کرتی تھی' لڑکا بن کر مجھے چیک کرتی اور جب میں اس کے ہاتھوں بے وقوف نہ بنتی تو ہنس کر کہتی۔

"کیا یار نازی! کبھی تو بے وقوف بن کر خوش ہو جانے کا موقع دے دیا کرو۔"

اکتوبر کی شام میری زندگی کے پر درد اوراق میں سے ایک ثابت ہوئی۔ شام سات بجے ایک دوست نے بتایا کہ رائٹر فرحانہ ناز ملک ایک روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئی ہیں۔ مگر ان کی موت کی خبر ابھی کنفرم نہیں۔ میں نہیں جانتی کہ میں نے اس کے بعد کچھ سنا کہ نہیں' مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ میرا دل رک گیا تھا' میرے اعصاب جیسے برف ہو گئے تھے۔ میں چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی' مگر مجھ سے رویا نہیں گیا' عجیب بے یقینی تھی' ابھی چند روز پہلے تو مختصر سی بات ہوئی تھی' پھر یقین کیسے آتا؟

اس شام میرا دل چیخ چیخ کر ایک ہی دعا کر رہا تھا کہ کاش اس کی موت کی خبر جھوٹ ہو۔ کاش فری کو کچھ نہ ہوا ہو۔۔۔ مگر ایسی خبریں بھلا جھوٹ کہاں ثابت ہوتی ہیں۔ میں نہیں جانتی اس وقت کیسے سرد کپکپاتی انگلیوں سے میں نے اس کا سیل نمبر ریلیس کیا تھا۔ جو آف ملا۔ بند ہوتے دل کے ساتھ فیس بک پہ گئی تو وہاں اس کی حادثاتی موت کی تصدیق ہو گئی۔ وہ شہزادی جو سج سنور کر شادی کے فنکشن پہ جا رہی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا اس شہزادی کا زخموں سے چور چہرہ سرخ خون میں کیسے نہا گیا۔ کیا اتنا پیار تھا اسے خاور بھائی' کرن اور فرحت النساء آنٹی سے وہ جاتے جاتے انہیں بھی ساتھ لے گئی۔ سارا گھر ہی خالی ہو گیا۔ ابھی تو اسے ڈاکٹر کی حیثیت سے دکھی انسانیت کے درد بانٹنے تھے۔ ابھی تو فروری میں خاور بھائی کو دولہا بننا تھا۔ وہ کیسا حادثہ تھا جس نے اس دولہا کو زخموں سے چور کر کے اس کی جان ہی لے لی۔

میں جانتی ہوں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں اس کے لیے پاگلوں کی طرح رو رہی ہوں۔ اسے مس کر رہی ہوں۔ اس کی حادثاتی موت کو پورے آٹھ روز گزر جانے کے باوجود مجھے رات میں نیند نہیں آتی' کیونکہ اب وہ اس دنیا میں چلی گئی ہے کہ جو شاید اس دنیا سے ہزار گنا زیادہ پیاری ہے' پتا نہیں صبر کس کو کہتے ہیں کہ یہ کہاں ملتا ہے' وہ کون لوگ ہوتے ہیں جنہیں زندگی کے المناک حادثوں کے بعد صبر آ جاتا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ اس شہزادی کو اس کی والدہ' بہن اور خاور بھائی کو جنت میں بلند درجات عطا فرمائے اور ان کے والد بزرگوار کو اس المناک سانحہ پر صبر و ہمت' حوصلہ اور سکون عطا فرمائے اور فرحانہ کے زخمی بیٹے دانیال کو جلد از جلد صحت عطا کرے۔ (آمین ثم آمین)

٭ "فلم "تھری ایڈیٹ" مجھے اس لیے، بہت پسند ہے کہ اس میں وہ ہی دکھا تھا جو میرا دکھ تھا کہ میں نے اپنے ابا سے کہا میں "ماس کمیونکیشن میں ایم اے کروں گا تو میرے ابا نے کہا کہ ادھر ادھر جوتیاں چٹخاتے پھوگے اس زمانے میں ڈاکٹر انجینئر کے علاوہ کوئی تیسری بات نہیں کی جاتی تھی تو یہی کہا گیا کہ ایسی لائن لو جس میں تمہیں جاب آسانی سے مل جائے' پھر چونکہ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا تو وہ چاہتے تھے کہ میرا فیوچر safe ہونا چاہیے.... اور میں پڑھ لکھ کر نوکری پہ لگ جاؤں' حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے انسان کو اپنے شوق کی لائن پہ ہی آنا چاہیے اور پڑھنا چاہیے۔"

٭ "اور جناب پھر شوبز میں آمد کیسے ہوئی.... لیکن پہلے یہ بتائیں کہ پڑھ لکھ کر شادی کی؟؟"

٭ "میری مختلف ادوار میں ناکام شادی ہوئی.... سچ بتاؤں' میرے چار بچے ہیں۔ میری ایک بیٹی یو ایس اے میں ہے اور اس کی ماں امریکن تھی۔ دوسری شادی سے تین بچے ہیں ان سے میرا بریک اپ ہوا تو پھر ایک سال قبل میں نے آخری شادی کی اور یہ ان شاءاللہ آخری شادی ہی ہوگی۔ کیونکہ میری بیوی سے میری بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ میں بھی سیٹ ہوں اور میرے بچے بھی سیٹ ہیں۔"

٭ "جی اب بتائیں کہ شوبز میں کیسے آئے آپ؟"

٭ "جی بالکل پری پلان آیا شوبز میں.... ریڈیو پاکستان حیدر آباد سے اپنا کیریئر شروع کیا۔ اس وقت میں کلاس فورتھ میں تھا.... بحیثیت چائلڈ اسٹار کے ریڈیو پہ آیا اور آپ یقین کریں کہ زندگی میں میں نے اس فیلڈ کے علاوہ کسی اور فیلڈ میں آنے کی نہ خواہش رکھی اور نہ ہی کوشش کی۔"

٭ "کیوں؟"

٭ "اس لیے کہ میرا کسی اور کام میں دل ہی نہیں لگتا تھا.... اور اس فیلڈ میں رجحان اس طرح ہوا کہ میرے والد شاعری کرتے تھے اور ادبی محفلوں میں ان کا بہت اٹھنا بیٹھنا تھا تو وہ مختلف شعراء کا مجموعہ کلام لے آتے تھے تو میرے ہاتھ میں جو بھی کتاب آتی تھی اس میں کسی بھی شعر کا جو بھی مصرعہ مجھے پسند آتا تھا اس کی یں بیٹھے بیٹھے طرز بنا دیا کرتا تھا مجھے اس وقت یہ ادراک نہیں تھا کہ یہ کتنا مشکل ہے جو میں کرلیتا ہوں۔ بغیر ہارمونیم کو ہاتھ لگائے اور بغیر اس کی طرز کو سمجھے

میرے اندر سے آواز نکلتی تھی کہ اس نغمے کی یہ دھن ہونی چاہیے اور میں اس شعری بحر کو سمجھ کر ایک فی البدیہہ طرز بنا دیا کرتا تھا تو مجھے یاد ہے کہ ہمارے اسکول میں ایک بار انسپکشن کرنے والے آئے تو انہوں نے عزیز میرٹھی کی ایک نظم "تواے کتاب مجھ کو نہایت عزیز ہے" کے لیے کہا کہ کوئی بچہ اس کو پڑھ کر سنائے۔ ایک بچے نے پڑھ کر سنادی تو انہوں نے کہا کہ کوئی ایسا بچہ ہے جو اسے "طرز" کے ساتھ پڑھ کر سنائے تو میں کھڑا ہو گیا' اس کتاب کو اپنے سامنے رکھ کر "نظم" کو گا دیا.... جس کی مجھے اچھی خاصی داد ملی۔ تو اس قسم کی صلاحیتوں کو محسوس کرتے ہوئے میرے ابا مجھے ریڈیو پاکستان لے گئے اور پھر میٹرک تک میں نے ریڈیو حیدر آباد میں مختلف پروگراموں میں کام کیا جن میں بچوں کے پروگراموں کی تعداد زیادہ تھی۔ بس جو مجھے کہا جاتا تھا میں کر دیتا تھا۔ نعتیں بھی پڑھیں گانے بھی گائے۔ خاکوں میں بھی حصہ لیا۔"

* "پہچان کس نے دی۔ مطلب کس پروگرام نے یا کس گانے نے؟"

☆ "پہچان تو مجھے میری میوزک نے ہی دی۔ میں "ون ہٹ ونڈر" نہیں ہوں۔ مجھے مختلف مراحل سے گزر کر شہرت ملی مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ نیشنل سونگ کنسرٹ ہوا تھا پاکستان ٹیلی وژن میں اس میں میرا ایک سونگ تھا

میرے محبوب وطن اے میرے محبوب وطن
کون کر سکتا ہے میلا تیرا اجلا دامن

میری کمپوزیشن تھی اور میرے استاد نثار بزمی نے بحیثیت مہمان کے شرکت کی تھی۔ اس گانے کو بہت پذیرائی ملی اور یہ نمبرون آیا۔ اس کے بعد "این ٹی ایم" نے بھی مقابلہ کرایا اور اس وقت 50 ہزار ٹیلی فونک ووٹ کے ذریعے یہ گانا نمبرون قرار پایا۔ یہ میری پہلی پہچان تھی۔ اس کے علاوہ کیسٹ کے ایک دو گانے مقبول ہوئے۔ پھر ایک پروگرام ہوا کرتا تھا "میوزک چیلنج" اس کے ذریعے بھی مقبولیت ملی اور جو مجھے بریک تھرو ملا اور جس نے مجھے اسٹار بنایا وہ ایک گانا تھا پنجابی زبان میں کہ "گڈی میری بچادے کوٹھے اتے اڑ گئی" یہ پورے پاکستان میں بہت زیادہ مقبول ہوا اور اس کے کئی لاکھ کیسٹس فروخت ہوئے۔"

* "کمائی کا عمل کب شروع ہوا؟"

☆ "کمائی کا عمل تو چھوٹی عمر سے ہی شروع ہو گیا تھا اور پہلا چیک جو ریڈیو سے ہی ملا تھا وہ میں روپے کا تھا اور بہت تھا میرے لیے۔ دوستوں یاروں کے ساتھ جا کر خرچ کر دیے تھے۔ بڑی ویلیو تھی اس زمانے میں 30 روپے کی... اور جب میرا یہ گانا گڈی والا ہٹ ہوا تو مجھے "لپٹن ٹوبیکو کمپنی" کا برانڈ ایمبیسڈر بنا دیا گیا اور تقریباً" 12 سال برانڈ ایمبیسڈر رہا اور ان کے پلیٹ فارم سے میں نے تقریباً" 200 شو کنسرٹ کیے مختلف شہروں میں اور ملک سے باہر بھی کنسرٹ کیے مثلاً" یو کے اور یو اے ای کئی بار گیا اور یہ میری سب سے بڑی پہلی کامیابی تھی۔"

* "کافی کم عمری سے آپ شوبز کی فیلڈ میں آگئے۔ کیسا پایا اس فیلڈ کے لوگوں کو؟"

☆ "اگر آپ میری رائے پوچھیں تو ہمارے یہاں جب فنکار کے فن سے معاشرے کو فائدہ پہنچنے کا وقت آتا ہے تو اس وقت اس کو ختم کر دیا جاتا ہے یعنی کہا جاتا ہے کہ اب اس کا فن ختم ہو گیا ہے کیونکہ یہ بڑا ہو گیا ہے۔ حالانکہ دوسرے ملکوں میں 70 سال کا انسان بھی سپر اسٹار ہوتا ہے ہمارے یہاں تو فنکار 35 کا ہوتا ہے اور اسے نظروں سے گرانا شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ اس وقت تو اس کا فن میچور ہونا شروع ہوتا ہے اور اس کی مثال میں آپ کو یہ دوں گا کہ جتنے بھی لوگوں کو 40 سال یا اس سے زیادہ عمر میں عروج ملا ہے انہوں نے معرکتہ الآراء چیزیں تخلیق کی ہیں۔ "مہدی حسن" اس کی بہت بڑی مثال ہیں نصرت فتح علی'

راحت فتح علی اور شفقت امانت علی اس کی بڑی مثالیں ہیں تو ہمارے یہاں جب فیض اٹھانے کا وقت آتا ہے تو ہمارا معاشرہ بے فیض ہو جاتا ہے۔"

* "یہ تو ہے۔۔۔ مگر مہدی حسن، راحت فتح علی، نصرت فتح علی اور شفقت امانت علی بھی اس ملک کے لوگ ہیں جن کی بہت قدر ہے ہمارے ملک میں۔۔۔ غصہ آتا ہے ایسی باتوں پر۔۔۔ یا ویسے آپ غصے کے تیز ہیں؟"

☆ "ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔ اور غصہ ایک فطری عمل ہے اور مجھے غصہ اس وقت آتا ہے کہ جب میں کچھ اچھا کر رہا ہوں اور اسے کوئی مان نہ رہا ہو اور کوئی میری محنت پر شک کرے یا میری نیک نیتی پر شک کرے تو مجھے غصہ آتا ہے اور اپنی اس عادت کی وجہ سے میں نے بہت بڑے بڑے پروجیکٹ کھوئے ہیں۔"

* "جنگلز گائے ہیں آپ نے؟"

☆ "بہت جنگلز گائے ہیں اور مڈ 90ء میں کچھ مشہور بھی ہوئے تھے گورنمنٹ کے تھے کچھ، کچھ ہیٹوی کے تھے کچھ یوریا کھاد کے تھے تو پنجاب سائیڈ پہ زیادہ مقبولیت ملی تھی میرے جنگلز کو۔"

* "ملکوں ملکوں گھومے ہیں آپ۔۔۔ تو دل چاہا کہ کسی ملک کی شہریت لے کر یہاں ہی قیام کر لوں؟"

☆ "سچی بات بتاؤں، مجھے برطانیہ بہت پسند ہے اور برطانیہ کی شہریت ہی لینے کا شوق تھا مگر لی نہیں۔۔۔ اور میں یو ایس اے کی شہریت بھی لے سکتا ہوں کیونکہ وہاں میری بیٹی بھی ہے اور میرا بریک اپ بھی اس لیے ہوا کہ میں یو ایس اے نہیں رہنا چاہتا تھا لیکن اگر پاکستان کے علاوہ کہیں رہنے کا موقع ملے یا رہنا چاہوں تو وہ "یوکے" ہوگا۔

* "اس ناموری میں کرائسس سے گزرے؟"

☆ "بہت۔۔۔ ہم تو ہوائی روزی والے لوگ ہیں ہمارے اوپر تو برے وقت آتے جاتے رہتے ہیں، اچھا وقت آتا ہے تو اکاؤنٹ میں دو کروڑ بھی ہوتے ہیں اور

ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اکاؤنٹ میں 30 روپے ہوتے ہیں تو یہ ہم فنکاروں کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔"

* "تو پھر اس ہوائی روزی کو بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرتے ہوں گے؟"

☆ "نہیں۔۔۔ اس لیے کہ میں پیسے کو بچا کر نہیں رکھتا۔ مجھے خرچ کرنا اچھا لگتا ہے اور جہاں خرچ کرنا ہوتا ہے اگر ہاتھ میں پیسہ ہو تو دل کھول کر خرچ کرتا ہوں اور اگر کوئی ضرورت مند مانگ لے تو دینے سے گھبراتا نہیں ہوں۔"

* "کھانے پینے کے شوقین ہیں۔۔۔ اور شہر شہر آپ گھومے ہیں تو کہاں کے کھانے آپ کو پسند آئے؟"

☆ "دوست یار تو جہاں لے جائیں وہاں کھانا کھا لیتا ہوں، لیکن اگر اپنے طور پر کھانے جاؤں تو رحیم یار خان میں ایک ہوٹل ہے جو کہ ظاہر پیر میں ہے وہاں کا نمک گوشت بہت مزے کا ہوتا ہے تو وہ بہت شوق سے کھاتا ہوں۔ اس طرح پشاور میں بھی مخصوص جگہ ہے۔ کراچی میں برنس روڈ پر کیفے لذیذ ہے وہاں پہ بہت

شوق سے کھانا کھاتا ہوں۔ اسی طرح گوجرانوالہ میں اللہ رکھا کے "تکے" بہت مزے دار ہوتے ہیں۔ تو مجھے ہر شہر میں اچھے کھانوں کی جگہیں معلوم ہیں۔ کبھی معلومات لینی ہو تو مجھ سے لے لیجیے گا۔"

* "ہوں۔۔۔ گڈ۔۔۔ زندگی میں ابھی کیا کام کرنا باقی ہے؟"

☆ "زندگی میں ابھی بہت کام کرنے باقی ہیں۔۔۔ آج کل تو میں ڈرامہ سیریل لکھ رہا ہوں اور اسٹوڈیو اور کتاب کے بارے میں تو میں نے آپ کو بتایا ہی ہے ۔۔۔ باقی میوزک تو زندگی کے ساتھ ساتھ ہے اور اداکاری کرنے کا بالکل ارادہ نہیں ہے۔"

* "ہمارے ڈراموں میں شادی کی رسوم و رواج کو بہت پروموٹ کیا جاتا ہے۔۔۔ ایسا ہونا چاہیے؟"

☆ "آپ ڈراموں کی بات کر رہی ہیں میں تو اصل زندگی میں بھی ان رسومات کے خلاف ہوں۔۔۔ اگرچہ یہ رسومات ہماری ثقافت کا حصہ ہیں لیکن ہماری ثقافت کو برباد بھی انہی رسم و رواج نے ہی کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر شادی میں صرف نکاح منعقد کر کے لڑکے اور لڑکی کو رخصت کر دینا چاہیے تو اس تھرڈ ورلڈ کنٹری میں کوئی لڑکا اور لڑکی شادی کے لیے ترسیں گے نہیں۔ صرف نکاح ہونا چاہیے اور مزید کوئی تقریب نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ ان رسومات میں ہونے والے اخراجات کی وجہ سے شادیاں نہیں ہو رہی ہیں۔"

* "مارننگ شو میں بھی بہت پروموٹ کیا جاتا ہے ان رسومات کو۔۔۔ ویسے آپ کے کیا تاثرات ہیں مارننگ شو کے بارے میں؟"

☆ "جی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔ اور جہاں تک تاثرات کی بات ہے تو ایک بات میں ضرور کہوں گا کہ جب تک نادیہ خان شو کرتی تھیں اس وقت تک شوز بہت اچھے ہوتے تھے اس کے بعد تو مارننگ شو بہت برے ہو گئے ہیں اور بڑی عجیب بات تو آپ یہ دیکھیں کہ مارننگ شو کی "ہوسٹ" کو ماہانہ 1500،000 روپے تنخواہ ملتی ہے اور اس میں بلائے گئے مہمان جن کی وجہ سے لوگ پروگرام دیکھ رہے ہوتے ہیں ان کو "فری" میں بلایا ہوا ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے تو اب مارننگ شو بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔"

* "شہرت مسئلہ بنتی ہے؟"

☆ "شہرت تب مسئلہ بنتی ہے جب آپ ڈیفنس کے سنڈے بازار میں لنڈے کے برانڈڈ جوتے یا چیزیں خرید رہے ہوں۔"

* "جھوٹ بولتے ہیں؟"

☆ "جھوٹ نہیں بولتا۔۔۔ اور یہ میں کوئی لفاظی نہیں کر رہا' ایک بار مجھے پتا چلا کہ گناہ کبیرہ میں جو کفر سے بھی بڑھ کر گناہ ہے وہ جھوٹ بولنا ہے اس لیے اس کے بعد سے میں نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا ہے۔"

* "CNG کی لائن میں لگ کر کیا سوچتے ہیں؟"

☆ "بے شمار دفعہ لائن میں لگا ہوں اور یہ سوچتا ہوں کہ اگر وہ دن نہیں رہے تو یہ دن بھی نہیں رہیں گے۔"

* "فلمیں دیکھتے ہیں۔۔۔ کہاں گھر پر یا سینما ہاؤس میں؟"

☆ "فلمیں تو بچپن سے دیکھ رہا ہوں اور جو مزا سینما میں فلم دیکھنے کا ہے وہ گھر پر کہاں۔"

* "کبھی تجزیہ کیا کہ لوگ وقت ضائع کرتے ہیں تو کن چیزوں پر؟"

☆ "ہم دولت کے پیچھے بھاگنے میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ ہم قابلیت کے پیچھے نہیں دوڑتے حالانکہ ہم قابلیت کے پیچھے دوڑیں تو دولت خود بخود ہمارے ہاتھ آ جائے۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے تنویر آفریدی صاحب سے اجازت چاہی۔ شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں وقت دیا۔

☆ ☆

میری بھی سنیے

سارہ عمیر

شاہین رشید

1 "پورا نام؟"
"سارہ عمیر۔"

2 "پسندیدہ نام؟"
"حسنہ اور اپنا نام بھی بہت پسند ہے۔"

3 "پیدائش کی تاریخ؟"
"22 نومبر۔"

4 "میرا لکی نمبر؟"
"میرے خیال سے 3 ہے۔"

5 "کون دن؟"
"شاید کوئی نہیں کیونکہ دن گزرتے تو پتا ہی نہیں چلتا۔ ابھی اتوار آیا تھا ابھی پھر آگیا۔ اف زندگی کتنی فاسٹ ہو گئی ہے۔"

6 "سالگرہ مناتی ہوں؟"
"بہت دھوم دھام سے کوئی منائے یا نہ منائے مگر میں ضرور مناتی ہوں۔ گھر والوں کے ساتھ اور اپنی فرینڈز کے ساتھ بہت انجوائے کرتی ہوں۔ بہت انتظار رہتا ہے اس دن کا۔"

7 "پسندیدہ تہوار؟"
"14 اگست عید اور نیو ایر۔"

8 "مجھے رشک آتا ہے؟"
"اپنی قسمت پر کہ خدا نے اتنی محبت کرنے والی ماں دی۔ محبت تو ساری مائیں کرتی ہیں۔ مگر میری ماں کا
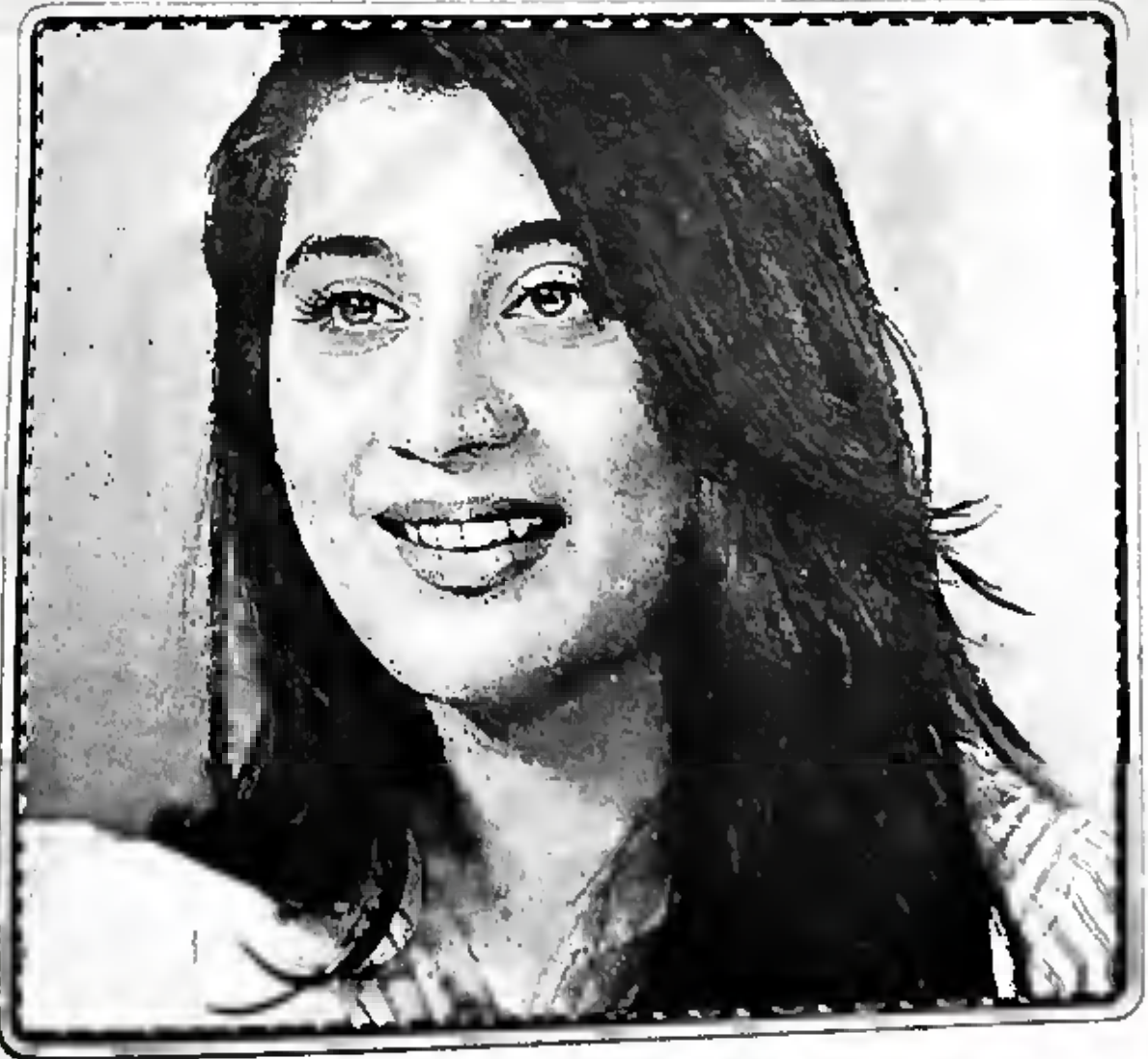
انداز ہی کچھ اور ہے۔ وہ تو میری بہترین دوست بھی ہیں۔"

9 "میگزین جو شوق سے پڑھتی ہوں؟"

"جو ہاتھ لگ جائے... ویسے سچ بتاؤں مجھے پڑھنے وڑھنے کا کوئی شوق نہیں ہے... بس گریجویشن کر لیا بہت ہے۔"

10 "بارش انجوائے کرتی ہوں؟"

"چنکی اور ثانیہ کے ساتھ... حیران نہ ہوں۔ چنکی میری چھوٹی بہن ہے اور ثانیہ میری بہت ہی پیاری کزن ہے جی..."

11 "موسم جو پسند ہے؟"

"سردی اور تیز بارش کا موسم۔"

12 "ڈرتی ہوں؟"

"خود سے کوئی فیصلہ کرنے سے... کیونکہ مجھے اندازہ ہے کہ اگر میں خود سے کوئی فیصلہ کروں گی تو وہ غلط ہی ثابت ہوگا۔"

13 "کون سی تقریبات میں شوق سے جاتی ہوں؟"

"ہر اچھی ترکیب میں... لیکن شادی کی تقریبات بہت پسند ہیں۔"

14 "شادی میں پسندیدہ رسمیں؟"

"مہندی، مایوں وغیرہ۔"

15 "منگنی ہونی چاہیے یا ڈائریکٹ نکاح؟"

"ارے منگنی تو ضرور ہونی چاہیے اور مجھے منگنی کی رسم بہت پسند ہے... اس میں لڑکی اور لڑکے کو زندگی کا یعنی نئی زندگی کا احساس ہوتا ہے۔"

16 "اپنے لباس میں خیال رکھتی ہوں کہ؟"

"مکمل ہو ڈیسنٹ ہو اور میں اچھی لگوں۔"

17 "کون سے لباس پسند نہیں؟"

"جو مکمل نہ ہو جس میں سارا جسم نمایاں ہو رہا ہو اور جس کو دیکھ کر ایک دم لوگ آپ کو دیکھنے پر مجبور ہو جائیں۔"

18 "میں کوشش کرتی ہوں؟"

"کہ جب بھی کوئی کام کروں اپنے گھر والوں سے

مشورہ ضرور کروں کیونکہ اگر خدانخواستہ کوئی کام غلط ہو جائے تو پھر سارا الزام مجھ پر نہ آجائے۔"

19 "شاپنگ میں اولین خریداری؟"

"میک اپ اور جوتے... کریز ہے مجھے۔"

20 "لوگ ملتے ہیں تو بے ساختہ کہتے ہیں؟"

"آپ بہت پیاری ہیں مگر... اور مجھے پتا ہے کہ مگر کے پیچھے کیا ہوتا ہے اب موٹا ہونا میرے اختیار میں تو نہیں ہے نا۔"

21 "مردوں میں کیا بات پسند نہیں؟"

"کوئی ایک بات ہو تو بتاؤں... باتیں دل میں رکھتے ہیں۔ کچھ زیادہ ہی انا پرست ہوتے ہیں اور ہر بات میں کوئی نہ کوئی مین میخ ضرور نکالتے ہیں۔"

22 "کھانے کا مزا کہاں آتا ہے؟"

"کے ایف سی میں۔"

23 "شاپنگ کا مزا کہاں آتا ہے؟"

"ڈالمن سینٹر، پارک ٹاور، فورم وغیرہ وغیرہ ہر اچھا شاپنگ مال میری کمزوری ہے اور میں ضرور ایک بار ٹرائی کرتی ہوں۔ ویسے جہاں سے اچھی اور پسند کی چیز

مل جائے ضرور خرید لیتی ہوں۔"

24 "مشروب جو شوق سے پیتی ہوں؟"

"پانی پانی پانی اس سے بہتر دنیا کا کوئی مشروب نہیں ہے۔ ویسے مجھے پاکولا بھی بہت پسند ہے۔"

25 "نصیحت جو گرہ سے باندھی؟"

ہاہا.... ہاہا ایک کان سے سنی دوسرے سے نکال دی۔ گھر والے میری بھلائی کے لیے بہت نصیحتیں کرتے ہیں مگر کوئی نصیحت آج تک گرہ سے نہیں باندھی۔"

26 "آنکھ کھلتے ہی کیا کرتی ہوں؟"

"اپنے اطراف کا جائزہ لے کر موبائل چیک کرتی ہوں۔"

27 "ماں کی ایک بات جو بری لگتی ہے؟"

"میری ماں میری بہترین دوست ہیں۔ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں مگر جب وہ مجھے کہتی ہیں کہ تم موٹی ہو رہی ہو تو مجھے ان کی بات بری لگتی ہے۔ بھئی میں کوئی اپنی خوشی سے تو موٹی نہیں ہو رہی۔"

28 "دوسروں کی ایک بات جو بری لگتی ہے؟"

"بس مجھے کوئی کھانے پینے سے نہ روکے.... لوگ زندہ رہنے کے لیے کھاتے ہیں میں کھانے کے لیے زندہ رہنا چاہتی ہوں۔"

29 "گزرا ایک دور جو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں؟"

"وہ دور جب پاکستان کی آزادی کے لیے لوگ جدوجہد کر رہے تھے اور پھر وہ وقت جب پاکستان آزاد ہوا تھا اور لوگ بہت خوش تھے ایک آزاد ملک پا کر۔"

30 "24 گھنٹوں میں کون کون سے وقت اچھے لگتے ہیں؟"

"شام کا جب سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے۔ بہت حسین منظر لگتا ہے سورج کے غروب ہونے کا اور پھر رات کا وقت۔"

31 "اگر میرے اختیار میں ہو تو؟"

"تو کے ایف سی اور میکڈونلڈ کو اپنے نام کرالوں اور پھر جی بھر کے کھاؤں دن رات۔"

32 "سات دنوں میں میرے پسندیدہ دن؟"

"ہفتہ اور پیر اس لیے کہ ہفتہ ویک اینڈ شروع ہوتا ہے۔ گھر والوں کے ساتھ ٹائم گزارنے کا موقعہ ملتا ہے۔ گھومنے پھرنے کا مزا آتا ہے اور پیر کا دن اس لیے کہ نیا دن نئے کام کا آغاز۔"

33 "گھر جہاں سکون ملتا ہے؟"

"اپنے بیڈ روم میں اس سے اچھی جگہ ہی نہیں کوئی۔ انسان کی پناہ گاہ ہے۔"

34 "میں پلاننگ کرتی ہوں؟"

"باتھ روم میں بیٹھ کر بہت پرسکون جگہ ہوتی ہے، جہاں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ بہت کچھ سوچنے کو مل جاتا ہے۔"

35 "گھومنے پھرنے کے لیے میری پسندیدہ جگہ؟"

"سی ویو سمندر کی لہروں کو دیکھ کر بہت اچھا بھی لگتا ہے اور بہت سکون بھی ملتا ہے، قدرت کے اس حسین نظارے کو دیکھ کر خدا پر بہت پیار آتا ہے۔"

36 "میں بہت گھبراتی ہوں؟"

"گھر کے کام کرتے ہوئے پتا نہیں کیوں مجھے گھر کے کام کرنے میں مزا نہیں آتا۔"

37 "گھر والوں کا ایک الزام جو برداشت نہیں؟"

"کوئی کام بگڑ جائے سارہ نے بگاڑا ہوگا، کوئی کام غلط ہو جائے تو مجھ پر الزام۔ حتیٰ کہ گھر سے چاکلیٹ غائب ہو جائے تب بھی مجھ پر ہی الزام آتا ہے۔"

38 "اجنبی سے دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کیا کہتی ہوں؟"

"السلام علیکم، کیسے ہیں اور نائس ٹو میٹ یو اور آخری جملہ اس وقت بولتی ہوں جب وہ واقعی مجھے اچھا لگے یا اچھی لگے۔ ایسے ہی نہیں سب کے لیے نائس ٹو میٹ یو کہہ دیتی ہوں۔"

39 "میری بری عادت؟"

"کہ میں بات کرتے وقت ہاتھ بہت ہلاتی ہوں اور ایک بری عادت یہ بھی ہے کہ جب مجھے غصہ آتا ہے تو

اپنی پیاری چیز کو مارنے لگتی ہوں یا توڑ دیتی ہوں۔"
40 "اور اچھی عادت؟"
"ہنس ہنس کر بات کرنا سب کے ساتھ خوش اخلاقی سے بات کرنا سب کو اپنا گرویدہ بنا لیتا۔"
41 "میں نقصان اٹھاتی ہوں؟"
"دوسروں پر بھروسہ و اعتماد کر کے کبھی کبھی تو مجھے اپنی یہ عادت بری لگنے لگتی ہے۔"
42 "جھوٹ بولتی ہوں؟"
"اپنی وجہ سے نہیں دوسروں کی وجہ سے کہ ان پر کوئی حرف نہ آئے... بھلے خود پھنس جاؤں مگر دوسروں کو بچا لیتی ہوں اور میرے خیال میں یہی انسانیت ہے۔"
43 "میں تپ جاتی ہوں؟"
"جب کوئی مجھے یا میرے موٹاپے پر اٹیک کرے۔"
44 "کن فنکاروں کی فلمیں شوق سے دیکھتی ہوں؟"
"کرینہ کپور، ریتک روشن اور سلمان خان کی۔ میرے پسندیدہ ترین آرٹسٹ ہیں۔"
45 "دنیا کی سب سے قیمتی چیز؟"
"ماں اور ماں کی دعائیں۔"
46 "گھر سے نہیں نکلتی؟"
"جب تک ماں کی دعا نہ لے لوں۔"
47 "کیا بھول جانے پر دوبارہ گھر آتی ہوں؟"
"موبائل فون۔"
48 "کھانا نا مکمل لگتا ہے؟"
"اگر کھانے کی ٹیبل پہ ابلے ہوئے چاول نہ ہوں تو۔"
49 "مذہبی ہوں؟"
"الحمد للہ... کوشش کرتی ہوں کہ ساری نمازیں پڑھوں اگر ساری نہ پڑھ سکوں تو دو تین تو ضرور ہی پڑھ لیتی ہوں۔"
50 "ڈرائیونگ کے وقت سنتی ہوں؟"
"میوزک بہترین قسم کا... خاص طور پر شفقت امانت علی کو تو بہت شوق سے سنتی ہوں۔"
51 "بیگ میں کیا چیز لازمی رکھتی ہوں؟"
"پیسے، میک اپ کی ضروری چیزیں اور موبائل۔"
52 "مجھے ڈر لگتا ہے؟"
"کیڑے مکوڑے سے اور خاص طور پر لال بیگ... اف جان جاتی ہے میری۔"
53 "شہرت نے بگاڑا یا سنوارا؟"
"میں تو یہی کہوں گی کہ شہرت نے مجھے سنوارا ہی ہے۔ مجھ میں تو ذرا بھی نخرہ نہیں ہے لوگ کہتے ہیں تم تو پہلے سے زیادہ ملنسار ہو گئی ہو۔"
54 "اپنے ملک کے کن شہروں میں دل لگتا ہے؟"
"کراچی اور لاہور بہترین شہر ہیں ہر لحاظ سے۔"
55 "کن رنگوں کے لباس زیادہ پسند ہیں؟"
"ہرا اور پیلا۔"
56 "میری نظر میں خوب صورت ترین مرد؟"
"دو ہیں۔ ایک سلمان خان اور دوسرا ریتک روشن۔"
57 "موبائل فون کے بغیر زندگی؟"
"ادھوری ہے۔ اب تو اتنی عادت ہو گئی ہے کہ اس کے بغیر گزارا مشکل ہے۔"
58 "موبائل فون کے نقصانات؟"
"ہاں... زیادہ استعمال کرنے سے ایک تو اسکن خراب ہوتی ہے اور پھر پرائیوی بھی نہیں رہتی۔"
59 "مسائل شیئر کرتی ہوں؟"
"اپنی ماں سے۔"
60 "پسندیدہ چینل؟"
"سب ہی اچھے ہیں... لیکن ہم اور جیو شوق سے دیکھتی ہوں... آج کل جیو بند ہے تو بور ہو جاتی ہوں۔"

آواز کی دنیا سے

آصف ملک ریاض

شاہین رشید

آل راؤنڈر صرف کرکٹ کی دنیا میں ہی نہیں ہوتے بلکہ اگر آپ اپنے اردگرد نظر دوڑائیں تو آپ کو بہت سے ایسے لوگ بھی ملیں گے جو بیک وقت تین چار فیلڈ میں تو ضرور ہی "ان" ہوں گے۔ مثلاً "وہ جاب بھی کر رہے ہوں گے اور میڈیا کی فیلڈ میں بھی ہوں گے۔ ہمیں ایسے لوگوں کو بھی آل راؤنڈر کہنا چاہیے۔ آصف ملک ریاض صاحب کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔

★ "جی کیسے ہیں آصف ملک ریاض صاحب... اور آپ کا نام کچھ زیادہ لمبا نہیں ہو گیا؟"

* "میرا آفیشل نیم محمد آصف ریاض ہے جبکہ ریڈیو اور دیگر جگہوں پہ آصف ملک ریاض ہے اصل میں ہماری کاسٹ ملک ہے اور جب میں نے ریڈیو ایف ایم جوائن کیا تو آصف ملک مشہور ہو گیا۔ تو بس وہ ہی سب کی زبان پر چڑھ گیا۔"

★ "یہ بتائیں کہ آج کل کیا مصروفیات ہیں اور کیا کیا کر رہے ہیں؟"

* "میرا مین تعلق تو "ایچ آر" کی فیلڈ سے ہے۔ کیونکہ میں نے ایم بی اے 'ایچ۔ آر' میں کیا ہے اور مختلف جگہوں پہ میں نے جاب کی اور اب تقریباً"2 سال سے پاکستان کے سب سے بڑے میڈیا کے ادارے سے وابستہ ہوں اور "اسٹیٹ منیجر ایچ آر کی

وسٹ پہ اور عنقریب ان شاء اللہ میڈیا سائنسز میں ڈگری لینے کا ارادہ بھی ہے تو جناب میڈیا بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ جاب بھی ایچ۔ آر کی چل رہی ہے اور ساتھ ہی ریڈیو ایم ایف 105 بھی چل رہا ہے۔"

★ "آپ کی آواز ماشاء اللہ بڑی اچھی ہے بھاری بھرکم اور رعب دار تو کیا صرف ریڈیو پہ ہی کرتے ہیں پروگرام یا کہیں اور بھی؟"

✻ "جی آواز کے لیے تو سب تعریف کرتے ہیں اور لوگ میری آواز سے سمجھتے ہیں کہ میں کوئی تھوڑا عمر رسیدہ بندہ ہوں اور میری عمر 30'35 سال ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ ابھی گزشتہ سال ہی میں نے اپنی سلور جوبلی انجوائے کی ہے۔ بس اللہ نے پرسنلٹی ایسی دی ہے کہ میں اپنی عمر سے بڑا لگتا ہوں۔"

★ "تو اپنی پرسنلٹی کا فائدہ اٹھا کر آپ ٹی وی پہ بھی آجائیں؟ کیمرے کے پیچھے تو ہیں ہی آگے بھی آجائیں"

✻ "ٹی وی پہ جانے کا ارادہ ہے اور ٹی وی کے ترکش ڈراموں کے لیے میری آواز بہت پسند کی جاتی ہے اور ڈرامہ سیریل "میرا سلطان" سے میں نے ڈبنگ کا آغاز کیا اور مین رول میں میری آواز تھی ینگ رول تھا اور میں تو فیلڈ میں ہی ینگ ہوں کیونکہ ابھی ڈیڑھ سال پہلے ہی میں آیا ہوں ریڈیو اور جب ڈبنگ کے لیے گیا دو تین ڈراموں کی ڈبنگ کی آفرز آگئیں جو کہ میں نے ایکسپٹ کی۔ وہیں پر اردو ون کے ڈراموں کی ڈبنگ کی آفرز آئیں اور اب اردو ون والوں نے اپنا اسٹوڈیو کھول لیا ہے پہلے وہ پرائیویٹ پروڈکشن سے ڈرامہ بنواتے تھے تو اب جب سے ان کا اپنا اسٹوڈیو بنا ہے انہوں نے مجھے بھی ہائر کر لیا ہے اور اب ان شاء اللہ ان کے ڈراموں کے لیے بھی کام شروع ہو گا۔ ڈراموں کے جو میچور رول ہوتے ہیں ان پر میری آواز بہت سوٹ کرتی ہے۔"

★ "تو کب سے شوق ہے ان سب کاموں کا؟"

✻ "اگر زمانہ طالب علم کی بات کروں تو اسکول کی غیر نصابی سرگرمیوں میں بہت حصہ لیا کرتا تھا۔ میں ایک اچھا ایکٹر بھی ہوتا تھا اور ہر کام میں پیش پیش رہتا تھا خواہ اسپورٹس ہوں، ہوسٹنگ ہو، اداکاری ہو، تقریری مقابلے ہوں یا پھر گانے کے مقابلے ہوں اور آپ کو بتاؤں کہ کلاس 5 سے لے کر میٹرک تک اسکول میں صبح کے وقت جو "قومی ترانہ" پڑھا جاتا تھا وہ میں ہی پڑھتا تھا۔۔۔ آواز اتنی تیز تھی کہ بغیر اسپیکر کے بھی سب کو سنائی دیتی تھی۔ لوگوں نے بہت فورس کیا۔ تو آیا پھر اس پروفیشن میں یہ اور بات ہے کہ مجھے اپنی جگہ بنانے کے لیے خواری بھی کرنی پڑی اور بھاگ دوڑ بھی۔۔۔ اور اللہ نے محنت کا پھل دیا اور اب ان شاء اللہ ٹی وی پہ بھی ضرور آؤں گا کسی نہ کسی فیلڈ میں مطلب کیمرے کے سامنے۔"

★ "آپ کے بولنے کا جو اسٹائل ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے کسی نے آپ سے یہ نہیں کہا کہ اینکر بن جائیں کسی ٹی وی چینل کے لیے؟"

✻ "میرا رجحان اسی طرف ہے اور مجھے میرے دوستوں وغیرہ نے کہا بھی ہے۔ مگر میں قدم بہ قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں جاب بھی کر رہا ہوں۔ ریڈیو بھی اور ڈبنگ بھی میرے پاس فائن آرٹ کی جاب ہے اور ایچ آر الگ مجھے دیکھنا ہوتا ہے۔ تو ان تین کاموں کے بعد جو تھے کام کے لیے تھوڑا ٹائم مینیج کرنا ہے۔۔۔ لیکن خیر، ان شاء اللہ 2015ء میں میں ہوسٹنگ کروں گا اور اداکاری کی طرف بھی جاؤں گا۔

★ "ہوسٹنگ کی بات کر رہے ہیں تو کیا مارننگ شو کرنے کا بھی ارادہ ہے؟"

✻ "مجھے ریڈیو کے بعد اگر شوق ہے تو پروگرام ہوسٹنگ کا، لیکن مارننگ شو اس لیے نہیں کروں گا کہ مجھ سے اٹھا نہیں جاتا۔۔۔ ریڈیو کے لیے بھی مجھے مارننگ شو کی پیشکش ہوئی اور میں نے دو ہی پروگرام کیے۔۔۔ بس پھر نہیں کیے کہ صبح صبح اٹھا نہیں جاتا۔۔۔ رات کو بے شک آپ مجھے دو بجے تک جگا لیں اور میں نے تو لیٹ نائٹ شوز بھی کیے ہیں۔۔۔ کرنے کو تو کر لوں گا مگر مسئلہ ضرور ہو گا۔"

★ "کبھی شو میں لیٹ ہوئے؟ کام کو کام سمجھ کر کرتے ہیں یا اس میں آپ کے شوق کا بھی عمل دخل ہے؟"

* "الحمدللہ کبھی نہیں 105 ایف ایم میں تقریباً ڈیڑھ سال سے ہوں کبھی لیٹ نہیں ہوا کبھی پروگرام مس نہیں کیا آفس بھی وقت پر پہنچتا ہوں۔ وقت کی پابندی کا ہمیشہ خیال رکھتا ہوں اور ہمیشہ آدھا گھنٹہ پہلے ہی پہنچ جاتا ہوں اور کام کو کام سمجھ کر تو کرتا ہی ہوں مگر اس میں شوق کا بھی عمل دخل ہے کیونکہ جس کام کو آپ کو شوق ہے اسے تو آپ ہر حالت میں کریں گے خواہ آپ کے گلے پہ چھری بھی رکھی ہو آپ کہیں گے کہ وہ کام تو میں کروں گا ہی۔ میرا تو یہ بھی کہنا ہے کہ کام کرو تو شوق سے کرو' دلچسپی سے کرو... ورنہ مت کرو۔"

★ "میڈیا میں' ریڈیو میں اور ہر فیلڈ میں اپنے آپ کو منوانے کا شوق تو سب کو ہوتا ہے۔ مگر راستہ کوئی نہیں دکھاتا... آپ کیسے آئے اس فیلڈ میں؟"

* "میں نے "ویب ریڈیو" سے شروعات کی یہ بات ہے 2012ء کی اس وقت میں ایم بی اے کے ساتھ جاب بھی کرتا تھا مجھے ویب ریڈیو سے سیکھنے کو بہت کچھ ملا... تب میں نے ایف ایم 100 میں اپلائی کیا وہاں رسپانس تو اچھا رہا لیکن انہوں نے ویٹنگ لسٹ میں شامل کرلیا... چونکہ مجھ سے اب انتظار نہیں ہو رہا تھا اس لیے میں نے ایف ایم 99 میں بھی آڈیشن دے دیا وہاں مجھے کہا گیا کہ ابھی "آر جے" کے شوز کو ہم نے روک دیا ہے۔ تو وہاں سلیکٹ ہونے کے باوجود شو شروع نہ کرسکا۔ ایک مہینہ انتظار کیا مگر جب کوئی کال نہ آئی... تو ایف ایم 103 والوں کے یہاں آڈیشن دیا اور آڈیشن دے کر باہر آیا ہی تھا کہ پروگرامنگ منیجر نے مجھے روکا اور کہا کہ ہمیں آپ کی آواز اور اتار چڑھاؤ بہت اچھا لگا اور کہاں کا تجربہ ہے تو میں نے انہیں ویب ریڈیو کے بارے میں بتایا۔ مگر جناب ایک اچھا رسپانس ملنے کے باوجود وہاں بھی ٹائمنگ کے کچھ ایشو آڑے آگئے۔ حسنی نوید آفریدی کے ساتھ مجھے کام کرنے کا موقع ملا اور میں نے تقریباً" تین ماہ ایف ایم 103 میں گزارے۔ میں دن میں جاب کرتا تھا تو دن میں شو نہیں کرسکتا تھا۔ پھر مجھے موقعہ ملا ایف ایم 105 میں آڈیشن دینے کا... وہاں پروگرامنگ منیجر "یاسر قاضی" نے سلیکشن کیا اور ایک ہی ہفتے کے بعد میرا شو شروع ہوگیا اور آج تک میں وہیں ہوں۔ اپنے پہلے شو میں مجھے کہا گیا کہ آپ صرف نوے 90 کی دہائی کے گانے پلے کرسکتے ہیں... یہ شو میرے اسٹائل سے ذرا ہٹ کے تھا۔ کیونکہ میں تو ذرا "چل" شو کرنے والا بندہ تھا۔ تو وہ 90ء کی تھیم کو لے کر چلنا اور دوپہر کو شو کرنا میرے لیے ایک نیا تجربہ تھا... یاسر قاضی بھائی نے بہت سکھایا اور ان کے ساتھ کام کرکے بہت اچھا لگا۔"

★ "کیا ایکسائٹمنٹ تھی؟ کیونکہ آپ مختلف ایف ایم سے گزر کر آئے تھے؟"

* "بہت زیادہ تھی اور آڈیشن کے ایک ڈیڑھ ہفتے کے بعد کال آئی تھی اور اس دن میں بہت خوش تھا۔ 103 پہ جب پہلا شو کیا تو وہ پری پلان ہوتا تھا 105 پہ مجھے یہ کہا گیا کہ 90ء کے گانوں کا یہ شو ہے باقی آپ کو سب کچھ خود کرنا ہے یعنی فری ہینڈ دے دیا انہوں نے میں نے 90ء کے شو کو اپنے انداز میں کیا تو سامعین نے بہت پسند کیا۔"

★ "لائیو کالز میں کس کیٹگری کے لوگ زیادہ ہوتے ہیں۔ لڑکے لڑکیاں' خواتین' نوجوان' مرد حضرات یا ادھیڑ عمر کے لوگ؟"

* "یہ بڑے مزے کی بات ہے کہ اگر لڑکا شو کر رہا ہے تو اس کو سننے والی 90 فیصد لڑکیاں ہوں گی اور اسی طرح لڑکی کے ساتھ ہے... اور میں اپنی لائیو کالز میں پہلے سے ہی کہہ دیتا ہوں کہ آپ نے اپنی زبان و بیان کا بہت خیال رکھنا ہے۔ اس لیے کبھی ایسی کال آئی نہیں کہ سوچ آف کرنا پڑا ہو۔ البتہ SMS بہت ایسے آتے ہیں جس میں لوگ پرسنل ہو جاتے ہیں۔"

★ "آپ بتا رہے ہیں کہ ریڈیو میں اتنی سیلری نہیں ہوتی کہ گزارہ کیا جاسکے تو اب تو یہ میڈیا بھی پروفیشن

بن گیا تو پھر یہاں ترقی کیوں نہیں ہو رہی؟"
* قہقہہ "یہ تو ہائر مینجمنٹ ہی جانتی ہو گی۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ جب نیا آر جے ایف ایم جوائن کرتا ہے تو اس وقت اس کی سیلری کم ہوتی ہے اور بڑھتی بھی ہے تو سال دو سال میں 2'3 سو کے قریب۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ جب آپ سینئر ہو جاتے ہیں تو وہ وقت جو آپ نے ریڈیو کو دیا ہوتا ہے وہ آپ کیش آؤٹ کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی اتنا نہیں ہے کہ اسے ہینڈسم کہا جائے۔۔۔ ہاں ڈبنگ میں پیسہ بہت زیادہ ہے ڈبنگ میں آپ کی ایک قسط بھی ریڈیو سے ڈبل پے منٹ دیتی ہے تو اس سے اندازہ لگا لیں کہ کہاں ریڈیو اور کہاں ڈبنگ..... ڈبنگ میں تو آپ کو لکھی ہوئی تیس چالیس لائنیں بولنی ہوتی ہیں لیکن ریڈیو میں تو آپ کو خود شو کرنا ہوتا ہے۔ فی البدیہہ بولنا بھی ہوتا ہے۔ پوری ذمہ داری آپ پر ہوتی ہے اور غلطی پہ جواب دہ بھی آپ ہی ہوتے ہیں تو اس لحاظ سے ریڈیو کی پے منٹ بہت کم ہے۔"

★ "نوجوان شارٹ کٹ ڈھونڈتے ہیں کہ وہیں جائیں جہاں سیلری اچھی ہو۔ ایسا ہے نا؟"

* "بالکل ہے اور یہ وہ نوجوان ہوتے ہیں جنہیں صرف ذریعہ معاش چاہیے ہوتا ہے۔ لیکن جنہیں اپنے کام سے دلچسپی ہوتی ہے وہ بغیر پیسوں کے بھی شو کر لے گا جس طرح میں نے شروع شروع میں کیا۔ لیکن میں خوش تھا کہ میں کچھ سیکھ رہا ہوں اور مجھے احساس تھا کہ جب میں سیکھ جاؤں گا تو پھر بہت کچھ کما بھی لوں گا۔"

★ "اسکرپٹ لکھتے ہیں۔ فی البدیہہ بولتے ہیں؟"

* "میرا سسٹم کچھ عجیب سا ہے کہ جب میں بہت تیاری کے ساتھ آتا ہوں تو وہ چیز کچھ ٹھیک نہیں ہو پاتی .... لیکن ہر وہ بات جو میں نے صرف پڑھی ہے اور جو صرف میرے مائنڈ میں ہے۔ اس کے لیے مجھے فی البدیہہ بولنا ہے تو وہ اچھی ہو جائے گی یعنی وہ پروگرام اچھا ہو جائے گا۔ خود سے بولنا اور ایک بات سے دس باتیں نکالنا میری کوالٹی ہے۔"

★ "آواز کی دنیا کے لوگوں کو سامعین کس طرح

پہچانتے ہوں گے؟ دل تو چاہتا ہوگا؟"

* "مجھے لوگ پہچانتے ہیں اور مجھے یاد ہے کہ تین سال قبل مجھے نیوی میوزیم میں جانے کا اتفاق ہوا اپنے فرینڈز کے ساتھ تو وہاں چار لڑکیوں نے جو کہ ٹین ایج کی ہوں گی میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا میرے دوست نے کہا کہ کچھ گڑبڑ ہے یہ ہمارے پیچھے کیوں آرہی ہیں۔ خیر ان سے پوچھا تو انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "آپ آصف ملک ریاض ہیں نا" جبکہ مجھے ریڈیو پہ آئے بہ مشکل ایک سال ہوا تھا۔ تو جس بچی نے مجھ سے پوچھا تھا وہ اتنی زیادہ ایکسائٹڈ تھی کہ آج بھی میں اس کا فیس یاد کرتا ہوں تو میری ہنسی نکل جاتی ہے۔ تو میں نے پوچھا کہ کیسے پہچانا تو کہنے لگی کہ فیس بک پہ آپ کی پروفائل تصویر دیکھی تھی۔۔۔ اور آپ کو بتاؤں کہ لوگ مجھے ہمایوں سعید سے مشابہہ کہتے ہیں تو جب لوگ ملتے ہیں تو دس میں سے آٹھ لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ آپ ان کے چھوٹے بھائی ہیں کیا۔"

★ "اب فیملی بیک گراؤنڈ بتایئے؟"

* "والدین کا تعلق پنجاب سے ہے والد صاحب گھر میں بڑے تھے دادا کے انتقال کے بعد ساری ذمہ داری ان پر آگئی تو بہت جدوجہد میں انہوں نے اپنی زندگی گزاری۔۔۔ کراچی آکر انہوں نے "آرمی" جوائن کی اور ابھی تک آرمی میں ہیں اور جب میں کراچی آیا تو میری عمر تین سال تھی میری پیدائش 1988ء یکم جولائی کی ہے۔ تو ساری پرورش آرمی بیس میں ہی ہوئی۔ والدہ ہاؤس وائف ہیں۔ لیکن میں والدہ کے بارے میں کچھ بتانا چاہوں گا کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں اس میں 100 فیصد کریڈٹ میری والدہ کو جاتا ہے کیونکہ ان کا ڈنڈا۔ ان کا "تھپڑ" اور ان کا مکا ہمیشہ یاد رہے گا۔ وہ پڑھائی سے بے حد محبت کرتی ہیں' دیوانگی کی حد تک۔ انہوں نے سرگودھا بورڈ سے مڈل کے امتحان میں سیکنڈ پوزیشن حاصل کی تھی' میٹرک کے بعد انہیں پڑھنے کی اجازت نہیں ملی تو انہوں نے ساری کمی اپنے بچوں میں پوری کی۔ پوری پوری رات جگا کے 'مار کے' پڑھائی پہ کبھی کمپرومائز نہیں کیا انہوں نے۔ ساری ذمہ داری والدہ نے پوری کی اور والد صاحب نے تو پوچھا بھی نہیں کہ بیٹا جی کیا پڑھ رہے ہو۔ کیا کر رہے ہو اور جب والدہ پڑھائی کے لیے مارتی تھیں تو وہ کہتے تھے کہ کتنا مارو گی تو کہتی تھیں کہ آپ سائیڈ پہ ہو کے بیٹھ جائیں۔"

★ "والدہ اتنی سخت ہوں تو بچے بگڑ بھی تو جاتے ہیں؟"

* "ہمارے والد صاحب نے بالکل بھی سخت ہاتھ نہیں رکھا مجھے نہیں یاد کہ کبھی مارا ہو یا غصہ کیا ہو پوچھتے ہی نہیں تھے تو ہوا یہ کہ شروع سے ہی مجھے پلس پوائنٹ یہ ملا کہ اپنے فیصلے میں خود کرتا تھا' میٹرک کے بعد جب پڑھائی مشکل ہوئی تو پھر والدہ کا ہولڈ تھوڑا کم ہو گیا۔"

★ "گھر میں بڑے ہیں شادی کب کر رہے ہیں؟"

* "ان شاء اللہ دو سال تک کر لوں گا اور پسند نہ پسند کے بارے میں سوچا نہیں ہے۔۔۔ لیکن فائنل فیصلہ تو والدین کا ہی ہوگا۔ ویسے فیملی میں کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔"

★ "مزاج کے کیسے ہیں؟"

* "تھوڑا موڈی ہوں۔ کچھ لوگ کھڑوس بھی کہتے ہیں۔۔۔ جو قریبی لوگ ہیں وہ کہتے ہیں کہ جن کے یہ قریب ہیں بہت قریب ہیں اور جن سے دور ہیں ان سے بہت دور ہیں' فریش موڈ میں خوب محفل جماتا ہوں۔"

"چلیں جی۔۔۔ اب اجازت دیں ان شاء اللہ پھر بات کریں گے۔"

☆ ☆

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن عریشہ میں ہے۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کر لیا شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔

فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے، جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔

فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی نصرہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۵
پانچویں قسط

وہ صحن میں کرسی ڈالے بیٹھی ہوئی جانے کن خیالوں میں گم تھی، مریم اس کے قریب ہی رکھے تخت پر بیٹھی اپنا ہوم ورک کررہی تھی آج اس نے ٹیوشن کے بچوں کو چھٹی دے دی تھی کیونکہ جگنو کو رات سے ہی بخار تھا اور وہ ابھی ابھی فیڈر لے کر سوئی تھی کہ اچانک ہی باہر کا دروازہ کھول کر فضہ بھابھی اندر داخل ہوئیں جس کے ساتھ ہی ان کے قیمتی پرفیوم کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی وہ انہیں دیکھتے ہی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم بھابھی آج آپ کیسے راستہ بھول گئیں۔"

اتنے دنوں بعد انہیں اپنے گھر دیکھ کر زینب کو حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی وہ ویسے بھی شاید دوسروں کے رویے جلد بھلا دینے کی عادی تھی۔

"چلو میں تو خیر پھر بھی بھول گئی تم تو وہ بھی نہیں بھولتیں۔"

اسے گلے سے لگاتے ہوئے وہ جتانا نہیں بھولیں۔

"بس بھابھی ٹائم ہی نہیں ملتا، مریم کے امتحان ہونے والے ہیں جبکہ جگنو کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور آپ تو جانتی ہی ہیں کہ وہ کس قدر کمزور سی ہے اس عمر کے بچے تو بھاگنے دوڑنے لگتے ہیں مگر وہ ہے کہ گود سے ہی نہیں نکل رہی۔"

"ہاں یہ تو ہے اور پھر تم پر تو آج کل دوسرے گھر کی ذمہ داری آن پڑی ہے۔"

اندر برآمدے کی طرف جاتے جاتے انہوں نے پلٹ کر کہا۔

"دوسرا گھر....."

زینب کی کچھ سمجھ میں نہ آیا اور اس نے سوالیہ انداز میں پوچھتے ہوئے ان کی کرسی عین پنکھے کے نیچے رکھ دی ویسے تو اب موسم خاصا تبدیل ہو چکا تھا مگر پھر بھی فضہ بھابھی کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید انہیں ابھی بھی گرمی محسوس ہو رہی ہے۔

"ہاں بھئی سنا ہے سالار کا گھر بھی تم نے ہی سنبھالا ہوا ہے۔"

ذو معنی جملہ کہتے ہوئے وہ کرسی پر بیٹھ چکی تھیں جب زینب ان کے لیے پانی کا گلاس لے کر آئی جسے خلاف توقع انہوں نے تھام بھی لیا۔

"گھر تو خیر میں نے کیا سنبھالنا ہے ان کے ہاں نوکروں کی کمی نہیں ہے البتہ نازیہ پچھلے دنوں خاصی بیمار رہی ہے بس اس کو تھوڑا بہت سنبھالا وہ بھی اس لیے کہ اس بے چاری کا کوئی قریبی عزیز یہاں نہیں ہے۔"

بنا فضہ بھابھی کی بات کی گہرائی جانچے اس نے نہایت سادگی سے ہر بات کی وضاحت کردی۔

فضہ بھابھی نے اس کی بات کا جواب دینا شاید ضروری نہ سمجھا اور خاموشی سے گھونٹ گھونٹ کرکے پانی حلق سے اتارنے لگیں۔

"میں اور اسفند صمد سے ملنے دبئی جارہے ہیں بچوں کی بھی چھٹیاں ہونے والی ہیں سوچا اسی بہانے وہ بھی تھوڑا گھوم پھرلیں گے۔"

انہوں نے خالی گلاس زینب کو تھماتے ہوئے اس پر ایک نظر ڈالی۔

"اس لیے سوچا جانے سے پہلے تم سے بھی ملتی جاؤں۔" ٹانگ پر ٹانگ دھرتے وہ ایک ادا سے بولیں۔

"چلیں یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔" صرف اتنا کہہ کر وہ کچن میں آگئی الماری کھول کر دیکھا وہ دن قبل لائے گئے سالار کے سامان میں سے کافی کچھ بچا پڑا تھا اس نے اسٹول رکھ کر اوپر والے خانے سے شیشے کی سفید پلیٹیں نکالیں جو مہمانوں کے لیے سنبھال کر رکھی تھیں ایک پلیٹ میں بسکٹ نکالے اور پھر فریج کھول کر بچا ہوا کیک نکالا، کچھ فروٹ پلیٹ میں رکھ کر وہ ٹرے لیے اندر آگئی۔

"مریم یہ ٹیبل تائی اماں کے سامنے رکھو۔"
مریم نے اس کے پکارتے ہی قریب رکھی پلاسٹک کی ٹیبل فضہ بھابھی کے قریب کردی جس پر زینب نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ٹرے رکھ دیا آج شاید زندگی میں پہلی بار اس نے فضہ بھابھی کی اتنی خاطرداری کی تھی وہ بھی ان کے معیار کے مطابق۔
وہ ٹرے رکھ کر واپس ہی پلٹی تھی کہ فضہ بھابھی کی پیچھے سے آتی آواز نے اس کے بڑھتے قدم روک دیے۔
"ارے یہ کیک کون لایا ہے؟" عقب سے آتی فضہ بھابھی کی آواز میں حیرت کے ساتھ ساتھ تجسس کا عنصر بھی نمایاں تھا اب اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ انہیں کیا جواب دے۔
"جانتی ہو یہ میرا فیورٹ کیک ہے اور خاصا مہنگا آتا ہے۔"
کیک کا ایک پیس کاٹ کر اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے ہی انہوں نے جتلایا۔ وہ کچھ نہ بولی اور خاموشی سے کچن میں آگئی جلدی جلدی دو کپ چائے کے بنائے اور ٹرے میں لیے واپس اندر برآمدے میں آگئی۔
"میرا خیال ہے میرے آنے سے پہلے تم سے ملنے سالار یا نازیہ دونوں میں سے کوئی ایک آیا تھا۔"
وہ اپنے لہجے میں معنی خیزی بھرتے ہوئے بولیں۔
زینب ان کے اندازے کی سو فیصد درستگی پر حیران ہی رہ گئی۔
"آج تو نہیں البتہ دو دن قبل نازیہ آئی تھی۔"
"ہاں میں یہ سب سامان دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی۔"
انہوں نے کیک کا ایک اور پیس پلیٹ میں نکالا۔
زینب نے خاموشی سے اپنے سامنے رکھا چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگالیا اسے بالکل سمجھ نہیں آیا کہ فضہ بھابھی سالار اور نازیہ کے معاملے میں اتنی ٹوہ کیوں لے رہی ہیں۔
"اچھا اب میں چلتی ہوں تمہیں کچھ دبئی سے منگوانا ہو تو بتادو۔"
کھڑے ہوتے ہوئے انہوں نے رسمی سے انداز میں پوچھا۔
"نہیں بھابھی اللہ کا شکر ہے یہاں سب کچھ مل جاتا ہے۔"
وہ جانتی تھی کہ فضہ بھابھی کا یہ جملہ محض روایتی ہے ورنہ وہ کبھی بھی کسی کے لیے کچھ لانے والوں میں سے ہرگز نہ تھیں۔ "اچھا بھئی جیسے تمہاری مرضی اللہ حافظ"
اس سے گلے مل کر انہوں نے مریم کو پیار کیا اور پھر داخلی دروازے سے باہر نکلی تھیں اور وہ وہیں کھڑی انہیں جاتا دیکھتی رہی "جانے کیوں خدا کبھی کبھی ایسے بندوں کو اتنا نوازدیتا ہے جو اپنے پیسے کے زور پر دوسروں کو نیچا دکھانے سے کبھی نہیں چوکتے۔" یہ سوچتی ہوئی وہ کچن کی جانب آگئی تاکہ رات کے کھانے کی تیاری کرسکے کیونکہ فرہاد آٹھ بجے آتے ہی کھانا کھانے کا عادی تھا اور اس سلسلے میں ذرا سی دیر اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی جس پر اکثر ہی وہ زینب سے الجھ جاتا بے شک زینب کی اپنی طبیعت خراب ہو یا مریم، جگنو میں سے کسی کی وہ اس معاملے میں کبھی بھی کمپرومائز نہیں کرتا تھا اور اس کی یہی عادت زینب کو سخت ناپسند تھی۔

☆ ☆ ☆

"لگتا ہے آج کل تمہاری دوست تم سے ناراض ہے۔"
فتح محمد نے اپنی مونچھوں پر خضاب لگانے کے بعد ایک بار اچھی طرح سامنے رکھے چھوٹے آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور پھر چارپائی پر بیٹھی کپڑے تہہ کرتی سادیہ کو مخاطب کیا۔
"کون سی دوست؟" فوری طور پر وہ فتح محمد کی بات سمجھ نہ سکی۔
"ایک ہی تو دوست ہے تمہاری۔"

اب وہ وہیں صحن میں لگے نلکے کے قریب کھڑا خوب رگڑ رگڑ کر اپنے ہاتھ دھو رہا تھا کہیں کوئی کالا دھبا اس کے ہاتھوں پر نہ لگا رہ جائے۔

"میرا خیال ہے آپ زینب کی بات کر رہے ہیں۔" بالآخر سادیہ اس کی بات کی تہہ تک پہنچ ہی گئی۔

"ہاں وہ ہی کئی دن ہو گئے تم سے ملنے نہیں آئی اور نہ ہی تم خود اس کی طرف گئی ہو۔"

بظاہر فتح محمد کا انداز بالکل سرسری سا تھا۔

"ہاں آج کل وہ کچھ مصروف ہے شاید اس کی کوئی کزن بہت زیادہ بیمار ہے۔ جس کا یہاں کوئی قریبی عزیز نہیں رہتا اسی سبب زینب اس کی تیمارداری کے لیے اکثر اس کے گھر چلی جاتی ہے۔" سادیہ نے مکمل تفصیل بتائی۔

"ویسے آج وہ آپ کو کیسے یاد آ گئی؟"

تہہ کیے ہوئے کپڑے اٹھا کر اندر کی طرف جاتی سادیہ کو جیسے کچھ یاد آ گیا اور اس نے وہیں اپنے کمرے کے داخلی دروازے کے قریب رک کر فتح محمد سے سوال کیا۔

"میں بھلا اسے کیوں یاد کروں گا وہ تو ایک دو دفعہ میں نے اسے کسی بڑی سی گاڑی میں جاتے دیکھا تو سوچا تم سے پوچھوں کیا قصہ ہے۔" وہ اپنے دل کا چور چھپاتے ہوئے بولا۔

"ہاں وہ شاید زینب کا وہ ہی کزن ہو گا جس کی بیوی بیمار ہے۔"

وہ اب سمجھی کہ فتح محمد کے اس قدر کریدنے کے پیچھے کیا راز ہے دراصل زینب کا روز روز اس طرح گاڑی میں بیٹھ کر جانا اسے مشکوک کر رہا تھا سادیہ نے بہتر سمجھا کہ اسے ہر بات واضح کر کے بتا دے دوسری صورت وہ پورے محلے میں زینب کی فرضی کہانیاں سناتا پھرتا وہ کچھ ایسا ہی تھا۔

"فرہاد بھائی کے علاوہ زینب کا سارا خاندان خوب پیسے والا ہے سب ہی کے پاس بڑی بڑی گاڑیاں ہیں اور وہ دونوں میاں بیوی اکثر ان میں ہی بیٹھ کر جاتے ہیں اور یہ بات سارا محلہ جانتا ہے ان کے تو سارے رشتہ دار بھی ایسی بڑی بڑی گاڑیوں میں آتے ہیں پھر بھلا آپ کو کیا تجسس ہوا جو زینب کو کسی گاڑی میں جاتے دیکھا آخر اپنے گھر کے دروازے سے بیٹھ کر گئی تھی تو ضرور فرہاد بھائی کو علم ہو گا کہ کس کے ساتھ گئی ہے پھر بلاوجہ ہمیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

وہ مختصر جواب دے کر خاموش ہو گیا کیونکہ سادیہ نے جو کچھ کہا تھا وہ سو فیصد درست تھا اس لیے اب فتح محمد کے پاس اس کی کوئی بھی بات جھٹلانے کی گنجائش باقی نہ رہی تھی جانتا تھا کہ زینب کے امیر خاندان کا رعب پورے محلے پر ہی تھا سب کو پتا تھا کہ فرہاد کے بہن بھائی خوب پیسے والے لوگ ہیں یہ ہی سبب تھا جو اس کے گھر آنے والی کوئی گاڑی یا کسی بھی آتے جاتے شخص کو دیکھ کر کوئی بھی محلے دار کسی بھی قسم کی غلط بات کرنے کا سوچتا بھی نہیں تھا پورا محلہ فرہاد سے متاثر رہا کرتا اس کا شمار محلے کی باعزت شخصیت میں ہوتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ممی آپ کو ہم سے یہ بات کرنے سے پہلے ایک دفعہ سوچنا تو چاہیے تھا۔"

فرزانہ مامی نے برا سا منہ بنا کر مما کی جانب دیکھا۔

"چلو اور کوئی نہ سہی پر ہم تو جانتے ہیں کہ ایشال ایک نکاح شدہ مرد ہے اور آج نہیں تو کل خیر سے ماشاءاللہ شادی شدہ بھی ہو جائے گا پھر ایسے میں آپ کس طرح اس گھر میں ایشال کا رشتہ لیے چلی آئی ہیں مجھے تو یہ ہی اب تک سمجھ نہیں آیا کہ آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ ہم سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنی اکلوتی بیٹی کا ہاتھ آپ کے

بیٹے کے ہاتھ میں دے دیں گے اور معاف کیجیے گا آپا اگر وہ اکلوتی نہ بھی ہوتی تو بھی کون اس طرح اپنی بچی کا رشتہ آپ کو دے گا۔ ہماری جگہ اگر آپ ہوتیں تو کیا اس طرح اپنی بیٹی کی شادی کے لیے ہاں کر دیتیں۔"

وہ انہیں ایک کے بعد ایک آئینہ دکھاتے ہوئے بولتی چلی گئیں جبکہ ان کے عین سامنے والے صوفے پر ماموں بالکل خاموش بیٹھے تھے اس طرح جیسے مما بولتیں اور اس کے پاپا خاموش ہوتے شاید ہر مرد بیوی کے سامنے یوں ہی خاموش ہو جاتا ہے۔ بہرحال جو بھی تھا مامی کے الفاظ ماموں کی مرضی کے مطابق ادا ہو رہے تھے جس کا اندازہ ان کا چہرہ دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

ایشال نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر ایک نظر مما پر ڈالی جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں وہ شرمندہ سا ہو گیا اس کی ماں نے پہلے بھی اسے سمجھایا تھا کہ جب تک اپنے پاپا سے بات کر کے مسئلہ حل نہیں کر لیتے اس طرح اریشہ کے گھر نہیں جانا چاہیے مگر وہ نہیں مانا۔

اسے ڈر تھا کہیں پاپا سے بات کرنے کے چکر میں زیادہ دیر نہ ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ ماموں شاہ زیب کے لیے ہاں کر دیں اسی خوف کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ رات سونے سے قبل ہی انہیں یہاں اپنے ساتھ لے آیا تھا اور اب ایسے تھا جیسے اس کی ماں کے پاس کسی بات کا کوئی جواب ہی نہ ہو اسے محسوس ہوا جیسے وہ جنگ جو ابھی شروع ہی نہیں ہوئی تھی اسے شکست سے ہم کنار کر کے جلد ہی ختم ہونے والی ہے اور خاص طور پر اس وقت اگر آج وہ اپنے دفاع کی کوشش میں کچھ نہیں بولا تو مانو کچھ باقی نہیں بچے گا یہ ہی سوچ کر اس نے ہمت کی اور مما کی جگہ خود مامی کی ساری باتوں کا جواب دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے بولا۔

"پلیز مامی جان آپ تو اس طرح بات نہ کریں آپ تو ہر ایک بات سے خوب اچھی طرح واقف ہیں' جانتی ہیں وہ نکاح میرے ماضی کی ایک تلخ یاد کے سوا کچھ نہیں میرے نزدیک وہ بالکل بے حیثیت ہے میں اسے نہیں مانتا وہ اس وقت کی بات ہے جب میں نکاح کی اصل حقیقت سے بھی ناواقف تھا ورنہ شاید آج صورت حال خاصی تبدیل ہوتی۔ بہرحال جو ہونا تھا وہ ہو چکا آج یہاں مما میری مرضی سے میرا رشتہ لے کر آئی ہیں اور یہ حق مجھے میرے مذہب نے دیا ہے کہ میں جسے چاہوں اسے اپنی زندگی کے لیے منتخب کروں چونکہ میں خود اریشہ کو پسند کرتا ہوں اس لیے اس کو اپنی شریک حیات کے طور پر اپنانا چاہتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اس میں آپ میں سے کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

اس نے گلا کھنکھارتے ہوئے مامی کو جواب دینے کے ساتھ ساتھ ماموں پر بھی ایک نظر ڈالی جو اس ماحول سے یکسر بے نیاز بیٹھے تھے۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا مجھے تمہاری کسی بات سے کوئی اختلاف نہیں ہے مگر صرف اتنا سوچو کہ جب تک تم ایک رشتے کی ڈور سے بندھے ہو دوسرا کس طرح استوار کرو گے یہ کوئی معمولی سی بات نہیں ہے۔ جو میں تمہیں سمجھانا چاہ رہی ہوں۔"

اس دفعہ مامی کی کہی ہوئی بات خاصی معقول تھی۔

"میں بہت پہلے ہی اس ڈور کو کاٹنے کا فیصلہ کر چکا ہوں اور یہ بات مما بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔"

وہ مضبوط لہجے میں اپنی ماں کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔

"اور یہ بات تو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ ایشال اس لڑکی کو جلد ہی طلاق دینے کا فیصلہ کر چکا ہے پھر بھی تم نے بنا سوچے سمجھے اتنا سب کچھ کہہ ڈالا۔"

ایشال کی باتوں نے مما کا حوصلہ بھی بڑھایا اور وہ ساتھ دینے کے لیے اس کے مد مقابل آن کھڑی ہوئیں۔

"تمہاری سب باتیں ٹھیک ہیں مگر سچ یہ ہے کہ بھائی صاحب کئی بار باتوں ہی باتوں میں مجھے یہ بتلا چکے ہیں کہ وہ

جلد ہی اپنی بھتیجی کو بہو بنا کر اس گھر میں لانے والے ہیں ابھی انہوں نے چند روز قبل ہی مجھے یہ بھی بتایا کہ ایشال کے واپس آتے ہی اس کی رخصتی کی تقریب منعقد کرنی ہے پھر بھلا بتاؤ ان تمام حالات میں جو کچھ تمہاری بھابھی نے کہا کیا وہ غلط تھا؟"

ماموں نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا جن کی باتیں سن کر ایشال کو اندازہ ہوا کہ جس رشتہ کو وہ دھاگے کی ایک معمولی ڈور سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا اس کے پاپا اسے دن دگنی مضبوطی کی گرہیں لگا رہے ہیں غصے سے اس کا دماغ سن سا ہو گیا۔

"ماموں میں نے ابھی ابھی یہ بات واضح کی کہ شادی مجھے کرنی ہے' پاپا کو نہیں اور میں ماشاء اللہ بالغ اور باشعور ہوں اور اپنے فیصلہ خود کر سکتا ہوں' اس لیے آپ سب بے کار باتیں چھوڑیں اور مجھے صرف یہ بتائیں کہ اگر میں پاپا کے ساتھ اس گھر میں آپ سے اریشہ کا ہاتھ مانگنے آؤں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

"ٹھیک ہے اگر تم ایسا کر سکو تو یقین جانو مجھے تم سے بڑھ کر کوئی اور نہیں۔"

جاوید ماموں نے خلوص دل سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

"تو بس پھر ٹھیک ہے آپ شاہ زیب کو اریشہ کے رشتے سے انکار کر دیں۔"

"فی الحال ہم اسے انکار نہیں کریں گے' بلکہ کچھ ٹائم دے دیں گے' تاکہ اس وقت تک تم اپنے پاپا سے بات کر کے سب کچھ فائنل کر لو۔" مامی نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے بات ختم کر دی' اب کوئی گنجائش باقی نہ بچی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اس کے ساتھ ہی مما بھی اٹھ گئیں۔

"ارے بیٹا بیٹھو تو سہی' اتنی بھی کیا جلدی ہے' آرام سے کھانا کھا کر جانا' اریشہ تیار کروا رہی ہے۔" اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر مامی جلدی سے بولیں۔

"نہیں آج تو نہیں' البتہ اب جب دوبارہ آیا پاپا کے ساتھ تو پھر ضرور کھا کر ہی جاؤں گا' آئیں مما چلیں۔"

مامی کو جواب دینے کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی مما کو بھی پکارا' جو ماموں کے قریب کھڑی جانے آہستہ آہستہ کیا باتیں کر رہی تھیں۔ ایشال کے پکارتے ہی اپنی بات ختم کر کے وہ اس کے پیچھے ہی باہر نکل آئیں۔

٭ ٭ ٭

زندگی ہے یا کوئی طوفان
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ہم کہہ نہیں سکتے کہ زندگی کے بارے میں میر درد کا یہ فلسفہ کس حد تک درست ہے' کیونکہ زندگی سب کی نظروں میں الگ الگ اہمیت رکھتی ہے۔ کہیں خوشی' کہیں غم' کہیں دھوپ' کہیں چھاؤں' موسم کے ہر بدلتے رنگ کا نام ہے زندگی' صحیح یا غلط؟"

سر اعظم ہمدانی اتنا کہہ کر رک گئے۔ اپنے چشمہ کی اوٹ سے انہوں نے پوری کلاس پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔

"یہ تو زندگی کے بارے میں میرا ایک چھوٹا سا نظریہ تھا۔ آپ سب کے نزدیک زندگی کیا ہے۔"

انہوں نے پوری کلاس پر ایک بار پھر نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

اسے سر اعظم ہمدانی کا اردو پڑھانے کا انداز خاصا پسند تھا۔ وہ اپنے لیکچر میں ساری کلاس کو ساتھ لے کر چلتے اس وقت بھی پوری کلاس کو نہایت دلچسپی سے سر کی باتیں سنتے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کچھ ایسا مشکل نہ تھا کہ تمام طلبہ ان کی کلاس میں مکمل دلچسپی کے ساتھ شریک ہیں۔

اگر آپ خوش ہیں تو زندگی بہار

اور اگر دکھی ہیں تو پھر اک عذاب

جانے یہ کس کی آواز تھی' ابھی وہ پوری کلاس سے صحیح طرح واقف نہیں ہوئی تھی' مگر جو کوئی بھی تھا اس کا پیش کردہ تجزیہ سر اعظم ہمدانی کی طرح بالکل مکمل تھا۔

"میرا خیال ہے کہ سر زندگی اک ایسا خواب ہے جس کے کبھی ختم نہ ہونے کی امید میں ہم پوری زندگی اپنی آنکھیں بند کرکے گزار دیتے ہیں۔" اس کے برابر بیٹھی حفصہ نے کھڑے ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"اور میرا خیال ہے کہ سر مس حفصہ کے برابر بھی ایک مکمل زندگی بیٹھی ہے۔"

ایک زوردار آواز اسے پیچھے سے سنائی دی' جس کے ساتھ ہی پوری کلاس ہنس دی۔

"بدتمیزی کوئی نہیں کرے گا۔" سر نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے پوری کلاس کو تنبیہہ کی۔

"جی سر ایک ایسی زندگی جس کے بعد موت لازمی امر ہے۔"

وہ اسے دیکھے بنا تیز آواز میں بولی اور اس سے بیشتر کہ وہ مزید کچھ کہتی حفصہ نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"کیوں ہر بات پر اتنی جلدی خفا ہو جاتی ہو' وہ غریب تو صرف مذاق کر رہا تھا۔" کلاس ختم ہوتے ہی حفصہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مجھے اس طرح کے فضول مذاق بالکل پسند نہیں ہیں۔"

اپنا بیگ کندھے پر ڈالے' نہایت سنجیدگی سے حفصہ کو جواب دیتی وہ کلاس سے باہر نکل آئی۔ "مگر یہ بات صرف میں جانتی ہوں کہ تمہیں مذاق پسند نہیں' تو پھر کیا ضرورت ہے' دو گھنٹے کی کلاس موڈ آف کرکے گزاری جائے اور تم تو خوامخواہ ہی برا مان گئیں' ہوسکتا ہے اس نے یہ جملہ تمہارے لیے کہا ہی نہ ہو۔" حفصہ نے ہنستے ہوئے اس کا موڈ درست کرنے کی کوشش کی۔

"اچھا تو پھر کس کے لیے کہا ہوگا۔"

"شاید میرے دائیں ہاتھ پر بیٹھے توقیر احمد کے لیے۔" جواب کے ساتھ ہی وہ زور سے ہنس دی۔

"اچھا چلو اب بات ختم کرکے اپنا موڈ درست کرو اور جلدی سے کینٹین آجاؤ میڈیم رخشندہ کا پیریڈ شروع ہونے میں صرف پندرہ منٹ رہ گئے ہیں اور تم اچھی طرح جانتی ہو وہ خبطی عورت لیٹ ہونے کی صورت میں غیر حاضری لگا دیتی ہیں۔"

اس کے جواب کا انتظار کیے بنا اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹتی وہ کینٹین کی جانب آگئی' جبکہ وہ بھی بنا کوئی جرح کیے چپ چاپ اس کے ساتھ ہولی۔

☼ ☼ ☼

"کیوں مارا ہے تم نے اسے۔" وہ مریم کے بازو کو سختی سے اپنی گرفت میں لیتے ہوئے نہایت غصے سے بولی۔

"میں نے تو صرف اس کے گال پر پیار کیا تھا اور یہ رونے لگی۔"

ماں کو اس قدر غصے میں دیکھ کر وہ تھوڑا سا گھبرا گئی۔ مارے خوف کے اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ زینب نے اسے گھورتے ہوئے اس کا بازو چھوڑ دیا اور نیچے فرش پر بیٹھی روتی ہوئی جگنو کو جھک کر اپنی گود میں اٹھا لیا۔

جانے کیوں آج صبح سے ہی اس کے سر میں درد تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس نے اپنے اس درد کا ذکر صبح ناشتے کے وقت فرہاد کے سامنے بھی کیا تھا' جو بنا کوئی توجہ دیے جلدی جلدی اپنا ناشتا ختم کرکے دکان پر چلا گیا۔ اسی باعث اب وہ بہت زیادہ چڑچڑی سی ہو رہی تھی۔ اوپر سے ٹیوشن کے لیے آئے

بچوں نے بھی اسے خوب تھکا ڈالا تھا۔ دل تو چاہا سب کو چھٹی دے دے، مگر کیا کرتی تقریباً "سب کے امتحان شروع ہونے والے تھے۔ اسی لیے انہیں یاد کرنے کا کام دے کر وہ کچن کی جانب آگئی۔ تاکہ ایک کپ چائے بنا کر پی سکے۔ ہو سکتا ہے اس سے بھی درد کچھ کم ہو جائے۔ ابھی اس نے پتیلی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھا ہی تھا کہ مریم دوڑی دوڑی کچن میں آگئی۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"اماں باہر سالار انکل آئے ہیں۔"

"سالار انکل اس وقت....."

اس نے حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان ہوتے ہوئے اپنے حلیے پر ایک نظر ڈالی۔ شلوار الگ رنگ کی اور قمیص کسی اور رنگ کی' وہ یک دم ہی شرمندہ سی ہو گئی۔

"اماں کیا کروں انہیں اندر بلاؤں یا نہیں۔"

اس کی طویل خاموشی سے تنگ آکر منتظر کھڑی مریم نے خود سے ہی پوچھ لیا۔

"آں... ہاں... تم انہیں اندر برآمدے میں بٹھاؤ' میں اتنی دیر میں کپڑے تبدیل کر کے آتی ہوں۔"

وہ جلدی جلدی مریم کو ہدایت دیتے ہوئے' بسورتی جگنو کو کندھے سے لگائے اندر کمرے میں آگئی۔ الماری کھول کر سامنے ہی رکھا سوٹ نکالا اور باتھ روم میں گھس گئی۔ جتنی دیر میں اس نے کپڑے تبدیل کیے جگنو باہر بیٹھی رو' رو کر ہلکان ہوتی رہی' جانے کیوں وہ جیسے جیسے بڑی ہو رہی تھی چاہتی تھی' ہر دم زینب اس کی نگاہوں کے سامنے رہے۔ ذرا سا جو زینب یہاں وہاں ہوتی وہ رو' رو کر پورا گھر سر پر اٹھا لیا کرتی۔ زینب کے لیے اس صورت حال میں گھر کا کام کرنا بھی خاصا مشکل ہو چکا تھا۔ باہر نکل کر اس نے جگنو کو گود میں لیا اور باہر برآمدے میں آگئی جہاں سامنے ہی سالار بیٹھا تھا۔

"السلام علیکم!" اسے دیکھتے ہی سالار نے خوشدلی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" زینب نے سلام کا جواب دیتے ہوئے سامنے رکھی پلاسٹک کی ٹیبل پر ایک نظر ڈالی۔ جہاں بہت سارا سامان رکھا تھا جو یقیناً "سالار ہی لایا تھا۔

"آج آپ کیسے رستہ بھول گئے۔" اب کے اس نے ہنستے ہوئے گلہ کیا۔

"میں تو یہ رستہ روز بھولنے کو تیار ہوں۔ بس ذرا دنیا والوں سے ڈر جاتا ہوں' خاص طور پر وہ دنیا جس میں آپ کی فضہ بھابھی بھی شامل ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے اس کے انداز میں اپنے دل کی ہر بات کہہ گیا۔

"اور سناؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

زینب کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"پتا نہیں صبح سے سر میں نہایت ہی شدید قسم کا درد ہو رہا ہے۔ اوپر سے جگنو کو جانے کیا ہوا ہے' بلاوجہ تنگ کیے جا رہی ہے۔" بات کرتے کرتے وہ تھوڑی سی روہانسی ہو گئی۔

"اپنی طبیعت کی خرابی میں بھی تم ان بچوں کو پڑھا رہی ہو۔"

وہ برآمدے میں بیٹھے چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حیرت سے بولا۔

"کیا کروں ان سب کے ایگزامز قریب ہیں' ایسے میں چھٹی بھی نہیں دے سکتی۔" تھکن کا عنصر اس کی آواز میں نمایاں تھا۔

"لعنت بھیجو یار... کیوں یہ سب جھنجٹ اپنے گلے میں ڈالا ہے۔ فارغ کرو سب کو' اپنی حالت دیکھو کس قدر خراب ہو رہی ہے۔ بلاوجہ چند سو روپوں کے لیے اپنی جان عذاب میں ڈالی ہوئی ہے۔"

سالار ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ چند سو روپے جو ٹیوشن کے نام پر اس کے پاس آتے تھے۔ ابھی تک وہ انہیں کبھی

خاص مصرف میں بھی نہ لا سکی تھی۔ وہ پیسے گھر میں ہی کہیں خرچ ہو جاتے۔ اسے پتا بھی نہ چلتا، سوائے اس کے کہ اگر کبھی بازار سے اپنے لیے کوئی اچھی چیز منگوا کر کھا لی ہو اتنے مہینوں میں وہ ان پیسوں سے صرف ایک سوٹ ہی بنا سکی تھی۔ الٹا جب سے وہ ٹیوشن پڑھا رہی تھی فرہاد جو وہ جوڑے لاتا تھا، ابھی تک وہ بھی نہ لایا تھا۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی اس نے جب سردیوں کے لیے ایک شال کی فرمائش کی تو فوراً" ہی فرہاد نے حیرت سے پلٹ کر سوال کیا تھا۔

"تمہارے ٹیوشن کے پیسے کہاں جاتے ہیں، میں تو تم سے ایک روپیہ نہیں لیتا۔"

"مطلب۔۔۔" وہ حیران ہوئی۔

"مطلب یہ کہ جب عورت خود کفیل ہو تو اسے کم از کم اپنے کپڑے تو خود بنا لینے چاہئیں۔"

فرہاد کے جواب نے اسے سلگا دیا۔ آگ اس کے سر سے لے کر تلووں تک جا پہنچی اور اب سالار کی بات سنتے ہی اس نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کیا۔

"بس ان کے ایگزامز ختم ہو جائیں، پھر نہیں پڑھاؤں گی۔" فوری طور پر اپنا فیصلہ اس نے سالار کو بھی سنا دیا۔

"گڈ۔۔۔ تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے اور اگر اب درد زیادہ ہے تو آجاؤ ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" وہ فکرمندی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں ابھی فرہاد آجائے تو اس کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ اپنی شرمندگی اور خفت جھوٹ میں چھپاتے ہوئے بولی۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی۔" اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے آپ بیٹھیے تو سہی، میں چائے بناتی ہوں۔" اپنی باتوں میں اسے یاد ہی نہ رہا کہ سالار سے چائے یا پانی پوچھتی اسے اٹھتا دیکھ کر وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔

"اس وقت تمہاری طبیعت خراب ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم آرام کرو میں چائے پینے پھر کسی وقت آجاؤں گا۔"

"اور ہاں۔۔۔" وہ باہر نکلتے نکلتے رک گیا۔

"یہ نازیہ نے تمہارے لیے کچھ سامان بھیجا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ مگر یہ ہے کیا؟" ڈھیروں ڈھیر سامان دیکھ کر وہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں، میں نے نہیں دیکھا اور نہ ہی پوچھا، مجھے تو جیسے اس نے دیا میں نے تمہیں پہنچا دیا اور اب تم خود دیکھ لو کہ اس میں کیا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر اس سب کی ضرورت کیا تھی۔"

"یہ بھی تم اس سے پوچھنا، فی الحال میں چلتا ہوں، اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" وہ دھیرے سے کہتی اس کے پیچھے ہی باہر آگئی۔ جب وہ داخلی گیٹ سے باہر جاتے جاتے رک گیا اور زینب کے چہرے پر ایک بھرپور نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"اپنا خیال رکھا کرو، آج تمہارے چہرے پر چھائی تھکن مجھے بالکل اچھی نہیں لگی۔"

اتنا کہہ کر وہ پھر نہیں رکا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا گیٹ سے باہر نکل گیا۔ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی رہ گئی۔ وہ سب کچھ جو وہ ہمیشہ فرہاد سے سننا چاہتی تھی۔ آج سالار کہہ گیا زینب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے پلٹ کر برآمدے میں لگے چھوٹے سے آئینے میں اپنا جائزہ لیا تو محسوس ہوا سالار نے جو کہا تھا وہ سو فیصد درست ہے۔ اسے یک دم ہی اپنا چہرہ تھکن زدہ محسوس ہونے لگا۔ ایسا لگا جیسے چہرے کی ساری شادابی دھیرے دھیرے ختم ہو رہی ہو۔ وہ خوف زدہ سی ہو گئی۔

"کیا ضرورت تھی مجھے بلاوجہ یہ ٹیوشن کا کھٹ راگ پالنے کی فضول کی دردسری بس اب اگلے ماہ سے یہ سب ختم۔"

حتمی طور پر فیصلہ کرتی وہ کچن میں آگئی' تاکہ اپنے لیے چائے بناسکے جب اچانک اسے باہر سے فرہاد کی آواز سنائی دی۔

"ماں کہاں ہے تمہاری۔" یقیناً اس کا یہ سوال مریم سے تھا۔ اگلے ہی پل وہ کچن کے دروازے پر آن کھڑا ہوا۔

"مجھے بھی ایک کپ چائے بنادو۔"

"اچھا..." آہستہ سے کہہ کر وہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

"آج تم نے گھر کی صفائی نہیں کی' دیکھو سارا صحن گندا پڑا ہے۔"

وہ صفائی کے معاملے میں بھی خاصی مین میخ نکالنے کا عادی تھا۔

"میں نے صبح بتایا تھا ناکہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہاں تو ایک سر میں درد ہی تھا۔ ڈسپرین کھالیتیں۔ ٹھیک ہوجاتا ہے' اب اس کا یہ مطلب تو نہ ہوا کہ سارا گھر ہی گندا پڑا رہے۔ اوپر سے بچوں کو دیکھو کتنے گندے حلیے میں ہیں۔ خود کو دیکھو لگ رہا ہے کئی دنوں سے منہ ہی نہیں دھویا۔"

وہ جب بولتا اسی طرح بے تکان ہی بولتا۔

زینب کا بالکل دل نہ چاہا کہ وہ اس کی کسی بھی بات کا جواب دے۔ اس نے خاموشی سے چائے میں دودھ ڈالا۔ فرہاد کی چائے کپ میں نکالی اور ٹرے میں رکھ کر برآمدے میں آگئی' جبکہ وہ کپڑا ہاتھ میں لے کر برآمدے کے دروازے کی جالی جھاڑنے لگا۔

"لاؤ مجھے دو' میں صاف کردیتی ہوں۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی زینب نے اس کے ہاتھ سے کپڑا پکڑنے کی کوشش کی۔

"رہنے دو' اگر تمہیں صاف کرنا ہوتا تو یہ اتنی گندی ہی کیوں ہوتی' سمجھ نہیں آتا سارا دن کیا کرتی ہو' ایک یاسمین آپا کا گھر ہے کبھی دیکھو جاکر کس قدر صاف ستھرا ہوتا ہے' کہیں فرش پر ایک ذرہ نظر نہیں آتا اور ایک ہمارا گھر ہے' گھر کے اندر داخل ہوتے ہی طبیعت خراب ہونے لگتی ہے' ہر طرف مٹی ہی مٹی دکھائی دیتی ہے۔"

صرف ایک دن طبیعت کی خرابی کے باعث اسے اس قدر باتیں سننی پڑیں' اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ سر درد پھر سے بڑھ گیا۔ اپنی چائے وہیں کچن میں چھوڑ کر وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ کیونکہ وہ فرہاد کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔ جانتی تھی کچھ دیر بعد جب باہر نکلے گی وہ بالکل ایسے نارمل ہوگا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو' کتنا فرق تھا فرہاد اور سالار کے رویے میں' باتھ روم میں خود پر پانی ڈالتے وہ مسلسل یہ ہی ایک بات سوچتی رہی' بنا کسی کوشش کے اس نے کئی بار فرہاد کا موازنہ سالار سے کیا اور آج پھر اسے مقابلے میں سالار ہی بلندیوں پر دکھائی دیا۔

☼ ☼ ☼

"پتا ہے کیا مجھے کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے..." کرن نے بات ادھوری چھوڑ کر اپنے سامنے بیٹھی حبیبہ پر ایک نظر ڈالی۔

"جیسے کیا..." حبیبہ نے ادریوشیک میں اسٹرا چلاتے ہوئے پوچھا۔

"جیسے یہ کہ..." وہ اپنی بات کہتے کہتے ایک بار پھر سے رک گئی۔

"کیا مصیبت ہے کرن، تمہیں جو کہنا ہے کہہ دو کیوں اتنا سسپنس پھیلا رہی ہو۔"
اس نے شیک کا ایک سپ لیتے ہوئے کرن کو پیار سے لتاڑا۔
"تمہیں کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا کہ سر شاہ زین تمہیں پسند کرنے لگے ہیں۔" آہستہ آہستہ وہ اپنی بات مکمل کرتی گئی۔ جسے سنتے ہی حبیبہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس نے اپنے ہونٹوں میں دبا اسٹرا باہر نکال کر کرن کو گھورنا شروع کر دیا۔
"کیا ہو گیا؟ اتنے غصے میں کیوں دیکھ رہی ہو۔" کرن اسے دیکھتے ہوئے ہنسی۔
"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا، جو منہ میں آتا ہے بولے چلی جاتی ہو، بنا سوچے سمجھے کیا کہنا ہے اور کیا نہیں تمہیں کچھ پتا نہیں چلتا۔"
کرن کی بات سن کر اسے حقیقی معنوں میں شاک سا لگا۔
"سوری حبیبہ، تمہیں اگر میری کوئی بات بری لگی ہو، مجھے تو جو محسوس ہوا میں نے تمہیں بتا دیا۔ اگر تم خود بھی شاہ زین کے رویے پر غور کرو گی تو تمہیں خود محسوس ہو گا جو میں نے کہا وہ کچھ ایسا بھی غلط نہیں ہے۔"
"بہرحال تمہارا تجزیہ نہایت ہی فضول ہے اور میرا خیال ہے تمہیں اس سلسلے میں کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔"
وہ دوبارہ سے اپنے شیک کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔
"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔"
کرن بات ختم کر کے اپنے سامنے رکھے زنگر میں مصروف ہو گئی، جب اچانک ٹیبل پر رکھا حبیبہ کا فون بج اٹھا اس نے اپنا سیل اٹھا کر دیکھا۔
"سوری میرے چچا کا فون ہے، میں ذرا بات کر کے آتی ہوں۔"
وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور سیل کان سے لگائے ذرا سا آگے بڑھ گئی۔ کرن نے اسے پشت کی جانب سے دیکھا اور ایک بار پھر سے اپنے لنچ میں مصروف ہو گئی۔

☼ ☼ ☼
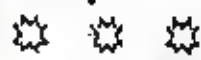
"تم نے ابھی تک انکل سے بات نہیں کی؟" وہ سوال جس سے وہ کئی دنوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار پھر سے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔
"نہیں یار..... آج کل وہ اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ ٹائم ہی نہیں مل رہا، میں سوچ رہا تھا کہ وہ خود مجھ سے شادی کے حوالے سے کوئی بات کریں۔ مگر......"
"تم کبھی بھی ان سے بات نہیں کر سکتے۔"
اریشہ نے اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی۔
"میرا خیال ہے کہ میں ہی کوئی بہت بڑی بے وقوف ہوں جو تمہارے پیچھے بلاوجہ ہی اپنا وقت ضائع کر رہی ہوں۔"
وہ کھانا درمیان میں ہی چھوڑ کر غصے سے اپنی کرسی پیچھے کھسکاتی اٹھ کھڑی ہوئی "بہتر یہ ہے کہ میں بھی اب بنا سوچے سمجھے شاہ زیب کے رشتے کے لیے ہاں کر دوں اور تم بھی اسی سے شادی کر لو جسے آج سے کئی سال قبل آپ نے اپنی منکوحہ ہونے کا اعزاز بخشا تھا۔"
ٹیبل پر رکھا اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر وہ تیزی سے باہر کی جانب چل دی...... اس کے غصے سے خائف ایشال کو

جیسے اچانک ہی ہوش آیا اور وہ اس کے پیچھے لپکا۔
"ایک منٹ یار میری بات تو سنو کیوں اتنا ناراض ہو رہی ہو۔"
اس کے قریب جاکر اس نے اریشہ کا بازو تھام کر اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"بازو چھوڑو میرا' مجھے گھر جانا ہے' پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔"
وہ بدستور اپنے روٹھے انداز میں منہ بناتے ہوئے بولی۔
"میں سوچ رہا تھا کہ پاپا مجھ سے خود شادی کی بات کریں تو میں انہیں صاف انکار کردوں۔۔۔ مگر جانے کیوں جب سے میں واپس آیا ہوں انہوں نے کبھی اس موضوع پر بات ہی نہیں کی' جبکہ میرے واپس آنے سے قبل تو انہیں اپنی بھتیجی کی رخصتی کی بہت فکر تھی۔ اب سمجھ نہیں آرہا ہے کہ وہ کیوں خاموش ہیں اور میں کس طرح بات شروع کروں۔ بس اسی ادھیڑ بن میں ہوں اور تم ہو کہ بلاوجہ ہی ناراض ہو رہی ہو۔"
اریشہ کے ساتھ چلتا وہ ڈائننگ ہال سے باہر نکل آیا۔
"جو بھی ہے ایشال اب میرے پاس تمہارے ان تمام ایکسکیوز کو سننے کا وقت نہیں رہا۔ اب مجھے صرف فیصلہ کرنا ہے کہ تم یا شاہ زیب تو بہتر ہو گا کہ تمہیں جو بھی کچھ کرنا ہے دو دن میں کرلو۔"
"دو دن میں۔۔۔" وہ اس کی بات سمجھ نہ پایا۔
"ہاں آج جمعہ ہے' تم پیر تک انکل سے بات کرکے اگر انہیں میرے گھر لانے میں کامیاب ہو گئے تو ٹھیک' ورنہ اس کے بعد یہ سمجھنا کہ ہمارے درمیان کبھی کچھ تھا ہی نہیں کیونکہ پیر کی رات تمہارے نہ آنے کی صورت میں' میں ماما کو شاہ زیب کے رشتے کے لیے ہاں کردوں گی۔" وہ اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سناتے ہوئے بولی۔
"صرف دو دن۔۔۔ مگر اریشہ۔۔۔"
"اگر۔۔۔ مگر کچھ نہیں' میں تمہارے پیچھے اپنی زندگی برباد نہیں کرسکتی۔" وہ اپنے فیصلے پر برقرار تھی۔
"ٹھیک ہے۔" ایشال نے ہار مان لی اور خاموشی سے اریشہ کے ساتھ چلتا باہر گیٹ کی جانب آگیا' جہاں ڈرائیور اس کی گاڑی لیے کھڑا ان دونوں کا منتظر تھا۔

"شاہ زین"

"جی مما"

اس نے لفٹ کا بٹن پریس کرتے ہوئے پلٹ کر اپنی ماں کی جانب دیکھا جو اسے پکارنے کے بعد جانے کس سوچ میں غرق ہو چکی تھیں۔

"مما"

ان کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ پھر سے بول اٹھا۔

"آں.....ہاں۔"

وہ اپنے خیالوں سے بری طرح چونکیں۔

"آپ شاید مجھ سے کچھ کہہ رہی تھیں۔"

بات کرتے کرتے وہ دونوں لفٹ میں داخل ہو چکے تھے' مما اپنے کسی کام سے آفس آئی تھیں جب واپسی میں شاہ زین بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔

"وہ لڑکی جو ہمارے آفس میں کام کرتی ہے کیا نام ہے اس کا۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے بولیں۔

"حبیبہ"

وہ سمجھ چکا تھا مما کس کی بات کر رہی ہیں کیونکہ ابھی آفس سے باہر آتے ہوئے اس نے مما کو حبیبہ کے کیبن کے دروازے کے پاس رک کر ایک ہلکی سی ترچھی نظر اندر ڈالتے دیکھ لیا تھا ہمیشہ کی طرح اسے ابھی بھی ایسا ہی محسوس ہوا جیسے مما اس سے کچھ خائف سی رہتی ہیں اس کی کیا وجہ تھی بہت سوچنے پر بھی وہ کبھی نہ جان پایا۔

"پورا نام۔"

وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولیں' شاہ زین کا اندازہ سو فیصد درست تھا وہ حبیبہ کی بات کر رہی تھیں۔

"مطلب؟"

وہ ان کی بات قطعی طور پر سمجھ نہیں پایا۔

"مطلب اس کا سر نیم وغیرہ کیا ہے؟"

"وہ آئی تھنک حبیبہ خان۔"

وہ ان کے اس قدر تفتیشی انداز سے کچھ حیران سا ہوتے ہوئے بولا۔

"حبیبہ خان۔"

انہوں نے یہ نام زیر لب دہرایا اور ایک گہری سانس خارج کی' لفٹ رک چکی تھی وہ دونوں باہر نکل کر پارکنگ کی جانب آگئے جہاں ان کا باوردی ڈرائیور گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا ان کا منتظر تھا۔

"دین محمد تم گاڑی لے جاؤ میں شاہ زین کے ساتھ گھر جا رہی ہوں۔"

ڈرائیور کو آہستہ آواز میں حکم دیتے ہوئے وہ شاہ زین کے ساتھ آگے بڑھ گئیں شاہ زین نے فرنٹ ڈور کھول دیا وہ خاموشی سے اندر جا بیٹھیں۔

"تم اس کے والد کا نام جانتے ہو کیا ہے؟"

شاہ زین کے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی وہ ایک بار پھر سے اپنے پسندیدہ موضوع پر آگئیں۔

"نہیں مما میں نے کبھی پوچھا نہیں' مگر آپ یہ سب کچھ کیوں جاننا چاہتی ہیں؟"

دل میں بار بار آنے والا یہ سوال بالآخر اس کی زبان پر بھی آ ہی گیا۔

"جانے کیوں اسی کی شکل دیکھ کر میں ہمیشہ کئی سال پیچھے اپنے ماضی میں چلی جاتی ہوں۔"
وہ اتنا آہستہ بولیں کہ شاہ زین بڑی مشکل سے سن پایا۔
"کبھی کبھی مجھے ایسا بھی لگتا ہے کہ میں اسے پہلے سے ہی جانتی ہوں حالانکہ یہ ناممکن ہے اور یقیناً" مجھے کوئی بڑی غلط فہمی ہو رہی ہے کیونکہ اگر میرا لگایا ہوا اندازہ ایک فیصد بھی درست ہوتا تو اس کے نام کے آخر میں خان نہیں ہونا چاہیے تھا میرا خیال ہے کہ یہ وہ نہیں ہے۔"
وہ بات کرتے کرتے رک گئیں۔
"آپ کس کی بات کر رہی ہیں مما۔"
ان کے خاموش ہوتے ہی زین جلدی سے بول اٹھا وہ اپنی ماں کے تسلسل کو مسلسل برقرار رکھنا چاہتا تھا اسے لگتا تھا' جیسے ان کے دل میں کوئی ایسی خاص بات ضرور ہے جو وہ چاہتے ہوئے بھی شاہ زین سے شیئر نہیں کر پا رہیں۔
"مما آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔"
انہیں اپنے ہی خیالوں میں گم دیکھ کر وہ پھر سے ٹوک بیٹھا۔
"کچھ نہیں تم گاڑی دھیان سے چلاؤ' سامنے دیکھو کتنا بڑا ڈمپر آ رہا ہے۔"
شاہ زین سمجھ گیا اب ان سے کچھ بھی کریدنا بے کار ہے کیونکہ وہ مزید اس موضوع پر کوئی بات اب نہیں کریں گی۔
"یقیناً" مجھے کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے' بہرحال تم جانے دو۔"
شاہ زین کے خاموش ہوتے ہی وہ آہستہ سے بولیں شاہ زین بنا کچھ جواب دیے خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"آنٹی۔"
"جی بچے۔"
"میری گریجویشن کی تقریب میں ملک انکل آ رہے ہیں نا۔"
وہ پرسوچ نگاہیں سکینہ کے چہرے پر جماتے ہوئے بولی۔
"ظاہر ہے بیٹا ضرور آئیں گے اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو پھر کیوں پوچھ رہی ہو۔" اس کے سوال نے سکینہ کو حیران سا کر دیا۔
"پتا ہے آنٹی میرا دل چاہتا ہے کہ۔۔۔۔۔"
وہ اپنی بات کرتے کرتے جھجک کر رک گئی۔
"بولو بچہ کیا کہنا چاہتی ہو؟"
اسے خاموش دیکھ کر سکینہ نے فوراً" ہی ٹوک دیا۔
"میں چاہتی ہوں کہ اس دفعہ جب انکل آئیں تو ایشال بھی ان کے ساتھ ہو' میں اس سے ملنا چاہتی ہوں آنٹی اسے دیکھنا چاہتی ہوں میں جاننا چاہتی ہوں کہ اتنے پرانے رشتے پر اس کے کیا تاثرات ہیں؟ آیا وہ مجھے قبول کرتا بھی ہے یا نہیں۔"
وہ بڑی حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کر بیٹھی جسے سنتے ہی سکینہ ایک پل کے لیے تو

چپ ہی ہو گئیں۔

"کیوں آنٹی میں نے کسی غلط خواہش کا اظہار کر دیا ہے؟"

سکینہ کی اس خاموشی سے وہ یہی نتیجہ اخذ کر پائی۔

"نہیں بیٹا تمہاری خواہش بالکل جائز ہے اتنے سالوں میں کم از کم ایک دفعہ تو ملک صاحب کو تمہیں ایشال سے ملوانا چاہیے تھا کسی ایک چھٹیوں میں تمہیں اپنے ساتھ کچھ دنوں کے لیے ہی سہی اپنے گھر لے کر جاتے مجھے تو حیرت ہے ایشال نہ سہی آج تک اس کی والدہ بھی کبھی تم سے نہ ملیں اور میں تو یہ خود کئی بار فضل دین سے کہہ چکی ہوں مگر جانے اس نے ملک صاحب سے کہا یا نہیں۔"

سکینہ کے دل میں دبی یہ تمام باتیں آہستہ آہستہ لبوں تک آہی گئیں۔

"بہر حال میں تمہارے چاچا تک تمہاری یہ خواہش ضرور پہنچادوں گی اور کہوں گی کہ وہ ملک صاحب کو فون کر کے کہہ دے کہ تمہاری گریجویشن کی تقریب میں اپنے ساتھ ایشال کو ضرور لے کر آئیں ٹھیک ہے نا۔"

سکینہ نے تصدیق طلب نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا، وہ اثبات میں ہلکا سا سر ہلا کر خاموش ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"میرے ساتھ مارکیٹ چل رہی ہو؟"

نازیہ کے اس سوال پر زینب نے ریسیور کان سے ہٹا کر ایک نظر سامنے موجود گھڑی پر ڈالی، جہاں تقریباً" بارہ بجنے والے تھے۔

"کب تک جانا ہے؟"

اس نے دل ہی دل میں مریم کے اسکول کی چھٹی کے ٹائم کا حساب لگاتے ہوئے پوچھا۔

"جب تم فارغ ہو تاؤ میں تمہیں پک کر لوں گی۔"

"مریم کو اسکول سے لے آؤں، پھر چلتے ہیں، بلکہ ایسا کرو تم مجھے تین بجے تک پک کر لینا میں تمہیں تیار ہی ملوں گی۔"

"شکریہ زینب۔" وہ تشکر بھرے انداز میں بولی۔

"دراصل آج کل سالار کے پاس بالکل ٹائم نہیں ہے اور میں کبھی اکیلی اس طرح شاپنگ کے لیے نہیں گئی اور آج کچھ ضروری سامان خریدنے کے لیے بازار جانا ازحد ضروری ہے، اس لیے سوچا کیوں نہ تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں اور مجھے امید ہے تمہارے ساتھ میں بڑے اطمینان سے اپنی شاپنگ مکمل کر لوں گی۔"

نازیہ کی دی جانے والی وضاحت نے اسے کچھ شرمندہ سا کر دیا۔

"ارے اس میں اتنا شکریہ ادا کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ تم تین بجے تک آجاؤ، میں ان شاءاللہ تمہیں تیار ہی ملوں گی۔"

دو بجے تک زینب اپنا تمام کام مکمل کر کے فارغ ہو چکی تھی۔ فرہاد کو دکان پر فون کر کے اس نے نازیہ کے ساتھ جانے کا بتا دیا۔ اسے کوئی اعتراض نہیں تھا ورنہ وہ فوراً" سے پیشتر منع کر دیتا۔ ٹیوشن کے بچوں کو بھی اس نے آج آنے کا منع کر دیا۔ اب وہ تیار ہو کر باہر برآمدے میں بیٹھی نازیہ کی آمد کی منتظر تھی۔ پورے تین بجے نازیہ کی گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر اس نے جلدی سے جگنو کو گود میں اٹھایا اور مریم کی انگلی تھامے گھر کو لاک لگاتی ہوئی نازیہ کے ساتھ گاڑی میں جا بیٹھی۔ اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے بڑی سبک روی سے گاڑی آگے کی جانب بڑھا دی۔

☆ ☆ ☆

کرن اپنے نکاح کی خوشی میں سارے آفس کو ایک ٹریٹ دینا چاہتی تھی اور اسی سلسلے میں آج آفس آتے ہوئے وہ اپنے ساتھ ایک قریبی ریسٹورنٹ کا بروشر بھی لے آئی۔ جس میں تفصیل کے ساتھ مینو موجود تھا۔ آفس میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے بروشر نکال کر جیبہ کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟"

اپنے موبائل کو چارجنگ پر لگاتے ہوئے جیبہ نے پلٹ کر کرن سے سوال کیا۔ "یہ ایک فوڈ بروشر ہے۔ تم ذرا چیک کر کے میری مدد کرو اور مجھے بتاؤ کہ اپنے نکاح کی ٹریٹ کے سلسلے میں مجھے کیا آرڈر کرنا چاہیے۔"

"ارے اس قدر جھنجٹ پالنے کی کیا ضرورت ہے۔ چپ چاپ آفس کی کینٹین سے ہی کچھ منگوا لو۔"

بروشر کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے جیبہ نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا۔

"تم اپنے نکاح کی ٹریٹ کینٹین سے آرڈر کر کے دے دینا۔ مجھے تو فی الحال اسی ریسٹورنٹ میں آرڈر کرنا ہے۔ کیونکہ میرا ارادہ سر شاہ زین کو بھی انوائیٹ کرنے کا ہے۔"

"اچھا۔۔۔"

بنا کچھ کہے جیبہ نے بروشر ٹیبل پر واپس رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کے تاثرات بھی کچھ عجیب سے ہو گئے۔ کچھ دیر قبل والی جو ایک شرارتی مسکراہٹ اس کے چہرے پر تھی۔ وہ یکسر غائب ہو گئی۔ اس کی جگہ ایک عجیب سی کرختگی نے لے لی۔

"تمہیں کیا میرا سر شاہ زین کو انوائیٹ کرنا برا لگا ہے؟"

اس کے چہرے کے تاثرات سے کرن نے فوری طور پر یہ ہی نتیجہ اخذ کیا۔

"نہیں بھلا مجھے کیوں برا لگے گا؟"

اپنی دراز کھولے اس میں سے کچھ تلاش کرتے ہوئے الٹا اس نے کرن سے ہی سوال کر لیا۔

"پتا نہیں شاید مجھے ایسا لگا۔"

جیبہ کا سوال سنتے ہی کرن کچھ بوکھلا سی گئی۔

"تمہیں غلط لگا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

اس کے چہرے پر چھائی کچھ دیر قبل والی کرختگی خاصی کم ہو چکی تھی۔

"اچھا تو پھر کیا میں انہیں انوائیٹ کر لوں۔"

"یہ تمہارا اپنا ذاتی مسئلہ ہے۔ اگر تم سمجھتی ہو کہ تمہیں انوائیٹ کرنا چاہیے تو ضرور کرو۔"

"او کے۔۔۔ تو پھر ٹھیک ہے میں انہیں آج ہی انوائیٹ کر لیتی ہوں اور مجھے امید ہے کہ وہ ضرور آئیں گے۔ کیونکہ وہ عادتوں میں بالکل اپنے والد جیسے ہیں پر خلوص اور محبت کرنے والے اور اگر خدانا خواستہ اپنی والدہ جیسے ہوتے تو جانے ہمارا کیا بنتا۔"

کرن ہنستے ہوئے مذاقاً بولی۔

"کیوں۔۔۔ ان کی والدہ کیسی ہیں؟"

بظاہر جیبہ کا انداز خاصا سرسری سا تھا۔

"بڑی نخرے والی خاتون ہیں تم تو شاید ابھی تک ان سے ملی بھی نہیں ہو؟"

"ملی تو نہیں۔۔۔ البتہ انہیں ایک، دو بار آفس میں دیکھا ضرور ہے اور ویسے ایک بات کہوں۔۔۔"

بات کرتے کرتے یکدم اس نے رک کر کرن کی جانب دیکھا۔

"بعض دفعہ لوگ وہ ہوتے نہیں جو ہمیں دکھائی دیتے ہیں اس لیے کوشش کیا کرو کسی سے ہونے والی سرسری

ملاقات میں اس کی شخصیت کے بارے میں غلط اندازے قائم مت کرو کیونکہ بعد میں اپنے اندازے کی غلطی کا احساس ہمیں کافی حد تک شرمندہ کردیتا ہے اس وقت جب ہمیں پتا چلتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں سوچا جانے والا ہمارا خیال کس قدر غلط تھا۔"

پتا نہیں وہ یہ بات کس کے لیے کہہ رہی تھی۔ شاہ زین اس کے والد یا والدہ کے لیے کرن سمجھ نہ پائی مگر اس سے کچھ پوچھ کر وہ بحث کو طول نہ دینا چاہتی تھی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

اسے ہاتھ میں فائل تھامے باہر نکلتا دیکھ کر کرن نے سوال کیا۔

"ہمدانی صاحب کو یہ فائل دینی ہے۔"

آہستہ آواز میں جواب دیتی وہ باہر نکل آئی۔ کرن نے اس کی پشت کی جانب دیکھا اور کندھے اچکا کر اپنا بردشر ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے خود بھی باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

اماں کو جانے کیا ہوا تھا بخار ختم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔ اتنے دنوں تک تو وہ کبھی بیمار نہیں ہوئی تھیں اور یہی بات اس کے لیے باعث تشویش تھی۔ کئی بار فاطمہ خالہ نے انہیں نکڑ والے ڈاکٹر سے دوائی بھی لا کردی مگر بخار تھا کہ بالکل ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ البتہ اس کی شدت میں کبھی کبھار کمی ضرور ہو جاتی تھی۔ اسی طرح پچھلے دو دنوں سے وہ کچھ بہتر تھیں۔ انہوں نے مشین رکھ کر اپنا کچھ سلائی کا کام بھی مکمل کیا۔ انہیں اس طرح کام کرتے دیکھ کر وہ خاصی مطمئن سی ہوگئی تھی۔ مگر آج پھر اچانک ہی انہیں رات سے دوبارہ بخار ہو گیا۔ جس کی شدت صبح تک کافی بڑھ گئی تھی۔ ان کی تمام دوائیاں بھی ختم ہو چکی تھیں۔ رات میں تو بخار اتنا زیادہ نہیں تھا۔ مگر جو صبح اٹھ کر اس نے انہیں بے سدھ پڑے دیکھا تو ایک دم گھبرا اٹھی۔ کچن میں کھانے کے لیے بھی کچھ نہ تھا۔ جبکہ اس کے پیٹ میں بھوک سے بل پڑ رہے تھے۔ ایسے میں اسے سمجھ نہیں آیا کہ اس حال میں بیمار ماں کی فکر کرے یا اپنی۔

اپنی بھوک کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے اس نے صحن میں رکھے مٹکے سے پانی کا کٹورا بھرا اور ایک کپڑے کا ٹکڑا لیے ماں کی چارپائی کی جانب آئی۔ پہلے کٹورے کے پانی سے ان کے پاؤں دھوئے اور پھر ان کے سرہانے جا بیٹھی۔ کپڑا اچھی طرح پانی میں بھگو کر نچوڑا اور ان کے ماتھے پر رکھ دیا۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اور نہ کر سکتی تھی۔

فاطمہ خالہ بھی دو دن قبل اپنی بیٹی سے ملنے فیصل آباد گئی تھیں۔ ابھی تک واپس نہ آئی تھیں ورنہ وہ جا کر انہیں ہی بلا لاتی۔ آج اتوار کے سبب نکڑ والے ڈاکٹر کی دکان بھی یقیناً" بند ہی تھی۔ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ پانی کی پٹیاں کرے۔ شاید اسی طرح ان کا بخار کچھ کم ہو جائے۔ وہ ان ہی سوچوں میں گم تھی۔ جب ماں کے کراہنے کی ہلکی سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہائے۔۔۔"

اتنی دیر میں یہ پہلا لفظ تھا جو اس کی ماں کے لبوں سے ادا ہوا۔ ماں کی تکلیف نے اس کے دل کو دکھی کر دیا اور آنکھیں پانی سے لبالب بھر گئیں۔

"ہائے ربا۔"

تکیے پر ادھر ادھر سر مارتے ہوئے انہوں نے اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیری۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھ میں پکڑا کٹورا ساتھ والی ٹیبل پر دھرا۔ بھاگم بھاگ پانی کا گلاس بھرے وہ ایک بار پھر ان کے قریب آن پہنچی۔

"اماں پانی پی لو۔"

ماں کے کندھے کو ہلکے سے ہلاتے ہوئے اس نے متوجہ کیا۔ اماں نے مارے نقاہت کے بمشکل اپنی آنکھیں کھولتے ہوئے اس پر نظر ڈالی۔

"تم نے کچھ کھایا ہے؟"

اتنی بیماری اور تکلیف میں بھی اسے اگر کوئی احساس تھا تو وہ صرف اپنی بیٹی کی بھوک کا' جبکہ بھوکی تو وہ خود بھی تھیں۔ اسے آج پتا چلا اللہ تعالیٰ نے ماں کے قدموں کے نیچے جنت کیوں رکھی ہے۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

جب وہ بولی تو لہجہ گلو گیر سا ہو گیا۔ جس کا اندازہ خود اسے بھی نہ تھا۔ "میرے تکیے کے نیچے کچھ پیسے رکھے ہیں۔ وہ نکال کر بھائی فرید کی دکان سے چاول لے آؤ... اور ہاں اپنے ناشتے کے لیے بھی کچھ لے آنا۔"

اس نے دھیرے سے سرہلاتے ہوئے تکیے کو ایک سائیڈ سے اونچا کر کے اندر ہاتھ ڈالا' کچھ مڑے تڑے نوٹ اس کے ہاتھ میں آ گئے جنہیں لیے وہ خاموشی سے باہر آ گئی کچھ دور موجود کریانہ کی دکان سے مطلوبہ سامان خرید کر واپس پلٹی ہی تھی کہ جانے کہاں سے یک دم محلے کا ایک اوباش نوجوان اس کے سامنے آن کھڑا ہوا اسے ایک دوبار پہلے بھی اسکول سے واپس آتے ہوئے اپنے ساتھ ساتھ چلتا دیکھ چکی تھی مگر اپنی غلط فہمی سمجھ کر اس نے کوئی توجہ نہ دی مگر اب یک دم اس طرح اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ گھبرا سی گئی' اس کے ہاتھ پاؤں کانپ اٹھے چاہا کہ کترا کر سائیڈ سے نکل جائے' مگر وہ اس کی نیت بھانپتے ہی فوراً" دوسری جانب ہو گیا۔

"ہٹو میرے آگے سے۔"

ایک کپکپاتی موٹی آواز اس کے حلق سے بمشکل نکلی۔

"یہ تم صبح صبح کیا لینے نکلی ہو۔"

اس وقت جب وہ مارے خوف کے شاید بے ہوش ہی ہو جاتی کہ اچانک اسے اپنے عقب سے فاطمہ خالہ کی بہو شبانہ باجی کی آواز سنائی دی تھی اس نے نظر اٹھا کر دیکھا سامنے موجود نوجوان شاید خطرہ بھانپ کر کھسک گیا تھا اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور شبانہ باجی کی جانب دیکھا جو اس کے جواب کی منتظر کھڑی تھیں۔

"ناشتا لینے آئی تھی۔"

آہستہ آواز میں جواب دیتی وہ ان کے ساتھ چل دی۔

"اور یہ شوکت تمہیں کیا کہہ رہا تھا۔"

"کون شوکت..."

اس نے حیرت سے اپنی آنکھیں پھیلاتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ ہی جو تمہارے پاس کھڑا تھا۔"

"اچھا اس کا نام شوکت ہے۔"

اسے آج پہلی بار اس نوجوان کا نام معلوم ہوا۔

"کہا تو کچھ نہیں مگر جانے کیوں میرا راستہ روکے کھڑا تھا۔"

کچھ دیر قبل والی صورت حال کو ذہن میں لاتے ہی وہ گھبرا اٹھی۔

"بڑا ہی بدمعاش لڑکا ہے۔"

شبانہ باجی نے بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"تمہاری امی کہاں ہیں' جو تم صبح صبح اکیلی دکان پر آئی ہو۔"

شبانہ باجی جانتی تھیں کہ وہ کبھی بھی اس طرح دکانوں پر سودا خریدنے نہیں آتی تھی اس لیے وہ قدرے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔

"ان کی طبیعت خراب تھی اس لیے مجھے آنا پڑا" وہ دھیرے سے بولی۔

"طبیعت خراب تھی؟" شبانہ کو مزید حیرت ہوئی۔

"مگر کل تک تو وہ ٹھیک تھیں ابھی کل شام ہی تو انہوں نے میرا سوٹ سی کر بھیجا تھا پھر اب کیا ہوا۔"

"پتا نہیں' رات سے ہلکا ہلکا بخار تھا جو دن چڑھتے ہی شدید ہو گیا۔"

وہ آنکھوں میں آئی نمی چھپانے کی کوشش میں سر جھکاتے ہوئے بولی۔

"اچھا مجھے تو پتا ہی نہ تھا اب ایسا کرو تم گھر جاؤ میں اپنے بچوں کو مدرسے سے واپس لا کر تمہاری طرف ہی آتی ہوں دیکھوں تو سہی ذرا۔۔۔ آپا کو کیا ہوا۔"

"جی اچھا۔۔۔"

وہ جواب دیتے ہوئے تیزی سے گھر کی جانب بڑھی تاکہ اندر جا کر اپنی بیمار ماں کا حال دیکھ سکے اور انہیں کچھ کھانے کو بھی دے جبکہ اس کی پشت پر کھڑی شبانہ اس وقت تک اسے دیکھے گئیں جب تک اس نے اندر داخل ہو کر لکڑی کے دروازے کی کنڈی نہ لگا لی۔

"بے چاری بچی جس کا نہ کوئی آگے نہ پیچھے' آج اگر بیمار ماں کو کچھ ہو گیا تو یہ غریب کہاں جائے گی۔"

اس سوچ کے دماغ میں آتے ہی انہیں ایک جھرجھری سی آگئی۔

"اللہ معاف کرے میں کیسی گھٹیا بات سوچ بیٹھی خدا اس کی ماں کو لمبی عمر دے۔"

دل میں آتے اپنے ہی خیال پر وہ تیزی سے لعنت بھیجتی مدرسے کی طرف جانے والی گلی کی سمت بڑھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

اریشہ کی دی ہوئی مدت ختم ہونے میں صرف دو دن باقی تھے اور ایشال کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کس طرح بابا سے بات کرے کہاں تو پہلے وہ ہر وقت ہی بہانے بہانے سے اس کی شادی کا ذکر کیا کرتے اور کہاں اب یہ حال ہے کہ بالکل ایسے خاموش تھے جیسے انہیں ایشال کا کروایا جانے والا نکاح بھی بھول گیا ہو جبکہ اب وہ خود چاہتا تھا کہ بابا اس کے نکاح کا تذکرہ کریں اور وہ اپنے دل کی بات ان تک پہنچائے مگر اب تیزی سے گزرتے وقت کے ساتھ بابا کی طویل خاموشی اسے بے چین کر رہی تھی۔

بہرحال جو بھی تھا یقیناً "فیصلہ کا وقت قریب آگیا تھا آنے والے چند گھنٹے اس کے لیے نہایت اہم تھے ان ہی گھنٹوں میں کیا جانے والا کوئی ایک فیصلہ اس کی پوری زندگی کو بدل دینے پر قادر تھا وہ زندگی جس کے ایک طرف عریشہ اور دوسری طرف سبز دوپٹے والی وہ لڑکی جس کا نام بھی آج تک وہ نہ جان پایا اور نہ ہی جاننا چاہتا تھا لیکن یہ ضرور جانتا تھا عریشہ کے ساتھ زندگی کی ہر خوشی اس کا مقدر بن جاتی جبکہ دوسری صورت میں سوائے ایک دردناک اذیت کے کچھ ہاتھ نہ آتا اور اس دردناک اذیت سے نجات پانے کا بہتر طریقہ یہ تھا کہ پاپا سے بات کر کے اپنا انکار ان تک پہنچائے تاکہ اس رشتے کو ختم کر کے وہ عریشہ سے اس کے رشتے کی بات شروع کریں اور اس کے لیے ضروری تھا کہ اب وہ بنا کسی انتظار کے خود ہی ان سے بات کر لے یہ خیال دل میں آتے ہی اس کی بے چینی کسی حد تک کم ہو گئی۔

"ٹھیک ہے اب جو بھی ہو پاپا کے گھر آتے ہی مناسب وقت دیکھ کر میں خود ہی ان سے بات کر لوں گا۔"

یہ حتمی خیال دل میں آتے ہی وہ مطمئن سا ہو گیا اب اسے انتظار تھا تو صرف پاپا کے آفس سے واپسی کا' وہ چاہتا

تھا کہ پاپا کھانے کے بعد جب اسٹڈی جائیں تو وہ بھی وہیں جا کر ان سے ہر بات کرے حالانکہ یہ ایک کافی مشکل امر تھا مگر جو بھی تھا اسے پایہ تکمیل تک تو پہنچانا تھا اس طرح خاموشی سے سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر طوفان کا اندازہ کرنے سے زیادہ اچھا تھا کہ طوفان آنے سے قبل ہی اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نکال لی جائے اور یقیناً" عریشہ کی محبت اب اسے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار کر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ نازیہ کے ساتھ جیسے ہی سپر اسٹور میں داخل ہوئی دنگ رہ گئی یہ وہ وقت تھا جب یورپی انداز سے بنے ایسے سپر اسٹور پاکستان میں اکادکا ہی متعارف ہوئے تھے اور جہاں تک صرف ایک مخصوص طبقہ ہی کی رسائی تھی عام آدمی کا ان مہنگے ترین سپر اسٹور اور شاپنگ مال میں جانا بھی ایک خواب تھا۔ اب جو زینب اندر داخل ہوئی تو وہاں ایک وسیع و عریض دنیا دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"اس طرف آجاؤ مجھے کچھ کراکری اور بیڈ شیٹس لینی ہیں۔"

نازیہ ایک خالی ٹرالی لیے اس کی طرف آتے ہوئے بولی' وہ بنا کچھ بولے خاموشی سے اس کے ساتھ ہولی' نازیہ نے کچھ گلاس اور کپ اٹھا کر ٹرالی میں ڈالے پھر کچھ بیڈ شیٹس اور تولیہ کے پیکٹ بھی ٹرالی میں ڈال لیے' وہ خاموشی سے ہر طرف کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"تم بھی لے لو اگر کچھ چاہیے ہو تو......"

اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے یک دم نازیہ نے اسے مخاطب کیا۔

"نہیں تمہارا شکریہ میرے گھر پہ سب سامان فرہاد خود لے کر آتا ہے۔"

اپنے دل کو اطمینان دلاتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی۔

وہاں سے فارغ ہوتے ہی نازیہ دوسرے حصے کی جانب آگئی' جہاں کھانے پینے کی اشیاء یہاں سے وہاں تک بھری پڑی تھیں' جگنو سو گئی تھی جسے نازیہ کی ملازمہ نے اپنی گود میں اٹھا رکھا تھا نازیہ نے کچھ جوس کے پیکٹ اٹھا کر ٹرالی میں رکھ لیے' وہ خاموشی سے سب اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے چل رہی تھی کہ اچانک ہی مریم نے قریبی ریک میں موجود چاکلیٹ کا بڑا سا پیکٹ اٹھا لیا۔

"اماں مجھے یہ لینا ہے۔"

ہاتھ میں پیکٹ تھامے وہ زینب کی جانب امید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی' اب زینب کی سمجھ میں نہ آیا کیا کرے وہ یک دم ہی گھبرا سی گئی۔

"بری بات بیٹا واپس رکھواسے۔"

اس نے جلدی سے مریم کے ہاتھ میں تھما پیکٹ پکڑلیا۔

"اُفوہ کیا کررہی ہو زینب رکھواسے ٹرالی میں۔"

نازیہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر وہ پیکٹ واپس اٹھالیا زینب شرمندہ سی ہوگئی۔

"لینے دو مریم کو جو بھی لینا ہے پلیز تم اسے مت ٹوکو۔"

زینب کا دل چاہا اپنے قریب کھڑی مریم کو ایک زوردار تھپڑ رسید کرے مگر جانے کیسے اس نے اپنی اس خواہش کو دبالیا۔

"آؤ بیٹا میرے ساتھ تمہیں جو لینا ہے لے لو۔"

نازیہ مریم کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ گئی۔

"دوبارہ اگر کبھی نازیہ کے ساتھ آنا پڑا تو مریم کو کبھی نہیں لاؤں گی' مجھے تو اس نے آج ذلیل ہی کردیا۔"

دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے اس نے پکا عہد کرلیا۔

"آگے آؤ زینب وہاں اکیلی کیوں کھڑی ہو۔" اسے اپنی جگہ پر ساکت دیکھ کر نازیہ نے پکارا۔

"آرہی ہوں۔"

نازیہ کو جواب دے کر وہ تیزی سے اس سمت بڑھ گئی جس طرف نازیہ جارہی تھی وہاں یقیناً کاؤنٹر تھا جہاں بل جمع کروا کر اپنا تمام سامان وصول کرنے کے بعد انہوں نے باہر نکل جانا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ نازیہ نے مریم کے لیے مزید کیا کیا لے لیا ہے مگر گھر پہنچتے ہی جو نازیہ نے ایک بڑا سا پلاسٹک کا بیگ اس کے حوالے کیا تو وہ مزید شرمندہ ہوگئی۔

"کیا ضرورت تھی نازیہ یہ سب کچھ لینے کی۔"

شاپر ہاتھ میں تھامتے ہوئے وہ کچھ جھجکی۔

میں نے تمہارے لیے کچھ نہیں لیا یہ سب سامان میری بیٹی کا ہے اور ہاں خبردار میرے جانے کے بعد اب اسے کچھ مت کہنا۔"

شاید وہ زینب کے دلی خیالات بھانپ چکی تھی۔

زینب نے خاموشی سے شاپر لے لیا' یہ پہلی دفعہ نہیں ہوا تھا اس سے پہلے بھی نازیہ اور سالار اکثر و بیشتر ایسے قیمتی تحائف دیتے رہے تھے مگر اس کے لیے زیادہ شرمندگی کا باعث مریم کی اسٹور میں کی جانے والی حرکت تھی اسے محسوس ہوا کہیں نازیہ یہ نہ سوچے کہ میرے ہی ایما پر مریم نے یہ حرکت کی ہو اور یہ ہی سوچ اسے بار بار شرمندہ کررہی تھی جب کہ جانتی تھی کہ نازیہ اتنی چھوٹی سوچ رکھنے والی عورت نہیں ہے۔

"بہرحال اب جو بھی ہو آئندہ میں نے کبھی بھی مریم کو اپنے ساتھ نہیں لے کر جانا۔"

مریم کو تیزی سے چاکلیٹ کا پیکٹ کھولتے ہوئے دیکھ کر اس نے دل ہی دل میں کیے جانے والے اپنے سابقہ فیصلے کو ایک بار پھر دہرایا اور کچھ مطمئن سی ہوگئی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

رِدا ایم سرور
جھوٹ

جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے
پھر بھی ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں اسے
کیا خبر کون سے رستے پہ کہاں
وہ سمندر کے کنارے پہ ملے
سرخ بتی کے اشارے پہ ملے
یا کسی اور ستارے پہ ملے
بند کمرے میں چھپا بیٹھا ہو
سبز وعدوں کی کمانداریوں میں کہیں
سلسلہ وار سوالوں کی نگاہوں میں کہیں
یہ بھی ممکن ہے کہ زینے کے تلے
ملگجی شام کو پہلو میں لیے
بند ہوتے ہوئے کھلتے ہوئے دروازے میں
ہم سے ٹکرا کے گزر جائے کہیں
اس ملاقات کی صورت کیا ہو
اس ستم گر کی شباہت کیا ہو
اس کی پوشاک کی رنگت کیا ہو
اس پہ پھر رنگ طبیعت کیا ہو
اس مدارات کی قیمت کیا ہو
جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے

وہ جھوٹی تھی اور سراپا جھوٹی تھی
اس پہ جتنی انگلیاں اٹھتیں۔ سب اسے جھوٹی اور چورنی کہتے۔ وہ جھوٹی اور چورنی کے نام سے مشہور تھی۔ یہاں بدنام کہنا غلط ہوگا۔

وہ کہاں سے میلوں پیدل چلتی آتی تھی۔
اور کب چلی جاتی تھی کچھ پتا نہ چلتا تھا
نین نقش اس کے تیکھے تھے اور اس پر سیاہ بالوں کی دراز چوٹی اور چہرے پہ بکھرے بال اس کی بے نیازی سادگی اور معصومیت کو واجا کرتے تھے۔

اماں شانی کہتی تھیں وہ محلے سے کئی کوس پرے ایک ماچس فیکٹری میں پیکنگ گرل تھی۔ اور پچھلے تین سالوں سے پیکنگ کر رہی تھی۔

اماں شانی تو یہ بھی بتاتی تھیں کہ جب وہ پہلی بار آئی تھی تو برقع میں تھی۔ صرف بڑی بڑی آنکھیں دکھتی تھیں۔ اس کے ساتھ میں ایک بوڑھا مرد تھا جو اسے ہانکتا ہوا لا رہا تھا۔ کیونکہ وہ چلنے میں سست تھی۔ اور اس کے قدم مرد کے قدم سے بہت پیچھے تھے۔ شاید اس کی مرضی نہ تھی۔

مگر وہ چار مہینے میں مرد کے قدم سے پیچھے رہ جانے والی اس سے کہیں آگے نکل گئی تھی۔

وہ تیز قدموں سے چلتی تھی اور زبان اس سے کہیں زیادہ تیز تھی۔ صبح آٹھ بجے سے پانچ بجے تک وہ فیکٹری میں ہوتی اور ماچسوں کی پیکنگ میں مصروف رہتی۔ یوں لگتا اس کی زبان بھی وہاں پیک ہو چکی ہو۔ وہ وہاں سے نکلتے ہی زبان کے جوہر دکھاتی۔ سلام سے لے کر میت کے غسل تک اس سے ہر موضوع پر بات ہوتی۔

ہر بات کو اپنی آنکھوں میں گھما کر بات کرتی تھی۔
اور اماں شانی کو اپنے گھر کے قصے فخریہ انداز میں سناتی۔

"تو بیٹا اب تجھے کیا ضرورت ہے کام کرنے کی، کیوں خود کو ہلکان کرتی ہے۔ جب تیرا بھائی بھی کام سے لگ گیا ہے تو گھر پہ بیٹھ۔" اماں اس کی بات پر یقین نہ کرتے ہوئے جھٹکے سے کہتیں۔ اور نازی اماں شانی کے جواب پہ دلیل دیتے ہوئے بولتی۔

"بات تو تیری سچ ہے اماں۔۔۔ پر کیا کروں دل نہیں لگتا گھر میں، رضیہ بھی تو دبئی میں ہے۔ اس کی بیگم صاحبہ نے تو جی اس کو بڑا خوش رکھا ہے۔ نئے جوڑے چمکتا دمکتا سرخی پاؤڈر اور تو اور جی بہت ہی نئے فیشن کا موبائل ہے اس کے پاس اتنا بڑا۔" وہ ہاتھ پھیلا کر کہتی اور اماں شانی کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑتیں ابھی وہ اپنی حیرت کو قابو کرتیں کہ وہ پھر شروع ہو جاتی۔ "یہ لمبی لمبی گاڑیوں کی سیریں کرتی ہے۔"

"اور کام وام کچھ نہیں" اماں غصے میں پوچھتیں۔

"نا جی۔۔۔ یہ کام ہی تو ہے جی اس کا انجوائے کرتے ہوئے کرتی ہے سارا کام، بچوں کو صاف ستھرا رکھتی ہے۔ جی گھر میں جو نوکر ہیں ان پر نظر رکھتی ہے۔ بڑی وڈی شاہی نوکری ہے۔ جی اس کی تو ابا تو بس گھر بیٹھے نوٹ گنتا رہتا ہے۔"

"ہیں نوٹ" اماں شانی تو جیسے حیران پہ حیران

تھیں۔ ناقابل یقین کیفیت تھی ان کی۔

"ہاں تو جی وہ جتنا کماتی ہے ابا کو بھیج دیتی ہے۔ ابا بڑا خوش ہے رضیہ سے۔"

"تجھ سے کیوں نہ خوش ہیں سب!" اماں شانی نے نہ جانے کیا سوال کر دیا تھا کہ ایک لمحے کو تو اس کی آنکھوں کی گولائی ٹھہر گئی تھی۔ چہرے پہ کچھ آ کے گزر گیا تھا۔ وہ کچھ گڑبڑا گئی تھی۔ پھر بہت جلد اسی ترنگ میں آ کر بولی۔

"تاجی ناں میری بھی بڑی قدر ہے گھر میں۔ بھابھی شمو تو میری پسند کی ہانڈی بناتی ہے۔ اماں تو بس مسہری کے پائے پکڑے ہائے ہائے کرتی پڑی رہتی ہے' اس کا سر ہی چکراتا رہتا ہے۔ بس ابا ہی ابا ہے گھر میں۔ رفیق بھائی تو فیکٹری میں ہی لگے رہتے ہیں۔ بھابھی شمو اس کا بہت خیال رکھتی ہے۔ وہیں تو دونوں کی بنی تھی۔ آپس میں بڑی محبت ہے بڑا لگاؤ ہے۔"

وہ جب شروع ہوتی تو آنکھ بند کر کے بولے ہی چلی جاتی۔

☆ ☆ ☆

اماں شانی کے گھر میں سناٹے کا راج تھا۔ بہو بیٹا ایک ایکسیڈنٹ میں ختم ہو گئے تھے۔ اکلوتا پوتا صادق علی کو دیکھ کر جیتی تھیں۔ تئیس سال کا کڑیل جوان تھا۔ ایک کمپنی میں بی اے کرنے کے بعد نوکری کر لی تھی۔ شام تھکا ہارا جب وہ گھر پہنچتا تو ناری دوپٹا لہراتی ہوئی باہر نکل رہی ہوتی۔ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے سے ٹکراتیں۔ سوال جواب ہوتے اور دنیا ان سے بے نیاز رہتی۔ صادق مسکراتا ہوا اندر آتا اور وہ مستانی لہرنی اپنے راستے ہوتی۔

صادق علی اپنے نام کے ساتھ بہت انصاف کرتا۔ ہمیشہ سچ ہی بولتا آیا تھا اب ہی اس کی عزت کرتے۔ شانی اماں کو اپنے پوتے پہ بڑا ناز تھا۔ سادہ مزاجی ویسے بھی ان کے گھر کا مزاج تھا۔ صادق کی تربیت میں انہوں نے اپنے تمام ہنر آزمائے تھے۔ پورا محلہ ان کی تربیت کے گن گاتا تھا۔ صادق محلہ کمیٹی کا جنرل سیکرٹری تھا۔

صادق ہر گھر کے مسئلے کو حل کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا۔ کسی کے گھر کی بجلی کا بل چھ مہینوں سے نہیں بھرا ہے۔ بجلی کٹ گئی ہے۔ صادق حاضر ہو کر سارے کام کرتا اور راجا چاچو کے گھر میں پیلا بلب روشن ہو جاتا۔ ثمینہ سسرال میں خوش نہیں ہے۔ پورا سال ہو گیا بیٹھے ہوئے۔ ثمینہ کی اماں ہول رہی ہیں کہ میرے بعد کیا بنے گا اس کا۔ صادق علی نے بھائی بن کر ثمینہ اور اسلم کے مسئلے سنے' صلح کروائی اور کچے کاغذ پر دونوں کی بپتا لکھوائی' محلہ کمیٹی نے بھی دستخط کیے' کسی نے انگوٹھا لگایا اور یوں ثمینہ خوش حال زندگی گزار رہی ہے۔

صادق کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہ تھا۔ جو کہا کر دکھایا۔ محلے والے صادق کی بات پر من و عن ایمان لاتے۔

بستی کے کتنے ہی جھگڑوں کو وہ نبٹا لیتا تھا۔ کتنی ہی کنواری آنکھیں اس کے خواب دیکھنے لگی تھیں۔ مگر وہ ان سب سے بے نیاز اپنی دھن میں مگن رہتا۔ جان کر بھی انجان بن جاتا۔ اماں شانی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کس لڑکی کو اپنے گھر کی زینت بنائے۔

موسم کے بدلنے میں انسان کے بدلنے میں بس ذرا سا وقت لگتا ہے اور انہی کے درمیان انسان اپنے احساسات کا جال بنتا ہے جو اس کی سوچوں پر محیط ہوتا ہے اور اکثر تو نظر کا دھوکا ہوتا ہے کہ جو ہم دیکھتے ہیں وہ نہیں ہوتا۔ یا ہم جیسے سوچتے ہیں وہ ویسا نہیں ہوتا۔ صادق علی غیر شعوری طور پر ناری کی طرف راغب ہو رہا تھا اسے اس کی جھوٹی باتوں میں سے بھی سچائی کی مہک آ رہی تھی۔ چاند کی چاندنی بھی شاید اتنی روشن نہ ہو جتنی چمک وہ ناری کی صورت میں دیکھتا تھا لیکن اماں شانی تو اسے سدا کی جھوٹی کہتیں کیونکہ عورت تو ہوتی ہی کچے کان کی ہے بس ذرا سا کہیں سے کچھ سن لے اس پر ہی یقین کرنا اس کی فطرت میں شامل ہوتا ہے۔ وہ اس بات کی تصدیق ہی نہیں کرتی کہ جھوٹا کون ہے

اور اگر جھوٹ بولا بھی گیا تو وجہ کیا تھی۔ صادق علی ناری کے لیے بس سن لیا کرتا لیکن دل سے اسے برا نہیں سمجھتا تھا کیونکہ اس کی معصوم سی ادائیں ہوا سے باتیں کرتا آنچل اور باتوں کی جھنکار' دل میں اتر کر ہلچل مچادیا کرتی تھیں۔

اس روز سورج کی کرنیں کچھ شوخ سی تھیں نہ جانے ڈھلتے وقت سورج کو کیا شرارت سوجھی تھی جو اس کی کرنیں لالی ہونے کے ساتھ شام کو بھی انوکھا روپ دے رہی تھیں۔ صادق علی گھر میں داخل ہوا تو روز کی طرح ناری کچن کے دروازے پر ہی نظر آئی۔ سلام کے ساتھ ہی صادق علی نے کہا۔ "سنو چائے ملے گی؟" "بس ابھی لائی" وہ یہ کہہ کر کچن میں داخل ہوئی اور کچھ ہی دیر میں چائے لیے اس کے سر پر سوار تھی۔ صادق علی کو تھوڑی تشویش ہوئی کہ ابھی تو یہ کچن کے دروازے پر کھڑی تھی اتنی جلدی چائے بنا کر کیسے لے آئی لیکن سوال کرنے کے بجائے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے لیا اور پہلے ہی سپ پر اسے داد بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ ناری اس کی کیفیت سے بے خبر اٹھلا کر بولی۔

"میں چلتی ہوں۔ ابا نے میرے بغیر کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا" وہ یہ کہہ کر مورنی کی چال چلتی ہوئی گم ہو گئی۔ اس نے پلٹ کر صادق علی کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کے اٹھتے جذبات کو بھی دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ناری کے لیے اپنی ہی باتیں اپنی ہی ایک دنیا تھی۔ جس سے وہ باہر نکلنا نہیں چاہتی تھی اس کے لیے فیکٹری اور پھر اماں شانی سے کی جانے والی باتیں بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں کیونکہ وہ سدا کی جھوٹی تھی۔

اماں شانی نے نوری کے خلاف بے حد تاویلیں دیں مگر کوئی بھی بات صادق علی ماننے کو تیار نہ تھا اور اماں شانی کی بھی یہ ہی کیفیت تھی۔ صادق علی محبت کے ہاتھوں اپنا دل سونپ چکا تھا اس لیے ناری کو جھوٹا تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں تھا۔

"ناری سدا کی جھوٹی ہے۔ تو صادق ہے تجھے اس کی باتوں میں صداقت کہاں نظر آتی ہے؟" اماں شانی صادق علی کو سمجھا رہی تھیں۔

"تم ہر ایک کی مدد کرتے ہو! لوگ تمہیں جانتے ہیں اور تمہاری مثال دیتے ہیں وہ سنیں گے تو کیا کہیں گے کہ صادق میاں محبت میں سٹھیا گئے؟"

"لوگوں کی عادت ہے باتیں کرنے کی' مجھے ناری میں ایسی کوئی خاص برائی نظر نہیں آتی۔" صادق نے اماں شانی سے تو کہہ دیا لیکن خود الجھ گیا تھا۔

ناری واقعی جھوٹی ہے یا لوگوں نے اسے جھوٹا مشہور کیا ہے؟ صادق علی کی نظریں دیوار پر لگی گھڑی پر تھیں اور اس کی سوچ گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ چل رہی تھی۔ ناری اور اماں شانی کی باتیں اسے پریشان کر رہی تھیں۔ صادق علی کو ناری کی بھی کسی بات پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہوا وہ بات ہی اتنے یقین سے کرتی کہ سامنے والا اس کی ہر بات کو سچ سمجھتا لیکن ناری اپنی ہی باتوں میں کوئی ایسی بات بھی کر جاتی جو صادق علی کو چونکا دیتی مگر وہ صرف اس کی طرف دیکھ کر رہ جاتا۔

ناری فیکٹری سے نکل کر گھر کی سمت چل دی اور صادق علی صبح سے شاید اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا بہت خاموش اور غیر محسوس طریقے سے اس کے پیچھے چلنے لگا تھا۔ ناری بہت تیزی سے قدم اٹھاتی اپنے پیروں میں صادق علی کے خیالات مٹی میں دفناتی ہوئی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ صادق علی کے خدشات نجانے کیوں چیخنے لگے تھے۔

"صادق علی تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اماں شانی کو جھٹلا رہے ہو۔" دل اور دماغ میں تصادم چل رہا تھا اور صادق علی بہت خاموشی سے ناری کے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ ناری ایک جگہ آ کر رک گئی تھی اس کے سامنے ایک دروازہ تھا۔ وہ دروازہ دو کمزور سی دیوار وں کا سہارا لیے کھڑا اپنی کہانی سنا رہا تھا۔

"ناری کے ساتھ بہت برا ہوا بہت خوشی رہتی تھی یہ ناری' ایک بڑی بہن اور بھائی' ان دونوں کے درمیان تھی یہ! لیکن پھر بھی سب کی لاڈلی تھی بہن کی شادی ہوئی تو وہ بیاہ کر دبئی چلی گئی مگر جب بھی آتی ناری

کے لیے تحفوں کا ڈھیر لاتی۔

ناجانے کون کس سے ناری کی کہانی سن رہا تھا مگر صادق علی نا چاہتے ہوئے بھی سب سن رہا تھا اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سب کچھ اس کے سامنے ہی تو ہوا ہو اور وہ جو صادق تھا ہر ایک کے کام آنے والا ان سب سے بے خبر تھا یا انجان بنا رہا تھا صرف اس لیے کیونکہ اس لڑکی کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ سدا کی جھوٹی ہے۔

اماں شانی ناری کے بارے میں کیا کچھ کہتی تھیں۔

"صادق علی تو اس کی چائے کی بات کرتا ہے! چائے تو کوئی بھی لڑکی بنالے گی تو دل کو سمجھا۔"

اماں شانی نے ابھی کل ہی تو صادق علی سے یہ بات کی تھی' محبت میں انسان اندھا ہو جاتا ہے! مگر تم صادق نہیں۔ تم سچے انسان ہو اس لیے ناری کی جھوٹی باتوں میں مت آؤ۔"

اماں شانی کی باتیں کانٹے دار تھیں لیکن ان کی سچائی اب صادق علی کو محسوس ہو رہی تھی۔

محبت اگر انسان کو اندھا کر دیتی ہے تو ساتھ ہی بے اختیار بھی بنا دیتی ہے صادق علی دل کے ہاتھوں مجبور تھا اس لیے یہاں تک بہت خاموشی سے آیا تھا لیکن اب اندر باہر عجیب شور تھا' کبھی اماں شانی کی آواز آتی تو کبھی ناری کی۔

"ابا میر! انتظار کر رہے ہوں گے میرے بغیر کھانا بھی نہیں کھاتے" اور کبھی آس پاس کے لوگوں کی آوازا سے حال میں لے آتی۔

"کملی ہے بے چاری۔ اپنوں کو ڈھونڈتی ہے اور اگر نہیں ملتے تو ماضی میں پہنچ جاتی ہے۔ اپنے ماں باپ' بہن بھائی سے اس نے اس گھر کو اب بھی آباد رکھا ہے۔ بم دھماکے نے اس کے ذہن میں سب فریز کر دیا ہے پورا کنبہ ختم ہو گیا' یہ دور کھیل رہی تھی۔ اس کے حواس ہی ختم ہو گئے۔ اپنی دنیا میں رہتی ہے' مگن رہتی ہے' خوش رہتی ہے' نئی نئی کہانیاں سناتی ہے' کوئی یقین کرتا ہے کوئی نہیں کرتا' اس کو اس سے مطلب نہیں' بس ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ اس کے لیے کوئی فرشتہ بھیج دے۔" وہ آدمی آنسو پونچھتے ہوئے بولا

"کیونکہ یہ معصوم ہے۔" صادق علی نے مڑ کر دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر آنکھوں میں آئی نمی کے باعث دھند کی ایک چادر تنی ہوئی تھی کوئی چہرہ واضح نہیں ہو رہا تھا لیکن آوازوں کی بازگشت محسوس ہو رہی تھی۔

"ہم نے بھی کوشش نہیں کی کہ اس کو کچھ یاد دلائیں۔ پہلے ہی بے چاری کے ساتھ برا ہوا سچ سن کر مر ہی نہ جائے کہیں! اس لیے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور یہ اسی میں خوش رہتی ہے۔"

صادق علی بے یقینی کے بھنور میں کھڑا ناری کے ماضی سے آشنا ہو کر خود سے الجھ گیا تھا کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا جسے تھام کر وہ خود کو ناری اور اماں شانی کی طرف بڑھ سکتا۔

سرا' ڈور؟

اس کا ضمیر کوڑا بن کے اس پہ برسا۔ تم دل اور دماغ کے پیمانے کے صادق بنتے ہو..... ہونہہ اسے زندگی کی طرف لاؤ یہ تمہارا پیار ہے۔

وہ سرا جو صادق علی کو نہیں مل رہا تھا وہ اب اس کے ہاتھ آگیا تھا صادق علی نے اب اماں شانی کے ساتھ مل کر ناری کو اس کے حال اور ماضی دونوں سے آشنا کرنا تھا۔

☆☆

مکمل ناول

فوزیہ یاسمین

"جس بات کا ڈھنڈورا پٹوانا ہو وہ بات بینش کو بتا دینی چاہیے اور اگر بات پھیلانے کی زیادہ جلدی ہو تو بینش کو تاکید کرنی چاہیے کہ یہ بات کسی سے کہنا نہیں۔ بس اگلے دن وہ خبر سارے کالج میں پھیل چکی ہوگی۔"

لائبریری میں ردا کے برابر والی کرسی گھسیٹتے ہوئے کنول نے دانت پیس کر کہا تو ردا قلم روک کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

"اب کیا خطا سرزد ہوگئی اس بے چاری سے؟"

"پلیز اسے میرے سامنے بے چاری مت کہو۔" کنول نے دھیرے سے مگر سخت جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا جس پر ردا کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

"پھر بھی پتا تو چلے آخر ہوا کیا ہے۔"

"یہ چین مجھے عمران نے ایک دفعہ ویلن ٹائن ڈے پر دی تھی ایک دن غلطی سے بینش کے سامنے میں نے ذکر کردیا اور اس ایڈیٹ نے سارے کالج میں چرچا عام کردیا۔ تمہیں تو پتا ہے عمران کی کزنز بھی اس کالج میں پڑھتی ہیں اب اگر میری ہونے والی ساس تک یہ بات پہنچ گئی تو انہیں تو یہی لگے گا کہ میں فرمائش کرکے عمران سے اتنے مہنگے گفٹس وصول کرتی ہوں۔" کنول کی بے زاری سے کہی بات ردا نے اس سے بھی زیادہ بے زاری سے سنی تھی عمران کا ذکر آتے ہی اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔

"جب تمہیں بینش کی عادت کا پتا ہے تو پھر تم نے اسے بتایا ہی کیوں؟"

ردا الٹا روانی سے کہتی بظاہر وہاں سے ایسے اٹھ گئی جیسے بلم ختم ہوگیا ہو حالانکہ وہ کنول کے آجانے کی وجہ سے وہاں سے اٹھی تھی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا ابھی صاف کہہ دے۔

"اپنے منگیتر کے دیے تحفوں کی اتنی شوبازی کیوں ہو جو سسرال والوں کے غم میں آجانے کی فکر میں ہلکان ہونا پڑتا ہے۔" دراصل کنول کی ہر بات کی تان عمران پر ہی آکر ٹوٹتی تھی اگر وہ خود کبھی غلطی سے اس کا ذکر کرنا بھول جاتی تو اس کی کوئی نہ کوئی دوست اس کی خیر خیریت پوچھ لیتی تب کنول دوبارہ تو آ کر سے اس کے قصے سنانے لگتی جسے تمام سہیلیاں دلچسپی سے سنتی تھیں ایک سوائے ردا کے۔ بس ایک وہ تھی جسے اس موضوع سے سخت وحشت ہوتی تھی۔ شروع شروع میں کنول کے منگیتر کی باتیں سن کر وہ اداس ہوجاتی تھی مگر اب یہ اداسی شدید قسم کی جھنجلاہٹ میں تبدیل ہونے لگی تھی غیر ارادی طور پر وہ کنول کے منگیتر عمران کا موازنہ ولید سے کرنے لگتی تھی جس کے ساتھ ردا کی بات بچپن سے طے تھی ان کی باقاعدہ منگنی نہیں ہوئی تھی مگر پورا خاندان ان دونوں کے بیچ موجود رشتے سے واقف ضرور تھا ولید کی ماں جو اس کی خالہ بھی تھیں ردا کو بچپن سے خصوصی توجہ دیتی تھیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ردا کو ایسا لگتا جیسے ولید کو ان کے مابین تعلق کا سرے سے علم ہی نہیں ہے وہ اس کی ذات سے اتنا لاتعلق رہتا تھا جیسے منگیتر کی حیثیت سے تو کیا وہ اسے کزن کی حیثیت سے بھی نہ

جانتا ہو پہلے وہ اس کے بیگانہ انداز کو اس کے مزاج کا حصہ سمجھتی تھی اور وہ واقعی فطرتاً" کافی ریزرو تھا اپنے چند ہم عمر کزنز کے علاوہ وہ ہر ایک سے زیادہ بات چیت نہیں کرتا تھا، لیکن جب سے کنول کی منگنی ہوئی تھی اور وہ عمران کے بارے میں جو کچھ بتاتی تھی اسے سننے کے بعد ردا کو ولید کی سرد مہری کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا جب کنول اسے اور اس کی دوستوں کو عمران کی بے قراریوں کے قصے سناتی تو اسے اپنے اندر ایک خالی پن کا احساس ہونے لگتا شروع میں یہ احساس بالکل وقتی ہوتا تھا جس سے وہ بہت جلد باہر بھی آجاتی تھی، مگر جب سے بینش نے اسے ٹوکا تھا تب سے اس کی افسردگی کوفت کی شکل اختیار کر گئی تھی۔

دراصل کنول نے ایک دن اپنے اور عمران کے باہر جا کر کھانا کھانے کا ذکر کیا تو بعد میں بے اختیار ہی بینش کے سامنے اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔

"کنول کے گھر والے کافی ایڈوانس ہیں نا شادی سے پہلے ہی وہ اپنے منگیتر کے ساتھ ہر جگہ گھومتی پھرتی ہے میرے گھر والے تو یہ بات ہرگز برداشت نہ

کریں۔"

"ارے رہنے دو آج کل بیٹیوں کے رشتے کرتے ہی سارے والدین ماڈرن بن جاتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں صرف ایک چیز اہم ہوتی ہے اور وہ ہے لڑکے کی خوشنودی۔ بس لڑکے کو خوش ہونا چاہیے۔"

بینش کے ہنس کر کہنے پر ردا فوراً بولی۔

"کوئی نہیں، میری بات خالہ کے گھر بچپن سے طے ہے، لیکن اگر خالہ کے گھر سے کوئی ایسا ویسا مطالبہ ہو تو میرے بابا بغیر ان کی ناراضی کی پروا کیے فوراً" انکار کردیں گے۔"

"تمہاری بات بچپن سے طے ہے۔"

بینش چیخ پڑی تھی اس کی بات سن کر۔

"اور تم نے کبھی بتایا نہیں۔"

وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر باقاعدہ لڑنے والے انداز میں بولی۔

"کبھی خیال ہی نہیں آیا ذکر کرنے کا۔"

ردا نے کچھ حیران سے انداز میں وضاحت دی۔

"تمہیں خیال نہیں آیا ارے منگنی ہونے کے بعد تو کوئی رازدار ڈھونڈا جاتا ہے اور تمہیں ذکر کرنے کا خیال نہیں آیا؟ خیر چھوڑو' یہ بتاؤ کیسا ہے وہ؟ کیا نام ہے؟ کیا کرتا ہے؟ شادی کے کب تک چانسز ہیں۔"

وہ حسب عادت ضرورت سے زیادہ جوش میں آگئی اور انٹرویو شروع کرنے والے انداز میں بولی۔

"اتنے سارے سوال ایک ساتھ۔"

ردا بھنویں اچکاتے ہوئے مسکرا دی دراصل وہ اس موضوع پر زیادہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی اس کا انداز سراسر ٹالنے والا تھا مگر بینش کہاں ٹلنے والی تھی۔

"کیا بہت بدصورت ہے۔ جو تم اس کا ذکر کرنے سے گریزاں ہو۔"

بینش نے اسے ترچھی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا اس کا سوال ردا کو پسند نہیں آیا تھا وہ محض اس خیال سے اسے تفصیل سے بتانے لگی کہ بینش نے اگر کوئی بات اپنی طرف سے فرض کرلی تو وہ اس کی تصدیق کیے بغیر ہی اس کا چرچا عام کردے گی اور بات بڑھتے بڑھتے کچھ ایسی بن جائے گی۔

"جیسے ردا اپنے بدصورت منگیتر سے شدید بےزار ہے اور وہ اس قدر احساس کمتری کا شکار ہے کہ کسی کے سامنے اس کا تذکرہ تک کرنا نہیں چاہتی۔"

"میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی کو اس کی شکل کی وجہ سے پسند یا ناپسند کرتے ہیں ویسے بھی جس شخص کا نام بچپن سے اپنے ساتھ سنا ہو اس کی خوب صورتی اور بدصورتی کوئی معنی نہیں رکھتی پھر بھی اگر تمہیں یہ شک ہے کہ میں نے اس کی بدصورتی کی وجہ سے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا تو میں بتا دوں وہ اتنا گڈ لکنگ ہے کہ اگر تم اسے دیکھ لو تو تم سارے ہیروز اور ماڈلز کو بھول جاؤ گی۔"

ردا نے بڑی سنجیدگی سے کہا تو بینش آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

اس کے لہجے میں بے یقینی واضح تھی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔"

ردا کے بے نیازی سے بھرپور انداز میں بلا کا اعتماد تھا۔

"اگر ایسی بات ہے تو تمہیں اس کی تصویر دکھانی ہوگی۔"

بینش نے ایسے کہا جیسے وہ اس محاورے پر عمل کررہی ہو کہ

"جھوٹے کو اس کے گھر تک چھوڑ کر آنا چاہیے۔"

اس کے مطالبے پر ردا سوچ میں پڑگئی اس کے پاس ولید کی کوئی باقاعدہ کھینچی گئی تصویر نہیں تھی۔ خاندان کی تقریبوں کی جو گروپ فوٹوز تھیں وہ پتا نہیں کہاں رکھی ہوں گی اور ان میں شاید کوئی اتنی بہترین بھی نہ ہو جو اس کی شخصیت کو اچھی طرح اجاگر کرسکے جبکہ بینش اس تصویر کو دیکھ کر یہ سمجھ لے کہ ردا نے اس سے جھوٹ کہا تھا حالانکہ اس کی بات میں ایک فیصد بھی جھوٹ کی آمیزش نہیں تھی بلکہ اسے یقین تھا کہ اگر بینش' ولید کو دیکھ لے تو وہ یہی کہے گی کہ ردا اس

کے بارے میں بتاتے وقت اس کے ساتھ انصاف نہ کر سکی۔

"میرے پاس ولید کی کوئی تصویر نہیں ہے۔"
ردا نے صاف گوئی سے کہا۔

"اب تم مجھے ٹال رہی ہو بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے بچپن کا منگیتر ہے اور تمہارا خالہ زاد بھی ہے پھر بھی تمہارے پاس اس کی کوئی تصویر ہی نہیں، آج کل تو لوگ موبائل میں تصویریں لیے پھرتے ہیں چلو موبائل تو تمہارے پاس ہے ہی نہیں، لیکن اگر منگیتر اتنا چارمنگ ہے تو اس کی فوٹو تمہارے تکیے کے نیچے رکھی ہونی چاہیے تھی۔"

"وٹ نان سینس! میں ایسی بے ہودہ حرکتیں نہیں کرتی، ہم تو آپس میں بات بھی نہیں کرتے۔"
ردا چڑ گئی تھی اس کی بات پر۔

"کیا؟ تم لوگوں نے کبھی بات تک نہیں کی، ارے وہ تمہارا کزن بھی تو ہے۔"
بینش ایک بار پھر حیرت سے چیخی۔

"تم کیوں چیخ چیخ کر اپنا گلا خراب کر رہی ہو، میرے خاندان میں بڑوں کا لحاظ کیا جاتا ہے ایسی بے شرمی کی حرکتیں تو بالکل پسند نہیں کی جاتیں۔ بزرگوں کی طرف سے اجازت ہوگی نہ میں اور ولید خود گوارا کریں گے۔"

ردا کو یقین تھا وہ ابھی کنول اور عمران کی مثال دینے والی ہے کہ وہ تو ساتھ گھومتے پھرتے ہیں اس لیے اس نے پہلے ہی وضاحت کر دی۔

"بات کر لینے میں ایسی کیا بے شرمی ہوگئی آخر کنول بھی تو ہے وہ بھی اچھے شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہے، لیکن وہ اور عمران تو آپس میں بڑے فرینک ہیں۔"

بینش سے کسی بات کی امید ہو اور وہ اس پر پوری نہ اترے بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔

"میں کنول کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی وہ اپنی مرضی کی مالک ہے مجھے دوسروں کے معاملے میں دخل دینا پسند نہیں، لیکن یہ سچ ہے شادی سے پہلے میں منگیتر کے ساتھ اتنی بے تکلفی کی قائل نہیں۔ جب تک نکاح نہ ہو وہ دونوں نامحرم ہیں چلو اس اعتراض کو تو لوگ یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ مذہب پر چلتا کون ہے، لیکن دیکھا جائے تو شرعی لحاظ سے ہی نہیں بلکہ اخلاقی اور اصولی لحاظ سے بھی یہ طریقہ کار صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں بگاڑ کے امکان زیادہ ہیں وہ دونوں ایک دوسرے کو پہلے ہی اتنا جان اور سمجھ لیتے ہیں کہ شادی کے بعد کی زندگی میں کوئی کشش ہی نہیں رہتی بلکہ شادی کے بعد کی زندگی اس لیے زیادہ بری لگتی ہے کہ اس میں ذمہ داریاں بھی شامل ہو چکی ہوتی ہیں تب انسان منگنی کے پیریڈ کو خوامخواہ شادی کے بعد کے حالات سے کمپیئر کرنے لگتا ہے۔ جو کہ یقینی طور پر اتنا خوبصورت نہیں ہو سکتا جب منگیتر دو گھنٹے کے لیے ملتی ہے تو اس شخص کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کچھ دیر بعد یہ اپنے گھر چلی جائے گی جبکہ شادی کے بعد صورت حال بدل جاتی ہے پھر دونوں فریق کو پتا ہوتا ہے کہ اب انہیں مستقل ساتھ رہنا ہوتا ہے تب اٹریکشن خود بخود کم ہو جاتا ہے لیکن توقعات۔ خود بخود بڑھ جاتی ہیں تب صرف یہ بحث ہوتی رہتی ہے کہ تم شادی سے پہلے ایسے نہیں تھے جب تمہارا رویہ ایسا تھا ویسا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر جہاں تک مجھے لگتا منگنی کوئی زیادہ پائیدار رشتہ نہیں ہوتا دونوں فریق چاہے کتنا ہی انڈرسٹینڈ ہوں اگر والدین میں ان بن ہو جائے اور منگنی ختم ہو جائے تو رشتہ ٹوٹنے کا دکھ تو ہوتا ہی ہے لیکن وہاں یہ صدمہ زیادہ شدید ہوتا ہے جہاں دونوں میں بات چیت اور روابط زیادہ گہرے ہوں۔" ردا کہتی چلی گئی بینش بھی بڑے غور سے اس کی بات سنتی رہی ردا کے چپ ہونے کے بعد بھی وہ کچھ دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر بڑے پرسوچ انداز میں کہنے لگی۔

"بات تو تمہاری واقعی صحیح ہے شاید اسی لیے آج کل طلاقیں بھی زیادہ ہونے لگی ہیں کہ لوگ نہ شادی سے پہلے آپنے رویے میں توازن رکھتے ہیں نہ شادی کے بعد۔"

بینش نے اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا تو ردا مطمئن ہو گئی لیکن اسے یہ نہیں پتا تھا کہ بینش اس کی ساری گفتگو کنول اور دوسری سہیلیوں کے سامنے دہرا دے گی گو کہ وہ اپنے کہے پر شرمندہ نہیں تھی مگر اس نے یہ سب کنول پر اعتراض کرنے کی نیت سے نہیں کہا تھا مگر بینش نے ساری بات اس طرح ان کے گوش گزار کی جیسے کنول کی غیر موجودگی میں ردا اس کے کردار پر کیچڑ اچھال رہی ہو ظاہری بات ہے جس پر اعتراض کیا جائے وہ تنقید برائے تنقید کا طریقہ کار اپنا کر دوسرے پر تھوڑی بہت نکتہ چینی تو کرے گا ہی کنول نے بھی پہلے برا مانتے ہوئے اپنے خاندان کی تعریف اور شرافت کی مثالوں میں زمین آسمان ایک کر دیے پھر رداء کی ذلت کو نشانہ بناتے ہوئے کہا۔

"دراصل میں ردا کا اپنا منگیتر اسے لفٹ نہیں کراتا اس لیے وہ مجھ سے جیلس فیل کرتی ہو گی اور تبھی ایسی باتیں کر رہی تھی ورنہ لحاظ اور شرافت کا یہ مطلب بھی نہیں کہ منگیتر صاحب بات تک کرنا گوارا نہ کریں ردا کے منگیتر کے رویے سے لگتا ہے جیسے ردا کو زبردستی اس کے سر پر مسلط کر دیا گیا ہے ورنہ اگر اسے ردا میں دلچسپی ہوتی تو وہ عمران کی طرح خود بخود اس کی طرف کھنچتا۔ شرافت کا دعوا کرنے والے جن گھرانوں میں منگیتر سے پردہ کیا جاتا ہے وہاں بھی دونوں فریق گھر والوں سے چھپ کر کسی خاص موقع پر کوئی کارڈ وغیرہ تو بھیج ہی دیتے ہیں میں اور عمران چھپ چھپا کر نہیں ملتے ہم جو کرتے ہیں اپنے بزرگوں کی اجازت سے کرتے ہیں ردا یہ باریکیاں اس لیے نہیں سمجھتی کہ وہ اپنے منگیتر کی لاتعلقی کو ہی اس کی شرافت سمجھتی ہے ویسے بھی اگر اس کا منگیتر اتنا ہی گڈ لکنگ ہے جتنا کہہ رہی ہے تو پھر بھلا ردا اس کے معیار پر کیسے اتر سکتی ہے ردا میں ایسی کون سی خاص بات ہے بلکہ اس کے والدین نے ردا کے ساتھ بچپن سے ہی اس کی بات طے کر کے ایک طرح سے اس کے ساتھ ناانصافی کی ہے اور اسے اپنی پسند کی شریک حیات ڈھونڈنے کا موقع نہیں دیا۔"

بینش نے جب ردا کو کنول کی کہی باتیں بتائیں تو بے عزتی کے احساس سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا مگر اس نے بڑی مشکل سے خود پر ضبط کرتے ہوئے کنول کی بات پر تبصرہ کیے بغیر صرف بینش کو جھڑکا تھا۔

"تمہیں ضرورت کیا تھی یہ سب کنول سے کہنے کی۔"

"کمال کرتی ہو تم۔" بینش اسے کنول پر اعتراض کرنے کی بجائے اپنے پیچھے لگتا دیکھ کر تنک کر بولی۔

"کنول ہماری دوست ہے ہمیں اس کے بھلے کے لیے اسے سمجھانا چاہیے منگیتر سے اتنی بے تکلفی آئندہ کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔"

"بکواس بند کرو یہ وہ دور نہیں جہاں کسی کے سمجھانے کا کسی پر اثر ہو جائے ایسی کوشش کو دخل در معقولات سمجھا جاتا ہے بہتر یہی ہے کہ انسان اپنے کام سے کام رکھے اپنا اچھا برا وہ بہتر طور پر سمجھ سکتی ہے۔"

ردا کے تیزی سے کہنے پر بینش کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ان کی کلاس کی ایک اور لڑکی محمودہ کے اچانک بولنے پر وہ دونوں چونک اٹھیں۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم' بلکہ تمہیں ضرورت ہی نہیں تھی کنول کے معاملے میں بولنے کی۔"

محمودہ ابھی ابھی کینٹین آئی تھی اور رداء کی بات سن کر وہیں ان کی میز کے پاس رک گئی تھی۔

"میں کب بولی تھی اس کے معاملے میں' میں نے تو بینش سے بس اتنا کہا تھا کہ کنول کے گھر والے بہت ایڈوانس لگتے ہیں۔"

ردا نے بینش کی طرف اشارہ کیا جو شکل سے کچھ پریشان لگنے لگی تھی۔

"کسی کے گھر میں کچھ بھی ہوتا ہو تمہیں کم از کم اسے آوارہ نہیں کہنا چاہیے تھا وہ اپنے منگیتر کے ساتھ کہیں جاتی ہے تو اپنے پیرنٹس کی پرمیشن سے جاتی ہے تمہیں اسے کیریکٹر لیس کہنے کا کوئی حق نہیں تھا۔"

ایک لمحے کے لیے تو ردا کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ محمودہ نے کہا کیا لیکن اگلے ہی پل بینش کے بات پلٹنے پر

وہ سنجیدگی سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ ایسا کرتے ہیں کوک پیتے ہیں کب سے گلا سوکھ رہا ہے۔"

کوک کا نام سنتے ہی محمودہ بھی کرسی کھینچ کر فوراً ان کے پاس بیٹھ گئی اس سے پہلے کہ بینش کسی اور موضوع کو چھیڑنے میں کامیاب ہوتی ردا نے براہ راست اس سے پوچھ لیا۔

"میں نے کنول کو آوارہ اور کیریکٹرلیس کب کہا تھا۔"

"اچھا بھئی نہیں کہا ہوگا یہ بتاؤ کوک تو پیوگی نا۔"

وہ خوامخواہ ٹیبل بجاتے ہوئے کسی کو آرڈر دینے کے لیے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"جب میں نے کہا نہیں تو اتنی بڑی بات تم نے کنول کے سامنے مجھ سے وابستہ کر کے کیسے کہہ دی۔"

اس کے لاپروا انداز پر رداء سختی سے بولی محمودہ کی نظریں بھی بینش کے چہرے پر گڑ گئی تھیں۔

"میں نے کب کہا۔"

وہ کوئی راہ فرار نہ پاکر جھنجلا پڑی۔

"جھوٹ مت بولو بینش تم نے میرے سامنے کنول سے کہا تھا کہ ردا کہہ رہی تھی کنول جیسی لڑکیاں تو ہوتی ہی آوارہ ہیں۔"

"او شٹ اپ! میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا تم چاہو تو کنول سے پوچھ لو میرا یہ مطلب نہیں تھا بلکہ اتنے دن ہوگئے ہیں مجھے تو یاد ہی نہیں کس نے کیا کہا تھا اور تم لوگوں کی اس فضول بحث نے میری بھوک پیاس ہی اڑادی میں لائبریری جارہی ہوں گھر میں چھوٹے بہن بھائیوں کے شور میں بالکل پڑھائی ہی نہیں ہوتی۔"

وہ کسی کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر تیز تیز بولتی فوراً اٹھ کر چلی گئی ردا حیران سی اسے دیکھتی رہ گئی کچھ دیر تو محمودہ بھی کچھ نہیں بولی مگر ردا کو بدستور خاموش دیکھ کر اسے کہنا پڑا۔

"زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں بینش وہ لڑکی ہے جس کی دشمنی اچھی ہے نہ دوستی۔ اس نے کنول سے جانے کیا کچھ کہا کہ تم اس کے بارے میں یہ کہہ رہی تھیں اور وہ کہہ رہی تھیں مگر کنول ایک لفظ نہیں بولی بینش کے جانے کے بعد کنول نے صرف اتنا کہا پتا نہیں واقعی ردا نے یہ سب کہا ہے یا بینش ایسے ہی اپنی طرف سے ہانک رہی ہے اسے جس کسی پر نکتہ چینی کرنی ہوتی ہے وہ اس شخص کو باتیں سنانے کے لیے دوسروں پر رکھ کر ان ڈائریکٹلی سب کہہ دیتی ہے۔"

ردا مزید حیرانی سے محمودہ کو دیکھنے لگی یقیناً بینش نے تھوڑی دیر پہلے ردا کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ کنول نے نہیں کہا ہوگا تبھی اس نے محمودہ کی موجودگی میں کنول کے پاس جاکر ساری بات کلیئر کردی پتا نہیں کنول نے یقین کیا یا نہیں البتہ اس نے۔

"کوئی بات نہیں۔"

کہہ کر معاملہ رفع دفع کردیا لیکن اس حادثے کے بعد سب بینش کی طرف سے خائف ہونے کے ساتھ محتاط بھی ہوگئے تھے اور اکثر اس کے سامنے باتیں کرنے سے کترانے لگے تھے مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ خود ہی سب میں گھسی رہتی اور پھر اس کی گفتگو بھی بہت چٹ پٹی ہوتی تھی لہٰذا وہ اسے اپنے گروپ میں بیٹھنے سے روک نہیں سکتے تھے پھر کچھ ہفتوں میں وہ سب تو یہ باتیں بھول بھال گئے مگر رداء کے لیے چاہتے ہوئے بھی سب فراموش کرنا مشکل ہوگیا۔

وہ سب چاہے کنول نے کہا ہو یا بینش نے اپنی طرف سے گھڑ کر سنایا تھا اس کے دل پر چوٹ ضرور لگی تھی ولید کی لاتعلقی جو پہلے اسے صرف حیران کرتی تھی اب پریشان بھی کرنے لگی تھی۔

کہیں واقعی بینش کا کہا سچ تو نہیں۔ ہوسکتا ہے وہ اس رشتہ پر خوش نہ ہو۔ ردا اسے واقعی پسند نہ ہو اور وہ کسی خاص وقت کا انتظار کررہا ہو کہ جب وہ پڑھائی سے فارغ ہو کر اپنے پیروں پر کھڑا ہو تب خالہ جان کے سامنے وہ اس شادی سے انکار کردے یہ سوچ کر پل بھر کے لیے اس کا دل بند ہوجاتا جس کے رد عمل کے طور پر وہ اپنے مزاج کے خلاف اپنا اور ولید کا موازنہ کرنے لگتی اسے پہلے کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ ولید۔۔

کسی بھی لحاظ سے کم ہے لیکن اب جبکہ وہ فضول انداز میں۔

"اس کے پاس کیا ہے اور میرے پاس کیا ہے۔" کی فضول فہرست مرتب کرتی تو اس کا پلہ میزان میں ہلکا نظر آنے لگتا وہ اس خیال کو اپنے اوپر حاوی ہونے نہیں دینا چاہتی تھی مگر وہ خود کو احساس کمتری میں مبتلا ہونے سے کسی طور روک نہیں پا رہی تھی حالانکہ اب بھی اس کے لاشعور میں یہ احساس موجود تھا کہ یہ احساس کمتری بالکل بے جا ہے وہ اللہ کا شکر ہے ہر لحاظ سے بہت اچھی ہے مگر بینش کی باتوں نے خواہ مخواہ اس کی سوچوں کا رخ بدل دیا تھا جو کنول کی باتیں سن کر مزید بے سمت ہونے لگتیں کیونکہ جب انسان ناشکری پر اتر آئے تو اسے کوئی نعمت مطمئن نہیں کر سکتی۔

لیکن ہزار منتشر سوچوں کے باوجود وہ اپنا اضطراب کسی پر ظاہر نہیں کرتی تھی بلکہ کنول کے سامنے اس کی یہی کوشش ہوتی کہ اس کے چہرے کے تاثرات بالکل نارمل رہیں کیونکہ جب سے اس نے سنا تھا کہ وہ کنول سے جیلس فیل کرتی ہے تب سے وہ زیادہ محتاط ہو گئی تھی وہ کنول سے بالکل نہیں جلتی تھی ہاں البتہ اسے کنول پر رشک ضرور آتا تھا۔

لائبریری میں بھی کنول کی کہی بات سن کر وہ سارا دن اپ سیٹ رہی تھی حالانکہ اس نے خود کو تسلی دینے کے لیے کئی تاویلیں بھی دی تھیں کہ ویلن ٹائن ڈے ایک غیر اسلامی رسم ہے اسے منانا کسی طور جائز نہیں وغیرہ۔

مگر اس کے دل کا کوئی ایک کونا مسلسل احتجاج کرتا رہا تھا وہ تو اسے عید بقر عید جیسے اسلامی تہوار پر بھی مبارک باد نہیں دیتا اپنے گھر والوں کے ساتھ وہ اس کے گھر آنے پر مجبور تو ہوتا ہے لیکن نہ اس کی تیاری کو کبھی سراہتا ہے نہ اس کی پکائی ڈش کی تعریف کرتا ہے۔

کالج سے گھر آنے کے بعد بھی اس کے اندر اٹھتے غبار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی اسی لیے جب امی نے اسے پچھلے محلے میں ہونے والے میلاد شریف میں چلنے کے لیے کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا انہوں نے بھی اس کی تھکن کا خیال کرتے ہوئے زیادہ اصرار نہیں کیا البتہ اس کی بھابھی سندس نے ضرور اطمینان سے کہا۔

"چلو اچھا ہی ہے تمہارا موڈ نہیں ہے تو میں چلی جاتی ہوں اصل میں خالہ جان کے گھر دعوت ہے انہوں نے بڑے والے بھگونے امی سے مانگے تھے انہوں نے کہا تھا ولید یونیورسٹی سے واپسی میں لے لے گا اب تم گھر پر ہو گی تو تم دے دینا۔"

"ولید آ رہے ہیں؟"

ان کی بات کا مطلب روا کی بہت دیر میں سمجھ میں آیا تھا اور جب آیا تھا تو وہ اچھل پڑی۔

"ہاں کیوں کیا ہوا۔"

اسے اس طرح چونکتا دیکھ کر سندس بھابھی بھی ٹھٹک گئیں۔

"آں۔ نہیں۔ کچھ نہیں۔ خالہ جان کے گھر کس کی دعوت ہے۔"

اسے جلدی میں یہی سمجھ میں آیا۔

"خالو کے آفس کے کچھ لوگوں کی ہے۔"

بھابھی نے سرسری سے انداز میں کہا انہیں خود بھی زیادہ علم نہیں تھا ان دونوں گھرانوں کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا ذرا کم ہی ہوتا تھا گھر کے مردوں کے دفتر کے اوقات کار اتنے طویل تھے کہ روزمرہ کے کام بھی التواء کا شکار رہتے تھے بس امی اور خالہ جان فون پر ایک دوسرے کی خیر خیریت پوچھ لیتیں اس میں بھی خالہ جان فون کے بل کا خیال کرتے ہوئے ذرا کم ہی فون کیا کرتی تھیں آخر امی بھی کہاں تک کیے جاتیں بس خاندان کی تقریبوں میں ایک دوسرے سے ملاقات ہو جاتی چنانچہ اسے ولید کو دیکھے ہوئے پورے دو مہینے ہو گئے تھے اسی لیے اس کی آمد کا سن کر روا پر عجیب سی گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی امی اور سندس بھابھی جب تک تھیں وہ خود کو نارمل ظاہر کرتی رہی مگر ان کے گھر سے نکلتے ہی اس نے سب سے پہلے اپنے حلیے کا جائزہ لیا اس نے ابھی کالج سے آکر نہا کر صاف ستھرے

کپڑے پہنے تھے لیکن وہ کپڑے اسے بالکل مطمئن نہ کرسکے۔ یہی نہیں وہ اپنی بڑی سی وارڈ روب میں لٹکے ایک سے ایک شاندار کپڑوں کو رد کرتی چلی گئی۔

پندرہ منٹ گزرنے پر بھی جب وہ کوئی فیصلہ نہ کرسکی تو شدید کوفت کے عالم میں اس نے اپنا نیوی بلو کلر کا وہ سوٹ نکال لیا جس کی تعریف اس کی تمام کزنز نے کی تھی حالانکہ وہ جوڑا بھی زیادہ تسلی بخش نہیں تھا مگر وہ خود پر جبر کرکے صرف گزرتے وقت کی تیزی سے گھبرا کر پہننے کے لیے آمادہ ہوئی تھی لیکن وہ جیسے ہی استری کرنے نیچے لاؤنج میں رکھی استری کی میز کے پاس آئی عین اسی وقت لائٹ چلی گئی۔

جارجٹ کے اس سوٹ پر مشکل سے دو چار شکنیں پڑی تھیں مگر وہ ولید کے سامنے اسے استری کیے بغیر پہننے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی شدید جھنجلاہٹ میں اس نے جوڑے کا گولا بنا کر اسے اٹھا کر دور پھینک دیا اور ایک بار پھر الماری کے سامنے جا کھڑی ہوئی اب انتخاب کا مرحلہ اور بھی مشکل ہوگیا تھا کیونکہ اب صرف وہی کپڑے پہنے جاسکتے تھے جو استری کے بغیر بھی برے نہ لگیں اور جو دو چار شکنوں پر بھی سمجھوتے کے لیے تیار نہ ہو اس کے لیے اب فیصلہ کرنا "تقریباً" ناممکن تھا کپڑے نکال کر پہننے تک وہ "تقریباً" روہانسی ہوگئی تھی اپنے چہرے کے بگڑے ہوئے تاثرات دیکھ کر اسے بے اختیار نکھری نکھری کنول یاد آگئی اور وہ جانے کس احساس کے زیر اثر بھابھی کی ڈریسنگ ٹیبل پر پہنچ گئی جہاں ان کا سارا کاسمیٹک بڑے قرینے سے سجا تھا اسے معلوم تھا اگر وہ ان میں سے کچھ چیزیں استعمال کرلیتی تو بھابھی کو ہرگز ناگوار نہیں گزرتا لہٰذا بڑے اطمینان سے اس نے ہر چیز پر طبع آزمائی شروع کردی۔

بالآخر لپ اسٹک کو آخری ٹچ دیتے ہوئے جب اس نے اپنا تفصیلی جائزہ لیا تو اس کی ساری جھنجلاہٹ لمحہ بھر میں غائب ہوگئی وہ خود کو بڑی حیرانی سے دیکھ رہی تھی اسے خود بھی نہیں پتا تھا وہ اتنی خوبصورت بھی لگ سکتی ہے پہلی بار وہ اتنے اہتمام سے تیار ہوئی تھی اور اس قدر باقاعدہ میک اپ کیا تھا اس نے، ورنہ وہ صرف لپ اسٹک لگالیا کرتی تھی لیکن کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس نے پہلی بار بلش آن، آئی شیڈ اور آئی لائنر کا استعمال کیا ہے کیونکہ وہ بھابھی کو دیکھ دیکھ کر ہر شے کو اس کے بالکل صحیح مصرف کے ساتھ استعمال کرنا بخوبی جان گئی تھی اور اسی لیے اس لمحے وہ اپنی بے جا احساس کمتری سے وقتی طور پر باہر آگئی تھی کنول اور اس کا تو مقابلہ ہی کیا تھا پل بھر کے لیے اسے لگا اس نے تو ولید کو بھی مات دے دی ہے۔

پتا نہیں کتنی دیر وہ اسی طرح خود کو حیرانی سے آئینے میں دیکھتی رہتی کہ دروازے کی گھنٹی نے اسے بری طرح چونکا دیا ولید کا سامنا کرنے کے خیال سے وہ اچھی خاصی نروس ہوگئی تھی ڈوپٹا سنبھالتے ہوئے وہ تیزی سے دروازے کی طرف دوڑی تھی اور بڑے دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے دروازہ کھولا تھا اس کی توقع کے عین مطابق سامنے ولید کھڑا تھا مگر اس کی توقع کے عین برعکس اسے دیکھتے ہی پھٹ پڑا تھا۔

"کب سے دروازہ پیٹ رہا ہوں سنائی نہیں دے رہا کیا' وہ تو شکر ہے کہ لائٹ آگئی ورنہ میں تو واپس جانے والا تھا۔"

وہ کوئی بیس منٹ سے انگلی بیل پر رکھے دوسرے ہاتھ میں پکڑی گاڑی کی چابی سے بیل بجا رہا تھا یہ گاڑی ان کی پڑوسیوں کی تھی جو وہ خاص طور سے بھگوتے لینے کے لیے لے کر آیا تھا۔

ردا کی سمجھ میں نہیں آیا وہ فوری طور پر کیا بولے۔

"اب اندر آنے کا راستہ دو گی یا یہیں کھڑا رکھو گی۔"

ولید نے بڑے تپے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے گردن گھما کر سامنے والے چبوترے کی طرف دیکھا جہاں نظر پڑتے ہی ردا کو اس کے غصے کی وجہ سمجھ میں آگئی وہاں سامنے والوں کے ایک عدد بیٹے کے ساتھ دو اس کے ہم عمر لڑکے بیٹھے تھے شاید وہ اس کے دوست تھے جو اس کے گھر آئے ہوئے تھے ورنہ یہ چبوترا ہر وقت خالی ہی رہتا تھا اس کے محلے میں گلی اور چوراہوں پر کھڑے ہونے کا رواج نہیں تھا لیکن ولید کے لیے

اس وقت اس بات پر یقین کرنا ذرا مشکل ہی تھا کیونکہ جس طرح وہ ہنس ہنس کر دہرے ہو رہے تھے اس سے صاف ظاہر تھا وہ ولید کی حالت کو بہت دیر سے انجوائے کر رہے ہوں گے کبھی وہ اتنی درشتی سے بولا تھا اور نہ وہ اس انداز میں کبھی بات نہیں کرتا تھا۔

ردا نے تیزی سے دروازے کی اوٹ میں ہوتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا اور اس کے اندر آنے پر دروازہ بند کرتے ہوئے صفائی دینے والے انداز میں بولی۔

"میں اور بھابھی کے کمرے میں تھی دروازہ بند ہو تو وہاں کسی قسم کی کوئی آواز ہی نہیں آتی۔"

اس کی وضاحت پر وہ ٹھٹک کر اس کی طرف پلٹا۔

"تم گھر میں اکیلی ہو اور تم نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا تک نہیں کہ کون ہے۔"

چبوترے پر تین تماش لڑکوں کو دیکھنے کے بعد اس کا لہجہ ویسا ہی تھا جیسا ہو سکتا تھا ردا اچھی خاصی سٹپٹا گئی یہ غلطی اس سے زندگی میں پہلی بار ہوئی تھی مگر یہ وہ کیسے مان لیتا جو اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کا جواب نہ پا کر اس نے جو دوسرا سوال داغا تھا وہ اسے زمین میں گاڑ گیا تھا۔

"تم کیا کسی شادی میں جا رہی ہو۔"

کپڑے اس کے پھر بھی کچھ سادہ تھے مگر میک اپ نے اس کی شکل کو یکسر بدل دیا تھا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ میک اپ چاہے کتنا ہی اچھا کیا ہوا کیوں نہ ہو جس کے چہرے پر میک اپ کی عادت نہ ہو وہ میک اپ کر کے بڑا منفرد لگتا ہے اور یہ انفرادیت بغیر کسی موقع محل کے دیکھنے والے پر کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑتی بلکہ الٹا دیکھنے میں بے تکی لگتی ہے۔

اپنا عکس آئینے میں دیکھ کر ردا کو یقین ہو گیا تھا کہ ولید اسے دیکھ کر حیران رہ جائے گا مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کی یہ حیرانی ردا کو خوشی سے ہمکنار کرنے کی بجائے خجل کر جائے گی وہ ایک بار پھر صفائی دینے والے انداز میں کہنے لگی۔

"وہ پچھلے محلے میں میلاد ہے ناں بس وہیں جانا تھا امی اور سندس بھابھی تو چلی گئیں میں آپ کے انتظار میں رکی ہوئی تھی۔"

اپنے طور پر اس نے بڑا اچھا بہانہ بنایا تھا مگر ولید کی تیوری پر بل پڑتا دیکھ کر اسے لگا اس سے پھر کوئی غلطی ہو گئی ہے جس کی نشاندہی فوراً" اس کے اگلے سوال نے کر دی۔

"تم اس حلیے میں پچھلی گلی تک جاؤ گی پیدل اور وہ بھی اکیلی۔"

وہ کالج بھی اکیلی ہی جاتی تھی اور بس اسٹاپ تک پیدل ہی جاتی تھی مگر اس کا حلیہ اور چبوترے پر ان لڑکوں کو دیکھ کر وہ چبھتے ہوئے انداز میں بولا تھا جبھی اس کا موڈ بحال کرنے کے لیے وہ ایک اور بہانہ سوچنے لگی۔

"نہیں۔ آں۔ ہاں وہ بھائی جان آفس سے آ کر مجھے ڈراپ کریں گے۔"

"رات کو آٹھ بجے۔"

ولید نے بڑی سنجیدگی سے استفہامیہ انداز میں اس کا جملہ مکمل کیا کیونکہ بھائی جان کے آفس سے آنے کا وقت یہی تھا اس کا دماغ مزید کوئی بہانہ سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا وہ ہمیشہ اس کی ایک نظر کی منتظر رہتی تھی مگر آج اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے چہرے پر جمی اس کی سرد نظروں سے بچ کر کہاں بھاگ جائے۔ بلیک پینٹ پر ڈارک میرون اور بلیک چیک کی شرٹ میں وہ ہمیشہ سے زیادہ وجیہہ لگ رہا تھا یہی نہیں اس نے زندگی میں پہلی بار ردا سے اتنی طویل بات کی تھی مگر اسے خوشی ہونے کی بجائے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ سندس بھابھی کی بجائے وہ کیوں نہ چلی گئی امی کے ساتھ کیا فائدہ ہوا اتنی محنت اور لگن سے کی گئی تیاری کا جس کا نوٹس ولید نے توصیفی نہیں بلکہ تنقیدی انداز میں لیا تھا مگر اگلے لمحے ولید نے اپنے غصے کو پیتے ہوئے گہرا سانس کھینچ کر جو آفر کی اسے سن کر اس کا سارا غصہ اور پچھتاوا گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گیا۔

"جلدی سے بھگونے دو اور گاڑی میں بیٹھو میں

تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔"

ولید کے ساتھ کہیں جانے کے خیال سے اس کا دل بند ہو گیا تھا۔

"بھگونے اندر رکھے ہیں۔"

وہ آہستگی سے بولی تو ولید اس سے پہلے اندر کی طرف بڑھ گیا لیکن اس کی پیروی میں گھر سے اندر داخل ہوتے ہی اس پر انکشاف ہوا کہ اصل میں دل بند ہونا کیا ہوتا ہے۔

"کچھ جل رہا ہے کیا؟"

دروازہ دھکیلتے ہی ولید بے اختیار بولا تھا جس طرح بو اور دھویں نے ان کا استقبال کیا تھا اسے دیکھ کر ردا تقریباً" چیخ پڑی تھی۔

"کلیجہ"

"کیا؟"

"میرا مطلب ہے کلیجی جل گئی۔" ردا تیزی سے کچن کی طرف دوڑ پڑی امی نے جاتے وقت خاص طور سے آواز لگا کر کہا تھا کہ رات کے لیے کلیجی کا سالن بن رہا ہے دیکھ لینا اصل میں ابو نے آفس سے فون کر کے خصوصی فرمائش کی تھی اور امی جانے سے پہلے جلدی جلدی چڑھا کر نکلی تھیں کہ ان کے پیچھے سندس یا ردا میں سے کوئی دیکھ لے گا مگر ردا نے تو سوائے خود کے کسی کو دیکھا ہی نہیں اور کچن میں قدم رکھتے ہی اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

سالن اتنی دیر سے جل رہا تھا کہ دیگچی میں آگ لگ گئی تھی لپکتے شعلوں کو دیکھ کر ردا بغیر سوچے سمجھے چولہے کی طرف بڑھ گئی اور دیگچی کو فوراً" چولہے سے اتارنے کے لیے بغیر کسی کپڑے کا سہارا لیے ہاتھوں سے پکڑ لیا اتنی گرم دیگچی کو ہاتھ لگاتے ہی گرفت میں آنے سے پہلے اس نے ہاتھ کو پیچھے کھینچ لیا نتیجتاً" دیگچی چولہے سے پھسل کر زمین پر لڑھک گئی سالن جل کر اس قدر خشک ہو چکا تھا کہ کچھ بہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر بھڑکتے شعلوں نے فرش کو کالا کر دیا تھا ولید نے فوراً" ہی کچن کے دروازے کے پاس رکھی بالٹی اٹھا کر دیگچی پر پانی الٹ دیا جو کچن دھونے کے لیے

سندس بھابھی نے رکھی تھی مگر ان کے جانے کا پروگرام بنتے ہی وہ یہ سوچ کر ایسے ہی چھوڑ گئیں کہ ردا ہے وہ کرلے گی اصل میں آج کل ماسی چھٹی پر تھی اس لیے ردا کو خیال بھی نہیں آیا اور پھر ردا نے کچن میں آکر جھانکا بھی نہیں ورنہ دیکھ کر ہی اسے صفائی کرنے کا خیال آجاتا اب آگ بجھ جانے کے بعد جو اس نے کچن کا جائزہ لیا تو اس کی نازک حالت کو دیکھ کر اس کی اپنی حالت بھی نازک ہو گئی۔

دوپہر کے کھانے کے برتن جوں کے توں پڑے تھے اصل میں ابو کی اچانک فرمائش پر امی اور بھابھی سارے کام چھوڑ کر کلیجی دھونے اور چڑھانے میں مصروف ہو گئی تھیں اور پھر میلاد میں وقت پہنچنے کی کوشش میں سب ردا کے بھروسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور عموماً" ردا یہ تمام کام خوش اسلوبی سے انجام دے دیا کرتی تھی مگر آج ولید کو آنا تھا اس لیے سب کچھ غلط ہوئے جا رہا تھا (کم از کم ردا کو تو ایسا ہی لگ رہا تھا)

ولید پنجوں کے بل بیٹھ کر بھانپ اڑاتی دیگچی کا معائنہ کرنے لگا جس میں جابجا چھید ہو گئے تھے کچن میں دھواں اور جلنے کی شدید بو بھری ہوئی تھی جو طبیعت پر اتنی گراں گزر رہی تھی کہ ولید کھانستے ہوئے بولا۔

"تم گھر پر کیا کر رہی تھیں۔"

وہ سر اٹھا کر ردا کو دیکھنے لگا جس کا شرمندگی کے مارے برا حال تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ فوراً" سے بیشتر سارا کچن سمیٹ دے اور ایک پل میں برتن اور فرش کو دھو ڈالے فرش کی حالت کافی ناگفتہ بہ تھی کیونکہ کچن ہمیشہ برتنوں کے بعد دھلتا تھا اور اس دھلے ہوئے فرش کو ولید نے کبھی اتنے نزدیک سے نہیں دیکھا تھا مگر آج جبکہ اس پر جلی دیگچی کی سیاہی بھی لگ گئی تھی وہ اس کے اتنے قریب فرش پر آنکھیں گاڑے بیٹھا تھا۔

"یہ سالن ہلکی آنچ پر رکھا ہوگا اور کم از کم آدھے گھنٹے سے جل رہا ہوگا۔ آخر تم ایسا کیا کر رہی تھیں کہ

تھیں نہ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی نہ سالن کے جلنے کی بو۔ کیا تم ٹی وی سیریل والیوں کی طرح فل میک اپ کیے سو رہی تھیں۔" ولید کے لہجے میں بلا کی سرد مہری تھی روا خاموشی سے ہونٹ کاٹنے لگی گرم گرم دیگچی پکڑنے کی کوشش میں اس کے ہاتھ جل گئے تھے دل چاہ رہا تھا نل کھول کر ان پر ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ڈال دے مگر شرمندگی کے مارے اس سے اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں جا رہا تھا اسے ٹس سے مس نہ ہوتا دیکھ کر ولید اٹھ کر سلیب پر رکھے بھگونوں کی طرف بڑھ گیا امی جانے سے پہلے بھگونے کیبنٹ سے نکال کر اوپر رکھ گئی تھیں۔

ولید انہیں اٹھا کر کچن سے باہر نکل گیا اس نے روا کو ساتھ چلنے کی آفر بھی نہیں کی شاید وہ یہ سوچ رہا ہو گا کہ اسے گھر میں بیٹھ کر رات کا کھانا چڑھانا چاہیے اور خود روا تو اب اس کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر بھگونوں کے زمین پر گرنے کی زوردار آواز پر رداء کچن سے نکلنے پر مجبور ہو گئی سامنے کا منظر اس کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا ایک ہی دن میں اتنی دفعہ شرمندہ ہونے کا اتفاق اس کے ساتھ پہلی بار ہوا تھا۔

ولید کپڑے جھاڑتا ہوا زمین سے اٹھ رہا تھا اس نے ایک کھولتی ہوئی نظر روا پر اور دوسری راستے میں پڑے نیوی بلو گولے پر ڈالی تھی جو اسے آتے وقت بھی دکھائی دیا تھا مگر جاتے وقت ہاتھ میں پکڑے بڑے بڑے بھگونوں کی وجہ سے وہ اسے نظر نہ آیا اور وہ اس میں الجھ کر زمین بوس ہو گیا بڑے تپے ہوئے انداز میں اس نے گولہ اٹھا کر دور پھینک دینا چاہا تھا مگر ہاتھ میں آتے ہی نہ صرف گولے کی تہیں کھل گئیں بلکہ یہ حقیقت بھی عیاں ہو گئی کہ جسے وہ کوئی فالتو کی چادر یا صفائی کا کپڑا سمجھ رہا تھا وہ ایک اچھا خاصا زنانہ سوٹ تھا۔

ولید بڑی بے یقینی سے ہاتھ میں پکڑی قمیص شلوار کو دیکھتا رہا پھر اسے وہیں زمین پر پٹخ کر بھگونے اٹھا تا روا کو دیکھے بغیر باہر نکل گیا اور روا دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ پوری رات کئی چیزوں کا سوگ مناتی رہی اپنی اس درجہ لاپرواہی اور غیر ذمہ داری اس کی اپنی سمجھ سے باہر تھی ولید کے سامنے جو شرمندگی ہوئی تھی سو تھی گھر میں بھی اچھی خاصی جھاڑ سننی پڑی تھی وہ دیگچی اس قدر جل گئی تھی کہ قابل استعمال نہیں رہی تھی اور کلیجی ابو نے خاص طور پر فرمائش کر کے پکوائی تھی ایسے میں امی اسے جو نہ کہتیں وہ کم تھا اوپر سے ابو بھی رات کو کھانے کی میز پر ذرا سی سبزی کھا کر اٹھ گئے ان کے کھانا نہ کھانے سے زیادہ اسے ان کے رویے سے شرمندگی ہوئی تھی انہوں نے اسے ایک لفظ نہیں کہا تھا بلکہ امی کی شکایت لگانے پر بھی انہوں نے بڑی بردباری سے کہا۔

"اللہ تعالیٰ نے انسان کا جس دن جو رزق لکھا ہے وہ اس دن وہی کھا سکتا ہے۔"

اگر ابو اسے ڈانٹتے یا سرزنش کرتے تو اسے اتنا دکھ نہ ہوتا رات کو بستر پر لیٹ کر وہ بہت دیر تک اپنے رویے کا تجزیہ کرتی رہی۔

ولید اسے بچپن سے پسند تھا مگر اس کے انداز میں ایسی دیوانگی کبھی نہیں تھی کہ وہ بس اس کے بارے میں سوچتے ہوئے سب کچھ بھول جائے وہ کبھی کسی تہوار یا تقریب میں اپنے کپڑوں کو لے کر اتنا حساس نہیں ہوئی تھی حالانکہ ایک ہی خاندان ہونے کی وجہ سے اس کا ہر تقریب میں ولید سے سامنا ہوتا تھا مگر اس نے کبھی اپنی تیاری ولید کو دکھانے کے لیے نہیں کی۔ پھر اب اس کے رویے میں اتنا تضاد کیوں ہو گیا کہ امی کے خاص طور پر تاکید کرنے کے باوجود وہ چولہے پر رکھے سالن کو بھول گئی سوا گھنٹے تک وہ دنیا و مافیہا کو بھولے بس اپنی تیاری میں غرق رہی اور جس جوڑے پر استری نہ کر سکی اسے بھی ایسے ہی لاؤنج میں پھینک دیا۔ اسے اپنے آپ پر افسوس ہو رہا تھا اور پھر اس افسوس پر یہ دکھ حاوی ہو گیا کہ اس کی محبت واقعی یک طرفہ ہے ولید نے اس پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا سالن

تو بست بعد میں جلا تھا وہ تو دروازہ کھولتے ہی اس پر بگڑنے لگا تھا جانے کتنے سالوں بعد اس نے براہ راست ردا سے بات کی تھی اور اکیلے میں تو وہ یقیناً" زندگی میں پہلی بار اس سے مخاطب ہوا تھا کیونکہ بچپن میں بھی ایسا اتفاق ہوا ہو تو وہ اسے یاد نہیں تھا۔

اسے اپنے دل پر ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ اسے فوراً" کنول سے دور ہو جانا چاہیے وہ ویسے بھی کنول کے پاس زیادہ بیٹھنے سے گریز کرتی تھی اسے یقین تھا اس کی ذات میں یہ تبدیلی کنول کی باتیں سن سن کر آئی تھی مگر مسئلہ یہ تھا کہ کنول کے قصے ساری لڑکیاں خوب انجوائے کرتی تھیں اگر وہ کبھی سنے بغیر چلی جاتی تو اس کی دوستیں بعد میں اسے پکڑ کر پوری تفصیل بتاتیں جیسے وہ کسی بہت بڑی نعمت سے محروم رہ گئی ہو۔

اگلے دن جب وہ کالج جانے کے لیے گھر سے نکلی تو وہ تین لڑکے وہیں اس چبوترے پر دوبارہ نظر آئے وہ سب باتوں میں اتنے مگن تھے کہ انہوں نے ردا کے گھر سے نکلنے کا نوٹس بھی نہیں لیا تھا' مگر ان پر نظر پڑتے ہی ردا کا حلق تک کڑوا ہو گیا اگر کل یہ تینوں یہاں نہ ہوتے تو ولید کا موڈ اتنا خراب ہرگز نہ ہوتا اسے مسلسل دروازہ بجانے پر اتنا غصہ نہیں آیا ہو گا جتنا ان کا ہنسنا جلتی پر تیل کا کام کر گیا ہو گا۔

وہ دانت پیستی بس اسٹاپ پر جا کھڑی ہوئی تھی اپنی تیاری میں صرف کی محنت اور برباد ہوئے وقت کو یاد کر کے اس کا خون ایک بار پھر کھولنے لگا تھا کل وہ جس قسم کی شرمندگی اور پچھتاوے سے گزری تھی اس کے ذمہ دار اسے سراسر یہ تینوں لگ رہے تھے وہ دل ہی دل میں انہیں گالیاں دے رہی تھی جب ایک لڑکا اس کے قریب آ کر کہنے لگا۔

"مس آپ کے پاس پانچ سو روپے کا کھلا ہو گا۔"

"جی نہیں۔"

ردا نے اس کی طرف دیکھے بغیر لٹھ مار انداز میں کہا۔

"مس آپ ایک بار پرس کھول کر چیک تو کر لیں مجھے پانچ سو روپے کے کھلے کی سخت ضرورت ہے۔"

اس کا لہجہ اتنا التجائیہ تھا کہ ردا گردن گھما کر اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گئی وہ شکل اور حلیے سے کسی اچھی فیملی کا لگ رہا تھا مٹھی میں پانچ سو روپے کا نوٹ دبائے وہ بڑی پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ردا کے پرس میں صرف چار سو پینتیس روپے تھے۔ پانچ سو کے بدلے وہ اتنے روپے لینے کے لیے ہرگز آمادہ نہیں ہو گا پھر آج کل جس طرح کے حالات تھے اس میں کسی اجنبی کے سامنے پرس کھولنا خطرے سے خالی نہیں تھا حالانکہ اس کے پرس میں نہ موبائل تھا اور نہ کوئی بہت بڑی رقم۔

"آپ کسی اور سے مانگ لیں میرے پاس پانچ سو روپے ہیں ہی نہیں۔"

اس کے چہرے پر پھیلی بے چارگی دیکھ کر وہ نا چاہتے ہوئے بھی بولنے پر مجبور ہو گئی۔

"تو جتنے روپے ہیں وہ ہی دے دیں میں بہت لوگوں سے مانگ چکا ہوں کوئی نہیں دے رہا۔"

اس کے بے بسی سے کہنے پر ردا نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ رواں دواں ٹریفک میں چہل پہل کا احساس تو تھا' مگر چہل قدمی کرتا کوئی آدم تھا نہ آدم زاد۔ بس اسٹاپ پر بھی سوائے ردا کے اور کوئی نہیں تھا۔ اصل میں وہ کوئی باقاعدہ بس اسٹاپ تھا ہی نہیں۔ لوگ یہاں کھڑے ہو کر بس روکتے تھے آہستہ آہستہ بس نے یہاں پہنچ کر خود ہی رفتار کم کرنی شروع کر دی بس روکنے کا رواج تو ویسے بھی نہیں تھا البتہ یہاں چڑھنے والوں کی بھیڑ نہیں تھی اسی لیے ردا آسانی سے بس میں سوار ہو جاتی تھی۔

"میرے پاس صرف چار سو پینتیس روپے ہیں۔"

ردا نے کہنے کے ساتھ ہی بس کی تلاش میں ایسے نظریں دوڑائیں جیسے یہ سننے کے بعد وہ مزید یہاں رکنے کی زحمت گوارا نہیں کرے گا۔

"آئی ڈونٹ مائنڈ' آپ پانچ سو کا نوٹ رکھ لیں اور چار سو پینتیس روپے مجھے دے دیں آئی ریلی نیڈ اٹ۔"

ردا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
"میں آپ سے کم پیسوں کے بدلے زیادہ روپے کیسے لے سکتی ہوں۔"
"میں نے کہا نا مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا مجھے صرف اس نوٹ کا چینج چاہیے۔"
ردا الجھن بھری نظروں سے کبھی اسے اور کبھی متلاشی نظروں سے بس کو دیکھنے لگی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ اس شخص سے کیسے جان چھڑائے وہ اس کے بڑھتے اصرار پر عاجز آکر بولی تھی۔
"دیکھیں یہ کوئی دو چار روپوں کی بات نہیں ہے' میں آپ سے سیکسٹی فائیو روپے زیادہ کیوں لے لوں۔"
اس کے جھنجلائے ہوئے انداز کا اس پر رتی برابر اثر نہیں ہوا۔
"ٹھیک ہے آپ کل مجھے اسی وقت اسی جگہ وہ پیسے لوٹا دیجیے گا' لیکن ابھی مجھے ان پیسوں کی سخت ضرورت ہے۔"
اس کی عجیب و غریب پیش کش پر ردا نے گھور کر اسے دیکھا تھا اور محض اپنی جان چھڑانے کے لیے اس نے سخت غصے کے عالم میں پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔
"یہ رکھ لیں' لیکن کل پیسے لینے ـــ آجایئے گا۔"
"تھینک یو سو مچ۔"
نوٹ لیتے ہوئے اس کے چہرے پر ممنونیت سے زیادہ سرشاری کے تاثرات پھیل گئے اپنا پانچ سو کا چار تہوں میں بند نوٹ اسے تھما کر وہ واپسی کے لیے تیزی سے پلٹ گیا اسی وقت ردا کو دور سے اپنی بس آتی دکھائی دی وہ نوٹ کو جلدی سے پرس میں ڈال کر زپ بند کر دینا چاہتی تھی' مگر نوٹ پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح چونک گئی۔
وہ نوٹ آدھا پھٹا ہوا تھا جس کا دوسرا سرا سرے سے تھا ہی نہیں۔ یہ نوٹ مارکیٹ میں کہیں استعمال نہیں ہو سکتا تھا' بینک میں نوٹ دینے کے لیے اسے بھائی جان کو سب بتانا پڑتا جو آدمی بات سنتے ہی بھڑک اٹھتے وہ تو ویسے بھی کسی راہ چلتے سے بات تک کرنے کے قائل نہیں تھے اور ان سے ڈانٹ کھانے کے بعد بھی یہ یقین نہیں تھا کہ بینک بھی یہ نوٹ لیتا یا نہیں جب اس کا دوسرا سرا ہی نہیں ہے تو بینک بھی نوٹ بدلنے سے انکار کر سکتا تھا۔
ایک ہی لمحے میں اس کے ذہن نے تمام ممکنات کے متعلق سوچ لیا وہ اپنی بس کو فراموش کر کے تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔
"ایکسکیوزمی۔ یہ نوٹ تو پھٹا ہوا ہے۔"
ردا کو اس کی رفتار کا ساتھ دینے کے لیے تقریباً دوڑنا پڑ رہا تھا' اس کی بات سن لینے کے باوجود وہ کاتھا نہ اس کی رفتار میں کوئی کمی ـــ ہوئی تھی بلکہ اس نے ردا کی بات کا جواب تک دینا ضروری نہیں سمجھا اور جوں کا توں چلتا رہا۔
"دیکھو مسٹر میرے پیسے مجھے واپس کرو مجھے یہ پھٹا ہوا نوٹ نہیں چاہیے۔"
اس کے پیچھے تیزی سے چلتے ہوئے وہ غصے اور جھنجلاہٹ کے مارے روہانسی ہو گئی تھی تب ہی ردا کی مطلوبہ بس ان کے برابر سے گزری اور وہ چلتی بس میں تیزی سے ایسے سوار ہو گیا جیسے وہ کوئی بھکاری ہو جس کی "اللہ کے نام پر بابا" کی دہائی سنے بغیر لوگ بے نیازی سے آگے بڑھ جاتے ہیں اس کے بس میں سوار ہوتے ہی ردا کا خون خشک ہو گیا ایک شخص اسے بے وقوف بنا کر اس کے سارے پیسے لے گیا اور اس کی بس بھی مس کرا گیا ویسے اب اس کے پاس کرائے کے پیسے بھی نہیں تھے۔
وہ آنسو بھری آنکھوں سے اس بس کو جاتا دیکھتی رہی اور جیسے ہی وہ بس موڑ مڑ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار رو دی اگر وہ اندر سے اتنی اداس اور مضطرب نہ ہوتی تو اتنے سے پیسوں کے لیے ہرگز نہ روتی یا کم از کم سڑک پر نہ روتی اس کا گھر قریب ہی تھا وہ آرام سے واپس جا سکتی تھی کوئی پریشانی کی بات نہیں تھی' لیکن اس چھوٹی سی

بات پر اس کے اندر کی گھٹن کو باہر نکلنے کا موقع مل گیا تھا وہ اپنے اردگرد سے بے خبر جانے کتنی دیر یہ شغل جاری رکھتی کہ ایک مانوس سے لب و لہجے نے اسے چونک کر سر اٹھانے پر مجبور کردیا اس کے سامنے کھڑا دبلا پتلا شخص جس کے لمبے سیدھے بال اس کے شانوں پر پڑے تھے بہت تیزی سے کچھ بول رہا تھا اور بولتے وقت وہ وقتاً" فوقتاً" اس کے کندھے کے اوپر کی جانب بھی دیکھتا جا رہا تھا اس کی جانی پہچانی شکل اور ہاتھ میں پکڑا مائیک دیکھ کر ردا کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پلٹ کر اپنے پیچھے دیکھنے لگی جہاں ایک شخص کندھے پر کیمرا لگائے کھڑا تھا۔

گویا وہ مائیک پکڑا شخص ایک ٹی وی ہوسٹ تھا جو کیمرے سے مخاطب ہو کر ناظرین کو تازہ صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا جبکہ گلی کے موڑ سے اسی لڑکے کو بھرپور خوشی کے ساتھ نمودار ہوتا دیکھ کر اس کے ذہن میں الجھی ساری گتھیاں سلجھتی چلی گئیں۔

یہ پروگرام اس نے ٹی وی پر کئی بار دیکھا تھا جہاں کینڈیڈیٹ کو کوئی ایسا کام کرنے کے لیے کہا جاتا جو عام طور پر کوئی کرنا پسند نہیں کرتا یا جسے کرنا بہت مشکل ہو۔ پروگرام کا ہوسٹ، پوری ٹیم کے ساتھ چھپ کر نہ صرف سارا منظر دیکھ رہا ہوتا بلکہ پروگرام کی ریکارڈنگ بھی جاری ہوتی ہے جب پروگرام میں چیلنج قبول کرنے والا کینڈیڈیٹ اپنے مقابلے میں کامیاب یا ناکام ہو جاتا تب پروگرام کی پوری ٹیم منظر عام پر آ کر بے وقوف بننے والے کو ساری حقیقت سے آگاہ کردیتی۔ اس پروگرام کو اکثر بڑی دلچسپی سے دیکھتے وقت اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ایک دن وہ خود اس پروگرام کا حصہ بن جائے گی۔

وہ ایک شاک کے عالم میں کھڑی تھی جو کچھ بھی اس نے کہا تھا اور جس طرح وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی وہ سب ریکارڈ ہو چکا تھا اور کسی دن ٹی وی پر دکھایا جائے گا یہ سوچ کر اس کا شرمندگی کے مارے برا حال ہو گیا تھا۔ پروگرام کے ہوسٹ نے اس کی جانب مائیک کر کے اس سے دو چار سوال بھی پوچھے مگر اس کا جھینپا ہوا خاموش رویہ دیکھ کر وہ اس لڑکے کی طرف متوجہ ہو گئے جو خوشی کے بھرپور احساس میں کھڑا ان کے قریب آ گیا تھا۔

"کیا کسی وقت تمہیں یہ لگا کہ تم یہ نہیں کر سکو گے۔"

"نہیں، یہ یقین تو مجھے تھا کہ میں یہ کرلوں گا، لیکن آپ کے رولز اینڈ ریگولیشنز اتنے سخت ہیں کہ بندہ کچھ کر نہیں سکتا ایک تو جس بس اسٹاپ پر آپ نے مجھے لا کر کھڑا کیا وہاں کوئی آنے جانے والا تھا ہی نہیں مشکل سے کل تین افراد آئے اور میرے پاس چانس بھی صرف تین ہی تھے ان سے پہلے جو آدمی آیا تھا اس نے جب پھٹا ہوا نوٹ دیکھ کر میرا گریبان پکڑ لیا اس وقت مجھے لگا کہ آج تو میں کیا ویسے میں چاہتا تو اسے دو چار ہاتھ جڑ سکتا تھا، لیکن آپ کے گیم کا رول ہے کہ دوسروں کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہ کی جائے اس لیے میں نے فوراً" اس کے پیسے اسے واپس کر دیے۔"

"بالکل ٹھیک کہا تم نے اگر تم ذرا بھی بدتمیزی کرتے تو تمہیں اسی وقت ڈسکوالیفائے کر دیا جاتا۔"

پروگرام کے اینکر نے مائیک اپنی طرف کرتے ہوئے کہا تو وہ فوراً" کہنے لگا۔

"تب ہی تو میں نے اس بندے کی اتنی جھاڑ سن لی، لیکن اس کے جانے کے بعد ان محترمہ کو بس اسٹاپ کی طرف آتا دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اب میں پھٹے ہوئے نوٹ کے بدلے چار سو سے اوپر رقم لینے کا چیلنج جیت جاؤں گا صرف ایک فکر تھی کہ اگر اس وقت کوئی بس نہ آئی تو کیا ہوگا کیونکہ آپ کی شرط تھی کہ پیسے لے کر مجھے بس میں چڑھ جانا ہے اب اگر اس ٹائم پر کوئی بس نہیں آتی تو یہ میری غلطی تو نہیں تھی نا۔"

وہ ایک جوش کے عالم میں بول رہا تھا۔ ردا کو اس کی شوخی زہر لگ رہی تھی جس طرح اس نے کہا کہ ردا کو دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ چیلنج جیت جائے گا اس کا یہ جملہ اور انداز ردا کو سرتاپا سلگا گیا تھا گویا وہ شکل سے اتنی احمق لگتی ہے کہ اسے تو وہ بڑی آسانی سے

بے وقوف بنا ہی لے گا اور ردا نے واقعی اس کے اندازوں کو صحیح ثابت کر دیا تھا بلکہ اس نے تو حماقت کی حد کرتے ہوئے پہلے اسے پیسے دیے پھر اس سے نوٹ وصول کیا اور لینے کے بعد بھی اسے دیکھنا یا جانچنا ضروری نہیں سمجھا وہ تو پرس میں رکھتے وقت غیر ارادی طور پر اس کی نظر نوٹ پر پڑ گئی ورنہ وہ تو بغیر دیکھے بس میں سوار ہو جاتی۔

پروگرام کے ہوسٹ نے اس کے پیسے واپس کرتے ہوئے اسے پریشان کرنے پر معذرت کی اور بڑے سلجھے ہوئے انداز میں تاکید کی کہ یہ ایک شو ہے اور اس گیم کو صرف مذاق کے طور پر لینا چاہیے اس کی اتنی وضاحت پر ردا نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا کیونکہ یہ اطمینان بہر حال اسے تھا کہ اگر وہ بے وقوف بنی بھی ہے تو بھی اس کے خاندان میں کسی کو اس بات کی بھنک تک نہیں پڑے گی کیونکہ اس کے خاندان میں پاکستان کے چینلز دیکھے ہی نہیں جاتے تھے اور انسان کی فطرت ایسی ہے کہ اسے بے وقوف بننے پر اتنی شرمندگی نہیں ہوتی جتنی فکر اس بات کی ہوتی ہے کہ اس کا الو بننا کسی کو پتا نہ چل جائے' مگر اس کا یہ اطمینان دھرا کا دھرا رہ گیا تین ہفتے بعد جب یہ حادثہ اس کے ذہن سے مکمل طور پر محو ہو چکا تھا تب ایک دن کلاس میں قدم رکھتے ہی ساری لڑکیاں اس کے ارد گرد جمع ہو گئیں ان کے چہروں پر ایک خاص تاثر دیکھ کر وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"تم سب مجھے ایسے کیوں گھور رہی ہو۔"

جب وہ کچھ نہ بولیں تو اسے تو کہنا ہی پڑا۔

"تم تو بڑی چھپی رستم نکلیں اتنی لمبی شوٹنگ کرا لی اور کسی کو بتایا تک نہیں۔"

کنول نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ردا کی سمجھ میں خاک بھی نہیں آیا تھا تب محمودہ کہنے لگی۔

"کل رات ٹی وی پر جو پروگرام آرہا تھا وہ ہم سب نے دیکھا ہے۔"

"کون سا پروگرام؟"

ردا مزید حیران ہوئی۔

"اب زیادہ بھولی مت بنو۔"

"وہ ایک جوک تھا آخر اتنا چھپانے کی کیا بات ہے۔"

"بلکہ تمہیں ہمیں پہلے بتا دینا چاہیے تھا بینش نے جب تک فون کیا تب تک ٹی وی آن کرنے میں آدھا پروگرام تو نکل بھی گیا۔"

ان سب کی بھانت بھانت کی بولیاں سن کر وہ سٹپٹا گئی تھی اس کی سمجھ میں بخوبی آگیا تھا کہ وہ کس پروگرام کی بات کر رہی ہیں' مگر کنول سمجھی کہ ردا سمجھی نہیں وہ کس پروگرام کی بات کر رہی ہیں تب ہی اسے یاد دلانے کے لیے بڑی تفصیل سے ردا کے اس دن کہے الفاظ تک دھرا دیے ردا دل ہی دل میں اس کی یادداشت کو داد دینے پر مجبور ہو گئی جسے ایک دفعہ پروگرام دیکھ کر بھی اتنی اچھی طرح سارے جملے یاد رہ گئے تھے' لیکن اس کے باوجود اب بھی وہ ان کے سامنے اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں تھی بلکہ انہیں جھٹلاتے ہوئے بولی۔

"ارے وہ کوئی مجھ سے ملتی جلتی لڑکی ہو گی وائٹ یونیفارم میں سب لڑکیاں ایک سی ہی لگتی ہیں۔"

"اب ایسا بھی اندھیر نہیں ہے۔"

بینش کے اچانک بولنے پر سب اس کی طرف گھوم گئیں۔ تقریباً" ساری لڑکیاں ردا کے گرد دائرہ بنائے کھڑی تھیں ایک سوائے بینش کے جو ٹیچر کی میز پر بیٹھی اپنے موبائل کو گھما رہی تھی۔

"وہ پروگرام میں نے دس بار دیکھا ہے۔"

بینش نے گردن اکڑاتے ہوئے کہا۔

"دس بار' کیا ریکارڈ کر لیا تھا؟"

ردا نے اس کی بات پر یقین نہ کرتے ہوئے مذاق میں اڑانی چاہی' مگر بینش کو سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلاتا دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔

"صرف ریکارڈ ہی نہیں کیا بلکہ کمپیوٹر میں ٹرانسفر کر کے اس کی مووی میں موبائل میں لے کر آئی ہوں۔"

ردا کے چہرے کا رنگ اڑتا دیکھ کر وہ میز سے کود کر

زمین پر اتری اور اس کے مقابل چلی آئی۔
"تمہارا دو منٹ کا تو سین تھا اب اتنے مختصر وقت میں سب کو تو فون نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے اپنے موبائل میں پورا سین فیڈ کر لیا تاکہ سب ساتھ دیکھ سکیں۔"
بینش کے اٹھلا اٹھلا کر کہنے پر سب ہنسنے لگیں۔
روا دل ہی دل میں تلملا گئی تھی مگر ظاہر نہیں ہونے دیا ورنہ وہ اسے چڑانے کے لیے مزید تنگ کرتیں وہ سب ابھی بھی ایک سا بول رہی تھیں۔
"کمال ہے یار اتنا مزے دار انسیڈینٹ تمہارے ساتھ ہوا اور تم نے ذکر تک نہیں کیا۔"
"کیا تم نے پوچھا تھا کہ یہ پروگرام کب آن ایئر جائے گا۔"
"اگر پوچھا نہیں ہو گا تو پھر تو تم خود بھی پروگرام نہیں دیکھ سکی ہو گی۔"
"اسی لیے تو میں موبائل میں لائی ہوں کہ کوئی مس نہ کر دے۔"
بینش نے کہنے کے ساتھ ہی موبائل کا اسکرین اس کی طرف کرتے ہوئی مووی آن کر دی۔
روا اپنی ہوائیاں اڑتی شکل بالکل دیکھنا نہیں چاہتی تھی وہ بھی ان سب کے ساتھ کھڑے ہو کر تو بالکل بھی نہیں، مگر ایک سرسری نظر ڈالتے ہی وہ چونک کر پروگرام دیکھنے لگی جہاں وہ ہوسٹ اس لڑکے کو قواعد و ضوابط سمجھا رہا تھا۔
"کیا تمہیں معلوم تھا اس پروگرام میں، میں آنے والی ہوں جو تم نے اسے شروع سے ریکارڈ کیا ہے۔"
روا کے چونک کر پوچھنے پر بینش مسکرا دی۔
"جس لڑکے نے تمہارے ساتھ یہ ڈیئر کیا تھا وہ میرا کزن ہے ہم سارے کزنز ایک ہی گھر میں تو رہتے ہیں۔ پروگرام شروع ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی ہم ریکارڈنگ کی ساری تیاریاں کیے صوفوں پر منتظر بیٹھے تھے جب تم اسکرین پر نظر آئیں تو میں چیخ پڑی، میں نے موبائل اٹھایا اور ایک ہی ایس ایم ایس لکھ کر سب کو سینڈ کر دیا اور جن کے پاس موبائل نہیں تھا انہیں جلدی جلدی فون کیا، مگر تب تک سین نکل بھی گیا خود میں بھی ٹھیک طرح سے دیکھ نہ سکی تب میں سب کی تسلی کے لیے موبائل میں ڈلوا کر لے آئی اسی لیے تو تمہیں فون نہیں کیا کہ ایک دم سرپرائز دوں گی۔"
بینش خوشی خوشی اپنا کارنامہ بیان کرتی رہی۔ روا بے بسی سے کبھی اسے اور کبھی موبائل پر چلتی پکچر کو دیکھتی رہی جہاں اس کے منظر پر ابھرتے ہی لڑکیاں بڑے جوش سے اس کی ایک ایک حرکت پر تبصرہ کرنے لگیں۔
روا سین میں اپنی توقع سے زیادہ ہونق لگ رہی تھی اس پر ستم یہ کہ سین کے بیچ بیچ میں تسلسل منقطع کر کے پروگرام والوں کی جانب سے اس کے تاثرات پر مزاحیہ تبصرے بھی لکھے آ رہے تھے اور جس لمحے وہ حواس باختہ سی اس لڑکے کے پیچھے دوڑنے کے انداز میں چلتی نظر آئی روا نے اس پل تاب نہ لاتے ہوئے اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا یہ سارا منظر روا کے کلاس میں آنے سے پہلے وہ سب کئی بار دیکھ چکی تھیں، مگر اس کے پھوٹ پھوٹ کر رونے والے سین کو دیکھ کر وہ سب ایسے لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں جیسے اس سے زیادہ مزاحیہ سین انہوں نے اپنی زندگی میں نہ دیکھا ہو۔ آخر روا کو زچ ہو کر کہنا پڑا۔
"اس میں اتنا ہنسنے کی کیا بات ہے اگر تم لوگ میری جگہ ہوتیں تو تم سب کا بھی یہی حال ہوتا۔"
اس کی بات پر ایک لڑکی بڑے جوش سے بولی۔
"بالکل نہیں! اگر اتنا چارمنگ لڑکا مجھ سے چینج مانگتا تو میں بغیر پیسے لیے اسے پانچ سو روپے دے دیتی۔"
اس کی بات پر سب لڑکیاں روا کو بھول کر بینش کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
"ہاں یار تمہارا یہ کزن اتنا ہی امپریسو ہے یا کیمرے میں ایسا لگ رہا ہے۔"
محمودہ کے دلچسپی سے پوچھنے پر بینش کی گردن فخر سے تن گئی تھی۔
"ارے اس چھوٹے سے اسکرین میں تم نے

نہیں دیکھا ہی کہاں ہے میرے پورے خاندان میں الیاس بھائی کی ٹکر کا ایک شخص بھی نہیں ہے۔"

"بھائی!"

ایک لڑکی نے بڑی معنی خیز انداز میں دہرایا، مگر بینش کہاں شرمندہ ہونے والی تھی وہ اس سے بھی زیادہ معنی انداز میں بولی۔

"کہنا ہی پڑتا ہے یار چاہے دل میں کچھ بھی ہو۔"

بینش اپنی بات پوری کر کے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر زور سے ہنسی وہ سب کافی دیر تک اس کی تعریف میں رطب اللسان رہیں۔ ردا کو اس کی تعریف سن سن کر غصہ آرہا تھا کیونکہ وہ اس کی اسمارٹنیس کی قصیدہ گوئی کے بعد ردا کے فق ہوئے چہرے پر تذکرہ بھی کیے جا رہی تھیں جو اس کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا اس نے اسی لیے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا کہ پھر وہ سب جان کو آجائیں گی بلکہ آسیہ نامی لڑکی نے تو واقعی یہ کہہ کر حد کر دی۔

"ویسے تمہارے کزن اور ردا کا یہ ٹکراؤ بالکل فلمی سین لگ رہا ہے ایسے ہی ہوتی ہے نا ہیرو ہیروئن کی ملاقات۔"

"بکواس بند کرو آسیہ۔"

ردا کا ضبط جواب دے گیا۔

"ہاں آسیہ یہ ہیروئن نہیں بن سکتی یہ تو پہلے ہی انگیجڈ ہے۔"

بینش کے پچکارنے والے انداز پر محمودہ، کنول اور دو لڑکیوں کو چھوڑ کر سب ہی چیخ پڑیں۔

"کیا؟ تم انگیجڈ ہو۔ تم نے کبھی بتایا کیوں نہیں۔"

"کیونکہ بتانے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔"

بینش زور سے ہنسی اس کا انداز ردا کو بڑا توہین آمیز لگا تھا، مگر وہ صرف اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی جو مزید کہہ رہی تھی۔

"یہ کوئی کنول اور عمران بھائی جیسا رومانٹک کپل نہیں ہے بڑا بورنگ اور اولڈ فیشن ٹائپ ہے۔"

بینش کا بات کرنے کا انداز ایسا تھا کہ کسی کے لیے بھی ہنسی روکنا مشکل ہو جاتا بس ایک وہ تھی جو سب سے پیچھے اسے دیکھ رہی تھی اسے کنول کے ساتھ اپنا موازنہ کرنا سخت ناگوار گزرا تھا، مگر اس وقت کچھ کہہ کر وہ بینش کو اپنے پیچھے نہیں لگوانا چاہتی تھی ورنہ وہ اس کے منہ سے نکلے الفاظ کو حسب منشا معنی پہنا کر مزید کوئی بات گرفت میں لے لیتی۔ کیونکہ وہ بغیر کچھ جانے ہی اس کے بارے میں اتنا کچھ بول رہی تھی جیسے ولید اور ردا کے درمیان رویے کی ایک ایک باریکی سے بخوبی واقف ہو یہ اور بات تھی کہ اس کے اندھیرے میں چلائے گئے تیر بھی عین نشانے پر لگ رہے تھے۔

"ارے وہ تو ردا نے ہی مجھے جتایا کہ اس کا منگیتر سامنا ہو جانے پر بھی اس سے بات تک نہیں کرتا فون کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔"

ردا کو اچھی طرح یاد تھا اس نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا، مگر بینش کی زبان کو کون روکتا ویسے بھی اس کی اپنی طرف سے گھڑی بات بالکل سچ تھی تب ہی ردا کو زیادہ تکلیف ہو رہی تھی جبکہ لڑکیاں بے یقینی سے سن رہی تھیں۔

"کیا آج کے دور میں بھی ایسا ہوتا ہے تم اتنی بیک ورڈ نہیں لگتیں۔"

ردا کو اپنی ذات کا اس طرح موضوع گفتگو بننا بہت برا لگ رہا تھا وہ کلاس سے جانے کے لیے واپس مڑ گئی۔

"میں لائبریری جا رہی ہوں فری پیریڈ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سارا وقت باتوں میں برباد کر دیں۔"

"ارے بیٹھو تو سہی اپنے منگیتر کا نام تو بتا دو یا تمہارے خاندان میں اس کا بھی رواج نہیں؟"

عالیہ نے شرارت سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اور وہ دیکھنے میں کیسا ہے؟"

ایک اور لڑکی نے بھنویں اچکائیں جس پر بینش فوراً بولی۔

"بقول ردا کے بہت گڈ لکنگ ہیں ان کے منگیتر صاحب مگر یقین اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ ردا کے

پاس ان کی کوئی تصویر نہیں حالانکہ وہ ان کے خالہ زاد ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ردا صاحبہ جھوٹ بول رہی ہیں' تصویر ہے یا نہیں وہ الگ بحث ہے' لیکن ایک بات کنفرم ہے کہ وہ دکھانے کے قابل بالکل نہیں ہے۔" آسیہ چہکی۔

"تو پھر ردا کی بات سچ بھی ہو سکتی ہے جو تصویر دیکھنے کے قابل ہی نہ ہو اسے بھلا کون اپنے پاس رکھے گا۔"

کنول نے بہت دیر بعد زبان کھولی تھی اس کا انداز سراسر شرارتی تھا' مگر ردا کو لگا جیسے کنول نے اسے ایک زناٹے دار تھپڑ مارا ہو اگر یہ بات کنول کے علاوہ کوئی اور کہتی تو اسے اتنی ہتک کا احساس نہ ہوتا وہ ایک جھٹکے سے عالیہ کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑاتی کلاس روم سے نکل گئی یہ سوچے بغیر کہ اتنے شدید ردعمل پر وہ سب تو صرف حیران ہوئی تھیں جبکہ بینش کو کہنے کے اور مواقع مل گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

اپنے رویے پر اسے بعد میں بہت ندامت ہوئی تھی۔ سہیلیاں وغیرہ تو ایسے مذاق کرتی ہی ہیں اس میں اتنا برا ماننے کی کیا بات تھی خاص طور پر کنول کی شوخی میں کہی بات پر خود کا کالج چھوڑ کر گھر آجانا اسے بالکل بھی مناسب نہیں لگ رہا تھا کنول نے وہ سب اسے طعنہ مارنے کے لیے ہرگز نہیں کہا تھا اس نے محض شرارت کی تھی۔

اس نے کہیں پڑھا تھا معمولی باتوں کو منفی انداز میں لینا اور اس پر شدید ردعمل کا مظاہرہ کرنا ڈپریشن کی علامت ہے۔

"تو کیا میں ذہنی دباؤ کا شکار ہو گئی ہوں۔"

اس سوال کا اسے اپنے اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

امی بھی اسے اتنی جلدی گھر آتا دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں وہ انہیں بھی کسی طرح سے مطمئن نہ کر سکی۔ (جو انسان خود مطمئن نہ ہو وہ کسی دوسرے کو تسلی بخش جواب کیسے دے سکتا ہے) انہوں نے بھی زیادہ تشویش کا اظہار کیے بغیر پرسکون انداز میں کہا۔

"چلو اچھا ہی ہے آج تمہاری خالہ کے گھر جانا ہے تب تک تم تھوڑا آرام ہی کر لینا۔"

ایک پل کو وہ جیسے کھل اٹھی' مگر اس بار اس نے فوراً" ہی خود پر قابو پالیا۔

"میں نہیں جاؤں گی میرا کل ٹیسٹ ہے مجھے پڑھنا ہے۔"

ولید کے آنے پر جو حماقتیں اس سے سرزد ہوئی تھیں اس کے بعد وہ ولید کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اسے معلوم تھا آج کل اس کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے اگر وہ اس کے گھر گئی تو وہاں بھی کسی نہ کسی بے وقوفی کا ثبوت دے دے گی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو تمہارے خالو کا پرموشن ہوا ہے تمہارے ابو اور بھائی آفس سے ہاف ڈے لے کر گھر آرہے ہیں۔ اور تم ہو کہ جانے سے انکاری ہو تمہیں جتنا پڑھنا ہے ابھی پڑھ لو ہم بس دوپہر کا کھانا کھاتے ہی فوراً" نکل جائیں گے۔"

ردا نے کون سا دل سے منع کیا تھا جو وہ بحث کرتی البتہ اس نے تیار ہونے میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا وہ خود کو زیادہ سے زیادہ نارمل رکھنا چاہتی تھی اسے پتا تھا اس نے ذرا بھی جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تو پھر کوئی گڑبڑ ہو جائے گی' مگر وہ یہ بھول گئی تھی زیادہ نارمل رہنے کی کوشش میں ہی ایک طرح کی ایب نارملٹی ظاہر ہو جاتی ہے اسی لیے جب وہ گھر سے نکلنے لگے تو بھائی جان نے اسے ٹوک دیا۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔"

"میں تیار ہوں۔"

وہ نا چاہتے ہوئے بھی اپنے حلیے پر نظر ڈالنے پر مجبور ہو گئی۔ اس نے صرف نہا کر کپڑے بدلے تھے اور کپڑے بھی وہ جو وہ روزمرہ میں پہنتی تھی۔

"بیٹا کچھ تو ڈھنگ کے کپڑے پہن لیے ہوتے۔"

اسی وقت امی بھی اپنے کمرے سے نکل آئیں انہیں بھی باقاعدہ تیار دیکھ کر اسے اپنا آپ اس ماحول

سے غیر مطابقت رکھتا محسوس ہوا تھا۔ خالو جان کی ترقی کسی بہت بڑی پوسٹ پر تو نہیں ہوئی تھی وہ عرصہ دراز سے گورنمنٹ آفس میں کلرک تھے مگر بھابھی کو ہاتھ میں مٹھائی کا بڑا سا ڈبا پکڑا دیکھ کر اسے احساس ہوا یہ موقع اتنا بھی معمولی نہیں جتنا سرسری اس نے لیا تھا۔

"اب یہ کپڑے ڈھنگ کے ہیں یا بے ڈھنگے، انہیں تبدیل کرنے کا وقت نہیں ہے فوراً" گاڑی میں بیٹھو۔"

ابو کف کا بٹن لگاتے ہوئے کمرے سے نکلے ان کے حتمی انداز پر ردا ناچار ــــ ان کے پیچھے چل پڑی۔

مگر وہاں پہنچ کر اس نے واقعی اپنا سر پیٹ لیا خالہ جان کے گھر پر عید کا سماں تھا خالو کے تینوں بہن بھائی بچوں سمیت انہیں مبارک باد دینے آئے تھے۔ ولید کے گیارہ کزنز کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے دو چھوٹے بھائیوں کی موجودگی میں گھر میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی وہاں جا کر اسے پتا چلا کہ اس کے اپنے ماموں ممانی بھی کچھ ہی دیر میں پہنچنے والے ہیں وہ یہ کپڑے اپنی ماموں زاد بہنوں کے سامنے پچاس بار پہن چکی تھی اور وہ دونوں بہنیں ایسی تھیں کہ فیشن ان پر ختم ہوتا تھا اور دل کی اتنی صاف کہ مجال ہے جو کوئی بات دل میں رکھ لیں جو بھی محسوس کریں بس کھٹ سے زبان پر آجاتا بھلے ہی اگلے کے دل پر آرے چل جائیں مگر وہ اپنی صاف گوئی سے باز نہیں آتی تھیں اسی لیے توقع کے عین مطابق جب وہ تمام ہتھیاروں سے لیس خالہ کے گھر پہنچیں تو ان کا پہلا جملہ یہی تھا۔

"کیا تم یہاں صبح سے کام کرنے آئی ہوئی ہو اب تو سارے مہمان آگئے کم از کم اب تو کپڑے بدل لو۔"

ان کی بات پر وہ اپنی کھسیاہٹ چھپانے کے لیے خوامخواہ ہنسی جبکہ بھابھی کہنے لگیں۔

"ارے یہ ابھی ابھی ہمارے ساتھ آئی ہے بلکہ آئی کیا ہے ہم زبردستی لائے ہیں ورنہ یہ آ ہی نہیں رہی تھی اس کا کل ٹیسٹ ہے۔"

پتا نہیں بھابھی نے اس کا دفاع کیا تھا یا انجانے میں مخالفت کی تھی کیونکہ ان کی بات پر اس کی ماموں زاد فوراً" مسکرائی تھی۔

"لگتا ہے آپ نے اسے بال تک بنانے کا موقع نہیں دیا اور سیدھا کچن سے کھینچ کر یہاں لے آئیں۔"

ردا کے بال سلیقے سے پونی بینڈ میں قید تھے وہ کوئی بکھری ہوئی الجھی لٹیں لہراتی ہوئی نہیں آئی تھی مگر اس کی بلو ڈرائے اور ہیئر آئرنگ کرانے والی کزنز کے نزدیک یہ بال ایسے ہی تھے جیسے بنائے ہی نہ گئے ہوں۔

ردا نے پہلے تو گہرا سانس کھینچ کر بھابھی کو دیکھا، لیکن فوراً" ہی اس نے اپنی کیفیت پر قابو پالیا اور خود کو یاد دہانی کرائی کہ وہ مذاق کر رہی ہے ہر بات کو منفی انداز میں نہیں لینا چاہیے۔

"ہاں بھئی تب ہی تو اتنی جلدی پہنچ گئے اگر یہ لوگ مجھے بال بنانے کا موقع دیتے تو ہم بھی تم لوگوں کی طرح اتنا لیٹ پہنچتے۔"

آخر مذاق کرنے کا حق اسے بھی تو تھا اور پھر واقعی تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ڈپریشن سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی تھی ولید اور اس کے تایا کا بیٹا جو اس کی ہی عمر اور مزاج کا تھا۔ بزرگوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے جبکہ تمام ینگ جنریشن نے ولید کے چھوٹے بھائیوں کے کمرے میں ڈیرا ڈال لیا تھا ان کا ارادہ رات کے کھانے سے پہلے گھر جانے کا تھا، مگر ٹی وی پر مشاعرہ شروع ہوا تو خالو، ابو اور ولید کے ایک پھوپھا کے لیے ٹی وی کے سامنے سے ہلنا ناممکن ہوگیا باقی سب تو اپنے گھر روانہ ہوگئے، ان تین گھرانوں کے لوگ کھانے کے بعد بھی بیٹھے رہنے پر مجبور ہوگئے پتا نہیں مشاعرہ اور کتنا لمبا چلنے والا تھا۔ خالہ جان، امی اور سندس بھابھی کو بھی شاعری سے تھوڑا بہت لگاؤ تھا لہٰذا وہ بھی ڈرائنگ روم میں جا بیٹھیں بس ایک وہ تھی جس کے سر پر سے شاعری گزر جاتی تھی۔ ولید کے چھوٹے بھائی جب تک جاگ رہے تھے تب تک تو اسے بوریت کا احساس نہیں ہوا تھا، مگر گیارہ بجے جب وہ

بوجھل آنکھوں کے ساتھ اونگھنے لگے تب ردا خود ہی انہیں سونے کی تلقین کرتی ڈرائنگ روم میں جا بیٹھی۔ صوفے سارے بھرے ہوئے تھے اس لیے وہ ڈائننگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹ کر وہیں بیٹھ گئی اور شاعری کو سمجھنے کی ناکام کوشش کرنے لگی جس شعر پر سب نے داد دی وہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا اور جو اسے پسند آیا اسے سن کر خالو نے کہہ دیا۔

"بات کچھ بنی نہیں 'وزن گر گیا۔'"

وہ مزید دماغ خرچ کرنے کا ارادہ ترک کرکے ناظرین کے تاثرات دیکھنے لگی۔

ولید کی پھوپھی بیٹھے بیٹھے ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی تھیں ان کی جھولتی گردن کو دیکھ کر وہ بے اختیار مسکرا دی تھی۔ ان کا بیٹا اپنے موبائل میں پوری طرح مصروف تھا اس کی امی اور خالہ کا دھیان بھی ٹی وی کی طرف نہیں تھا وہ دونوں دھیمی آواز میں باتوں میں مشغول تھیں البتہ ابو' خالو اور پھوپھا کے علاوہ اس کے بھائی بھابھی پوری طرح ٹی وی کی طرف متوجہ تھے۔

اگلا لمحہ اس کے لیے واقعی حیران کن تھا جب اس کی نظریں سب پر سے ہوتی ہوئی ولید پر پڑیں اور وہیں جم گئیں۔ وہ ابھی تک کونے والے اس سنگل صوفے پر بیٹھا تھا جہاں وہ کھانے سے پہلے اپنے تایا کے بیٹے سے باتیں کر رہا تھا' لیکن حیرانی کی بات یہ تھی کہ اب اس کا مخاطب بدل گیا تھا اس کے برابر والے صوفے پر اس کی پھوپھی کی بیٹی مرینہ بیٹھی تھی اس نے دونوں پاؤں اوپر کیے ہوئے تھے اور صوفے پر نیم دراز انداز میں پڑی تھی۔ اگر ولید خاندان کے دوسرے لڑکوں کی طرح ہر ایک سے بے تکلف انداز میں باتیں کرنے والوں میں سے ہوتا تو ردا کو کوئی تعجب نہ ہوتا' مگر اسے چونکانے والی بات یہی تھی کہ وہ سب سے صرف ضرورت کے تحت بولتا تھا' مگر اب ان دونوں کے آہستہ آہستہ ہلتے ہونٹ اس بات کا ثبوت تھے کہ صرف مرینہ ہی یک طرفہ طور پر اس کے کان نہیں کھا رہی بلکہ گفتگو کا یہ سلسلہ دونوں جانب سے جاری ہے۔

اتنے شور میں بھی اسے اپنے اندر سناٹا پھیلتا محسوس ہوا حالانکہ ان دونوں کے چہروں پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا' مگر ان دونوں کا ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرنا کوئی عام بات نہیں تھی۔ ولید اب بھی معمول کی طرح بہت سنجیدہ تھا۔ مرینہ خود صبح کی اٹھی ہوئی تھی اس کے چہرے پر تھکن اور نیند صاف ظاہر تھی اس کی گردن صوفے کی بیک پر ایسے گری ہوئی تھی جیسے ابھی سو جانا چاہتی ہو اور بات چیت کے دوران وہ ٹی وی پر وقتاً" فوقتاً" ایسے نظر ڈال رہی تھی جیسے پروگرام ختم ہونے کی بے چینی سے منتظر ہو ان کے بیچ اس وقت کوئی بھی موضوع چھڑا ہو سکتا تھا یہ بھی ہو سکتا تھا وہ دونوں صرف پروگرام کی طوالت پر ہی تبصرہ کر رہے ہوں مگر یہ کیا کم تھا کہ ولید پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ تھا دونوں کہنیاں گھٹنوں پر ٹکائے وہ آگے کو جھکا بیٹھا تھا اس نے ایک بار بھی ٹی وی کی طرف نظر نہیں کی تھی اور شاید اب بھی وہ کارپیٹ کو ہی دیکھتا رہتا کہ اچانک ہی اس نے سر اٹھا کر ردا کی طرف دیکھا شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ بہت دیر سے کسی کی نظروں کی زد میں ہے اور اس کے متوجہ ہو جانے کے باوجود ردا جوں کی توں بیٹھی رہی انجان بننا تو درکنار اس نے پلک تک نہیں جھپکائی تھی۔ پہلی بار براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ جھجکی تھی نہ سٹپٹائی بلکہ بڑے نپے تلے انداز میں کرسی کھسکاتی اٹھی اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

اگلے پندرہ منٹ تک وہ خالی الذہنی کے عالم میں لان میں ٹہلتی رہی جانے ولید نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تھا یا نہیں البتہ وہ اب دوبارہ ڈرائنگ روم میں جانے کا تصور ہی نہیں کر سکتی تھی اسے اپنے پورے جسم پر چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں رینگتی محسوس ہو رہی تھیں جب ٹہلتے ٹہلتے وہ تھک گئی تب اچانک اس کی نظر ولید کے کمرے کے دروازے پر پڑی تو وہ اپنی جگہ تھم گئی دراصل یہ کمرہ پہلے اسٹور تھا جسے دو سال پہلے ہی ولید نے اپنا سامان رکھ کر کمرے کی شکل دے دی تھی اس کے قدم خود بخود کمرے کی جانب

اٹھنے لگے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس
نے پلٹ کر ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف دیکھا
جہاں سے ابھی بھی مشاعرے کی آواز آرہی تھی اس
نے آہستگی سے ہینڈل گھمایا کم از کم ولید کا کمرہ اس کی
ذات کی طرح مقفل نہیں تھا وہ با آسانی اس میں
جھانک سکتی تھی اس لیے کمرے میں داخل ہو کر لائٹ
آن کرتے ہوئے اسے ایسے خوشی ہو رہی تھی جیسے
اس نے ولید کے اندر رسائی حاصل کرلی ہو۔

وہ پہلی بار اس کمرے میں آئی تھی اس لیے اسے یہ
ایک بالکل انجان جگہ لگنے کے باوجود بڑی مانوس لگ
رہی تھی۔ دروازے کی سائڈ کی دیوار میں ایک چھوٹی
سی الماری بنی تھی جس کے عین سامنے سنگل بیڈ رکھا
تھا۔ بیڈ کے کنارے دیوار کے اوپر کتابوں کا ریک
فکس تھا جس کے نیچے رائٹنگ ٹیبل اور کرسی رکھی
تھی میز پر مختلف کتابوں اور قلم کے ساتھ ٹیبل لیمپ
اور ٹائم پیس جیسا روایتی سامان رکھا تھا بس ایک ہی چیز
ان میں سب سے منفرد اور نمایاں تھی اور وہ تھی میز
کے کونے میں رکھے فریم میں لگی ولید کی تصویر۔

ردا آہستگی سے چلتی اس تصویر کے سامنے آکھڑی
ہوئی کچھ دیر وہ کھڑی اس کی مسکراتی تصویر کو دیکھتی رہی
پھر ایک خیال نے جیسے اسے چونکا دیا اس نے فریم
اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر اس کے پاس کوئی پرس
وغیرہ نہیں تھا جس میں وہ اس گیارہ سینٹی میٹر لمبے فریم
کو رکھ سکتی اس نے کسی شاپر یا بیگ کی تلاش میں
نظریں دوڑائیں مگر وہاں سوائے کتابوں کے کچھ نہیں
تھا تب وہ رائٹنگ ٹیبل کی درازیں کھنگالنے لگی آخر
کامیابی نہ ہونے پر وہ زور سے دراز بند کرتے ہوئے
تصویر سے ایسے بولی جیسے ولید پر بگڑ رہی ہو۔

"کمال ہے تمہاری تصویر چرانا بھی اتنا ہی مشکل
ہے جتنا خود تمہیں۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ
اٹھاتے ہوئے اس کی تصویر کو ٹوکا۔

"نا... نا آپ کسی خوش فہمی میں مبتلا مت
ہوجایئے گا یہ تصویر میں صرف اپنی کلاس فیلوز کو
دکھانے کے لیے لے جارہی ہوں ورنہ مجھے آپ کی
تصویر کی چنداں ضرورت نہیں ویسے تو میں آپ کی
تصویر کو فریم سے نکال کر بھی لے جاسکتی ہوں لیکن
اس طرح واردات کو حادثے کی شکل دینا ذرا مشکل ہو
جائے گا تصویر کے ساتھ فریم غائب ہوگا تو آپ
اتنے ذی ہوش تو ہیں نہیں کہ اس کی غیر موجودگی کو
محسوس کرلیں لیکن اگر فریم سے فوٹو غائب ہوئی تو آپ
جیسا بے خبر انسان بھی چونک اٹھے گا۔"

وہ خود ہی سوال کرتی خود ہی جواب دیتی آخر فریم اٹھا
کر تصویر نکالنے لگی۔

"میں اس خالی فریم کو بستر کے نیچے ڈال دوں گی تو
آپ کو اپنی مصروف زندگی میں یہ یاد بھی نہیں آئے گا
کہ یہاں ایک عدد فریم بھی تھا ویسے بھی یہ تصویر یہاں
رکھنے کی بجائے اخبار میں چھپوانے کے قابل ہے
کیونکہ اس تصویر میں حیرت انگیز طور پر آپ جیسا
انسان بھی مسکرا رہا ہے ورنہ آپ کو دیکھ کر لگتا ہے
جیسے منہ میں دانت ہی نہیں ہیں اور اسی ڈر سے آپ
ہنسنے اور مسکرانے سے تو کیا بات تک کرنے سے
گریزاں رہتے ہیں کہ کسی پر غلطی سے بھی یہ بھیانک
انکشاف نہ ہوجائے۔"

اس کی تصویر سے لڑ کر اس کے اندر کی گھٹن جیسے
کچھ کم ہوگئی تھی تبھی اپنی بات پر محظوظ ہوتے ہوئے
وہ خود ہی بے ساختہ ہنس دی بڑے مگن انداز میں اس
نے تصویر کو فریم سے نکال لیا اور فریم کو بیڈ کے نیچے
ڈالنے کے لیے وہ جیسے ہی پلٹی تصویر اور فریم بیک وقت
اس کے ہاتھوں سے پھسل کر زمین پر گر گئے قریب تھا
کہ اس کے منہ سے چیخ بھی نکل جاتی مگر آواز نے
ساتھ نہ دیا دل اچھل کر حلق میں جو اٹک گیا تھا۔

دروازے کے بیچوں بیچ ولید جیکٹ کی جیبوں میں
ہاتھ ڈالے کھڑا تھا اور اسے دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ یہاں
بہت دیر سے کھڑا ہوگا ردا کو تو یاد بھی نہیں تھا اس نے
کیا کیا بکواس کرڈالی تھی اسی لیے وہ یہاں آنا ہی نہیں
چاہ رہی تھی اسے علم تھا اپنی دماغی حالت کا وگرنہ جو
بھڑاس وہ دل ہی دل میں ولید کو مخاطب کرکے نکال سکتی
تھی وہ نکتہ چینی با آواز بلند کرنے کی حماقت ہرگز سرزد

نہ ہوتی اور نہ ہی تصویر چرانے کا مختصر سا کام کرنے میں اتنا وقت صرف ہوتا وہ شاید دنیا کی وہ پہلی چور تھی جو مکینوں کی موجودگی ان کے گھر میں چوری کی واردات اتنی سست روی سے انجام دے رہی تھی وہ بھی ارد گرد سے غافل ہو کر۔

ردا کا خجالت سے برا حال ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ دروازے کے عین بیچوں بیچ کھڑے ولید کے پاس سے نکل کر باہر کیسے جائے قدم بھی من بھر کے ہو گئے تھے گردن پر تو جیسے ٹنوں کے حساب سے بوجھ ڈال دیا گیا تھا کہ تھوڑی سینے سے الگ ہی نہیں ہو رہی تھی۔

اسے بت بنا دیکھ کر ولید خود ہی اس کے نزدیک چلا آیا اور جھک کر اس کے قدموں کے پاس گرا فریم اور تصویر اٹھا کر میز پر رکھتے ہوئے اسے فریم میں لگانے لگا ردا نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا اور موقع غنیمت جان کر وہاں سے کھسکنے لگی تھی کہ وہ بول پڑا۔

"چار سو پینتیس روپے اتنی بڑی رقم نہیں ہے جس کی واپسی کے لیے کسی کے پیچھے پیچھے بھاگا جائے اور نہ ملنے کی صورت میں بیچ چوراہے پر کھڑے ہو کر آنسو بہائے جائیں۔"

ردا پلٹ کر پورا منہ اور آنکھیں کھول کر اسے دیکھتی رہی جو سر جھکائے بدستور اپنے کام میں مصروف تھا گویا اس کے الو بننے کا پروگرام اس نے بھی دیکھ لیا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ بینش کے اس کزن کے ساتھ کیا سلوک کر ڈالے اگر آواز نے بے وفائی نہ کی ہوتی تو وہ اپنی دوستوں کی طرح اس کے سامنے بھی مکر جاتی ولید نے کون سا پروگرام ریکارڈ کیا ہو گا لیکن اپنی غیر ہوتی حالت پر وہ کچھ تلملائے ہوئے انداز میں ایک طرح سے لاجواب ہو کر جا ہی رہی تھی کہ ولید اس کی طرف پلٹتے ہوئے بولا۔

"آئندہ میری تصویر چرانے کی کوشش مت کرنا میری فوٹو نمائش میں رکھی کوئی پینٹنگ نہیں جو لے جا کر سب کو دکھائی جائے۔" اس کے سنجیدگی سے کہنے پر ردا اپنی جگہ ساکت رہ گئی بے اختیار ہی وہ بڑے غصے سے ولید کی طرف پلٹی تھی دل تو چاہ رہا تھا اسے ابھی کھری کھری سنا دے پتا نہیں وہ خود کو کیا سمجھتا تھا مگر اس پر نظر پڑتے ہی اس کے سارے الفاظ کہیں کھو گئے ولید پر آنے والا غصہ خود بخود اپنی طرف منتقل ہو گیا اس نے خود ہی تو اپنے آپ کو اتنا چھوٹا کر لیا تھا ورنہ بھلا کیا ضرورت تھی اسے ولید کے کمرے میں آکر اس کی تصویر نکالنے کی اس کی آنکھوں میں تیرتی درشتگی بے بسی کے احساس سے پانی میں تبدیل ہونے لگی اس سے پہلے کہ اس کی آنکھیں چھلک پڑتیں وہ رخ موڑ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

ایک بار پھر اس کی پوری رات سوگ مناتے ہوئے گزر گئی اگلے دن اس کا کالج جانے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا امی نے بھی اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر اسے چھٹی کر لینے کا مشورہ دیا تھا مگر وہ محض ٹیسٹ کا خیال کر کے چلی گئی اس کا ارادہ صرف ٹیسٹ دے کر واپس آجانے کا تھا اسی لیے وہ پہلا پیریڈ چھوڑ کر کالج کے گراؤنڈ میں جا بیٹھی بینش لیٹ پہنچنے کی وجہ سے کلاس اٹینڈ نہیں کر سکتی تھی اس لیے ردا پر نظر پڑتے ہی وہ اس کے پاس چلی آئی۔

"کیا ہوا ردا تم ٹھیک تو ہو۔"

"مجھے کیا ہو گا۔" ردا زہر خند انداز میں بولی۔

"تم کل بھی ناراض ہو کر چلی گئی تھیں بھئی ہم تو مذاق کر رہے تھے اور وہ پروگرام تو....."

"نام مت لو اس پروگرام کا میرے سامنے۔" ردا کا رات سے دبا غصہ ایک دم عود کر آیا۔

"تمہارے کزن نے ایک کھوکھلے سے چیلنج کی خاطر تماشا بنا دیا تمہارے کزن جیسے لڑکوں کو تو لائن میں کھڑا کر کے گولی سے اڑا دینا چاہیے ایسا کون سا کارنامہ انجام دے دیا اس نے جس پر وہ اتنا اترا رہا تھا پانچ سو روپے کا چیلنج وہ کسی سے بھی مانگتا تو کوئی بھی انسانی ہمدردی کی خاطر دے دیتا اس کے بدلے اگر اس نے کسی کو پھٹا ہوا نوٹ تھما دیا تو کون سی بہادری کا مظاہرہ کر دیا یہ کام تو کوئی بھی کر سکتا ہے پھر بھی سب میرے بے وقوف بننے پر ایسے حیران ہو رہے ہیں جیسے کوئی

انوکھی بات ہوگئی ہو۔"

"ردا ہوا کیا ہے وہ تو تمہارے ساتھ بڑی تمیز سے پیش آیا تھا کیا گھر والوں نے کچھ کہا تم سے۔"

بینش کے حیرانی اور پریشانی سے پوچھنے پر ردا ایک دم چپ ہوگئی اسے بینش کے کزن پر کوئی غصہ نہیں تھا بس اچانک ہی اپنے اندرونی اضطراب کی وجہ سے وہ ایسا کہہ گئی تھی اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے کچھ اور غلط سلط باتیں نکل جاتیں اس نے بینش کو وہاں سے چلے جانے کے لیے کہہ دیا مگر بینش وہ کام کبھی نہیں کرتی تھی جو کوئی دوسرا اسے کہہ دیتا اور اس وقت تو ردا کی روئی روئی آنکھیں دیکھ کر وہ بہت ہی پریشان نظر آنے لگی تھی اسی لیے بار بار اپنے کل کے رویے پر معذرت کرنے لگی ردا نے ایک دوبار اسے ٹالا مگر اس پل وہ خود بھی بہت حساس ہو رہی تھی اس لیے بینش کے اتنے زیادہ ہمدردانہ انداز پر وہ جیسے بکھر گئی اور ولید کے کل رات کے رویے کے بارے میں سب کچھ کہہ دیا کس طرح اسے مرینہ کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ کر اس کا دل خاک ہوگیا تھا اور اس کے تصویر اٹھانے پر کیسے ولید کا انداز اور لب ولہجہ اسے اندر تک توڑ گیا۔ بینش بھی ولید کے طرز تخاطب پر سلگ اٹھی تھی۔

"وہ کیا کوئی پردہ نشین ہے جو اپنی تصویر کسی کو نہیں دکھا سکتا۔"

"وہ ہمیشہ سے ایسے ہی ہیں جب تک میں خود ریزرو تھی انہیں اس انداز میں بات کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی اب جبکہ میں نے اس فاصلے کو پاٹنا چاہا تو ان کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی۔"

ردا باقاعدہ رو پڑی ساتھ ہی اس نے بچپن سے لے کر اب تک کے ایسے کئی واقعات بتا دیے جب وہ ولید کے ہاتھوں بری طرح نظر انداز ہوئی تھی۔ بینش اس کی باتیں سن کر ایسے خائف ہو رہی تھی جیسے ولید نے ردا کی بجائے خود بینش کے ساتھ یہ رویہ اپنا رکھا ہو۔ ردا کو اس کا رد عمل دیکھ کر قدرے سکون کا احساس ہوا تھا پہلی بار اس نے کسی سے یہ سب کہا تھا اور جس سے کہا تھا اس کا رسپانس دیکھ کر اس کے دل کا بوجھ کم سا ہوگیا تھا یہ ایک ایسی اذیت تھی جس کا اندازہ اس کی سگی ماں بھی نہیں لگا سکتی تھی انہیں تو یہ سب بے کار کے چونچلے لگتے اور پھر ردا ان سے یہ سب آرام سے ڈسکس کبھی نہیں کرسکتی تھی شاید اسی کو جنریشن گیپ کہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

بینش سے بات کرکے اس کا دل کافی ہلکا ہوگیا تھا اس لیے وہ ٹیسٹ دے کر گھر آنے کی بجائے پوری کلاسز اٹینڈ کرکے آئی تھی گھر آکر بھی وہ معمول کے مطابق کھانا کھا کر کچھ دیر بھابھی کے پاس بیٹھی پھر لاؤنج میں ٹی وی دیکھنے چلی آئی ٹی وی پر کوکنگ شو دیکھتے وقت وہ کھانے کی ترکیب میں اتنی محو تھی کہ فون کی گھنٹی کی آواز پر اچھل پڑی اس نے ٹی وی اسکرین پر سے نظریں ہٹائے بغیر فون اٹھایا اس کے ہیلو کے جواب میں دوسری جانب سے ایک انجان آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"کیا میں ردا سے بات کرسکتا ہوں۔"

ردا ایک دم چونک کر فون کو دیکھنے لگی۔

"جی میں ردا بول رہی ہوں لیکن.... آپ....؟" اس نے سوالیہ انداز میں دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کمال ہے ہم دونوں میں کم از کم ایک چیز تو کامن ہے نہ تم میری آواز پہچان سکیں نہ میں تمہاری۔"

دوسری جانب وہ جیسے بڑبڑانے والے انداز میں اپنے آپ سے بولا ردا کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ریسیور تھامے کھڑی رہی جبکہ وہ ایک بار پھر خود کلامی کے انداز میں کہنے لگا۔

"لیکن اس میں غلطی بھی ہماری اپنی ہے ہم نے کبھی فون پر ایک دوسرے سے بات کی ہی نہیں لہٰذا فون پر ہمارے لیے ایک دوسرے کی آواز بالکل اجنبی ہے ویسے تو ہم خود بھی ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہی ہیں جانتے ہوئے بھی انجان۔"

"آپ ہیں کون؟"

ردا نے ایسے پوچھا جیسے لب بام نہ بتایا تو وہ فون رکھ دے گی۔

"تم واقعی مجھے نہیں پہچانیں یا میرے تصویر نہ دینے پر ناراضی کے طور پر نہ پہچاننے کا ڈرامہ کر رہی ہو۔"

ردا کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا تھا وہ واقعی ولید کی آواز بالکل نہیں پہچانی تھی بلکہ اس کے بتانے کے بعد بھی وہ حیرت کے مارے گنگ رہ گئی تھی ولید نے ان کے گھر فون کیا تھا وہ بھی خاص اس سے بات کرنے کے لیے' واقعی قیامت کی نشانی تھی۔

"تم چپ کیوں ہو کیا ابھی تک نہیں سمجھیں میں ولید بول رہا ہوں۔"

وہ سمجھ تو گئی تھی مگر بولنے کے قابل نہیں تھی جبکہ وہ اس کی خاموشی کو اس کی ناراضی سمجھ کر عجیب جھجکتے لہجے میں بولا۔

"کل رات میں نے جو کچھ کہا اس پر میں بہت شرمندہ ہوں دراصل مجھے اس طرح تمہارا تصویر بغیر پوچھے نکالنا اچھا نہیں لگا تھا مگر بعد میں مجھے احساس ہوا کہ میں کچھ زیادہ ہی روڈ ہو گیا تھا آئی ایم رئیلی سوری تم نے برا تو نہیں مانا نا۔"

ردا کو لگ رہا تھا وہ چکرا کر گر پڑے گی اس کا معذرت بھرا انداز وہ منہ کھولے سن رہی تھی آخر میں اس کے پوچھنے پر ردا کی سمجھ میں نہ آیا اسے کیا جواب دے برا تو اس نے بہت مانا تھا دکھ بھی ہوا تھا مگر اب ولید کے پوچھنے پر وہ برملا کیسے اقرار کر لیتی۔

"ردا کین یو ہیئر می؟"

ولید کے ٹوکنے پر وہ ہڑبڑاتے ہوئے بولی۔

"ج ـــ جی سن رہی ہوں۔"

"تو پھر بول کیوں نہیں رہیں کیا ناراض ہو۔"

ولید کے اصرار بھرے لہجے پر وہ بہت سوچتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہنے لگی۔

"ناراض تو نہیں ہوں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ مجھے واقعی بہت برا لگا تھا۔"

"کیا برا لگا تھا میرا ڈانٹنا؟ میرا تصویر نہ دینا؟ یا میرا مرینہ کے ساتھ باتیں کرنا۔"

آخری جملہ اس نے بڑے مختلف انداز میں ادا کیا تھا ردا ایک بار پھر ٹھٹک گئی ایک تو پہلی بار ولید سے بات کرتے ہوئے اس کے ہاتھ پاؤں پہلے ہی ٹھنڈے ہو رہے تھے اس پر ولید کے سوال اور سوال کرنے کا انداز اس کے حواس معطل کر رہے تھے اور پھر خود کا اس طرح عیاں ہو جانا اسے گراں گزر رہا تھا پھر بھی اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"بھلا مجھے آپ کا مرینہ کے ساتھ بات کرنا کیوں برا لگے گا وہ آپ کی کزن ہے مجھے تو صرف آپ کا ٹوکنا برا لگا تھا میں کوئی چور نہیں ہوں جو آپ نے مجھ پر تصویر چرانے کا الزام لگا دیا۔"

اس کی بات پر ولید دوسری طرف ہنس پڑا تھا ردا پر جیسے حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا ولید ہنس بھی سکتا ہے وہ بھی ردا کی کہی بات پر' وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"چلو تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔"

دوسری طرف وہ ایسے بولا جیسے اس کی بات پر یقین تو نہ ہو مگر پھر بھی یقین کر لیا ہو تبھی کہنے لگا۔

"اپنی غلطی کی معافی تو میں پہلے ہی مانگ چکا ہوں اپنی تصویر میں تمہیں ای میل کر سکتا ہوں تم اپنا ای میل ایڈریس دے دو۔"

ردا بت بنی اس کی بات سنتی رہی پہلی بار اس پر انکشاف ہوا تھا کہ انسان کی آواز اس کے تاثرات اور احساسات کی کتنی اچھی عکاسی کر سکتی ہے وہ اس وقت اتنے دلکش لہجے میں بول رہا تھا کہ ردا بغیر دیکھے اس کی سرشاری کو بخوبی محسوس کر سکتی تھی البتہ اپنے احساسات اس کی سمجھ سے باہر تھے ولید کا انداز ایک طرف اگر اسے اچھا لگ رہا تھا تو دوسری طرف اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ولید کی ساری خوشی ایک لمحے میں تہس نہس کر دے اسے ویسے بھی ولید کی تصویر اپنے پاس رکھنے کا کوئی شوق نہیں تھا اور اسے اتنا خوش فہم ہوتا دیکھ کر ردا کا بس نہیں چل رہا تھا اسے جھڑک کر فون بند کر دے مگر وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ ایسا کیوں نہیں کر سکی۔

"لگتا ہے میرا فون سن کر تم پر شادی مرگ طاری ہوگیا ہے تم ایسا کرو ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر سو جاؤ میں پھر کبھی فون کرکے ای میل ایڈریس پوچھ لوں گا۔"

اس سے پہلے کہ وہ فون بند کردیتا ردا تڑخ کر بولی۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کی تصویر کی آپ مرینہ کو ہی بھیج دیں۔"

اپنے طور پر اس نے بڑا کرارا جواب دیا تھا مگر دوسری طرف اس کے زور سے ہنسنے پر ردا کو احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے وہ اپنے آپ پر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی اور فون بند ہی کر رہی تھی کہ ولید جیسے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے تیزی سے بولا۔

"دیکھو فون بند مت کرنا میں نے واقعی ایکسکیوز کرنے کے لیے فون کیا تھا مجھے تمہارے ساتھ اس طرح پیش نہیں آنا چاہیے تھا۔"

اس کے اچانک سنجیدگی سے کہنے پر ردا نے بھی محض بات ختم کرنے کے لیے کہہ دیا۔

"ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔"

اس کا انداز ایسا تھا جیسے اب فون بند کرنے والی ہو ایک بار پھر ولید اسے اس کے ارادوں سے باز رکھتے ہوئے تیزی سے بولا۔

"اچھا اگر میں کبھی کبھی تمہیں فون کرلیا کروں تو تمہیں برا تو نہیں لگے گا نا۔"

اس کے لہجے میں ہچکچاہٹ واضح تھی ردا کے سر پر آسمان بھی ٹوٹ جاتا تو بھی اس کی یہ حالت نہ ہوتی جو ولید کے پوچھنے پر ہوئی تھی جبکہ وہ اس کی خاموشی محسوس کرکے ایسے وضاحتیں دینے لگا جیسے اپنے سوال کے نامناسب ہونے کا اسے خود بھی احساس ہو اور ردا کے رد کردینے کا مکمل یقین۔

"میرا مطلب تھا کوئی حرج تو نہیں ہے کبھی کبھی بات کرلینے میں۔ ہاں اگر تمہیں لگتا ہے کہ گھر میں سب کو اچھا نہیں لگے گا تو میں کسی ایسے ٹائم پر فون کرلوں گا کہ انہیں پتا ہی نہ چلے لیکن اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو۔"

ردا کو ولید سے ایسی کسی پیش کش کی قطعاً کوئی امید نہیں تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ولید کے رویے میں اتنی تبدیلی بلکہ اتنی اچانک تبدیلی کی وجہ کیسے پوچھے دوسری طرف وہ اس کی خاموشی سے خود ہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے بجھے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے اگر تمہیں نہیں پسند تو کوئی بات نہیں، میں نے تو ایسے ہی پوچھ لیا تھا آئی ہوپ یو ڈونٹ مائنڈ۔"

پسند تو اسے واقعی نہیں تھا منگیتر سے خوامخواہ کی دوستی اور گپیں ہانکنا اس کی نظروں میں کوئی قابل ستائش فعل نہیں تھا مگر ولید کا انداز ایسا تھا جیسے وہ فون بند کرنے والا ہو اور اس کے اس طرح افسردگی سے فون بند کردینے کے خیال سے ہی ردا کا دل بند ہونے لگا تھا تبھی وہ بالکل بے اختیار کہہ گئی تھی۔

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں آپ چاہیں تو فون کرسکتے ہیں۔"

دوسری طرف اس نے بڑے پرسکون انداز میں سانس خارج کیا تھا اور بڑے ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگا۔

"دراصل مجھے لگتا ہے میرا تم سے مخاطب ہونا بہت سے لوگوں کو پسند نہیں، شاید ہم دونوں کے بیچ موجود رشتے کی وجہ سے، بہرحال مجھے لگتا ہے لوگوں کا لحاظ کرتے کرتے ہم دونوں کے بیچ ایک کھنچاؤ پیدا ہوگیا ہے میں اس خلا کو بھر دینا چاہتا ہوں میں تمہیں رات کو سب کے سونے کے بعد فون کرلیا کروں گا تمہارے گھر میں بھی تب تک سب سو چکے ہوں گے کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا دراصل میرا بہت دل چاہتا ہے تم سے باتیں کرنے کا، کتنا کچھ ہے جو میں تمہارے ساتھ شیئر کرنا چاہتا ہوں لیکن کبھی ہمت نہیں ہوئی۔ جانے تم میرے بارے میں کیا سوچو لیکن کل میں نے تمہارا جو روپ دیکھا۔ اسے دیکھنے کے بعد مجھے ادراک ہوا ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے بالکل ایک سے احساسات رکھتے ہیں لیکن ایک دوسرے کے احساسات سے بالکل بے خبر کسی حد تک بدگمانی کا شکار

ہیں مگر اب وقت آگیا ہے کہ ہم بچپن کی اس سرد جنگ کو ختم کرکے دوستی کرلیں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔"

وہ کہتا چلا گیا اس کا دلکش اور دھیما انداز بیاں ردا کی دھڑکنوں کو منتشر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں مچلتے کئی سوالوں کا جواب بھی دے گیا تھا جو اسے بیک وقت حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبات سے ہم کنار کررہا تھا ولید نے دوبارہ بات کرنے کا وعدہ کرکے فون بند کردیا جبکہ ردا کتنی ہی دیر تک ایک انوکھے احساس کے حصار میں گھری رہی تھی زندگی اچانک اتنی حسین لگنے لگی تھی کہ اسے یقین نہیں آرہا تھا یہ سب اس کے ساتھ ہورہا ہے' وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کررہی تھی مگر یہ خوشی وہ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے اپنی کیفیت کسی پر ظاہر بھی نہیں کررہی تھی۔

ولید نے اسے فون کرنے کا کوئی وقت نہیں بتایا تھا اور اس نے بھی نہیں پوچھا کہ ابھی تو بات ہوئی ہے وہ کم از کم ایک ہفتے بعد دوبارہ فون کرے گا مگر رات کے ٹھیک بارہ بجے گھنٹی بجنے پر وہ بستر پر اچھل کر بیٹھ گئی پہلا خیال اسے ولید کا ہی آیا تھا اور اسی خیال کے پیش نظر وہ تیزی سے نیچے لاؤنج میں آئی تھی جہاں ابو بیٹھے ٹی وی پر کوئی تبصرہ دیکھ رہے تھے اس کے پہنچنے تک انہوں نے فون اٹھالیا تھا وہ منتظر نظروں سے انہیں دیکھنے لگی ساتھ ہی وہ خود کو تسلی دیتی رہی کہ ولید آج ہرگز فون نہیں کرے گا مگر جب ابو نے دو تین بار ہیلو کہہ کر ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا تب ردا کے ہاتھ پاؤں سن ہوگئے اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی یہ فون اسی کے لیے آیا تھا اور یہ خیال اسے ہراساں کرگیا تھا ابو رات کو دیر تک نیوز اور تبصرے دیکھنے کے عادی تھے اگر وہ ان کے سونے کے بعد ولید سے بات کرے گی تو اسے کم از کم ڈیڑھ دو بج جائیں گے بھائی بھابھی کا کمرہ اس کے کمرے کے ساتھ اوپر بنا ہوا تھا مگر امی ابو تو نیچے ہی ہوتے تھے ان کے کمرے کا دروازہ سیدھا لاؤنج میں کھلتا تھا وہ آدھی رات کو یہاں لاؤنج میں بیٹھ کر اس سے باتیں کیسے کرے گی اس نے سوچا ولید سے بات ہو تو وہ اسے منع کردے گی کہ وہ رات میں فون نہ کرے بلکہ اسے فون ہی نہ کرے۔

"کیا بات ہے ردا؟"

ابو کے پوچھنے پر وہ اپنے خیالات سے چونک اٹھی اور ہڑبڑاتے ہوئے بولی۔

"جی... وہ کچھ نہیں... وہ فون بجا تھا نا' تو..."

"ہاں' پتا نہیں کس کا فون تھا خود ہی کاٹ دیا فون میں کلپ ہونا چاہیے تاکہ انسان کال بیک کرسکے مگر تم اطمینان رکھو سب خیریت ہی ہوگی۔"

ابو نے اسے ایسے تسلی دی جیسے وہ آدھی رات کو فون آنے پر پریشان ہوگئی ہو اب انہیں کیا پتا اس کی پریشانی کی وجہ وہ خود تھے وہ یہی سوچ کر ہول رہی تھی اگر ولید نے دوبارہ فون کیا تو ابو ہی اٹھائیں گے اور اگر اتنی دیر سے کیا کہ وہ سونے چلے گئے تو بھی گھنٹی بجنے پر ان دونوں کی نیند خراب ہوجائے گی۔

اپنے کمرے میں آکر بھی اس کا دھیان نیچے لاؤنج میں ہی اٹکا رہا حالانکہ تھوڑی دیر پہلے وہ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ کتابیں رکھ کر جلد سے جلد بیڈ پر لیٹ جانا چاہتی تھی مگر اب بستر پر لیٹ کر بھی وہ سو نہیں پارہی تھی اپنے کمرے میں ہونے کے باوجود اسے احساس ہوگیا تھا کہ ابو ٹی وی بند کرکے اپنے کمرے میں چلے گئے ہیں اسے ایسے لیٹے ہوئے کافی دیر گزر گئی تھی اور جس وقت نیند کی دیوی اس پر مہربان ہونا شروع ہوئی عین اسی وقت گھنٹی کی مدھم سی آواز ہتھوڑے کی تابڑتوڑ چوٹوں کی طرح اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اس نے تقریباً" بھاگ کر فون اٹھایا تھا اور پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ ہیلو کہتے ہوئے امی ابو کے کمرے کی طرف دیکھا تھا جلدی میں اس نے لاؤنج کی لائٹس بھی آن نہیں کی تھیں بس گھر کے باہر راہ داری میں ایک ٹیوب لائٹ جل رہی تھی جس کی دھیمی روشنی کھڑکی پر پڑے باریک پردوں سے چھن کر لاؤنج میں آرہی تھی اس کے باوجود کمرہ گہری تاریکی میں ڈوبا تھا۔

"اس وقت میں کچھ اور بھی مانگتا تو وہ بھی مل جاتا۔"

دوسری طرف وہ بڑے اطمینان سے گویا ہوا تھا ردا نے صوفے پر ٹکتے ہوئے وال کلاک پر نظر ڈالی جہاں پونے دو بج رہے تھے۔

"تم جاگ رہی تھیں یا میں نے تمہاری نیند خراب کردی۔"

ولید کی آواز میں مسکراہٹ کا عنصر شامل تھا ردا تقریباً" دس فٹ کے فاصلے پر لگے سوئچ بورڈ کو دیکھنے لگی وہ چاہتی تو ایک پل میں اپنے گرد پھیلے اندھیرے کو دور کرسکتی تھی مگر اس کوشش میں اسے پل بھر کے لیے ہی سہی ولید سے دور ہونا پڑتا اور پھر روشنی جلانے سے امی ابو اٹھ سکتے تھے وہ یقیناً" گہری نیند میں تھے تبھی گھنٹی کی آواز پر ان کی آنکھ نہیں کھلی تھی اور پھر ردا نے بھی نہایت برق رفتاری کا ثبوت دیتے ہوئے پانچویں گھنٹی پر فون اٹھالیا تھا ورنہ مسلسل آتی آواز یقینی طور پر ان کی نیند میں خلل ڈال دیتی۔

"کیا بات ہے کیا بست گہری نیند سے جاگی ہو۔"

دوسری طرف وہ اس کی مسلسل خاموشی پر گہرا سانس کھینچ کر بولا تھا۔

"میرا سانس پھول رہا ہے آپ کا فون اٹھانے کے چکر میں گرتے گرتے بچی ہوں۔"

ردا نے سانس ہموار کرتے ہوئے لڑکھڑاتی آواز میں کہا اس کا دل ابھی بھی کانوں میں دھڑک رہا تھا کسی کے آجانے کا خطرہ اس کے دل کو قابو میں نہیں آنے دے رہا تھا جبکہ دوسری طرف وہ بڑی بے فکری سے ہنسا۔

"گویا تم میرے انتظار میں جاگ رہی تھیں حالانکہ میرا آج فون کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن پھر خیال آیا پتا نہیں تم انتظار کررہی ہوگی یا نہیں لیکن بارہ بجے میرے فون کے جواب میں کسی مرد کی آواز سن کر بڑا دھچکا لگا میں تم سے بات کرنے کے لیے ایک ایک پل گن رہا ہوں اور تمہیں فون تک اٹھانے کی زحمت گوارا نہیں۔"

اس کا انداز بالکل بھی شکایتی نہیں تھا مگر ردا الجھ گئی اس کی کسی بات پر شرمانے کی بجائے وہ تامل سے کہنے لگی۔

"حیرت ہے کہ آپ مجھ سے بات کرنے کے لیے ایک ایک پل گن رہے ہیں حالانکہ میں تو ہمیشہ سے آپ کے سامنے تھی پہلے تو آپ نے کبھی ایسی بے قراری کا مظاہرہ نہیں کیا۔"

دوسری طرف چھا جانے والی خاموشی نے اسے احساس دلایا کہ اس کا جملہ سوالیہ سے زیادہ طنزیہ ہوگیا ہے حالانکہ اس کا ارادہ طعنہ مارنے کا ہرگز نہیں تھا بلکہ وہ تو اپنے ابو کے لیے "ایک مرد کی آواز" جیسے اجنبی الفاظ پر حیران ہوکر اس کی وضاحت چاہ رہی تھی مگر ولید کے بالکل چپ ہوجانے پر وہ بھی اپنی جگہ ٹھٹک گئی اس پل اس کے تمام اندیشے کہیں دور جا سوئے تھے وہ یہ بھول گئی کہ رات کے دو بجے وہ چوروں کی طرح اس سے ہم کلام ہے کسی کے آجانے کا خوف تو ایک طرف اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ گھر میں کوئی ہے بھی یا نہیں۔

ہر سوچ ہر فکر پر صرف ایک خدشہ غالب آگیا تھا کہ اگر ولید نے اس کی بات پر ناراض ہوتے ہوئے فون بند کردیا اور واپس اسی خول میں سمٹ گیا جس میں وہ ہمیشہ سے مقید تھا تو وہ اپنے اور اس کے درمیان کھڑی دیوار کو کیسے گرائے گی وہ تو اپنے احساسات بیان کرنا جانتی ہی نہیں تھی بالکل اتفاقیہ طور پر ولید کی کزن مرینہ کی وجہ سے اس کے جذبات خود بخود ظاہر ہوگئے تھے اور اسی لیے ولید نے پہل کرتے ہوئے اپنے گرد کھینچے حصار سے باہر قدم رکھا تھا اب اگر وہ ایک بار اپنی ذات میں قید ہوگیا تو ردا میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ وہ اس کی سرد مہری کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے منا سکے۔

"میں نے تمہاری اجازت لینے کے بعد ہی فون کیا تھا لیکن اگر تمہیں پسند نہیں تو میں آئندہ فون نہیں کروں گا۔" کافی دیر بعد اس کی سنجیدہ سی آواز ابھری ردا کچھ کہنا چاہتی تھی مگر وہ اسے موقع دیے بغیر ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

"لیکن ایک بات میں ضرور کہوں گا اگر کوئی چیز پیارے

کبھی ظاہر نہ ہوئی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے میں آج بھی وہی ہوں جو پہلے تھا لیکن شاید پہلے مجھے اظہار کا فن نہیں آتا تھا یا پھر شاید مجھے ڈر تھا کہ تم.... چلو چھوڑو گڈ نائٹ۔"

وہ اس کی اگلی بات سننا چاہتی تھی اس کا درمیان میں جملہ ادھورا چھوڑنا ردا کو ایک طرح کی بے چینی میں مبتلا کر گیا تھا اور اس سے بھی زیادہ اذیت ناک اس کا لہجہ تھا جو ردا کو اندر تک چیر گیا تھا تبھی وہ عجیب بے بسی سے بولی تھی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا آپ تو ہر بات پر خوامخواہ ایموشنل ہو جاتے ہیں۔"

"اور تمہیں بھی کر دیتا ہوں۔"

وہ برجستہ بولا تو ردا بے ساختہ مسکرا دی اس کا سارا ڈر اور خوف ایسے غائب ہو گیا تھا جیسے وہ ان احساسات سے کبھی روشناس تھی ہی نہیں۔ بلکہ اس پل ردا پر کئی حیرت انگیز انکشافات ہوئے تھے وہ ہمیشہ یہی سوچتی تھی شادی کے بعد بھی ان دونوں کے بیچ عمر بھر ایک تناؤ قائم رہے گا کیونکہ وہ صرف ان ہی لوگوں کے قریب جاسکتی ہے جو پہل کر کے خود اس تک پہنچنے کے راستے کھول دیتے ہیں اس کے برعکس کسی خاموش طبع بے نیاز شخص کے اندر جھانکنا اس کے بس کی بات نہیں تھی بلکہ اس کے لیے ایسے انسان کے ساتھ چند منٹ بھی بات کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا کجا کہ پوری زندگی بسر کرنا مگر اس رات دو گھنٹے ولید کے ساتھ فون پر بات کرتے ہوئے اسے وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوا وہ دونوں اتنے اچھے خوشگوار اور دوستانہ انداز میں گفتگو کرتے رہے تھے جیسے ان دونوں کے بیچ اجنبیت کی دیوار کبھی تھی ہی نہیں بلکہ دو گھنٹے بعد بھی ولید کو ہی ٹوکنا پڑا تھا کہ اس کا بل آسمان سے باتیں کرنے لگے گا تب ردا نے چونک کر گھڑی دیکھی تھی اور گھڑی دیکھ کر وہ حیران ضرور ہوئی تھی لیکن گھبرائی نہیں تھی اتنی دیر تک بغیر کسی کی دخل اندازی کے اس سے ہم کلام رہ کر وہ کافی خود اعتماد ہو گئی تھی دو گھنٹے بعد اس کے اٹھنے کا وقت ہونے والا تھا مگر اس کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا اس نے بڑی لاپروائی سے سوچا تھا کالج سے آکر وہ سہ پہر میں نیند پوری کر لوں گی اسی لیے جب ولید نے کل پھر اسی وقت فون کرنے کا ٹائم مقرر کیا تو ردا بلا چون و چرا فوراً" مان گئی اس لیے نہیں کہ ولید ناراض ہو جائے گا بلکہ اس لیے کہ وہ خود اس سے بات کرنا چاہتی تھی ولید اتنا اچھا بول سکتا ہے یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اس کا کہا ایک ایک لفظ ردا کے کانوں میں شہد کی طرح اترا تھا حالانکہ اس نے ردا کی تعریفوں میں کوئی زمین آسمان کے پل نہیں باندھے تھے بلکہ بعد میں اس کی کہی باتوں کو یاد کرتے ہوئے ردا کو احساس ہوا ان دو گھنٹوں میں ولید نے بظاہر کوئی قابل ذکر بات نہیں کی تھی اس نے اپنے گھر والوں کا تذکرہ کیا تھا نہ اپنی یونیورسٹی کے قصے چھیڑے تھے وہ اپنی' یہاں تک کہ ردا کی بھی ذات سے ہٹ کر صرف ادھر ادھر کے ہی موضوعات پر ہی بولتا رہا تھا اور شاید اس بات نے ردا کو متاثر کیا تھا کہ اس نے ردا کے حسن کے قصیدے نہیں پڑھے اور نہ فضول عشقیہ ڈائیلاگز جھاڑے۔ اگر دوران گفتگو وہ کوئی ذو معنی بات کہہ بھی دیتا تب بھی اس کا انداز کہیں بھی سطحی نہیں ہوا تھا اسی لیے ردا اس سے اتنی آسانی سے بے تکلف ہو گئی تھی کہ بغیر جھجکے اتنی دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی بلکہ بات کرنے سے زیادہ وہ اسے سنتی رہی تھی وہ اتنے دھیمے اور دلنشین انداز میں ماحولیاتی آلودگی پر بولتا رہا تھا کہ ردا خود فراموشی کے عالم اس کے انداز میں کھو گئی تھی اس لیے فون بند ہونے کے بعد بھی اس کے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا بلکہ اس پر ایک سرشاری سی چھائی تھی کہ اگر وہ آدھی رات کو گھر والوں کی بے خبری میں ولید سے محو گفتگو تھی تب بھی ان کے درمیان کوئی نامناسب یا قابل اعتراض بات نہیں ہوئی تھی۔

لیکن اتنے اطمینان اور طمانیت کے باوجود اس کے لاشعور میں یہ احساس ہچکولے لے رہا تھا کہ اس کی یہ حرکت کسی کے علم میں نہیں آنی چاہیے گھر والوں کو تو

وہ بتانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی لیکن وہ اپنی دوستوں سے بھی ولید کے فون کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتی تھی حالانکہ روز اس سے دو ڈھائی گھنٹے بات کر کے روا کی نیند بری طرح متاثر ہوتی تھی دوپہر میں کچھ گھنٹے سو کر بھی اسے لگتا جیسے نیند پوری نہیں ہوئی ہو خاص طور پر تین ساڑھے تین بجے لیٹ کر صبح چھ بجے اٹھتے وقت اسے بہت دقت ہوتی تھی بہت جلدی جلدی کرنے کے باوجود وہ روز دیر سے کالج پہنچتی اور روز پہلا پیریڈ مس کر دیتی۔

کنول، بینش اور محمودہ اس کی خمار بھری آنکھیں دیکھ کر سوال کرتیں مگر ان کے لاکھ کریدنے پر بھی وہ انہیں ٹال جاتی لیکن ایسا کر کے اس کے اندر ایک سوال ضرور اٹھتا تھا۔

"کیا میں جو کر رہی ہوں وہ غلط ہے، جو مجھے یہ سب سے چھپانا پڑ رہا ہے۔"

کنول کو بے دھڑک اپنے منگیتر کا ذکر کرتے دیکھ کر وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی مگر جلد ہی وہ اپنی سوچوں کو جھٹک دیتی ویسے بھی ان دنوں وہ اتنی خوش تھی کہ یہ چھوٹے موٹے سوال اسے الجھاتے نہیں تھے بلکہ اس کے انداز میں آنے والا بانکپن سبھی نے محسوس کیا تھا کنول نے تو اسے ٹوک بھی دیا تھا پہلے وہ اس کے منگیتر کا ذکر جبراً سنتی تھی لیکن اب وہ بھی دوسری لڑکیوں کی طرح باقاعدہ عمران کا حال احوال پوچھنے لگی تھی کنول کو بھی اس بات کا احساس ہوا تھا لیکن اس کے پوچھنے پر روا بڑی خوبصورتی سے ٹال گئی تھی اب بھلا وہ اسے کیا بتاتی کہ کنول اور عمران کا ذکر وہ ولید سے بھی کرنے لگی تھی بلکہ پچھلے تین ہفتوں سے روز ولید سے بات کرتے کرتے وہ اس سے اتنی بے تکلف ہو گئی تھی کہ اپنے گزشتہ احساسات بھی شیئر کرنے لگی تھی بلکہ اس نے صاف گوئی سے کہہ دیا تھا کہ عمران کے والہانہ انداز کے چرچے سن سن کر اسے کنول سے جلن ہونے لگی تھی کیونکہ ان دونوں کا بیشتر ساری دوستوں میں ہاٹ ٹاپک کی حیثیت رکھتا تھا اس کی بات پر ولید پہلے تو خوب ہنسا اور جب سنجیدہ ہوا تو بڑی متانت سے کہنے لگا۔

"جو لوگ اپنی محبت کا اشتہار لگاتے ہیں وہ صرف محبت کا ڈرامہ کر رہے ہوتے ہیں اگر تمہیں اپنی دوستوں کے سامنے شومارنی ہے تو میں عمران سے زیادہ اچھے رومانٹک جملے بول سکتا ہوں لیکن انہیں اپنی دوستوں کے سامنے دہرا کر تم ان کی روح کو مار دو گی جو محبت زبان عام پر آ جائے وہ اپنی پاکیزگی گنوا دیتی ہے اسی لیے میں نے تمہیں اپنی تصویر لینے سے منع کر دیا تھا تمہیں اگر مجھ سے محبت ہے تو میری شکل چاہے جو بھی ہو جیسی بھی ہو وہ تمہارے لیے ثانوی حیثیت رکھنی چاہیے اور میری تصویر اپنی دوستوں کو دکھا کر انہیں جلانے یا متاثر کرنے کا خیال تک تمہارے دل میں نہیں آنا چاہیے اگر میں تمہارے لیے قابل قبول ہوں تو مجھے دکھا کر سہیلیوں کا رد عمل جاننا تمہارے لیے قطعاً ضروری نہیں ہونا چاہیے جیسے میں تم سے محبت کرتا ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ تم میرے دوستوں کو پسند آؤ گی یا نہیں بلکہ میں تمہارے لیے مخلص ہوں تو میں یہی چاہوں گا کہ تمہارا ان سے سامنا ہی نہ ہو۔"

ولید کا گمبھیر لہجہ سن کر وہ کچھ دیر تک بولنے کے قابل نہیں رہی تھی ولید کو وہ بچپن سے چاہتی تھی لیکن اب جتنا وہ اسے جانتی جا رہی تھی اتنی اس کی محبت شدید ہوتی جا رہی تھی بلکہ کنول کی بتائی باتیں سن کر اب وہ کبھی کبھی سر جھٹک کر رہ جاتی جن قصوں پر اسے رشک آتا تھا اب وہ اسے بناوٹی بلکہ کسی حد تک غیر اخلاقی لگنے لگے تھے عمران کے انداز سے چھلکتا چھچھورپن دیکھ کر اس کے دل میں ولید کا احترام اور بڑھ جاتا وہ یہ سب کبھی کسی پر ظاہر نہ کرتی مگر اچانک اس کے ارادوں پر پانی پھر گیا وہ ایک دن کالج نہ جا سکی ولید کے ساتھ آدھی رات تک فون پر مصروف رہنے کے بعد اس سے صبح اٹھا ہی نہیں گیا لیکن اس کے اگلے دن وہ جب کالج پہنچی تب اسے پتا چلا کہ اس کی غیر موجودگی میں بینش کو اس کے متعلق بات کرنے کا کیسا نادر موقع مل گیا تھا۔

"ردا تمہارے منگیتر سے تمہاری لڑائی ہو گئی ہے اور تم نے اتنا بڑا غم اکیلے جھیل لیا۔"

محمودہ نے سامنا ہونے پر ردا سے چھوٹتے ہی پوچھا تو اس کے فلمی سے جملے پر ردا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ایسا تو کچھ نہیں ہوا لیکن تم سے کس نے کہا۔"

"بینش بتا رہی تھی کافی دن پہلے تمہارے منگیتر نے تمہیں ڈانٹ کر اپنے کمرے سے نکال دیا حالانکہ تم نے صرف اس کی تصویر نکالنی چاہی تھی مگر اس نے تم پر چوری کا الزام لگا دیا۔"

ردا کو لگا کسی نے اسے جلتے کوئلوں پر گھسیٹ لیا ہو اس کی کہی تمام گفتگو مرچ مسالا سمیت پوری کلاس میں متر گشت کر رہی تھی۔ اسے اپنے آپ پر پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اس نے بینش سے یہ سب کیوں کہا بینش کس قسم کی لڑکی ہے یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی وقتی طور پر تو اس نے بہت تسلیاں دے دیں جنہیں سن کر ردا کا دل بھی ہلکا ہو گیا لیکن ایسا وقتی سکون آگے چل کر ایک عذاب مسلسل ثابت ہوتا ہے کیونکہ بینش دوسرے کی کہی بات خود تک محدود رکھنے کی قائل نہیں تھی بلکہ وہ اس میں کئی اضافے کر کے اسے دوسروں تک پہنچانے والوں میں سے تھی تب بات کی اصل صورت مسخ ہو کر کچھ کی کچھ بن چکی ہوتی تھی۔

اس وقت وہ سب لڑکیاں اس کے متعلق کس طرح بات کر رہی ہوں گی اس کا اندازہ ردا ان سے ملے بغیر بھی لگا سکتی تھی بلکہ جس طرح محمودہ اسے دیکھ کر لائبریری جانے کا ارادہ ترک کر کے وہیں جم کر کھڑی ہو گئی تھی اس سے صاف ظاہر تھا یہ اطلاع واقعے کی تمام جزئیات کے ساتھ بریکنگ نیوز کے طور پر نشر کی گئی ہو گی کیونکہ محمودہ اب اس کی خاموشی کو اس کا اقرار سمجھتے ہوئے حادثے کے بعد کے متوقع حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے پیش گوئیاں کر رہی تھی۔

"تمہارا منگیتر تو بہت ہی روڈ ہے جو انسان کی عزت کا دو منٹ میں فالودہ کر دے تم ایسے شخص کے ساتھ زندگی کیسے گزار سکتی ہو۔ جو نرمی سے بات کرنا جانتا ہی نہ ہو میرے خیال سے تم اپنے والدین سے دو ٹوک بات کرو انہیں اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنی چاہیے آخر یہ تمہاری زندگی کا سوال ہے۔"

محمودہ بغیر سانس لیے اور بغیر رکے تواتر سے بول رہی تھی پتا نہیں بینش نے محمودہ کے سامنے کون سا دل دہلا دینے والا نقشہ کھینچ دیا تھا جو محمودہ اس کی فکر میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی وہ جتنا ردا کے لیے تڑپ رہی تھی ردا اتنا ہی تپ رہی تھی۔

"پلیز محمودہ بینش کی کہی کسی بات پر تصدیق کیے بغیر یقین مت کیا کرو ولید نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا جس پر میں منگنی توڑ دینے کا انتہائی قدم اٹھالوں ویسے بھی اس نے شام میں فون کر کے اپنے رویے کی معذرت کر لی تھی۔"

ردا اسے سختی سے جھڑکنا نہیں چاہتی تھی اس لیے اپنا انداز سرسری بناتے ہوئے آگے بڑھ گئی مگر اس کی بے نیازی پر برقرار نہ رہ سکی کیونکہ محمودہ کا اگلا جملہ اسے کسی زہر میں بجھے نشتر کی طرح لگا تھا۔

"لیکن تمہارے منگیتر کا رویہ تو تمہارے ساتھ بچپن سے انسلٹنگ رہا ہے۔"

ردا کے ٹھٹک کر پلٹنے پر محمودہ کو بھی اپنے الفاظ کے نامناسب ہونے کا احساس ہو گیا وہ فوراً" جملے میں ترمیم کرتے ہوئے رسانیت سے بولی۔

"میرا مطلب تھا بینش کہہ رہی تھی وہ تمہیں ہمیشہ اگنور کرتا رہا ہے اس کے برعکس وہ اپنی ایک کزن کے لیے ایک سوفٹ کارنر رکھتا ہے اور اسے ہمیشہ خصوصی توجہ اور التفات سے نوازتا ہے۔"

ردا کا بس نہیں چل رہا تھا جا کر بینش کی زبان کھینچ لے کس طرح اس نے الفاظ کے ہیر پھیر سے ردا کے جملے کے معنی بدل دیے تھے اس نے ردا کی پوزیشن ڈی گریڈ کرنے کے ساتھ ولید کا کردار بھی مشکوک کر دیا تھا وہ کسی کو خصوصی التفات سے نوازنے والوں میں سے ہرگز نہیں تھا اسے مرینہ کے ساتھ بات کرتا دیکھ کر ردا کا خون ضرور کھولا تھا مگر یہ یقین اسے تب بھی

تھا کہ وہ مرینہ کے لیے اپنے دل میں کوئی سوفٹ کارنر تو کیا سرے سے کوئی کارنر ہی نہیں رکھتا۔

وہ غصے کی زیادتی سے محمودہ کو جواب دیے بغیر بینش کے سر پہنچ گئی بینش اسی وقت اپنی سیٹ پر بیٹھی تھی کلاس اس وقت تک شروع نہیں ہوئی تھی اس لیے ردا نے بغیر کسی تمہید کے اس کی ٹیبل پر دونوں ہتھیلیاں جماتے ہوئے پوچھا۔

"بینش میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میرا منگیتر اپنی ایک کزن کے لیے سوفٹ کارنر رکھتا ہے اور اسے خصوصی التفات سے نوازتا ہے۔"

بینش حیرانی سے ردا کی شکل دیکھنے لگی مگر اس کے پیچھے محمودہ کو کلاس میں داخل ہوتا دیکھ کر جیسے ساری صورت حال اس کی سمجھ میں آگئی وہ کندھے اچکاتے ہوئے بڑی بے نیازی سے بولی۔

"تم نے ہی بتائی تھی ورنہ مجھے کیسے پتا چل سکتا ہے اتنے دن پہلے تم نے کہا تھا اس لیے شاید تم بھول گئی ہو گی۔"

"میں کیسے بھول سکتی ہوں جو انسان سچ بولتا ہے تو اسے یہ یاد نہیں رکھنا پڑتا کہ اس نے کیا کہا تھا اصل میں تمہاری عادت ہے بات کو بڑھا چڑھا کر بتانے کی۔"

ایک ایک لفظ چبا کر کہتے ہوئے ردا کی سماعتوں میں اپنے ہی الفاظ گونجنے لگے جو ایک بار اس نے کنول سے کہے تھے۔

"جب تمہیں بینش کی عادت کا پتا ہے تو پھر تم نے اسے بتایا ہی کیوں۔"

"بینش' ردا کی بات سن کر تلملا گئی تھی اس لیے بظاہر رسانیت سے کہتے ہوئے حقیقتاً" اس کا لہجہ بڑا زہر خند ہو گیا۔

"میں نے وہی بتایا تھا جو تم نے کہا تھا لیکن شاید تم یہ سب کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہ رہی تھیں اگر تم پہلے ہی مجھے منع کر دیتیں تو میں کسی سے ذکر نہ کرتی کل تمہارے کالج نہ آنے پر یہ سب فکر مند ہو رہی تھیں کہ آج کل تم بہت تھکی ہوئی لگتی ہو اس پر میں نے ازراہ ہمدردی کہہ دیا کہ شاید تم اپنے منگیتر کی وجہ سے پریشان ہو گی۔"

وہ اپنی بات پوری کر کے کنول وغیرہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

"جس کے منگیتر کا رویہ اتنا تکلیف دہ ہو وہ۔۔۔"

اس سے پہلے کہ وہ ولید کی شخصیت کی مزید دھجیاں اڑاتی ردا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ولید کا رویہ اتنا بھی تکلیف دہ نہیں ہے جتنا تم نے سمجھ لیا ہے انہوں نے اسی شام مجھ سے فون کر کے معافی مانگ لی تھی اور اب تک وہ جس طرح بھی میرے ساتھ پیش آئے وہ ایک طرح کی مس انڈر اسٹینڈنگ تھی۔"

ردا اس معاملے کو یہیں ختم کر دینا چاہتی تھی لہٰذا اس نے نہ صرف اس دن کی ٹیلی فونک گفتگو کا ذکر کر دیا بلکہ ولید کی بعد میں آنے والی کالز کا بھی احوال سنا دیا وہ یہ بات ہرگز برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی ولید کے متعلق غلط سوچے ولید کی زندگی میں جو جگہ اس کی تھی اس پر کسی دوسری لڑکی کے قابض ہونے کے غلط تاثر کو وہ ہر حال میں زائل کر دینا چاہتی تھی اور اس کوشش میں وہ کامیاب بھی ہو گئی تھی کیونکہ سب اس کے فون کا ذکر سن کر کافی شوخ ہو گئی تھیں ان کے کھلکھلاتے لہجوں میں کہے شرارتی جملوں نے ردا کا موڈ بھی بحال کر دیا تھا وہ بینش سے خائف ضرور تھی مگر اب اس کا غصہ ختم ہو گیا تھا وہ سب ابھی اور تفصیل سننا چاہتی تھیں مگر لیکچرار کے آجانے پر سب اپنی اپنی سیٹوں کی طرف بڑھ گئیں البتہ ردا نے اپنی ڈیسک کی طرف جاتے ہوئے ایک لڑکی کو کنول سے کہتے سنا تھا۔

"تمہارے اور عمران کے ساتھ گھومنے پھرنے پر تو اسے بڑا اعتراض تھا پھر اب اپنے منگیتر کے فون کرنے پر ان سے بات کرنے کے لیے کیوں آمادہ ہو گئی۔"

"لوگوں کے قانون دوسروں کے لیے کچھ اور ہوتے ہیں اور اپنے لیے کچھ اور' ویسے بھی کیا پتا اس کی باتوں میں کتنا سچ ہے مجھے تو لگتا ہے عمران کی باتیں سن کر وہ ایسے ہی۔۔۔"

کنول نے بے زاری سے کہتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا ردا کچھ دیر کے لیے اپنی جگہ سے ہل تک نہ سکی مگر لیکچرار کے ٹوکنے پر وہ سن ذہن کے ساتھ اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔

☆ ☆ ☆

کنول نے اس کا ذہن کو منتشر کر دیا تھا وہ ولید کی فون کالز کے بارے میں کسی کو بتانا نہیں چاہتی تھی ذاتی طور پر وہ اس قسم کی حرکتوں کو بالکل پسند نہیں کرتی تھی اسے تو کنول کا ہی اپنے منگیتر سے اتنا بے تکلف ہونا عجیب لگتا تھا اور اپنی ناپسندیدگی کا ایک بار اس نے غیر ارادی طور پر اظہار بھی کر دیا تھا لیکن تب اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک دن وہ خود اسی صف میں آکھڑی ہوگی اور پھر ساری ساری رات ولید کے ساتھ باتیں کرنے کی وجہ سے اس کی پڑھائی بری طرح متاثر ہو رہی تھی اسے ولید سے بات کرتے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا تھا اور اس ایک مہینے میں اس نے جیسے ایک لفظ بھی نہیں پڑھا تھا رات کی نیند دوپہر میں پوری کرنے کے بعد جو تھوڑا بہت وقت شام میں پڑھنے کے لیے میسر آتا وہ ولید کی ہی باتیں سوچنے کی نذر ہو جاتا بہت کوشش کے باوجود وہ اپنی توجہ کتابوں کی جانب مبذول نہیں کر پا رہی تھی اس نے بارہا سوچا کہ ولید کو فون کرنے سے منع کر دے لیکن یہ سوچ ہی اسے مضطرب کر دیتی تو پھر اس پر عمل کرنے کی ہمت وہ کہاں سے لاتی ولید کا فون آنے میں اگر ایک منٹ کی بھی دیر ہو جاتی تو اس کی بے چینی سوا ہو جاتی اس کا دو بجے کا ٹائم مقرر تھا ردا پونے دو بجے سے فون کے پاس آکر بیٹھ جاتی اس لیے جب گھنٹی بجتی تو وہ پہلی گھنٹی کے بھی پورے ہونے سے پہلے ریسیور جھپٹ کر اٹھا لیتی اپنی اتنی بے قراری خود اس کے لیے بھی حیران کن تھی اسے لگتا جیسے اسے ولید سے بات کرنے کا نشہ سا ہو گیا ہے۔

جب تک اس نے کلاس میں تذکرہ نہیں کیا تھا اس کی ولید سے بات چیت بڑے مختلف موضوعات پر ہوتی تھی لیکن ایک بار سب کے علم میں آنے کے بعد وہ روز اسے نت نئے مشورے دینے لگیں۔

"اپنے منگیتر سے پوچھنا اسے تمہارے چہرے کے خدوخال میں سب سے اچھا کیا لگتا ہے۔"

"اس سے پوچھنا شادی کے وقت تمہارے کپڑوں کی شاپنگ تم کرو گی یا تمہاری خالہ۔"

"یہ جو تمہارے منگیتر صاحب میں اتنا بڑا چینج آیا ہے تو یہ شادی کے بعد بھی ایسے ہی رہیں گے یا اپنی پچھلی جون پر واپس لوٹ جائیں گے۔"

ردا ان کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی بھلا اسے ولید سے یہ سب پوچھنے کی کیا ضرورت تھی بلکہ وہ چاہتی بھی نہیں تھی کہ اپنے اور ولید کے بیچ ہونے والی گفتگو کا احوال انہیں سنائے لیکن ایک تو وہ سب خود بہت پوچھتی تھیں دوسرے کنول نے جس طرح شک ظاہر کیا تھا کہ وہ عمران کی باتیں سن کر اپنے دل سے گھڑ کر ایسے ہی سب کہہ رہی ہے محض اسے غلط ثابت کرنے کے لیے وہ ولید کی کئی باتیں انہیں بتا دیتی لیکن ان کی ہدایتیں اس پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور چھوڑتی تھیں اس لیے کبھی کبھی ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اس سے کچھ پوچھ بھی لیتی اس رات بھی بات کرتے کرتے اسے اچانک محمودہ کا خیال آیا تو وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"کیا آپ شادی کے بعد بھی ایسے ہی رہیں گے یا اپنی پچھلی جون پر واپس لوٹ جائیں گے۔"

ردا کو یقین تھا کہ وہ اس کے سوال پر زور سے ہنسے گا مگر اس کی توقع کے برعکس دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"پہلے تم یہ واضح کرو کہ میرا پچھلا رویہ زیادہ بہتر تھا یا موجودہ، پھر میں تمہیں تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔"

بڑی دیر بعد اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو ردا مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"جب آپ جواب جانتے ہیں تو پوچھ کیوں رہے ہیں۔"

"میں جواب نہیں جانتا اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں یا شاید میں جو پوچھنا چاہ رہا ہوں وہ میں نے ابھی تک پوچھا ہی نہیں۔"

اس کی گول مول بات ردا کی سر پر سے گزر گئی' لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اچانک لاؤنج کے فانوس کی لائٹس آن ہو گئیں پل بھر میں پورا کمرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔

ردا اچھل کر کھڑی ہو گئی سوئچ بورڈ کی طرف پلٹ کر دیکھنے کی کوشش میں ریسیور اس کے کان سے گر کر کندھے پر آ ٹکا۔

سیڑھیوں کے پاس لائٹ کے بٹن پر ہاتھ رکھے سندس بھابھی کو کھڑا دیکھ کر بیک وقت اس کے رونگٹے بھی کھڑے ہوئے تھے اور ابو کے وہاں نہ ہونے پر اس کی جان میں جان بھی آئی تھی۔

"وہ... بھابھی آپ؟"

ردا نے حواس باختہ سی کیفیت میں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"کس سے باتیں کر رہی تھیں۔"

بھابھی نے اس کے فون بند کرنے پر اسے عجیب سے نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ان کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی اور ان کی آنکھوں میں اترا سرد تاثر ردا کے ہاتھ پاؤں پھلا گیا تھا۔

"بھابھی آپ... آپ اتنی رات گئے جاگ رہی ہیں آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

ردا کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

"میں نے پوچھا ہے تم آدھی رات کو کس سے بات کر رہی تھیں۔"

اب کی بار انہوں نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے قدرے بلند آواز میں پوچھا تو لمحہ بھر کے لیے ردا سٹپٹا گئی مگر فوراً" ہی سچ بتانے کا فیصلہ کر کے اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا لیا۔

"میں ولید سے بات کر رہی تھی۔"

"اتنی رات گئے۔"

بھابھی جرح کرنے والے انداز میں کہتی ہوئی اپنی جگہ سے آگے بڑھ آئیں۔ ردا کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا' مگر جواب دینا بھی ضروری تھا وہ ایک کمزور سی دلیل کے ذریعے انہیں قائل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"ہم روز فون پر ٹھیک اسی وقت بات کرتے ہیں' میں جانتی ہوں آپ کو برا لگ رہا ہو گا آئی ایم سوری بھابھی' لیکن ولید نے ایک دن فون کر کے مجھ سے بات کرنے کی اجازت مانگی تھی اور میں انکار نہیں کر سکی۔"

ردا کو لگ رہا تھا بھابھی ابھی اس پر برسنا شروع ہو جائیں گی اسے اندازہ تھا یہ سب ان کے لیے ہرگز قابل قبول نہیں تھا' لیکن جو انہوں نے کہا وہ ردا کے لیے بھی ناقابل قبول بلکہ ناقابل یقین ہو گا یہ اندازہ اسے قطعا" نہیں تھا۔

"ولید آدھی رات کو کسی سے فون پر باتیں کرنے والے لڑکوں میں سے نہیں ہے اور اگر وہ واقعی ولید تھا تو تم نے فون کیوں بند کر دیا۔"

"آپ کے کہنے کا مطلب ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔"

ردا کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی' جو بھابھی کو لمحہ بھر کے لیے خاموش کرا گئی مگر جلد ہی وہ سر جھٹک کر ایسے بولیں جیسے اس بحث میں نہ پڑنا چاہتی ہوں۔

"ٹھیک ہے اگر ولید بھی تھا تو اس سے تمہارا فعل جائز تو نہیں ہو جاتا منگیتر بھی اتنا ہی غیر اور نامحرم ہوتا ہے جتنا کہ کوئی دوسرا' تمہارا اس طرح آدھی رات کو تنہائی میں بیٹھ کر اس سے باتیں کرنا بالکل بھی مناسب نہیں ہے نہ شرعی طور پر اور نہ ہی اخلاقی طور پر بلکہ مجھے تو حیرت ہو رہی ہے تم ایسی اوچھی حرکتوں میں کیسے انوالو ہو گئیں۔"

بھابھی کو اچھا خاصا دھچکا لگا تھا جیسے جیسے وہ اس شاک سے باہر آ رہی تھیں ویسے ویسے ان کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

"میں نے کوئی اوچھی حرکت نہیں کی ہم دونوں کے

بیچ ایسی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہوئی جسے نامناسب کہا جاسکے۔"
"اس سے زیادہ نامناسب اور قابل اعتراض اور کیا ہوگا کہ تم سب کی بے خبری میں۔"
"بھابھی پلیز۔ ولید کوئی غیر نہیں ہے میری خالہ کا بیٹا ہے کل کو ہماری شادی ہونے والی ہے آپ تو ایسے ری ایکٹ کر رہی ہیں جیسے میں نے کسی سڑک چھاپ آوارہ کو اپنا نمبر دے دیا ہو۔"
اس نے بہت غصے میں بھابھی کی بات کاٹی تھی مگر بات کے اختتام تک اس کی آواز رندھ گئی۔ بھابھی اس کی حالت محسوس کر کے فوری طور پر کچھ نہ بولیں پھر اس کے قریب آتے ہوئے اس کے عین مقابل آکھڑی ہوئیں۔
"تم میری بات کا غلط مطلب نکال رہی ہو روا۔ میں نہیں کہہ رہی کہ تم ولید کے ساتھ کوئی تھرڈ کلاس قسم کی گفتگو کرتی ہوگی میرے کہنے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ تمہارا اس کے ساتھ بات کرنا ہی معیوب ہے بلکہ سرے سے غلط ہے بھلے ہی کل کو تمہاری اس کے ساتھ شادی ہونے والی ہے 'مگر پھر بھی تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اس کے ساتھ آدھی رات تک بیٹھ کر باتیں کرو اور میں یہ اس لیے نہیں کہہ رہی کہ تم یہ کام ہماری لاعلمی میں کر رہی ہو جب ایک چیز مذہبی طور پر جائز نہیں ہے تو اس کے چھپ کر کرنے یا کھلے عام کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔
میں تمہارے احساسات سمجھ سکتی ہوں تم یہی سوچتی ہوگی کہ آج کل یہ سب بہت عام ہوگیا ہے منگیتر سے باتیں کریں یا اس کے ساتھ گھومنے چلے گئے 'لیکن جو کام سب کر رہے ہوں یا جس کے برے نتائج فوری طور پر ظاہر نہ ہو رہے ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں رہی تم "کیا حرج ہے" کہہ کر میری زبان بند کر سکتی ہو 'لیکن اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتیں کہ جب تک تمہارا اس کے ساتھ نکاح نہ ہو جائے تب تک تمہارا اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رہنا چاہیے شادی ایک سال بعد ہونے والی ہو یا ایک منٹ بعد' جب تک شادی ہو نہیں جاتی وہ تمہارے لیے نامحرم ہے تمہارا اس سے باتیں کرنا' اس سے بے تکلف ہونا سب صریحاً" بے حیائی کے زمرے میں آتا ہے چاہے ماڈرن زمانے میں اسے فیشن کا نام دے دیا جائے یا ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے 'انڈر اسٹینڈنگ کی کوشش' شرعی لحاظ سے یہ سب گناہ پر اکسانے والے عوامل ہیں جب ایک چیز کا حکم موجود ہو اور اس کا علم بھی ہو پھر بھی اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنے فعل پر اڑے رہنا اور اس بات پر بضد ہونا کہ میں کچھ غلط نہیں کر رہی فساد پیدا کرنے اور بگاڑ کی طرف جاتے راستے پر پہلا قدم رکھنے کے برابر ہے جہاں آگے جا کر راستہ مسائل اور پیچیدگیوں سے ہی بھرا ملتا ہے۔"
روا چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی وہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں کہہ رہی تھیں ایک وقت تھا جب وہ بھی ایسے ہی نظریات کی حامل تھی پہلے اس کا بھی یہی یقین تھا کہ شادی سے پہلے ہی دونوں فریق کا ایک دوسرے کو سمجھ لینا شادی کے بعد کی زندگی میں مسائل پیدا کر دیتا ہے بلکہ کبھی کبھی تو شادی کی نوبت ہی آنے نہیں دیتا جو کسی ایک اور بعض اوقات دونوں کے لیے شدید اذیت کا باعث بنتا ہے 'لیکن یہ اس وقت کی بات تھی جب ولید خود ہی بے گانہ رویہ اپنائے ہوئے تھا ایک بار اپنے خول سے نکلتے ہوئے اس نے پیش رفت کی تو روا نے اپنے سارے اصول بالائے طاق رکھ دیے 'مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اسے صحیح اور غلط کی پہچان نہیں رہی اسے اپنی حرکت کے نامناسب ہونے کا پورا احساس تھا اس لیے بغیر لڑے' ہتھیار ڈالتے ہوئے بڑی عاجزی سے کہنے لگی۔
"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابھی مجھے آپ کی صداقت سے انکار نہیں ہے 'لیکن آپ ولید کو نہیں جانتیں کتنے عرصے کی خاموشی کے بعد انہوں نے مجھے مخاطب کیا ہے 'میں ان کی پکار پر سنی ان سنی نہیں کر سکتی ورنہ ہمارے بیچ پھر وہی دیوار کھڑی ہو جائے گی۔"

"تم کسے بے وقوف بنا رہی ہو ردا مجھے یا اپنے آپ کو۔"

بھابھی کا رسائیت بھرا لہجہ ایک بار پھر تلخی میں بدل گیا۔

"تم خود اس سے بات کرنا چاہتی ہو اس لیے ایسے کمزور سے بہانے پیش کر رہی ہو ورنہ جب ایک بار تم نے اپنی پسندیدگی ظاہر کر دی پھر کسی قسم کی دیوار کھڑی ہونے کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے اگر وہ تم سے اتنا بدگمان ہے کہ تمہیں اس کا بھروسہ جیتنے کے لیے اپنے والدین کے اعتماد کو پامال کرنا پڑے اور روزانہ فون پر تجدید وفا کی ضرورت درپیش رہے تو اس رشتے کو نبھا کر تم صرف خود کو بے وقوف بنا رہی ہو کیونکہ یہ رشتہ کبھی پائیدار ہو گا ہی نہیں بلکہ اس رشتے کو مستحکم بنانے کی آڑ میں تم دونوں بھی آج کل کے لوگوں کی طرح ایک چور دروازہ کھول رہے ہو تاکہ اپنے شوریدہ جذبوں کی تسکین حاصل کر سکو۔"

"بھابھی آپ حد سے بڑھ رہی ہیں۔"

ردا کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔ بھابھی کی بات سن کر وہ غصے سے کانپتی آواز میں بولی۔

"میں حد سے نہیں بڑھ رہی بلکہ تم حدیں توڑ رہی ہو اگر اس کی خواہش پر تم سب سے چھپ کر اس سے باتیں کر سکتی ہو تو کل کو اس کی فرمائش پر اس سے ملنے بھی جا سکتی ہو۔"

"بس کریں بھابھی پلیز بس کریں۔"

ردا کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر آنسو تھم ہی نہیں رہے تھے وہ بھابھی کی طرف سے رخ موڑ کر چہرہ صاف کرنے لگی تو بھابھی نے قریب آ کر اس کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیے جنہیں فوراً" جھٹک کر وہ دور ہٹ گئی بھابھی کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے کہنے لگیں۔

"آج جو بات میرے منہ سے سن کر تمہیں اتنی تکلیف ہو رہی ہے کل کو یہ بات ولید بھی دہرا سکتا ہے لڑکیاں جن منگیتروں اور محبتوں کے لیے گھر والوں سے چھپ کر اتنے بڑے بڑے رسک لیتی ہیں شوہر بننے کے بعد وہی منگیتر اور محبوب انہیں ایسے افعال پر طعنے مارتے نظر آتے ہیں حالانکہ ولید اس قسم کا نہیں ہے' لیکن اب میں کسی کے بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہنا چاہتی تم دونوں نے آج مجھے اتنا حیران کیا ہے کہ اب کوئی چیز مجھے چونکا نہیں سکتی۔

میری شادی کو دو سال ہو گئے ہیں اور ان گزرے دو سالوں میں' میں نے ولید کو ہمیشہ تم سے بے گانہ انداز اپنائے دیکھا شاید اس بات کو میں اس کے مزاج کا حصہ سمجھ کر محسوس نہ کرتی' لیکن میری شادی کے فوراً" بعد تمہاری سالگرہ آئی تھی' میں نے اس سے مذاق میں پوچھا تھا کہ تم ردا کو کیا گفٹ دو گے' تب اس نے کہا تھا کہ اس کے پاس اس کے والد کا دیا اتنا کچھ ہے کہ کسی کو اسے کچھ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں اس کی بات کو مذاق سمجھ کر ہنس دی' لیکن پھر آہستہ آہستہ مجھے اندازہ ہوا وہ مذاق کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہے۔ وہ بہت سنجیدہ مزاج رکھتا ہے' تب میں نے نوٹ کیا وہ خاندان کے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں تم سے اور تمہارے پورے گھرانے سے زیادہ ریزرو رہتا ہے۔ مجھے لگا جیسے وہ بچپن کی اس منگنی سے خوش نہیں ہے۔"

ردا رونا بھول کر حیرانی سے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھے گئی جو بڑے دھیمے انداز میں بول رہی تھیں۔

"اور یہ بات میرے لیے شدید حیرانی کا باعث تھی' کیونکہ تم ہر لحاظ سے بہت اچھی ہو' بلکہ ایک طرح سے آئیڈیل لڑکی شمار کی جا سکتی ہو' تب میں نے غور کرنا شروع کیا کہیں ایسا تو نہیں اس کا رجحان خاندان کی کسی اور لڑکی کی طرف ہو' تب مجھ پر ایک اور حیرت انگیز انکشاف ہوا۔

وہ خود تو کسی کو لفٹ نہیں کراتا' لیکن خاندان کی لڑکیاں بھی اسے زیادہ اہمیت نہیں دیتیں' حالانکہ ولید جیسی پرسنالٹی والے لڑکے عموماً" خاندان کی لڑکیوں میں بہت مقبول ہوتے ہیں' لیکن آہستہ آہستہ مجھے پتا چلا کہ اس کی وجہ ولید کی معاشی و سماجی پوزیشن ہے۔

خاندان بھر میں سب سے کم حیثیت تمہارے خالہ، خالو کی ہے۔ اللہ کا شکر ہے ان کے گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں، لیکن ان کے پاس پیسوں کا انبار بھی نہیں ہے۔ جتنا خاندان کے تمام لوگوں کے پاس ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے سامنے پیسے کی اتنی شو نہیں مارتے جتنی ولید کے سامنے اپنی دولت کی نمائش کرتے ہیں۔ صرف اس کے تایا کے بیٹے کو چھوڑ کر باقی سب لوگوں کا رویہ اس کے ساتھ بڑا نپا تلا سا ہوتا ہے۔ تب مجھے لگا شاید وہ تم سے بھی اسی لیے خائف رہتا ہے کہ تمہاری حیثیت اس کی پوزیشن سے زیادہ اسٹرونگ ہے۔ اپنے شک کی تصدیق کے لیے میں نے جان بوجھ کر اس کے سامنے اخبار کی ایک ہیڈنگ کا ذکر نکالا جہاں ایک امیر لڑکی نے زہر کھا کر خودکشی کرلی تھی۔ کیونکہ اس کا باپ اس کی محبت کو غریب ہونے کی وجہ سے ریجیکٹ کردیتا ہے۔

تب میں نے خاص طور پر ولید کو مخاطب کرکے اس کی رائے مانگی۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ خودکشی کرکے اس لڑکی نے بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔ ویسے امیر لڑکیاں زیادہ تر بزدل ہی ہوتی ہیں۔ زندگی کی سختیوں کا سامنا کرنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوتا انہیں اپنی برابری کے لڑکوں سے ہی شادی کرنی چاہیے۔ وہ غریبوں کے ساتھ گزارہ نہیں کرسکتیں۔ خوامخواہ ایک احساس کمتری اور دوسرا احساس برتری میں مبتلا رہتا ہے۔

اس کا جواب سن کر مجھے یقین ہوگیا۔ ولید تم سے شادی کرنے کے لیے کبھی راضی نہیں ہوگا۔ اس کے نزدیک آسائشوں میں پلی بڑھی لڑکی کی نازک طبعی غریب گھروں میں جاکر اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ اگر وہ تمہیں وہ تمام آسائشیں مہیا نہیں کرسکتا جن کی تم عادی ہو تو اس کی خوددار فطرت تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرکے پل پل کاری ضرب کا نشانہ بنتی رہے گی۔ تم اسے ایک طرح کا احساس کمتری بھی کہہ سکتی ہو، ایسے لوگ اپنے لیے اپنی برابری کی لڑکی کے انتخاب کو ترجیح دیتے ہیں۔"

سندس بھابھی تواتر سے بولتی رہیں۔ ان کے اتنے گہرے مشاہدے نے اسے حیران ضرور کیا تھا، لیکن وہ پریشان بالکل نہیں تھی۔ اگر یہ بات بھابھی نے ڈیڑھ ماہ پہلے کہی ہوتی تو شاید یہ سب سن کر اسے ہول اٹھنے لگتے۔ مگر اب وہ ولید کے مزاج کو اتنی اچھی طرح جان گئی تھی کہ اسے بھابھی کے لگائے اندازوں کی چنداں فکر نہیں تھی۔ بلکہ ان کی باتیں سننے کے بعد ردا نے یہی سوچا تھا کہ ہوسکتا ہے ولید پہلے اس سے شادی کرنے کے لیے رضامند نہ ہو، لیکن ولید کو مرینہ سے بات کرتا دیکھ کر اس نے جس قسم کے ردعمل کا مظاہرہ کیا تھا اسے دیکھنے کے بعد ہی ولید نے اس سے بات کرنے اور اس کا مزاج سمجھنے کا ارادہ کیا ہوگا اور اب اسے جاننے کے بعد ولید اس سے دستبردار ہونے کے اپنے فیصلے پر ہرگز قائم نہیں رہے گا۔

یہی بات جب اس نے سندس بھابھی سے کہی تو وہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گئیں۔ انہیں خاموش دیکھ کر ردا نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"بھابھی پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ جب آپ نے اتنے کم عرصے میں اس کی جھجکی کو اتنی بدگمانی سے محسوس کرلیا تو سوچیں میں اس کے اجنبی رویے کو بچپن سے کیسے جھیلتی آرہی ہوں گی۔ ایک مدت بعد ہمارے رشتے میں زندگی کی حرارت پیدا ہوئی ہے۔ میں اس وقت ان سے کنارہ کشی اختیار کرکے انہیں دوبارہ اپنے خول میں بند ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ یہ اندازہ تو آپ نے بھی لگالیا کہ وہ کتنا ریزرو رہتے ہیں۔ ان تک رسائی حاصل کرنا کتنا کٹھن ہے۔ اگر میں....."

"بس ٹھیک ہے اس سے کبھی کبھی بات کرلیا کرو اور اس سے کہو دن میں فون کرے بھلے ہی ابو اور تمہارے بھائی گھر پر نہ ہوں، لیکن امی کو یہ بات پتا ہونی چاہیے۔" بھابھی نے بے زاری سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بڑی بے دلی سے اجازت دی تھی مگر ردا اس پر ہی خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہو بھابھی... میں امی کو بتادوں گی 'لیکن یہ بات میں صبح اٹھتے ہی تو امی کو نہیں بتا سکتی 'ان کا موڈ دیکھ کر بات کروں گی۔"

"اور اسے فون کرو تو مجھ سے بھی بات کرانا۔"

بھابھی نے واپسی کے لیے پلٹتے ہوئے کہا۔ مگر ردا کا جواب سن کر ٹھٹک گئیں۔

"میں انہیں فون نہیں کرتی۔ انہوں نے سختی سے منع کیا ہے۔ صرف وہ مجھے فون کرتے ہیں جو میں اٹینڈ کر لیتی ہوں۔"

"وہ اتنی فضول خرچی کیوں کر رہا ہے 'جب فون کا بل آئے گا تو خالو کو کیا جواب دے گا۔ اس کے پاس تو موبائل بھی نہیں ہے۔"

بھابھی حیرت سے پوچھ رہی تھیں۔ ردا کو خود علم نہیں تھا۔ بھلا انہیں کیا بتاتی اسے خاموش دیکھ کر وہ خود سوچتے ہوئے بولیں۔

"فون کی گھنٹی کی آواز کبھی سنائی نہیں دی۔"

"ان کا دو بجے کا ٹائم فکس ہے۔ میں پہلے سے آکر بیٹھ جاتی ہوں اور پہلی گھنٹی بھی پوری نہیں ہونے دیتی اور فون اٹھا لیتی ہوں۔"

ردا کے صاف گوئی سے کہنے پر وہ کچھ دیر اس کی شکل دیکھتی رہیں۔ پھر بھنویں اچکاتے ہوئے بڑے تعجب سے بولیں۔

"اگر ولید کے بارے میں یہ بات میں نے کسی اور کے منہ سے سنی ہوتی تو کبھی یقین نہ کرتی 'تعجب تو مجھے تم پر بھی ہے میرے سر میں درد ہو رہا تھا 'میں تمہارے کمرے میں دوا لینے گئی تھی۔ دوا تو مل گئی 'مگر تمہیں بیڈ پر نہ پا کر میں محض کچن میں تمہیں چیک کرنے نیچے اتری تھی۔ خیر رات بہت ہو گئی ہے 'سو جاؤ۔"

وہ کہہ کر زینے کی طرف بڑھ گئیں۔ ردا انہیں جاتا دیکھتی رہی اور ان کے جانے کے بعد دوبارہ فون کے نزدیک چلی آئی۔ حالانکہ ولید نے اسے فون کرنے سے منع کیا تھا اور اب اس کا ولید سے لمبی بات کرنے کا ارادہ بھی نہیں تھا۔ لیکن وہ ردا کے اچانک فون بند کر دینے پر پریشان ضرور ہو گیا ہو گا۔ بلکہ فون بند کرنے سے پہلے ردا نے جس طرح چونک کر بھابھی کا نام لیا تھا وہ آواز ولید کو بھی لازمی طور پر چلی گئی ہو گی۔ وہ ردا کے متعلق سوچ کر فکر مند ہو گیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کل وہ احتیاطاً" فون بھی نہ کرے۔ اس لیے وہ ابھی اسے بتا دینا چاہتی تھی کہ اس نے بھابھی سے کوئی بھی جھوٹ بولے بغیر انہیں سب سچ سچ بتا دیا ہے۔

ولید کے گھر میں فون ڈرائنگ روم میں رکھا تھا اور اصولی طور پر ولید کو ڈرائنگ روم میں رک کر ردا کے فون کا انتظار بھی کرنا چاہیے تھا۔ مگر ردا کے فون ملانے پر دوسری طرف ایسی ٹیون سنائی دینے لگی جیسے فون خراب ہو۔ شاید ولید نے فون ٹھیک طرح سے نہیں رکھا تھا۔ ردا دو 'تین بار ٹرائی کر کے بددلی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن ردا کا خدشہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ وہ آدھے گھنٹے تک ولید کے فون کا انتظار کرتی رہی 'مگر فون کو نہ آنا تھا 'نہ آیا' آخر ڈھائی بجے ردا نے خود ہی فون ملا لیا۔ ایک بار پھر دوسری طرف سے ایسی ٹیون ابھری تھی جیسے فون ٹھیک نہ ہو 'ردا نے جھنجلا کر فون بند کر دیا۔

آخر کل تک تو فون ٹھیک تھا 'پھر ردا سے بات کرتے ہی اچانک کیسے خراب ہو گیا۔ کم از کم اب تک ریسیور تو غلط نہیں رکھا ہوا ہو سکتا۔ رہ 'رہ کر اسے بھابھی پر غصہ آ رہا تھا۔ جن کی مداخلت کے باعث ولید نے فون کرنا چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ اگر فون خراب ہو گیا تھا تو اس میں بھابھی کا کوئی قصور نہیں تھا۔ لیکن ولید کو کہیں سے فون کر کے ردا سے بات تو کر لینی چاہیے تھی۔ اسے ہر چیز سے بے زاری ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ ابھی خالہ جان کے گھر پہنچ جائے۔ اگلے دن تک اس کی جھنجلاہٹ اپنے نکتہ عروج پر پہنچ گئی تھی اور اس کے باعث اسے امی سے اچھی خاصی ڈانٹ بھی سننی پڑی تھی۔ جس پر وہ ان سے بھی الجھ پڑی اور یہ بات تھی کہ امی کے منظر سے

ہٹ جانے کے بعد اسے سخت شرمندگی ہوئی تھی۔ اس نے امی سے بالکل بے جا بحث کی تھی اور وہ بھی صرف اس لیے کہ بس ایک دن اس کی ولید سے بات نہیں ہو سکی تھی۔ حالانکہ وہ اتنی شدت پسندی کے سخت خلاف تھی۔

ایک انسان آپ کے لیے اتنا اہم ہو کہ اس سے بات نہ ہونے کا غصہ دوسروں پر نکالا جائے۔ بس وہی نظروں میں چھا جائے اور باقی سب پس منظر میں چلے جائیں۔ اتنی انتہا پسندی اسے سخت ناپسند تھی۔ مگر لاکھ سرزنش کرنے کے باوجود وہ خود کو سمجھا نہیں پا رہی تھی۔ اس پر ایک بے بسی سی طاری تھی۔ جس کی وجہ وہ کسی پر ظاہر بھی نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ بھابھی پہلے ہی ایک طویل لیکچر دے چکی تھیں۔ ان سے کچھ کہنے کا مطلب تھا۔ وہ ایک بار پھر اس کے پیچھے لگ جاتیں۔ وہ خالہ کے گھر جانے کی خواہش کا اظہار بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ اس نے پہلے کبھی ایسی کوئی فرمائش نہیں کی تھی امی کا پہلا سوال یہی ہوتا۔

"کیوں....." اور اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

دو دن اس پر دو صدیوں کی طرح گزرے تھے۔ دو دن بعد خالہ جان کا فون ٹرائی کرتے ہوئے لائن مل گئی۔ اس نے بے اختیار سکون کا سانس لیتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگی تھی کہ کال ولید ریسیو کرے۔ مگر دوسری جانب کسی اجنبی آواز کے سماعتوں سے ٹکرانے پر وہ کشمکش و پیچ میں پڑ گئی۔ یہ آواز خالو کی تو نہیں تھی۔ شاید ولید کے چھوٹے بھائی وحید یا حمید میں سے کوئی تھا۔ وہ اس خیال سے گلا کھنکھارتے ہوئے نمبر دہرانے لگی کہ کہیں فون بند نہ ہو جائے۔

"جی ہاں..... یہی نمبر ہے..... آپ کون؟"

دوسری طرف سے نمبر سننے کے بعد پوچھا تھا۔

"کیا میں ولید سے بات کر سکتی ہوں۔" اپنا تعارف کرائے بغیر ولید کے متعلق پوچھنا زیادہ آسان تھا۔ اس لیے ردا نے دوسری طرف سے پوچھے جانے والا سوال نظر انداز کر دیا۔

"میں ہی ولید ہوں۔ آپ کون بول رہی ہیں۔"

ردا ایک پل کے لیے سناٹے میں چلی گئی۔ یہ آواز تو ولید کی نہیں تھی۔ شاید وحید یا حمید میں سے کوئی بھائی کے لیے ایک لڑکی کا فون سن کر شرارتاً" ایسا کہہ رہے تھے یہ سوچ کر اسے تھوڑا اطمینان ہوا تو فوراً" کہہ اٹھی۔

"دیکھیں آپ پلیز ولید کو بلا دیں' میں ان کی آواز پہچانتی ہوں۔"

"آپ مجھ سے ہی مجھے بلانے کے لیے کہہ رہی ہیں اور اس پر یہ دعوا بھی ہے کہ میری آواز پہچانتی ہیں۔ اب اگر آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا تو میں فون بند کر دوں گا۔"

بالکل ولید کے مخصوص اکھڑے انداز میں ادا کیا گیا جملہ ردا کو کسی طمانچے کی طرح لگا تھا۔ یہ انداز وحید یا حمید کا ہرگز نہیں تھا۔ خالو کی آواز تو یکسر مختلف تھی۔ پھر جس سے وہ مخاطب ہے وہ کون ہے؟

اگر یہ ولید ہے تو وہ کون ہے۔ جس سے وہ گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ہم کلام ہے؟

ردا کسی شاک میں گھری ریسیور تھامے کھڑی تھی۔ جبکہ دوسری طرف تھوڑے سے انتظار کے بعد فون بند کر دیا گیا اور ردا سن ذہن کے ساتھ کتنی ہی دیر ڈیڈ لائن کی آواز سنتی رہی۔ اس کے کانوں میں اتنی شائیں شائیں ہو رہی تھی کہ اسے فون ڈسکنیکٹ ہونے کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔ اس کے سارے احساسات جیسے فریز ہو گئے تھے اور اس کا پورا وجود برف کی سل کی طرح ٹھنڈا اور جامد ہو گیا تھا۔ اسی لیے کافی دیر بعد جب وہ بے جان انداز میں صوفے پر بیٹھی تو اسے لگا جیسے کسی برفیلے پہاڑ میں شگاف پڑ گیا ہو جس کی دراڑوں سے سوچوں کا ایک سیلاب امڈ آیا ہو۔

اتنے ہفتوں سے وہ ولید سے بات کر رہی تھی۔ لیکن آج بھی اس سے بات کرتے ہوئے اسے ولید کی بات چیت اور لب و لہجے پر حیرت ہوئی تھی۔ صرف پہلی بار ہی نہیں ہر بار دوران گفتگو اسے محسوس ہوتا جیسے۔ ولید یکسر بدل گیا ہو یا اس نے ہمیشہ ولید کو سمجھنے

میں بڑی غلطی کی ہے۔ لیکن اسے کبھی یہ گمان نہیں گزرا کہ فون کے دوسری طرف ولید کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس کا ماننا تھا کہ کسی شخص میں تبدیلی اتنی اچانک نہیں آسکتی اور نہ ہی جس شخص کو بچپن سے جانتے ہوں اسے سمجھنے میں اتنی بڑی غلطی ہو سکتی ہے۔

اس ڈیڑھ ماہ میں ولید سے کی گئی گفتگو کا ایک ایک لفظ اسے حفظ تھا اور اب وہ ساری باتیں کسی برفیلے پہاڑ کی چوٹی سے ٹوٹ کر گرنے والے تیز رفتار برف کے ریلے کی طرح خود اسی کے وجود پر ڈھیر ہو رہی تھیں۔

ولید نے کبھی ردا سے اپنے متعلق کوئی بات نہیں کی تھی۔ نہ خود سے وابستہ کسی رشتے کا ذکر کیا تھا؟ اس کی گفتگو میں خالہ جان، خالو، وحید اور حمید کا بھی کوئی تذکرہ نہ ہوتا۔ کبھی کبھی وہ اپنی تعلیم کے متعلق بات کرتا اور وہ بھی بڑی مبہم اور مختصر سی بات ہوتی۔ جس میں اپنے امتحانوں کا ذکر ہوتا نہ اپنے سبجیکٹس کی تفصیل ہوتی، ایک طرح سے اس تمام عرصے میں ولید نے اس پر ہر موضوع پر بات کی تھی۔ ایک سوائے اپنے آپ کے، لیکن ردا نے اس بات پر کبھی دھیان اس لیے نہیں دیا کہ وہ شروع سے ولید کی ذات کو ایک معمہ سمجھتی آئی تھی۔ گویا یہ بھی اس کی شخصیت کا ایک پراسرار پہلو تھا۔ جسے وہ اتنی بے تکلفی کے بعد بھی پوشیدہ ہی رکھنا چاہتا تھا۔

پھر دوسرے یہ کہ وہ جن موضوعات پر بولتا تھا۔ ان پر اس قدر جامع اور سیر حاصل تبصرہ کرتا کہ اس موضوع سے ہٹ کر کسی دوسرے ٹاپک پر اظہار خیال کرنے کا خیال تک ردا کو چھو کر بھی نہیں گزرتا تھا۔ بلکہ اس کے انداز میں اتنی دلکشی ہوتی کہ ردا کئی نکات پر معلومات ہونے کے باوجود بولنے کا ارادہ بھی نہیں کرتی اور بس چپ چاپ اسے سنے جاتی، یہاں تک کہ وہ خود فون بند کرنے کا خیال ظاہر کرکے اسے چونکا دیتا۔ تب کہیں جاکر ردا کو وقت گزرنے کا احساس ہوتا اور وہ اسے بھی سو جانے کا مشورہ دیتی، اٹھ جاتی،

حالانکہ خود اس کی آنکھوں سے نیند اڑ چکی ہوتی تھی۔ کتنی دیر بستر پر لیٹ کر وہ اس کی بات کو اسی کے انداز میں دوہرانے کی کوشش کرتی رہتی، مگر اتنے غور و خوض کے باوجود اسے کبھی یہ شک نہیں ہوا کہ فون کے دوسری جانب موجود شخص ولید ہے ہی نہیں۔

اور اب بھی وہ اس سوال کا جواب حاصل کرنے سے قاصر تھی کہ وہ کون ہے؟

یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ ولید نہیں تھا۔ آج فون پر ولید کی آواز سن کر وہ کسی گہری نیند سے جاگی تھی۔ اس کے گمشدہ حواس ولید کا ناپا تلا سنجیدہ سا لہجہ سن کر جھنجھنا اٹھے تھے اور اس کے سامنے سوالیہ نشان بن کر کھڑے ہو گئے تھے کہ آخر فون کے دوسری طرف سے ابھرتا نرم اور دوستانہ انداز اسے بھی اتنے بڑے تضاد کا احساس کیوں نہیں دلا سکا۔

"اگر ولید کے بارے میں یہ بات میں نے کسی اور کے منہ سے سنی ہوتی تو کبھی یقین نہ کرتی۔"

بھابھی کی کہی بات کی بازگشت اسے اپنے چاروں اور سنائی دینے لگی، بلکہ ولید کے ہی کہے کئی جملے جن پر اس نے تب دھیان نہیں دیا تھا۔ ایک ایک کرکے یاد آنے لگے۔ خاندان کے کسی فرد کا ذکر آنے پر وہ کیسے بات پلٹ دیتا تھا۔ یہ سب ردا کو اب محسوس ہو رہا تھا۔ تب تو اس نے کبھی دھیان بھی نہیں دیا کہ فون کے دوسری جانب موجود شخص ردا یا ولید کے خاندان کے کسی فرد کو جانتا ہی نہیں، تو ان کے متعلق بولے گا کیسے۔

لیکن وہ جو کوئی بھی تھا۔ اس کے علم میں ردا اور ولید سے متعلق بہت سی باتیں تھیں۔ اگر وہ پوری طرح باخبر نہیں تھا تو اتنا بے خبر بھی نہیں تھا۔

پہلی بار اس نے ردا سے اپنے رویے پر معذرت کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ تب ہی ردا بغیر کسی شک و تامل کے اس کے ولید ہونے پر ایمان لے آئی تھی۔ گویا ردا کا فون نمبر، اس کا نام، اس کے منگیتر کا نام، ان دونوں کے بیچ موجود رشتہ اور رشتے کی ناپائیدار حالت ہر چیز، ہر بات اسے پتا تھی۔ سب سے بڑھ کر وہ یہ بھی

جانتا تھا کہ ردا نے ایک دن پہلے ولید کے کمرے سے تصویر نکالنے کی کوشش کی تھی۔ جس پر ولید نے اسے سختی سے ٹوک دیا تھا۔

"کون ہے وہ جو اتنا کچھ جانتا ہے؟"

ردا سراسیمہ سی صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ صدمے اور دکھ کے بعد اب اس پر وحشت کا حملہ ہوا تھا۔

اتنے دنوں تک روز گھنٹوں وہ جسے اپنا ہم راز سمجھ کر اتنی بے تکلفی سے، جس شخص سے مخاطب تھی وہ کوئی مکمل اجنبی اور یکسر انجان شخص تھا یہ خیال اسے ہراساں کر گیا تھا۔ اس پر ایک عجیب سا خوف طاری رہا تھا۔ اپنے کمرے میں آکر وہ بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا ابھی خالہ جان کے گھر جا کر ولید سے صاف صاف پوچھ لے کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے کس سے بات کی تھی۔ لیکن اپنے دل میں ابھرتی اس خواہش کو اس نے سختی سے دبا لیا۔

انجانے میں وہ بھلے ہی بے وقوف بنتی رہی تھی۔ مگر خود کو جانتے بوجھتے دھوکا نہیں دے سکتی تھی۔ ایک بار اس حقیقت کا یقین ہو جانے کے بعد کہ اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ولید سے ہی بات کی ہے۔ کسی اور سے نہیں اب وہ خود کو اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں کر سکتی تھی کہ اسے دھوکا ہوا ہے۔ اسے دھوکا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اسے دھوکا دیا گیا تھا۔ اسے پچھلے ڈیڑھ ماہ سے لگاتار بے وقوف بنایا گیا تھا اور اس کے جذبات سے تواتر سے کھیلا گیا تھا۔ پوری پلاننگ اور پورے ارادے کے ساتھ کسی نے مہرے، بچھا کر بازی سجائی تھی اور اسے کتنی آسانی اور کتنی خاموشی سے مات دی گئی کہ اسے خود بھی خبر نہیں ہوئی اور وہ اپنا مان اور اپنی محبت سب کچھ ہار بھی گئی۔

ذلت کے احساس سے اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ وہ کتنی ہی دیر اپنے کمرے کے بند دروازے سے ٹیک لگائے بے آواز روتی رہی۔ مگر اس کا دل ہلکا نہ ہوا۔ رات ہونے تک اس کی طبیعت پر چھایا بوجھل پن اور بے چینی حرارت کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ کھانا بھی اس نے برائے نام کھایا تھا۔ نقاہت کے باوجود اس کا اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ جس کمرے کی تاریکی میں وہ ولید کی باتوں' اس کے لہجے اور اس کی آواز کے سحر کو گھنٹوں سوچتی رہتی تھی۔ اب اس کمرے میں قدم رکھنے کے خیال سے ہی اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

امی نے اس کی اتری شکل دیکھ کر اسے کل کالج جانے سے منع کر دیا تھا۔ اس لیے وہ رات دیر تک بظاہر کسلمندی سے صوفے پر بیٹھی ابو کے ساتھ ٹی وی دیکھتی رہی۔ جبکہ حقیقتاً" وہ دو بجنے کا انتظار کر رہی تھی۔

ولید کے دھوکے میں وہ اتنے دن جس شخص کے ہاتھوں بے وقوف بنی تھی۔ وہ اب بھی اس کے فون کی منتظر تھی۔ کیونکہ وہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ کون ہے۔ جس نے اپنی تفریح کے لیے اس کے احساسات کی دھجیاں اڑا دیں۔ اس کے جذبات کو ایسے بے مایہ کر دیا کہ وہ خود اپنی ہی نظروں میں گر گئی۔ یہ سوچ کر ہی اس کا مر جانے کا دل چاہ رہا تھا کہ دوسری طرف موجود وہ بے حس شخص اس کی گفتگو سن کر دل ہی دل میں اس پر کتنا ہنستا ہو گا۔ گو کہ ردا نے کبھی بہت محبت بھرے مکالمے نہیں بولے تھے۔ مگر آدھی رات کو ایک لڑکی سے باتیں کر کے وہ بھی اس کے منگیتر کی حیثیت سے "اسے یقیناً" ایک کمینی سی خوشی ہوتی ہو گی اور پھر جس طرح وہ بھی کبھی دوران گفتگو کوئی ذومعنی بات کہہ دیتا یا کبھی روانی میں بات کرتے وقت وہ مستقبل کی پلاننگ کرنے لگتا۔ تب ردا کے جھینپنے یا شرما کر ٹوک دینے پر وہ کتنا محظوظ ہوتا ہو گا۔ یہ خیال اس کی پلکیں نم کر دینے کے باوجود اس کے اندر چنگاریاں بھر رہا تھا۔

وہ ایسے ہی ڈوبتے دل اور کھولتے ذہن کے ساتھ ٹی وی دیکھتی رہی۔ ابو کے اٹھ جانے کے بعد اس نے والیوم بند کر کے اضطرابی انداز میں چینلز چینج کرنے شروع کر دیے۔ اس کا دھیان تا بالکل بھی ٹی وی کی طرف نہیں تھا۔ وہ تو صرف یہ سوچ رہی تھی کہ جانے

آج بھی اس کا فون آئے گا یا نہیں۔

تب ہی گھنٹی بجنے پر ایک لمحے کے لیے اس کا دل بند ہو گیا۔ وہ خوف زدہ سے انداز میں فون کو دیکھنے لگی اگر امی، ابو کے اٹھ جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو شاید وہ فون اٹھانے کی ہمت نہ کر پاتی، لیکن ریسیور اٹھا لینے کے بعد بھی وہ بہت دیر تک ایئر پیس کان پر نہیں رکھ سکی تھی۔ پھر بھی جامد سناٹے میں اسے دوسری طرف ابھرنے والی "ہیلو ہیلو" کی تکرار صاف سنائی دے رہی تھی۔

یہ آواز کبھی اس کے دل میں اتر جایا کرتی تھی۔ مگر آج یہی آواز اس کا حلق تک کڑوا کر گئی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے ریسیور کان سے لگا کر خود کو بولنے کے لیے آمادہ کیا تھا۔ دوسری طرف اس کی آواز سنتے ہی وہ اپنے مخصوص دلکش لہجے میں بے اختیار بولا۔

"تھینک گاڈ! تم نے فون ریسیو کر لیا۔ دو دن سے میں تمہارے لیے اتنا فکر مند تھا کہ بتا نہیں سکتا' کیا ہوا تھا اس دن' تمہارے کسی ریلیٹو کے آجانے کی وجہ سے تمہیں فون بند کرنا پڑ گیا تھا نا' پھر کیا ہوا۔"

اس کی آواز میں بے قراری واضح تھی۔ ردا کے لب بھینچ گئے تھے۔ ریسیور پر اس کی گرفت اتنی سخت ہو گئی تھی کہ اس کی انگلیاں دکھنے لگی تھیں۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا کہ اس نے کیوں کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ اپنے اور ردا کے رشتے داروں کا ایسے اجنبی انداز میں ذکر کرتا تھا جیسے انہیں جانتا ہی نہ ہو۔

"کیا ہوا ردا' تم ٹھیک تو ہو نا' کیا گھر والوں نے کچھ کہا تمہیں۔ انہوں نے پوچھا تو ہو گا' اتنی رات گئے کس سے بات کر رہی تھیں' کیا بہت ڈانٹ پڑی۔"

اس کے انداز میں اتنی پریشانی تھی کہ ردا کی آنکھیں بھیگنے لگیں' یہی تو وہ بچپن سے چاہتی تھی کہ ولید اس کی فکر کرے۔ اسے توجہ دے اور جب اس خواہش کو اس نے پورا ہوتے دیکھا تو خوشی سے اس کی آنکھیں اتنی چندھیا گئیں کہ پھر اسے کچھ دکھائی ہی نہیں دیا۔ نہ اپنے اصول' نہ اپنے دعوے' نہ والدین کا بھروسا' نہ صحیح اور غلط کی تمیز اور نہ ہی مناسب اور نامناسب ہونے کا خیال یاد رہا تو بس اتنا کہ ولید نے عمر بھر کی لاتعلقی کے بعد اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ وہ اس موقع کو کسی قیمت پر گنوانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ چاہے اس کے لیے اپنے نظریات سے ہٹنا پڑے یا مذہب اور اقدار کی حد بندیوں کی طرف سے چشم پوشی کرنی پڑے۔ جب وہ ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھی تو پھر اسے قیمت چکانی ہی تھی۔

"ردا تم رو رہی ہو۔"

اس کی آواز میں اتنا دکھ تھا کہ ردا چونک اٹھی۔ اسے خود اپنے گالوں پر بہتے پانی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ اس نے جلدی جلدی ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھتے ہوئے خود کو سنبھالا۔

"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں.....؟"

وہ بری طرح چونکا۔

"وہ..... وہ میں آپ کو فون پر نہیں بتا سکتی۔ مگر میرا آپ سے ملنا بہت ضروری ہے۔ آپ..... آپ میرے گھر آجائیں۔"

ردا نے بمشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے اپنی آواز کو لڑکھڑانے سے روکا۔

"لیکن..... میں تمہارے گھر کیسے آسکتا ہوں۔"

وہ الجھن بھرے لہجے میں بولا۔

"کیوں..... کیوں نہیں آسکتے' پہلے بھی تو کتنی بار آئے ہیں۔ صبح میں یونیورسٹی جانے سے پہلے آسکتے ہیں' نہیں تو بعد میں آجائیے گا۔"

ردا کے لہجے میں اصرار سے زیادہ ایک طرح کی دھونس تھی اور اس کی توقع کے عین مطابق دوسری طرف اس نے ردا کی دھونس میں آئے بغیر فون پر ہی اس کے بلانے کی وجہ پوچھنا شروع کر دی۔ البتہ ایک چیز نے ردا کو ضرور حیران کیا تھا اور وہ تھی اس کے لہجے میں رچی بے بسی۔

وہ جس طرح اس سے ملنے سے انکار کر رہا تھا۔ اس سے صاف لگ رہا تھا جیسے وہ خود بھی اس سے ملنا چاہ رہا

ہو۔ مگر درمیان میں کوئی چیز مانع آ رہی ہو۔ ردا وجہ جانتے ہوئے بھی اس کی جان چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ کیونکہ وہ ہر حال میں اس کا کھوج لگانا چاہتی تھی۔ وہ اس سے بدلہ تو شاید نہیں لے سکتی تھی۔ مگر وہ یہ جاننا ضرور چاہتی تھی کہ اس کے جذبوں کو پامال کرنے والا ہے کون۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اس تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اگر وہ فون کرنا چھوڑ دیتا تو وہ کبھی یہ جان نہیں سکتی تھی کہ وہ کون تھا۔ اسی لیے ردا نے اسے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ وہ ہرگز ہامی نہیں بھرے گا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس گتھی کو کیسے سلجھائے۔ ایک طرح سے اس نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا کہ شاید وہ ردا کو کچھ بتانے کے لیے تیار ہو جائے۔ وہ اس پر یہ ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ اس کی سازش سمجھ گئی ہے۔ ورنہ تو وہ کبھی فون نہ کرتا۔ اسی لیے اس کے مسلسل انکار پر ردا بری طرح چڑ گئی۔ وہ پہلے ہی روہانسی ہو رہی تھی۔ اس وقت تو اس کی آواز بھی بھرا گئی۔

"جب میں کہہ رہی ہوں' میں فون پر نہیں بتا سکتی تو آپ بار بار ایک ہی سوال کیوں پوچھ رہے ہیں۔ میرے گھر آنا آپ کے لیے ایسا کون سا مشکل کام ہے۔ لیکن آپ کو شاید میری پریشانی کا احساس ہی نہیں۔ آپ کو صرف اپنے آپ سے غرض ہے۔ مجھ پر کیا گزر رہی ہے اس کی کوئی فکر نہیں۔"

ردا نے بہت مشکل سے خود کو مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔ ورنہ تو اس کے اندر ایک لاوا پک رہا تھا۔ اگر وہ کچھ دیر اور بولتی تو وہ لاوا پھٹ کر باہر آ جاتا۔

"ایسے مت کہو ردا' مجھے تمہاری بہت فکر ہے' لیکن ہر فکر پر میرا ایک ڈر حاوی ہو جاتا ہے تمہارے چھن جانے کا ڈر' میں تمہیں کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا۔ آئی ریئلی لو یو ردا۔"

ردا کی ہتھیلیوں تک میں پسینہ آ گیا تھا۔ وہ ریسیور کریڈل پر ڈال کر ایسے پیچھے ہٹی تھی جیسے کسی سانپ نے ڈنک مار دیا ہو' اتنا واضح اقرار سن کر وہ بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اسے کھوجنے کے خیال پر لعنت

بھیجتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف دوڑ پڑی۔

وہ جو کوئی بھی تھا اسے پتا کرنے کی قطعاً" ضرورت نہیں تھی۔ اسے صرف خاموشی اختیار کر کے اس کھیل کو ختم کر دینا چاہیے تھا۔ اس نے جس شدت سے آخری جملہ ادا کیا تھا وہ ردا کو اچھا خاصا ہراساں کر گیا تھا۔ بے اختیار وہ اس پل کو کوسنے لگی تھی۔ جب اس نے ولید کے پہلی بار پوچھنے پر اسے فون کرنے کی اجازت دی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے چار دن مکمل خاموشی سے گزر گئے۔ حالانکہ اس کا فون اگلے دن اپنے مخصوص ٹائم پر بجا تھا۔ ردا دھڑکتے دل کے ساتھ گھنٹی کی آواز سنتی رہی۔ مگر اپنے بستر سے ہلی تک نہیں' لیکن جب ابو کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو وہ اٹھ کر تیزی سے زینے کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ چاروں اور پھیلی گہری خاموشی میں ابو کے کئی بار ہیلو کہنے کی آواز صاف سنائی دی تھی۔ پھر ابو نے غالباً" کچھ بڑبڑاتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔ اس دن کے بعد سے ردا نے دو بجے گھنٹی کی آواز نہ سنی۔ جانے اس نے فون کرنا چھوڑ دیا تھا یا ابو رات کو سونے سے پہلے تار نکال دیا کرتے۔ بہرحال اس کا فون نہ آنے پر ردا کو ایک اطمینان ہوا تھا یہ اور بات تھی کہ ایک بے کلی اسے ہر وقت ستائے رکھتی۔ وہ اس کا فون اٹینڈ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ اس کے مقرر وقت تک سو بھی نہیں پاتی تھی۔ اتنے عرصے میں وہ شخص ردا کے اتنے قریب آ گیا تھا کہ اس کا خیال جھٹکنا ردا کے لیے اتنا آسان نہیں تھا' کتنے ہی موضوعات پر انہوں نے باتیں کی تھیں اور کتنے گھنٹوں کی تھیں۔ غیر ارادی طور پر ہر موقع پر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اس کی کہی کوئی نہ کوئی بات یاد آ ہی جاتی مگر وہ اگلے ہی پل اس کا خیال یہ سوچ کر جھٹک دیتی کہ وہ ایک فراڈ شخص تھا۔ جس نے اسے دھوکا دیتے ہوئے بے وقوف بنایا۔ یقیناً" اپنے اس کارنامے پر وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر خوش ہوتا ہوگا اور اس کی تمام گفتگو مرچ

مسالے کے ساتھ انہیں سناتے ہوئے ایک فخر محسوس کرتا ہوگا۔

یہ سب سوچتے ہوئے وہ اپنے اندر اترتے خالی پن پر ایک لمحے میں قابو پالیتی۔ اسے یقین تھا وقت کے ساتھ ساتھ وہ اس حادثے کو بھول جائے گی مگر اسے امید نہیں تھی کہ قسمت اسے اتنی مہلت بھی نہیں دے گی۔

اچانک خالہ جان کی طبیعت خراب ہوگئی اور انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کردیا گیا۔ یہ اطلاع پاتے ہی وہ سب فوراً اسپتال روانہ ہوگئے۔ وہاں جاکر ولید کو دیکھ کر پہلی بار ردا کو کچھ محسوس نہیں ہوا۔ تب تو اس نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دے دی کہ خالہ جان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ اتنی پریشانی میں وہ خود سے اور کیا توقع کررہی ہے' لیکن طبیعت کچھ سنبھلنے کے بعد جب وہ بولنے کے قابل ہوئیں اور جو فرمائش انہوں نے سب کے سامنے رکھی اسے سن کر ردا جیسے سکتے میں چلی گئی۔ ان کی جان بچ گئی تھی۔ مگر ان کی حالت اب بھی نازک تھی۔ اسی لیے جب ردا نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کی خیریت پوچھی تو انہوں نے کمزوری کے باوجود اس کے ہاتھ پر گرفت سخت کردی اور ابو کی طرف دیکھتے ہوئے نحیف سی آواز میں کہنے لگیں۔

"بھائی صاحب آپ اب میری بیٹی کو مجھے دے دیں۔ میں اپنا آخری وقت اس کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔"

ردا سانس تک لینا بھول گئی۔ ابو اور ان کے اردگرد کھڑے رشتے دار انہیں ایسی مایوسی بھری بات کہنے پر رسانیت سے ٹوکتے ہوئے تسلیاں دینے لگے۔ مگر خالہ جان نے سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

"ولید کا آخری سال ہے۔ اسے کہیں نہ کہیں جاب مل ہی جائے گی۔ تب بھی ردا کو آنا ہی ہے' لیکن پتا نہیں وہ سب دیکھنا میرے نصیب میں ہے یا نہیں' آپ بس میری امانت مجھے دے دیں۔ اسے بہو کی حیثیت سے اپنے گھر میں چلتے پھرتے دیکھنا میری اولین خواہش ہے۔ میرے اس ارمان کو مجھے پورا کرنے دیں۔" خالہ جان کے گلوگیر لہجے پر امی کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ابو اور خالو ان دونوں کو ڈانٹ بھرے انداز میں دلاسے دینے لگے۔ تب ہی نرس کے آجانے پر ان سب کو وہاں سے اٹھنا پڑ گیا۔ باہر نکلتے ہی خالو' ابو کو کوریڈور کے ایک طرف لے گئے۔ ان دونوں کے بیچ کیا گفتگو ہو رہی ہوگی اس کا اندازہ ردا کو بخوبی تھا۔ ولید کے ساتھ شادی کرنے کے خیال سے ہی اسے اپنا وجود مردہ ہوتا محسوس ہو رہا تھا اور یہ انکشاف اس کے لیے کافی تکلیف دہ تھا کہ اب اس کے دل میں ولید کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔ وہ کسی بھی حال میں اس کی زندگی میں شامل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس کا بے گانہ رویہ یاد کرکے ردا اس کی طرف سے کوئی خوش آئند بات نہیں سوچ سکتی تھی۔ دوسری طرف نہ چاہتے ہوئے بھی وہ خود کو اس فون والے کے بارے میں سوچنے سے روک نہیں پا رہی تھی۔ اس ذہنی کشمکش نے اسے ہلکان کردیا تھا۔ وہ گھر آکر بھی کافی مضمحل رہی تھی۔ اگلے دن جاتے وقت امی نے اس کی رہی سہی جان بھی نچوڑلی امی کا کہنا تھا۔

"کل سے اسے کالج جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب اسے گھر پر آرام کرنا چاہیے۔ ابو اور خالو کے بیچ تمام مذاکرات طے ہوگئے ہیں۔ خالہ جان کے اسپتال سے ڈسچارج ہوتے ہی ایک تقریب میں اس کا نکاح کرکے اسے رخصت کردیا جائے گا۔"

چائے کی پیالی کی طرف جاتا اس کا ہاتھ ہوا میں ہی رک گیا تھا۔ امی کو اسپتال خالہ جان کے پاس جانا تھا۔ وہ عجلت میں میز سے اٹھ کر خالہ جان کے لیے سوپ وغیرہ تیار کرنے کچن میں چلی گئیں۔ انہوں نے ردا کی حالت پر دھیان ہی نہیں دیا۔ البتہ سندس بھابھی شرارت سے بولیں۔

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں۔ تب بھی پیٹ بھرنے کے لیے ٹھوس غذا ہی درکار ہوتی ہے۔"

بھابھی کے سلائس بڑھانے پر وہ جبراً" مسکرادی اور جلدی سے پیالی ہونٹوں سے لگائی' تاکہ سلائس نہ لینا پڑے۔

"ویسے سچ پوچھو تو میں اس شادی پر زیادہ خوش نہیں ہوں' ایسی افراتفری کی شادیاں مجھے بالکل پسند نہیں خالہ جان کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہی ہیں۔ ایک بار وہ ڈسچارج ہو کر گھر آہی جائیں گی۔ پھر آرام سے ساری رسمیں ہو سکتی ہیں۔ خدانخواستہ خالہ جان کس خطرے کے پیش نظر اتنی جلد بازی مچا رہی ہیں۔ پھر ولید کی ابھی کوئی جاب بھی نہیں ہے۔ شادی ہوتے ہی تم آٹے' دال کے بھاؤ کے چکر میں پڑ جاؤ گی۔ تمہارے بھائی کہہ رہے تھے کہ کل ولید نے بھی ہلکا سا احتجاج کیا تھا کہ پہلے مجھے کچھ بن تو جانے دیں' میں ابھی بیوی کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل کہاں ہوں۔ اس پر تمہارے ابو نے کہا' تم فکر مت کرو' ہم تمہیں بہت اچھی جاب دلا دیں گے۔

تمہارے بھائی بتا رہے تھے یہ بات ولید کو پسند نہیں آئی۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے اسے ابو کی بات بہت ناگوار گزری ہو۔ تمہاری اگر ولید سے بات ہو تو اس سے پوچھ ضرور لینا۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔ ابو اگر اس کی کہیں سفارش کریں گے تو وہ اس جاب کے پوری طرح اہل ہو گا۔ تب ہی کریں گے ابو کسی مستحق کا حق مارنے والوں میں سے تو نہیں ہیں اور کیا تم شادی کے بعد اپنی تعلیم جاری رکھ سکو گی۔ یہ سب باتیں پہلے ہی کنفرم کر لینی چاہئیں۔ امی' ابو اور خالو کو تو بس خالہ جان کی فکر ہے۔ لیکن مجھے لگ رہا ہے یہ سب کچھ زیادہ ہی جلدی ہو رہا ہے۔"

ردا ایک ٹک انہیں دیکھتی رہی۔ یقیناً" ولید کے احساسات بھی ایسے ہی ہوں گے۔ اسے بھی یہ سب کچھ زیادہ ہی جلدی لگ رہا ہو گا' لیکن وہ بھی ردا کی طرح انکار نہیں کر سکتا تھا۔

ردا کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وقتی طور پر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کالج چلی جائے' گر یہ جائے پناہ بھی اس سے جلدی ہی چھننے

والی تھی۔ خالہ جان زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے میں گھر آجائیں گی۔ اگر اسے ایک ہفتے بعد رخصت ہونا تھا تو اس کی امی کا مطالبہ عین جائز تھا کہ اسے کالج چھوڑ کر گھر بیٹھ جانا چاہیے۔ پتا نہیں وہ اسے کل کالج جانے دیں گی بھی یا نہیں۔

یہی سب سوچتے ہوئے اس نے کلاس میں اپنی خالہ کی بیماری اور اپنی متوقع شادی کا ذکر کر دیا۔ ساری لڑکیاں سنتے ہی جوشیلی ہو گئیں۔ انہیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں تھا کہ یہ شادی روایتی انداز میں ہو رہی ہے یا نہیں یا ردا کل سے کالج آسکے گی یا نہیں' وہ تو بس اسے مشورے دینے لگی تھیں۔

"نکاح میں ایسا جوڑا پہننا' فلاں کلر فیشن میں ہے' فلاں کلر فیشن میں نہیں ہے' کوئی مایوں بٹھائے' نہ بٹھائے خود ہی اپنا ابٹن ملنا شروع کر دینا۔"

ان کی ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ پر وقتی طور پر ردا کی طبیعت پر چھایا بوجھل پن کچھ کم ہو گیا۔ اس لیے اگلے دن امی کے منع کرنے کے باوجود وہ کالج جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ وہ زیادہ سے زیادہ وقت اپنی دوستوں کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ جن سے اس کا ساتھ بہت جلد چھوٹنے والا تھا۔ اس پر ابو نے بھی گھر سے نکلتے نکلتے اس کی حمایت کر دی۔

"ایسا کون سا آرام کرنا ہے اسے جو وہ کالج نہیں جا سکتی۔ شادی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پڑھائی سے غافل ہو جائے' بلکہ ردا کی یہی کوشش ہونی چاہیے کہ وہ شادی کے بعد بھی اپنی پڑھائی جاری رکھے۔"

ابو کے حتمی انداز پر امی کے کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہی۔

ردا معمول کے مطابق چلتی اسٹاپ پر آکھڑی ہوئی۔ گھر میں وہ جتنی دیر رکتی اس کی شادی کا ہی ذکر ہوتا رہتا اس لیے وہ وقت سے پہلے ہی نکل آئی تھی اور اپنی سوچوں میں اتنی غرق تھی کہ اس نے غور ہی نہیں کیا کہ اسٹاپ کے پاس ایک عدد کار کھڑی تھی اور کار میں بیٹھا شخص اسے آتا دیکھتے ہی کار سے اتر آیا۔ ردا تو

تب چونکی جب وہ اس کے عین سامنے آکھڑا ہوا۔ ردا نے ایک غیر ارادی نظر اس پر ڈال کر اپنا رخ موڑنا چاہا تھا۔ مگر اس پر نظر پڑتے ہی وہ چونک اٹھی۔ بہت ہفتوں پہلے اسی جگہ اس شخص نے ردا سے پانچ سو روپے کا تھلا مانگا تھا۔ جو ردا نے صرف اپنی جان چھڑانے کے لیے دے دیا تھا اور اس کا جان چھڑانا ہی اس کی جان کو آگیا تھا۔ کلاس میں مذاق بننے کے ساتھ ساتھ اسے ولید کے سامنے بھی شرمندہ ہونا پڑا تھا۔

ردا نے اسے دیکھتے ہی بے اختیار چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ اس کے اس انداز پر نووارد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"بے فکر رہو' آج یہاں کوئی ۔۔۔ کیمرا نہیں ہے۔"

ردا کی رگوں میں خون منجمد ہو گیا تھا۔ وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔ جس کا چہرہ وہ تقریباً" فراموش کر چکی تھی۔ مگر اس آواز کو پہچاننے میں وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتی تھی۔ ایک بار اسے ولید کی آواز پہچاننے میں دھوکا ہو سکتا تھا مگر اس آواز کو وہ نیند میں بھی نہیں بھول سکتی تھی۔

وہ جس قسم کے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی وہ اس شخص پر بھی بہت کچھ باور کرا گیا تھا۔ تب ہی وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ مگر ردا کو بدستور شاک میں گھرا دیکھ کر اسے گہرا سانس کھینچ کر خاموشی توڑنی پڑی۔

"میرا نام الیاس ہے۔ ویسے تو تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو' لیکن تمہیں میرا نام نہیں معلوم تھا۔ اس میں سارا قصور میرا تھا اور میں اپنی غلطی کی معافی مانگنے ہی آیا ہوں۔ ردا کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو۔"

ردا ایسے ششدر کھڑی تھی کہ کچھ کہنا تو در کنار وہ اس کی بات سننے اور سمجھنے کے بھی قابل نہیں تھی۔ مگر اس کے منہ سے معافی کا لفظ ادا ہوتے ہی ردا کا سکتہ ٹوٹ گیا۔ وہ ایسے بپھر اٹھی تھی کہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اسے کیا کہے اور کیا نہ کہے۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے سامنے آنے کی اور اس پر میرے روبرو کھڑے ہو کر مجھ سے معافی کے طلب گار ہو۔ معافی؟ تمہیں معافی کا مطلب معلوم ہے' تمہیں پتا ہے' تم نے کیا کیا ہے' تم نے غلطی نہیں کی' جس پر معاف کیا جا سکے۔ تم۔۔۔ تم نے جان بوجھ کر پوری پلاننگ کے ساتھ مجھے۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیوں کیا تم نے ایسا۔۔۔ کیا یہ بھی کوئی چیلنج تھا۔ کوئی شرط یا کوئی۔۔۔ کوئی۔۔۔"

غصے کی شدت سے ردا سے بولا نہیں جا رہا تھا اور غصہ تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کا پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گم صم سا انداز ردا کو مزید سلگا رہا تھا۔ مگر حلق میں بنتے آنسوؤں کے گولے نے اسے بات پوری کرنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ تب وہ سر اٹھا کر اس کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھنے لگا۔

"ہاں۔۔۔ یہ سب میں نے ایک چیلنج کے طور پر ہی کیا تھا۔ تم نے جو کچھ میرے بارے میں کہا تھا۔ وہ سب جب میری کزن بینش نے گھر آکر میرے سارے کزنز کے سامنے مجھے بتایا تو ان سب نے میرا خوب مذاق اڑایا تھا۔ میں ضدی نہیں ہوں' لیکن جب کوئی مجھے ضد دلا دے تو میں تب تک سکون سے نہیں بیٹھتا جب تک خود کو ثابت نہ کر دوں۔"

ردا اس کی کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے الیاس کی بات کاٹنے کے لیے منہ کھولا بھی تھا۔ مگر بینش کا نام آتے ہی اس کی آواز حلق میں ہی گھٹ گئی۔ اس کے ذہن میں الجھی تمام گتھیاں خود بخود سلجھ گئیں' بلکہ اسے تو بہت پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ اس سارے کھیل کے پیچھے سوائے بینش کے اور کسی کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ صرف ایک وہی تھی جو یہ جانتی تھی کہ ولید اس کے ساتھ کس طرح پیش آیا تھا۔ جب اس نے ولید کے کمرے سے اس کی تصویر نکالنے کی کوشش کی تھی۔

صرف اسی کو ردا نے اپنا ہم راز بنایا تھا اور وہ اس کے راز کا اشتہار لگا آئی تھی۔ ردا کو تو کیا کالج کی کسی لڑکی کو بھی یہ خیال نہیں ہو گا کہ بینش صرف کالج میں

ہی ڈھنڈورا نہیں پیٹتی، بلکہ وہ اپنی دوستوں کی باتیں اپنے گھر جاکر اپنے کزنز یہاں تک کے اپنے گھر کے نوکروں کو بھی بتادیتی ہے۔

ردا الیاس کو صفائی کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ مگر وہ یہ ضرور جاننا چاہتی تھی کہ اس کہانی میں بینش کا کیا کردار ہے۔ جس اذیت سے وہ گزری ہے اس میں الیاس کے ساتھ بینش کس حد تک ذمہ دار ہے۔ اس لیے جیسے ہی الیاس سانس لینے کے لیے رکا ردا نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"کیا بتایا تھا بینش نے تمہیں، کیا کہا تھا میں نے تمہارے بارے میں۔"

ردا کے پوچھنے پر وہ ایک نظر اس پر ڈال کر سڑک پر رواں دواں ٹریفک کو دیکھتے ہوئے لاپروائی سے بولا۔

"چھوڑو وہ سب۔ تم نے چاہے جو بھی کہا تھا مجھے تمہارے ساتھ ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں اپنی غلطی مانتا ہوں۔ دراصل میرا ارادہ تمہیں صرف ایک دفعہ فون کرنے کا تھا۔ میں تمہارے ساتھ کوئی بہت لمبا چوڑا فلرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی مجھے یہ امید تھی کہ تم اتنی آسانی سے میرا یقین کرو گی۔ آخر ولید تمہارا منگیتر ہونے کے ساتھ ساتھ تمہارا کزن بھی تھا۔ تم ایک نہیں تو دوسری کال میں سمجھ ہی جاؤ گی کہ میں ولید نہیں ہوں۔ صرف آواز ہی نہیں انسان کو پہچاننے کے اور بھی کئی طریقے ہوتے ہیں۔ خاندان میں تو ہزاروں ایسی باتیں ہوتی ہیں جو سب کے علم میں ہوتی ہیں اور میں تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ولید کے گھر میں کون کون ہے۔ تمہارے بارے میں تو بینش نے پھر بھی بہت کچھ بتایا تھا اور اس پروگرام میں آنے کے بعد تو وہ اکثر تمہارا ذکر کرنے لگی تھی۔ اسی لیے جب میں نے تمہیں پہلی دفعہ فون کیا تو میں نے بینش کو بھی نہیں بتایا تھا کہ میں کیا کرنے جارہا ہوں، کیونکہ اگر میں اسے کچھ بتاتا تو وہ اگلے دن ہی تمہیں سب بتادیتی۔ وہ خود تک کوئی بات رکھ ہی نہیں سکتی۔ اس لیے تم پلیز اس سے بدگمان مت ہونا۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے اس کی بے خبری میں اس کے موبائل سے تمہارا نمبر نکال کر تمہیں فون کیا تھا۔ جب تم سے معافی مانگنے کے بعد میں نے تمہیں کبھی کبھی فون کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ تب میرا ارادہ صرف تمہاری کال ریکارڈ کرنے کا تھا۔ میں بینش اور دوسرے کزنز کو دکھانا چاہتا تھا کہ میں جو ٹھان لیتا ہوں وہ کر گزرتا ہوں۔

لیکن تمہاری کال ٹیپ کرنے کے بعد بھی میں تمہارا فون انہیں سنا نہیں سکا۔ تم سے بات کرکے مجھے لگا بینش نے کہیں نہ کہیں تمہارے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ مجھے تو پہلی ملاقات میں ہی تم بہت سلجھی ہوئی اور بہت معصوم لگی تھیں۔ خیر اس وقت تو میں جانتا بھی نہیں تھا کہ تم بینش کی دوست ہو۔ وہ پروگرام آن ایئر جانے کے بعد بینش نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔ حالانکہ تمہارا ذکر وہ اکثر کرتی تھی۔ مگر تب مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ہو کون۔

میں نے جب تمہاری پہلی کال ریکارڈ کی تو مجھے لگا اس کال میں تو کوئی خاص بات ہے ہی نہیں۔ مجھے ایک بار اور فون کرنا چاہیے۔ میں کوئی ایسی کال ریکارڈ کرنا چاہتا تھا جو میں اپنے کزنز کو سناؤں تو یہ جتا سکوں کہ میں نے کوئی معمولی کام نہیں کیا۔

لیکن جو بات چیت میں نے چیلنج کے طور پر شروع کی تھی۔ وہ میری زندگی کا حاصل بن گئی۔ میں سارا دن صرف تم سے بات کرنے کا انتظار کیا کرتا تھا۔ تمہاری کئی کالز ٹیپ کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں تمہارا فون کسی کو سنانا ہی نہیں چاہتا، ہر کال کو میں اس لیے ریجیکٹ نہیں کرتا کہ اس میں کوئی چونکانے والی بات نہیں ہے۔ بلکہ میں ہر کال کو اس لیے رد کرتا ہوں۔ تاکہ دوبارہ تم سے بات کرنے کا بہانہ مل جائے۔

بہت بار میں نے سوچا کہ تمہیں سچ بتادوں۔ لیکن پھر خیال آتا اس طرح تو تم مجھ سے بات کرنا ہی چھوڑ دو گی۔ میں نے کہا تھا نا میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ لیکن جھوٹ کی بنیاد پر کوئی رشتہ کب تک قائم رہ سکتا ہے۔ آخر کار تم سمجھ ہی گئیں۔ تب ہی تم نے میرا فون اٹینڈ کرنا چھوڑ دیا۔ محض ان چند دنوں میں ہی تم سے

بات کیے بغیر میرا ایک ایک لمحہ کیسے گزرا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا۔ لیکن میں صرف یہ سوچ کر خاموش ہو گیا تھا کہ تمہارے گھر میں کسی نے تمہیں مجھ سے بات کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ہو سکتا ہے اسی وجہ سے تم احتیاط کر رہی ہو۔ ایک بار تم اس ڈپریشن سے نکل آؤ' پھر میں تم سے صاف بات کروں گا۔ لیکن جب بینش نے مجھے بتایا تمہاری شادی ہو رہی ہے' تب میں خود کو روک نہ سکا۔ ردا میں شاید کبھی تمہارے سامنے آکر یہ سب کہنے کی ہمت نہ کر پاتا' لیکن میں تمہیں کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔"

"شٹ اپ۔"

ردا کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کر ڈالے۔ اس نے ردا کا فون ریکارڈ کیا تھا۔ تاکہ اپنے کزنز کو سنا سکے اور انہیں دکھا سکے کہ میں کتنی آسانی سے اس لڑکی کو بے وقوف بنا رہا ہوں۔ حالانکہ اس لڑکی کا منگیتر اس کا سگا خالہ زاد ہے۔ پھر بھی میں نے ایسے شاطر دماغ کے ساتھ بازی کھیلی کہ اس لڑکی کو ایک لمحے کے لیے احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔

وہ بینش کی رگ رگ سے واقف تھی۔ الیاس بھلے اسے نہیں بتا رہا تھا' مگر ردا کو اچھی طرح پتا تھا کہ بینش نے الیاس سے کیا کہا ہو گا۔

اس دن ولید کے گھر سے آکر وہ بہت ڈپریس تھی اور اسی ڈپریشن میں جب اگلے دن بینش نے اس کی وجہ پوچھی تب ردا نے غم و غصے کی حالت میں اس کے کزن کو کافی کچھ کہہ دیا تھا۔ اسے یاد تھا اس نے بڑی تلخی سے کہا تھا۔

"ایسا کون سا کارنامہ انجام دے دیا تھا اس نے جس پر وہ اتنا اترا رہا تھا۔"

اور یہ کہ۔۔۔

"ایسی کون سی بہادری کا مظاہرہ کر دیا ہے' یہ کام تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔"

اس کی کہی یہ سب باتیں بینش نے اپنی عادت کے مطابق بہت سارے اضافے کے ساتھ الیاس کو بتائی ہوں گی۔ تب ہی اس کے کزنز نے اس کا خوب ریکارڈ لگایا ہو گا۔ جس کے نتیجے کے طور پر وہ اس سے بڑا کارنامہ انجام دینے کے لیے میدان میں کود پڑا اور یہ کام اس کے لیے واقعی بائیں ہاتھ کا کھیل ثابت ہوا تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ عقل مند دشمن' بے وقوف دوست سے بہتر ہوتا ہے۔ اس کے ہمراز' اس کی زندگی کی ہر بات' اس کی تمام کمزوریوں اور تمام ترجیحات سے باخبر اس کی دوست کا تعاون جو اسے حاصل تھا۔

لیکن اس میں غلطی بینش کی بھی نہیں تھی۔ سارا قصور اس کا اپنا تھا۔ بینش کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ ہونے کے باوجود اس نے اپنے اور ولید کے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا۔ جس راز کو انسان خود راز نہیں رکھ سکتا۔ اسے کوئی دوسرا بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکتا اور بینش تو وہ ہستی تھی جو سامنے والے کو چوراہے پر لا بٹھاتی تھی۔ وہ تو ان تمام دوستوں کی ساری باتیں گھر جا کر سب کو بتاتی ہو گی جو باتیں دلچسپی کی حامل ہوں وہ لڑکے بھی بیٹھ کر سن لیتے ہوں گے اور اگر دلچسپی کا عنصر کم ہوتا ہو گا یا کوئی کسر رہتی ہو گی تو بینش اپنی طرف سے ڈھیر سارا مواد شامل کر کے پورا کر دیتی ہو گی۔

ردا بیک وقت حیرت' دکھ' صدمے اور تذلیل کے احساس سے ادھ موئی ہو گئی تھی۔ وہ الیاس کو بے بھاؤ کی سنا دینا چاہتی تھی۔ مگر وہ ایسی کسی خواہش پر عمل کرنے کے قابل نہیں تھی۔ ورنہ جو آنسو اس نے بمشکل روک رکھے تھے وہ چھلک پڑتے اور وہ اس کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے تیزی سے گھر کی طرف مڑ گئی۔ اسے اس بات کا بھی ہوش نہیں تھا کہ اس کی بس آکر گزر بھی گئی وہ صرف جلد سے جلد یہاں سے چلی جانا چاہتی تھی۔ مگر الیاس اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس کے راستے میں آکھڑا ہوا۔

"ردا میں جانتا ہوں تمہیں بہت دکھ ہوا ہے' اگر تمہاری شادی اتنی ایمرجنسی میں نہ ہو رہی ہوتی تو میں تمہیں ہرگز اس طرح پریشان نہ کرتا۔ تمہیں ولید کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کرنا ہو گا۔" وہ سائیڈ سے

کترا کر نکل جانا چاہتی تھی۔ مگر الیاس کی بات نے اس کے قدم زمین پر جکڑ لیے۔ وہ ایسے الیاس کو دیکھنے لگی جیسے اپنی سماعت پر شک ہو رہا ہو یا اس کی دماغی حالت پر، جبکہ وہ اس کے ردعمل کی پروا کیے بغیر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتا رہا۔

"ولید کو تمہاری ضرورت ہے، نہ تمہاری قدر، وہ تمہارے قابل ہی نہیں ہے۔"

"اور تم میرے قابل ہو۔"

ردا رونا دھونا بھول کر تڑخ کر بولی۔

"تم جو میرے جذبات سے کھیلتے رہے۔ مجھے بے وقوف بناتے رہے، کیا تم میرے قابل ہو؟ اگر تمہیں میرے ساتھ فلرٹ کرنا تھا تو اپنے نام اور اپنی اصل پہچان کے ساتھ میرے سامنے آتے اور پھر دیکھتے کہ میں تمہارے ساتھ بات کرنے کے لیے تیار ہوتی یا نہیں۔

جو شخص میرا فون ٹیپ کرے، تاکہ اپنے کزن کو سنا کر ایک چیلنج جیت سکے اور اپنی دھاک بٹھا سکے وہ میری نظروں میں کبھی معافی کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ نہ کل، نہ آج اور نہ آنے والے کل میں۔"

ردا کے لہجے میں اتنی نفرت تھی کہ الیاس کچھ لمحوں کے لیے کچھ بول ہی نہ سکا۔ بڑی دیر بعد اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"لیکن وہ کالز میں نے کسی کو سنائیں نہیں۔"

"تو کیا احسان کیا؟ یہ بھی تو تمہارا ہی بیان ہے کہ تم نے کسی کو نہیں سنائیں اور اگر سنا بھی دیتے تو کیا فرق پڑتا، میں نے بھی تم سے کوئی قابل اعتراض بات نہیں کی۔ ہاں میری غلطی بس اتنی ہے کہ مجھے تم سے بات کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔"

نہایت برہمی سے شروع کیے جملے کو ختم کرنے تک اس کے لہجے میں یاسیت گھل گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھومنے لگا جب اس نے بڑے فخر کے ساتھ سر اٹھا کر بینش کے سامنے مذہب اخلاق اور محرم نامحرم کی تقریر جھاڑی تھی، لیکن ولید کی طرف سے آنے والے ایک فون نے اس کے سارے فلسفے بھلا دیے۔ غلطی تو خود اس کی تھی۔ وہ دوسروں کو کیا الزام دیتی، پہلی بار جب الیاس نے فون کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ تب ہی اس نے دل کی فریاد سننے کی بجائے دماغ کا استعمال کرتے ہوئے کہہ دیا ہوتا۔

"آپ امی، ابو سے پوچھ لیں، اجازت دینے کا حق میرے پاس نہیں ہے۔"

تو یہ معاملہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا۔ الیاس کی جگہ اگر سچ مچ ولید بھی ہوتا، تب بھی اس کا بھرم رہ جاتا، وہ ولید کی نظروں میں بھی محترم رہ جاتی اور خود اپنی نظروں سے بھی گرنے سے بچ جاتی۔ اب کل کو یہ سب بینش کو بھی پتا چل گیا تو وہ تو ساری کلاس کو خبر کر دے گی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ کچھ کھا کر خود کو ختم کر لے، لیکن اگر اس نے ولید کو پہلے دن ہی ایسا کوئی جواب دیا ہوتا تو اول تو ولید، ابو سے اجازت مانگنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ دوم ابو ایسی کوئی فرمائش کبھی منظور نہ کرتے اور یہی تو وہ اس وقت نہیں چاہتی تھی۔

اس کے چہرے پر پھیلتا ملال دیکھ کر الیاس کچھ مضطرب سا دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ عجیب بے بسی سے بولا۔

"ردا میں اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں۔ پلیز میرا یقین کرو پہلی بار میں نے تمہیں ہرانے کے لیے ہی فون کیا تھا۔ مگر پھر میں خود ہی تمہارے آگے ہار گیا اور اس حقیقت سے تو تم بھی انکار نہیں کر سکتیں کہ ولید نے تم سے کبھی محبت نہیں کی، تمہیں اس کے رویے نے ہمیشہ چوٹ پہنچائی تھی۔ شادی کے بعد بھی اس کا رویہ ایسا ہی رہے گا۔ کیونکہ وہ ہے ہی ایسا سرد، سپاٹ اور جذبات سے عاری۔ پھر آخر تم اس سے شادی کیوں کرو کیا ساری زندگی اس کے ہاتھوں دی گئی اذیت سہنے کے لیے۔ وہ ایسے ہی تمہاری ذات سے لاتعلق بنا رہے گا، جبکہ میں تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا، تمہارا اتنا خیال رکھوں گا کہ تم ولید کو بھول جاؤ گی۔ ولید تو کیا دنیا کا کوئی بھی شخص تمہیں مجھ سے زیادہ پیار نہیں کر سکتا۔"

ردا کو خود نہیں پتا تھا اس میں اتنی ہمت کہاں سے آئی' اس نے بغیر سوچے سمجھے ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر مارا تھا اور کا ردعمل دیکھے بغیر تیزی سے کتراتی ہوئی اپنے گھر کی طرف دوڑ پڑی۔

اس کے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ گھر پہنچ کر اس نے بمشکل امی اور بھابھی کو یہ کہہ کر مطمئن کیا کہ وہ بس میں چڑھتے ہوئے گر گئی۔ امی تو سنتے ہی فکر مند ہو گئیں۔ وہ پہلے ہی اس کے کالج جانے کے حق میں نہیں تھیں۔ اب تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔ ردا بغیر کوئی بحث کیے بے آواز روتی رہی اور اتنی دیر تک روتی رہی کہ امی کو اسے ٹوکنا پڑا۔

"آخر ایسی کون سی چوٹ لگ گئی جو تم روئے ہی چلی جا رہی ہو۔"

"کبھی کبھی گرنے کا احساس چوٹ سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔"

ردا کے دھیرے سے کہنے پر امی سندس بھابھی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں' جیسے اس کی بات کا مطلب پوچھ رہی ہوں۔

"ارے چھوڑیں امی' اسے کوئی چوٹ ووٹ نہیں آئی۔ بس سے گر کر ڈر گئی ہے کہ اگر کوئی داغ یا نشان پڑ جاتا تو شادی خراب ہو جاتی۔"

بھابھی کے شرارت بھرے جملے پر اس کا دل کٹ گیا تھا۔

اپنے کمرے میں جا کر بھی وہ کافی دیر تک روتی رہی تھی۔ مگر اتنے آنسو بہا کر بھی اس کا دل ہلکا نہیں ہوا تھا۔ امی اور بھابھی نے اسے خالہ کے پاس اسپتال چلنے کے لیے کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ وہ یہی سمجھے کہ وہ ولید کا سامنا کرنے سے کترا رہی ہے اور یہ بات بالکل صحیح بھی تھی۔ مگر اس کی وجہ کوئی حجاب نہیں' بلکہ ایک اضطراب تھا۔ الیاس کی باتوں نے اس کا ذہن بری طرح منتشر کر دیا تھا۔ وہ واقعی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی تھی کہ ولید کا رویہ شادی کے بعد بھی ایسا ہی رہے گا۔ کیونکہ واقعی اس کا مزاج ایسا ہی تھا سرد' سپاٹ اور جذبات سے عاری۔

"دنیا کا کوئی بھی شخص تمہیں مجھ سے زیادہ پیار نہیں کر سکتا۔"

الیاس کا بھرپور یقین سے کہا گیا جملہ بار بار اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ وہ بے اختیار آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوتی' اپنا اجڑا ہوا عکس دیکھ کر اس کا تاسف بڑھنے لگا۔

"تو کیا میں بھی یہی چاہتی ہوں۔"

اسے صرف دوسروں نے ہی نہیں خود نے بھی بہت مایوس کیا تھا۔ وہ بچپن سے ولید کو چاہتی تھی اور آج جبکہ اسے پانے کا وقت آیا تھا تو اس کی چاہت بدل گئی تھی۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ محبت بانٹنے سے بڑھتی ہے۔ یکطرفہ محبت کو کوئی کب تک نباہ سکتا ہے۔

"تو کیا تم اسے معاف کر دو گی۔"

اسے لگا جیسے آئینہ اس سے سوال کر رہا ہو۔

جس نے تمہیں دھوکا دیا' تمہارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اور تمہاری لاعلمی کا فائدہ اٹھایا' اس کے ایک اقرار پر تم سب کچھ بھول بھال کر اسے قبول کر لوگی؟"

ردا کا سر آہستہ آہستہ نفی میں ہلنے لگا۔ اس نے بڑی بے دردی سے اپنے گالوں پر بہتے آنسوؤں کو دونوں ہتھیلیوں سے رگڑ رگڑ کر پونچھ لیا۔ اپنی انا کی ہار اسے کسی طور منظور نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

خالہ جان اسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آئیں تو دونوں طرف شادی کی تیاریوں نے زور پکڑ لیا۔ حالانکہ پہلے ان کا ارادہ سادگی سے نکاح کر دینے کا تھا۔ مگر خالہ جان کے ہزاروں ارمان جاگ اٹھے تھے۔ ان کی بے قراری ایسی تھی جیسے بس کسی بھی وقت انہیں کچھ ہو جائے گا۔ اس لیے وہ اپنی ساری حسرتیں نکال لینا چاہتی تھیں۔ ردا خاموش تماشائی بنی یہ سب دیکھ رہی تھی کہ ابو نے ایک دن اسے اپنے کمرے میں بلا کر حیران کر دیا۔

انہوں نے اس کی مرضی پوچھنے کے لیے اسے بلایا اور وہ ہونقوں کی طرح ان کی شکل دیکھتی رہی تھی

شادی میں چند دن باقی تھے اور وہ اس سے اس کی رائے مانگ رہے تھے اس کی آنکھوں میں تحریر سوال پڑھ کر وہ گہرا سانس کھینچتے ہوئے کہنے لگے۔

"دراصل تم جس زندگی کی عادی ہو شاید ولید تمہیں ویسی زندگی نہ دے سکے۔ پہلے میری نظر میں ان آسائشوں کی اہمیت نہیں تھی لیکن جیسے جیسے شادی کا وقت قریب آرہا ہے مجھے لگ رہا ہے تمہارے ساتھ کہیں کچھ غلط ہو رہا ہے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ابو آپ کو خوامخواہ وہم ہو رہا ہے۔"

ردا کو کچھ تو کہنا ہی تھا اس کی بات پر وہ پرسوچ انداز میں ایسے بولے جیسے اپنے آپ سے کہہ رہے ہوں۔

"مجھے وہم نہیں ہو رہا اصل میں ولید کا رویہ بہت عجیب ہے وہ کہہ رہا تھا اگر پڑھائی کرو گی تو اس کی ماں کی خدمت کون کرے گا ماں کی خدمت اپنی جگہ لیکن تم کوئی۔۔۔ میرا مطلب ہے تمہاری پڑھائی اس لیے چھڑوا دینا کہ۔۔۔"

ابو ایسے چپ ہو گئے جیسے اپنا موقف سمجھانے کے لیے مناسب الفاظ کا چناؤ کر رہے ہوں حالانکہ ردا ان کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہی تھی انہیں ردا کے خالہ جان کی خدمت کرنے سے کوئی پریشانی نہیں تھی بلکہ ان کے تفکر کی وجہ ولید کی ہٹ دھرمی تھی۔

"میں اس شادی کے لیے اتنی جلدی کبھی نہیں مانتا اگر تمہاری خالہ جان اتنا اصرار نہ کرتیں حالانکہ ان کی حالت تو اب کافی سنبھل گئی ہے ہمیں یہ شادی ولید کے جاب پر لگ جانے کے بعد ہی کرنی چاہیے جو لڑکا خود والدین پر انحصار کرتا ہو اس کے ساتھ کسی لڑکی کی شادی کر دینا اس لڑکی پر ایک طرح کا ظلم ہوتا ہے اس کی سسرال میں عزت بھی خراب ہوتی ہے اور وہ اپنے ہی گھر میں ہر چیز ایک احسان کی طرح شرمندگی کے ساتھ استعمال کرتی ہے اور تم تو اتنی حساس ہو اور پھر اتنی آسائشوں میں رہی ہو کہ تمہارے لیے۔۔۔"

ابو رک کر اس کی شکل دیکھنے لگے جو خاموشی سے اپنا سر جھکا گئی تھی اس کے چپ رہنے پر ابو رسانیت سے کہنے لگے۔

"ہم اس شادی کو ابھی بھی ٹال سکتے ہیں بلکہ اگر تم کہو تو رشتہ ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔"

ردا حیرانی سے سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی جو بڑی سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"ولید کو میں کافی سلجھا ہوا انسان سمجھتا تھا مگر ان کچھ دنوں میں وہ کافی سخت اور بے لچک قسم کا شخص ثابت ہوا ہے جبکہ تم ہر بات کو بہت گہرائی سے سوچنے والی ہو تمہارا اس کے ساتھ گزارا کیسے ہوگا۔"

ابو پھیکے سے انداز میں مسکرا دیے بھابھی نے اسے بتایا تھا کہ ولید کو جب ابو نے جاب دلانے کی بات کی تو اس نے انہیں بھی انکار کر دیا انہوں نے تو صرف انکار کا بتایا تھا لیکن اب ابو کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے کافی روڈ طریقے سے ابو کو منع کیا ہوگا۔ وہ بھلے ہی اسے اپنی خودداری سمجھ رہا ہو لیکن کسی بھی والدین کو ایسا رویہ اندیشوں میں ہی مبتلا کرے گا وہ تو اپنی بیٹی کے قدموں میں ہر نعمت ڈھیر کر دینا چاہتے ہیں اور پھر ولید ان کا اپنا بھانجا یا بھتیجا تھا خالہ جان کی طبیعت اگر خراب تھی یا ردا کو سوپنا ان کی شدید خواہش تھی تب بھی وہ ابو کی نظر میں ان کی اولاد سے زیادہ اہم نہیں ہو سکتی تھی۔

"ابو آپ کیوں بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں رات بہت ہو گئی ہے سو جائیں۔"

وہ ان کے تفکر کو سمجھ رہی تھی اس لیے ان کی ہتھیلی کی پشت تھپتھپا کر ایک طرح سے بات ٹالتے ہوئے اٹھ گئی۔

اس نے وہاں سے اٹھنے سے پہلے انہیں تو مطمئن کر دیا لیکن اپنے کمرے میں آکر اپنے اندر اٹھتے طوفان کو نہ دبا سکی ورنہ ابو کے پوچھنے پر اس کے دل میں شدت سے خواہش ابھری تھی کہ اس شادی سے صاف انکار کر دے پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ الیاس کا حصول اس کے لیے اس قدر آسان ہے اگر وہ ایک بار ان کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر دیتی تو وہ اس پر کوئی بھی فیصلہ تھوپنے سے پہلے الیاس سے ایک

شادی میں چند دن باقی تھے اور وہ اس سے اس کی رائے
مانگ رہے تھے اس کی آنکھوں میں تحریر سوال پڑھ کر
وہ گہرا سانس کھینچتے ہوئے کہنے لگے۔

"دراصل تم جس زندگی کی عادی ہو شاید ولید
تمہیں ویسی زندگی نہ دے سکے۔ پہلے میری نظر میں ان
آسائشوں کی اہمیت نہیں تھی لیکن جیسے جیسے شادی کا
وقت قریب آرہا ہے مجھے لگ رہا ہے تمہارے ساتھ
کہیں کچھ غلط ہو رہا ہے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ابو آپ کو خوامخواہ
وہم ہو رہا ہے۔"

روا کو کچھ تو کہنا ہی تھا اس کی بات پر وہ پرسوچ انداز
میں ایسے بولے جیسے اپنے آپ سے کہہ رہے ہوں۔

"مجھے وہم نہیں ہو رہا اصل میں ولید کا رویہ بہت
عجیب ہے وہ کہہ رہا تھا تم اگر پڑھائی کرو گی تو اس کی ماں
کی خدمت کون کرے گا ماں کی خدمت اپنی جگہ لیکن
تم کوئی.... میرا مطلب ہے تمہاری پڑھائی اس لیے
چھڑوا دینا کہ...."

ابو ایسے چپ ہو گئے جیسے اپنا موقف سمجھانے کے
لیے مناسب الفاظ کا چناؤ کر رہے ہوں حالانکہ روا ان کا
مطلب اچھی طرح سمجھ رہی تھی انہیں روا کے خالہ
جان کی خدمت کرنے سے کوئی پریشانی نہیں تھی بلکہ
ان کے تفکر کی وجہ ولید کی ہٹ دھرمی تھی۔

"میں اس شادی کے لیے اتنی جلدی کبھی نہیں مانتا
اگر تمہاری خالہ جان اتنا اصرار نہ کرتیں حالانکہ ان کی
حالت تو اب کافی سنبھل گئی ہے ہمیں یہ شادی ولید
کے جاب پر لگ جانے کے بعد ہی کرنی چاہیے جو لڑکا
خود والدین پر انحصار کرتا ہو اس کے ساتھ کسی لڑکی کی
شادی کر دینا اس لڑکی پر ایک طرح کا ظلم ہوتا ہے اس
کی سسرال میں عزت بھی خراب ہوتی ہے اور وہ اپنے
ہی گھر میں ہر چیز ایک احسان کی طرح شرمندگی کے
ساتھ استعمال کرتی ہے اور تم تو اتنی حساس ہو اور پھر
اتنی آسائشوں میں رہی ہو کہ تمہارے لیے...."

ابو رک کر اس کی شکل دیکھنے لگے جو خاموشی سے
اپنا سر جھکا گئی تھی اس کے چپ رہنے پر ابو رسانیت
سے کہنے لگے۔

"ہم اس شادی کو ابھی بھی ٹال سکتے ہیں بلکہ اگر تم
کہو تو رشتہ ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔"

روا حیرانی سے سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی جو بڑی
سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"ولید کو میں کافی سلجھا ہوا انسان سمجھتا تھا مگر ان
کچھ دنوں میں وہ کافی سخت اور بے لچک قسم کا شخص
ثابت ہوا ہے جبکہ تم ہر بات کو بہت گہرائی سے سوچنے
والی ہو تمہارا اس کے ساتھ گزارا کیسے ہوگا۔"

ابو پھیکے سے انداز میں مسکرا دیے بھابھی نے اسے
بتایا تھا کہ ولید کو جب ابو نے جاب دلانے کی بات کی تو
اس نے انہیں بھی انکار کر دیا انہوں نے تو صرف انکار
کا بتایا تھا لیکن اب ابو کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ
اس نے کافی روڈ طریقے سے ابو کو منع کیا ہوگا۔ وہ بھلے
ہی اسے اپنی خودداری سمجھ رہا ہو لیکن کسی بھی والدین
کو ایسا رویہ اندیشوں میں ہی مبتلا کر دے گا وہ تو اپنی بیٹی
کے قدموں میں ہر نعمت ڈھیر کر دینا چاہتے ہیں اور پھر
ولید ان کا اپنا بھانجا یا بھتیجا تھا خالہ جان کی طبیعت اگر
خراب تھی یا روا کو سونپنا ان کی شدید خواہش تھی تب
بھی وہ ابو کی نظر میں ان کی اولاد سے زیادہ اہم نہیں
ہو سکتی تھی۔

"ابو آپ کیوں بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں رات
بہت ہو گئی ہے سو جائیں۔"

وہ ان کے تفکر کو سمجھ رہی تھی اس لیے ان کی
ہتھیلی کی پشت تھپتھپا کر ایک طرح سے بات ٹالتے
ہوئے اٹھ گئی۔

اس نے وہاں سے اٹھنے سے پہلے انہیں تو مطمئن
کر دیا لیکن اپنے کمرے میں آکر اپنے اندر اٹھتے طوفان
کو نہ دبا سکی ورنہ ابو کے پوچھنے پر اس کے دل میں
شدت سے خواہش ابھری تھی کہ اس شادی سے
صاف انکار کر دے۔ پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ
الیاس کا حصول اس کے لیے اس قدر آسان ہے اگر وہ
ایک بار ان کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر دیتی تو وہ
اس پر کوئی بھی فیصلہ تھوپنے سے پہلے الیاس سے ایک

بار ملاقات ضرور کرتے بینش کا فیملی بیک گراؤنڈ کافی اچھا تھا اگر وہ ان کے معیار پر پورا اترتا تو وہ سارے خاندان کی پروا کیے بغیر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتے۔

اصل میں وہ بینش کو بہت اچھی طرح جانتی تھی جب وہ بولنے پر آتی تو اگلے پچھلے سارے حساب بے باق کر دیتی الیاس اس کا کزن تھا اور اسے تنگ کرنے کے ارادے سے اس نے ردا پر رکھ کر اسے اتنا کچھ سنایا ہوگا کہ وہ اندر تک سلگ گیا ہوگا اور نتیجے کے طور پر ایک چیلنج کی طرح اس کے سامنے آکھڑا ہوا مگر جلد ہی اسے نہ صرف اپنی غلطی کا احساس ہو گیا بلکہ بینش کی غلط بیانی کا بھی اندازہ ہو گیا۔

یہ سب سوچتے ہوئے ردا کے دل میں اسے معاف کر دینے کی خواہش سر اٹھانے لگی آخر غلطی اس کی اپنی بھی تو تھی اسے ولید سمجھ کر اس سے باتیں کرتے ہوئے ردا نے کون سی بہت بڑی شرافت کا ثبوت دے دیا تھا اس نے ردا کو مجبور نہیں کیا تھا ردا نے خود ہی اسے اتنا آگے بڑھنے کا موقع دیا تھا مگر وہ اس کے سامنے جھکنے پر کسی قیمت پر تیار نہیں تھی یہ اور بات تھی کہ اس کی بے کلی میں اضافہ ہو گیا تھا اور یہ اضافہ اس وقت شدید پچھتاوے کی شکل اختیار کر گیا جب اگلے دن بینش اس کے گھر چلی آئی۔

بینش کو دیکھتے ہی اس کا دل چاہا وہ کھڑے کھڑے اسے اپنے گھر سے نکال دے مگر امی اور بھابھی کے پرتپاک استقبال پر وہ صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئی اور تھوڑی دیر بعد وہ خود پر اتنا ضبط کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی وہ اس سے کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ بینش کو بتانے کی صورت میں اس حادثے کی شہرت پورے کالج میں ہو جاتی مگر اس وقت ردا کا خون کھول اٹھا جب اسے پتا چلا کہ الیاس نے اسے سب بتا دیا ہے اور وہ یہاں محض اس سے بات کرنے آئی ہے اس کے ذکر چھیڑتے ہی ردا پھٹ پڑی تھی اس نے بینش کو صفائی کا کوئی موقع نہیں دیا اور اسے بے نقط سنا ڈالی۔

"میری بات تو سنو ردا میرا کوئی قصور نہیں ہے مجھے تو الیاس بھائی نے کل ہی بتایا ہے تم مجھے چاہے جو بھی کہہ دو لیکن الیاس بھائی کو معاف کر دو وہ تمہارے لیے بہت سیریس ہیں تم ایک بار ان کی بات تو سن لو تم نے تو گھر کا فون بھی اٹینڈ کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

"بینش تمہیں شرم آنی چاہیے اپنے کزن کی حمایت کرتے ہوئے تم خدا کے لیے یہاں سے چلی جاؤ ورنہ میں تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکال دوں گی چاہے اس کے بعد مجھے امی اور بھابھی کو سب بتانا پڑے۔"

ردا نے نہایت درشتگی سے کہتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول دیا بینش کچھ دیر اس کی شکل دیکھتی رہی پھر ایک جھٹکے سے اپنا پرس اٹھاتی باہر کی طرف بڑھ گئی مگر کمرے سے نکلتے وقت وہ دروازے کے پاس رکی ضرور... تھی۔

"میں تمہارے بھلے کے لیے ہی تمہیں سمجھا رہی تھی تمہیں نہیں پتا الیاس بھائی تمہیں پانے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں تم خود اس شادی سے انکار کر دیتیں تو زیادہ بہتر تھا ورنہ وہ اس شادی کو رکوانے کے لیے تمہاری ریکارڈ فون کالز تمہارے منگیتر کو ارسال کر دیں گے۔"

بینش اپنی بات کہہ کر رکی نہیں اور تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔

ردا کو لگا وہ جاتے جاتے اس کے قدموں سے زمین بھی کھینچ لے گئی ہو وہ بے جان انداز میں دروازہ بند کر کے وہیں ہینڈل پکڑے پکڑے زمین پر بیٹھ گئی۔

آخر دکھا دی نا اس نے اپنی اصلیت' اتر آیا نا وہ بلیک میلنگ پر' حالانکہ کتنے دعوے سے کہہ رہا تھا کہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا تمہارا اتنا خیال رکھوں گا کہ تم ولید کو بھول جاؤ گی۔

وہ انسان جو صرف اپنی خواہشوں کو ترجیح دینا جانتا ہے وہ کسی دوسرے کو خوش رکھ ہی نہیں سکتا مگر وہ اسے اس کے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دے گی اس سے پہلے کہ وہ ولید کو کیسٹ ارسال

کرے وہ خود ولید کو ساری سچائی سے آگاہ کردے گی تاکہ اگر ولید کو انکار کرنا ہے تو وہ ابھی کردے کم از کم عین نکاح کے وقت تو تماشا نہیں ہوگا ورنہ الیاس سے کیا بعید وہ ٹھیک شادی والے دن پارسل بھیج دے گا آخر ردا نے اتنا زوردار تھپڑ مارا تھا اس کا بدلہ بھی تو زوردار ہونا چاہیے۔

ردا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی اس سے پہلے کہ اس کا ارادہ ڈگمگا جاتا یا ولید کا متوقع ردعمل اور اپنی بدنامی کا ڈر اس کے فیصلے اور عمل کے بیچ دیوار بن جاتا اس نے ساری حقیقت قلم بند کردی اس نے کچھ بھی نہ چھپایا بھلے ہی وہ انجانے میں ایک گھٹیا مذاق کا حصہ بن گئی تھی مگر اس کی ذات اتنی معصوم بھی نہیں تھی بینش پر بھروسا کرنے سے لے کر اپنے گھر والوں کے بھروسے کی دھجیاں اڑاتے ہوئے جس طرح ساری ساری رات وہ اس سے ہم کلام رہتی تھی وہ سب اس نے پوری ایمانداری سے ایک کاغذ پر تحریر کردیا۔

وہ اس خط کو اپنے ہاتھوں سے ولید کے حوالے کرنا چاہتی تھی تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی کی گنجائش نہ رہے اور یہ کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں تھا اس نے خالہ جان کے گھر فون کرکے حمید سے کہہ دیا کہ امی کو ولید سے کوئی کام ہے وہ شام میں گھر آجائیں اسے معلوم تھا شام میں امی اور بھابھی بازار جائیں گی تب بڑی آسانی سے وہ خط ولید کے حوالے کردے گی اور یہی ہوا۔

ڈور بیل بجتے ہی ردا خط لے کر دروازے پر پہنچ گئی آج دروازہ کھولنے سے پہلے وہ آواز لگا کر پوچھنا نہیں بھولی تھی اور ولید کے جواب دینے پر دروازہ کھولتے وقت اس کی آنکھیں حقیقتاً" بھر آئیں کبھی یہ شخص اس کے لیے اتنا اہم ہوتا تھا پھر درمیان میں یہ سب کچھ کیوں ہوگیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو اس پر ترجیح دینا چاہنے لگی جو اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھانے اور اسے دھمکانے پر اتر آیا تھا۔

ردا نے بڑے عجیب سے احساسات کے ساتھ دروازہ کھولا اور اسے کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"امی نے آپ کو نہیں بلایا تھا میں نے حمید سے جھوٹ بولا تھا میں آپ کو یہ دینا چاہتی تھی آپ اسے گھر لے جاکر پڑھیے گا اسے پڑھنے سے پہلے میں آپ کو گھر میں بلانا نہیں چاہتی اور اسے پڑھنے کے بعد شاید آپ گھر میں آنا نہ چاہیں۔"

اس کی طرف دیکھے بغیر ردا نے بالکل رٹے ہوئے انداز میں کہہ کر ولید کا ردعمل جاننے کی کوشش بھی نہیں کی اور دروازہ بند کردیا۔

وہ ولید کی طرف سے جتنے شدید ردعمل کی امید کررہی تھی اس کی جانب سے اتنی ہی خاموشی چھائی تھی یہاں تک کہ شادی کا دن بھی آپہنچا وہ تو سب کہہ کر اس قصے کو آر یا پار کردینا چاہتی تھی مگر یہاں تو "پتا نہیں کیا ہوگا" کا خطرہ تلوار کی طرح سر پر لٹک رہا تھا اس پر نکاح ہونے کے بعد جب وہ اسٹیج پر آکر بیٹھا تو اس کا مطمئن چہرہ دیکھ کر ردا مزید الجھ گئی۔

آج بھی وہ بہت شوخ تو نہیں ہورہا تھا مگر اس کے انداز میں کسی قسم کی ناگواری بھی نہیں تھی ردا کا دل چاہ رہا تھا ساری شرم و حیا ایک طرف رکھ کر اس سے ابھی سوال جواب شروع کردے اس کا ذہن اتنا الجھا ہوا تھا کہ اسے بالکل علم نہیں تھا کون اسے مبارک باد اور دعاؤں کے کیا کلمات کہہ رہا تھا اور کون کیا سلامی دے رہا تھا اس کی یہ غیر حاضر دماغی ولید نے بھی محسوس کرلی تھی تبھی اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔

"تم جاگ رہی ہو یا سورہی ہو۔"

ردا نے چونک کر اپنے اردگرد دیکھا کھانا سرو ہونا شروع ہوگیا تھا لہٰذا اسٹیج اس وقت خالی پڑا تھا۔

"تم نے مجھے وہ سب کیوں بتایا۔"

ولید کے آہستگی سے پوچھنے پر وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف دیکھنے لگی جو اپنے مخصوص انداز میں آگے کو جھکا بیٹھا تھا اس کی کہنیاں اس کے گھٹنوں پر ٹکی تھیں اور نظریں سامنے رکھی میز پر۔

"جب تک میں بے خبر تھا پرسکون تھا۔"

"میں آپ کو دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی۔"

ردا بے ساختہ بولی اسے امید نہیں تھی ولید اس

سے ابھی باز پرس شروع کردے گا اس نے اپنے ہاتھوں کی لغزش کو چھپانے کے لیے اپنی انگلیاں آپس میں پیوست کرلیں۔

"اس لیے جلدی سے پہلے سب بتادیا تاکہ میں چاہوں تو یہ شادی توڑ دوں حالانکہ میری اماں کا جوش و خروش دیکھ کر بھی تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ میرے لیے شادی سے پہلے بھی اس رشتے کو ختم کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا شادی کے بعد کسی کے لیے ہوسکتا ہے۔"

ولید کے ہلکے سے سر جھٹک کر کہنے پر ردا شرمندگی کے مارے کچھ بولنے کے قابل بھی نہ رہی اسے پتا تھا وہ ولید کو سب بتا کر اس کی نظروں میں اپنی عزت دو کوڑی کی کررہی ہے لیکن یہ سب بتانا اس کی خواہش نہیں اس کی مجبوری تھی وہ تو سرے سے اس کے علم میں کچھ لانا ہی نہیں چاہتی تھی مگر اسے صرف ایک فکر لاحق تھی کہ اگر ولید کو سب پتا چلنا ہی ہے تو یہ بات الیاس کے ذریعے معلوم ہونے سے اچھا ہے وہ خود اسے مطلع کردے۔

ان کے سامنے رکھی میز پر بھابھی اور دوسرے رشتے داروں نے طرح طرح کے لوازمات لاکر رکھنے شروع کردیے تو وہ مزید کچھ نہ کہہ سکی اس کی بھوک پیاس تو کئی دنوں سے اڑی ہوئی تھی اس وقت تو کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو سے اسے متلی ہورہی تھی اس نے سب کے بہت اصرار پر بھی ایک لقمہ تک نہیں لیا سب یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ شرم اور تھکن کی وجہ سے انکار کررہی ہے سوائے ولید کے' جو آرام سے کولڈ ڈرنک کے سپ لیتے ہوئے اس کی پلکوں پر ٹکے آنسو کے ننھے سے قطرے کو دیکھتا رہا تھا یہاں تک کے سندس بھابھی کے شرارت سے ٹوکنے کا بھی اس نے خاطر خواہ نوٹس نہیں لیا یہ وہ چہرہ تھا جو ایک مدت سے اس کے سامنے تھا مگر جسے کبھی اس نے نظر بھر کر دیکھنا گوارا نہیں کیا اس لیے نہیں کہ اسے ایسی کوئی خواہش نہیں تھی بلکہ اس لیے کہ وہ اسے ایسی کوئی خوشی نہیں دینا چاہتا تھا مگر آج وہ ہر فکر سے آزاد ہو کر اپنی دیرینہ خواہش پوری کرسکتا تھا آج تو ویسے بھی یہ چہرہ ہمیشہ سے زیادہ حسین لگ رہا تھا صرف میک اپ نے ہی نہیں اس کی سوگواری نے بھی اس کے حسن کو بلا کی کشش عطا کردی تھی اور آج اس خوبصورتی کو آنکھوں کے ذریعے اپنے اندر جذب کرتے وقت اسے کسی قسم کے احساس کمتری نے پریشان نہیں کیا تھا ورنہ اپنی اس کزن کے سامنے اسے اپنا آپ ہمیشہ بہت کمتر لگتا تھا کیونکہ ان دونوں کی معاشی حیثیت میں بہت فرق تھا اس کے بڑے سے دو منزلہ شاندار سے گھر سے واپس آکر اسے ہمیشہ اپنا کرائے کا دو کمروں کا مکان اور بھی چھوٹا اور بالکل بھی اس کے شایان شان نہیں لگتا تھا تب اسے اپنا اور ردا کا مستقبل بھی اپنے ماں باپ کے حال جیسا نظر آتا اس کے گھر میں پیسوں کی تنگی کی وجہ سے اکثر لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے تھے تب ابا کی دبتی ہوئی شخصیت دیکھ کر وہ ہمیشہ یہی سوچتا تھا کہ ابا نے اتنے رئیس گھر کی لڑکی سے شادی کی ہی کیوں' جو ہر وقت انہیں ان کی کم مائیگی کا طعنہ دیتی رہتی ہیں اور انہیں یہ جتاتی رہتی ہیں کہ اپنے باپ کے گھر میں تو میں ایسے رہتی تھی اور ویسے رہتی تھی۔

حالانکہ اس کی ماں کا مزاج اتنا برا نہیں تھا اور تھوڑے بہت جھگڑے تو ہر گھر میں ہو ہی جاتے ہیں مگر ولید کی ذہنیت ایسی تھی کہ یہ سب دیکھ کر اس کے اندر اس سوچ نے جڑ پکڑلی کہ بیوی ہمیشہ خود سے کمتر لانی چاہیے تاکہ وہ کبھی شوہر کے سامنے سر نہ اٹھاسکے۔

مگر یہ اس کی قسمت تھی کہ ردا کو بچپن سے ہی اس سے منسوب کردیا گیا اور وہ ایک ایسی لڑکی تھی جسے کوئی نظر انداز کر ہی نہیں سکتا تھا صرف شکل و صورت ہی نہیں اس کی عادت مزاج اس کا اخلاق اور رکھ رکھاؤ سب ایسا تھا کہ ولید خود کو اس کے آگے بے بس محسوس کرتا تھا وہ اسے پانا ضرور چاہتا تھا مگر محبت وہ صرف اپنے آپ سے ہی کرتا تھا اسی لیے اس نے کبھی کسی مقام پر اس پر یہ نہیں جتایا تھا کہ وہ اس کے لیے رتی برابر بھی اہم ہے ایسا کرنے میں اسے اپنی انا کی شکست محسوس ہوتی تھی اس لیے جب ردا نے اسے

یہ خط دیا تو صرف لمحہ بھر کے لیے اسے تکلیف پہنچی تھی جبکہ اگلے ہی پل اسے اپنی انا کی تسکین ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

وہ لڑکی جسے حاصل کرنا اس کی شدید ترین خواہش تھی وہ لڑکی اسے بغیر جھکے مل رہی تھی بلکہ اس کی خواہش کے عین مطابق ایسے مل رہی تھی کہ زندگی بھر اس کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتی تھی اور یہ غرور بہرحال اسے ہی حاصل تھا کہ اگر اس نے کسی سے فون پر دوستی کی بھی تھی تو ولید کے دھوکے میں کی تھی اور یہ یقین تو اسے بچپن سے تھا کہ وہ ولید کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہے اپنے لیے اس کی محبت سے وہ بخوبی واقف تھا اور یہ احساس اسے اکثر مغرور بھی بنا دیتا اسی لیے وہ ہزار ہا پسندیدگی کے باوجود اس پر اس حقیقت کو کبھی ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا اگر وہ اس کے سامنے اپنی شکست کا اعتراف کر لیتا تو وہ غرور ردا کو بھی حاصل ہو جاتا جس تکبر میں وہ خود مبتلا تھا۔

اسی لیے اب بھی ردا کی طرف سے دل صاف ہونے کے باوجود اس نے اسے ایسے معاف کیا تھا جیسے یہ سب صرف اماں کی خوشی کے لیے کیا ہو اور ایسا کرنے کے بعد اسے یقین تھا کہ ردا کبھی اس کی کم حیثیت یا محدود وسائل اور آسائشوں کے فقدان کا گلہ نہیں کر سکے گی بلکہ ابھی تو اس کی سرے سے کوئی آمدنی ہی نہیں تھی وہ تو یہی سوچ کر پریشان تھا کہ جاب ڈھونڈ کے اعصاب شکن دور میں اسے ردا کے سامنے کتنی شرمندگی اٹھانی پڑے گی اور وہ اسے اور حقیر کرتے ہوئے اپنے باپ سے مدد مانگنے کا مشورہ دیتی رہے گی جبکہ اب اگر وہ اپنا کیریئر بنانے کے لیے ردا کے والد کی مدد لے بھی لے تب بھی اس کا پلہ بھاری ہی رہے گا کیونکہ ردا نے اسے اپنے راز میں شامل کر کے خود کو بالکل بے وزن کر دیا تھا وہ اس کے سامنے اتنی ہلکی ہو چکی تھی کہ ولید جب چاہتا گرم ہوا کے تھپیڑے جیسا ایک جملہ بول کر اس کی پوری شخصیت کو تنکوں کی طرح بکھیر سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیسی ہو ردا؟"

آٹھ سال بعد بھی اس آواز کو پہچاننے میں ردا کو ایک لمحہ نہیں لگا تھا۔

وہ اپنے بیٹے کے لیے ٹریک سوٹ خرید رہی تھی اور آٹھ سال بعد بھی اس آواز کو سن کر سوٹ کا سائز تلاش کرتے اس کے ہاتھ اپنی جگہ تھم گئے تھے بڑی مشکل سے اس نے پلٹ کر الیاس کی جانب دیکھا تھا جو بہت معمولی سے فرق کے باوجود بالکل ویسا ہی تھا حالانکہ ردا اس سے صرف دو بار ملی تھی اور دونوں بار اس نے الیاس کی شکل پر غور نہیں کیا تھا مگر اسے بخوبی معلوم تھا اس کی آواز کی طرح اس کے چہرے میں بھی ایک اپنائیت بھرا دلکش تاثر ہمہ وقت موجود رہتا تھا۔

"کیا پہچانا نہیں؟"

اس کی خاموشی پر وہ ہلکے سے مسکرا دیا ردا چپ چاپ اسے دیکھتی رہی نا پہچاننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جس شخص کے مذاق کا خمیازہ وہ آج تک بھگت رہی تھی بھلا اسے کیسے بھول سکتی تھی۔

ولید میں ہر خوبی موجود تھی اس نے بہت تیزی سے اپنا کیریئر سیٹ کرتے ہوئے ہر چیز اسے مہیا کر دی تھی سوائے اپنے آپ کے اور جب کبھی ردا کو لگنے لگتا کہ وہ اس کے دل میں اپنی تھوڑی سی جگہ بنا لینے میں کامیاب ہو گئی ہے تبھی وہ کوئی نہ کوئی دل چیر دینے والی بات کہہ کر اسے اس کی اوقات یاد دلا دیتا تب اس کا رویہ اسے سوچنے پر مجبور کر دیتا کہ اس کی غلطی اتنی بڑی تو نہیں تھی کہ اسے اتنی طویل سزا ملے جا رہی ہے جو حقیقتاً "مجرم تھا وہ تو اپنا گھر بسا کر عیش کی زندگی جی رہا ہو گا اور ردا نے اس کے انتقام سے بچنے کے لیے اپنے گھر کی بنیادوں کو ولید کا بھروسا جیتنے کی کوشش میں اتنا کمزور بنا دیا کہ نہ گھر بچا اور نہ بنیادیں اگر کچھ باقی رہا تو صرف ایک عذاب مسلسل۔

"تم نے میری وجہ سے اپنی دوست کو بھی چھوڑ دیا حالانکہ میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ بینش کا کوئی قصور نہیں ہے وہ تو کچھ جانتی بھی نہیں تھی اور تم نے اسے اپنے گھر سے دھکے دے کر نکال دیا۔"

الیاس پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں بولا ردا اس کی بات سنے بغیر آگے بڑھ جانا چاہتی تھی مگر لفظ "دوست" سن کر وہ خود کو کہنے سے روک نہ سکی۔

"بینش جیسی لڑکیاں کسی کی بھی دوست نہیں بن سکتیں جو دوستوں کی باتیں سر عام نشر کریں وہ دوست کہلانے کے قابل نہیں ہوتے تمہیں سمجھانے کی بجائے وہ تمہارا پیغام لے کر میرے پاس آئی تھی تو کیا میں اس کے قدموں میں پھول بچھاتی۔"

"وہ میرے کہنے پر تمہیں تمہاری امانت لوٹانے آئی تھی تمہارے تھپڑ نے مجھے بتا دیا تھا تم مجھ سے کتنی نفرت کرتی ہو اس لیے میں نے دوبارہ تم سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن میں چاہتا تھا تم اپنی نئی زندگی کی ابتدا ہر خوف و فکر سے آزاد ہو کر کرو اسی لیے میں نے تمہیں وہ کیسٹس واپس کر دیے تھے جن میں، میں نے تمہاری آواز ریکارڈ کی تھی تاکہ تم اپنے ہاتھوں سے انہیں ضائع کر دو میں نے بینش سے کہا تھا کہ تمہیں یقین دلا دے کہ میں نے تمہاری آواز کی کوئی کاپی اپنے پاس ریکارڈ کر کے نہیں رکھی لیکن تم نے میرا غصہ اس پر نکال دیا وہ صرف میری خاطر تمہارے پاس جانے کے لیے راضی ہوئی تھی اس نے تو یہاں تک کہا تھا کہ وہ تمہیں مجھ سے شادی کرنے کے لیے منا لے گی بلکہ مجھے خوش کرنے کے لیے اس نے مشورہ بھی دیا تھا کہ یہ فون کالز میں تمہیں واپس نہ کروں کیونکہ ان کے ذریعے میں تمہیں آرام سے شادی کے لیے مجبور کر سکتا ہوں اس کا خیال تھا تم اپنے منگیتر سے زیادہ میرے ساتھ خوش رہو گی یہ اور بات ہے کہ میں نے اس کا مشورہ سختی سے رد کر دیا تھا مگر جتنا تم نے اس کے ساتھ ناروا سلوک کیا تھا وہ اس کی مستحق نہیں تھی۔"

ردا سانس روکے الیاس کی بات سن رہی تھی اس کے سر پر آسمان بھی ٹوٹتا تو شاید اس کی ہستی اس طرح ڈھیر نہ ہوتی جس طرح اس کا وجود الیاس کے انکشاف پر پاش پاش ہوا تھا۔

ایک بار پھر اس نے بینش کو سمجھنے میں غلطی کر دی تھی حالانکہ وہ اس کی عادت سے بخوبی واقف تھی وہ کسی کے بارے میں کچھ بھی اپنی طرف سے کہہ دیتی اور اتنی خود اعتمادی سے کہتی کہ سامنے والا یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا کہ یہ بات اس شخص نے ہی کہلوائی ہے۔

الیاس نے بینش کو کس مقصد کے تحت بھیجا تھا اور وہ کیا کر آئی تھی اگر بینش نے اسے دھمکی نہ دی ہوتی تو وہ ولید کو یہ سب بتانے کی حماقت کبھی نہ کرتی آٹھ سال اس نے ولید کے ساتھ جس شرمندگی اور اذیت سے گزارے تھے اس کے بعد ان کے رشتے میں محبت اور بے تکلفی جیسے جذبوں کے لیے کوئی جگہ نہیں بچی تھی۔

ردا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا الیاس سے کیا کہے بینش نے اپنے طور پر ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دینے کی کوشش کی تھی جس دن وہ ردا سے ملنے آئی تھی اس دن واپس جا کر اس نے الیاس کے سامنے یہی ظاہر کیا ہوگا کہ ردا اس کے ساتھ بہت بری طرح پیش آئی اور اتنی بے عزتی اس نے محض الیاس کی خاطر برداشت کی تبھی الیاس اتنے سالوں بعد ملنے پر بھی اس کے سامنے بینش کی صفائی دینے کھڑا ہو گیا تھا حالانکہ بینش ایسی لڑکی تھی ہی نہیں جو کسی کی خاطر کچھ کر گزرے ردا کو دھمکانے کی سازش بھی اس نے محض ردا کو الیاس سے بدظن کرنے کے لیے کی تھی اگر وہ اس شادی کو توڑنا چاہتی تھی تو اس نے ولید کو وہ کیسٹس ارسال کیوں نہیں کیے اسے تو نہیں معلوم تھا کہ ردا نے خود ہی ولید کو سب سچ بتا دیا ہے۔

اتنی غلط بیانی اس نے الیاس کے سامنے کس مقصد کے تحت کی تھی یہ سمجھنا ردا کے لیے کچھ مشکل نہیں تھا وہ یہ سب کر کے الیاس کی ہمدردیاں سمیٹنے میں کامیاب ہو گئی تھی اگر یہ بات کھل بھی جاتی کہ بینش نے اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی تب بھی الیاس اس سے خائف ہونے کی بجائے مزید متاثر ہو جاتا کہ بینش نے میری محبت میں ردا کو راضی کرنے کے لیے یہ سب کہا ہوگا ورنہ عملی طور پر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا لیکن الیاس کو یہ نہیں پتا تھا کہ اس ایک دھمکی کی وجہ سے اس کی زندگی جہنم بن گئی تھی اگر بینش نے اسے اپنے راستے سے ہٹانے اور اسے الیاس کے خلاف کرنے کی یہ فضول حرکت نہ کی ہوتی تو وہ ولید کو کبھی وہ سب نہ بتاتی اور یہ راز ہمیشہ راز ہی رہ جاتا ویسے بھی وہ بینش کے راستے میں تھی ہی کب وہ تو خود الیاس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر بینش ایک طرف الیاس کے سامنے عظیم بنتی ہوئی اسے سمجھانے چلی آئی اور دوسری طرف اس نے بات ایسے کی کہ اگر ردا کا دل ذرا بھی الیاس کے لیے نرم ہو رہا ہو تو وہ دوبارہ سخت ہو جائے۔

الیاس کو واپسی کے لیے پلٹتا دیکھ کر ردا تلخی سے گویا ہوئی۔

"جس لڑکی نے تمہاری خاطر اتنی بے عزتی برداشت کی تم نے بدلے میں اسے مسز الیاس کا خطاب تو دے ہی دیا ہوگا۔"

اسے یقین تھا ابھی الیاس پلٹ کر اس کے اندازے کی تصدیق کر دے گا تب وہ اسے بتائے گی کہ بینش تمہاری نظروں میں عظیم بننے کے لیے ہی تو اس کے پاس آئی تھی ورنہ حقیقتاً" وہ تمہارا دفاع کرنے کی بجائے تمہاری کاٹ کر گئی تھی۔

مگر وہ اس کے سوال پر پلٹتے ہوئے عجیب سے انداز میں ہنسا۔

"اس کی شادی کو تو پانچ سال ہو گئے ہیں شاید اس وقت وہ بھی یہی چاہتی تھی لیکن چاہے کوئی میری خاطر اپنی جان بھی دے دے میں تمہاری جگہ کسی اور کو نہیں دے سکتا نہ کل' نہ آج اور نہ آنے والے کل میں۔"

اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں ردا سناٹوں میں گھری خود سے لحہ بہ لحہ دور ہوتے اس شخص کو دیکھتی رہی جو اس کا وہ تھوڑا سا سکون بھی لے گیا تھا جو ردا کو اس سے نفرت کر کے محسوس ہوتا تھا۔

☼ ☼

مکمل ناول
عائشہ نصیر
راستہ ٹھہر جائے

"اسید بھائی آرہے ہیں۔ امی نے ابھی فون کرکے بتایا ہے۔ ان کا ٹرانسفر ہو گیا ہے یہاں اور جب تک انہیں آفس والوں کی جانب سے گھر نہیں مل جاتا۔ وہ یہیں قیام فرمائیں گے تو آپ جلدی سے اٹھیے یہ بے کار کا مشغلہ چھوڑیے اور ان کے لیے کمرہ تیار کر دیجیے۔ یہ میرا نہیں امی کا حکم ہے۔" سامنے کھڑی چوٹی کے بلوں سے کھیلتے ہوئے سمیعہ نے اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ اطلاع دینے کی وجہ بھی بیان کر دی۔

"افوہ!" وہ جو پچھلے ایک گھنٹے سے اس اخباری معمے میں سر کھپا بلکہ سر کھا رہی تھی اب اس مداخلت پر ایک ناگوار سی نظر اس پر ڈالتے ہوئے پیشانی کو انگلیوں کی پوروں سے مسلا تھا۔

"کیا مصیبت ہے۔ اسید بھائی آرہے ہیں تو آ ہی جائیں گے انہیں ضرورت ہی کیا تھی فون کر کے یہ بتانے کی جیسے کہ وہ ہمیں فون نہ کرتیں تو ہمیں پتا ہی نہ چلتا' حد ہے۔"

انہوں نے فون اس لیے کیا تاکہ ہم ان کے لاڈلے کا اس کے شایان شان استقبال کر سکیں اور ویسے تمہیں اعتراض ان کے فون کرنے پر ہے یا پھر یہ جھنجلاہٹ اسید بھائی کے آنے کی ہے۔" سمیعہ نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

"نہیں۔" کارپٹ پر بیٹھے بیٹھے اس نے سن ہوتی ٹانگوں کو سیدھا کیا۔

"بے چارے اسید بھائی کے آنے سے مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مگر یہ امی اکھڑ' گھمنڈی' خود پرست ..... مجھے ذرا اچھی نہیں لگتیں..... ہمیشہ اپنی غرض سے یاد کرتی ہیں۔"

"تو اس میں ان کا کیا قصور مہو..... یہ دنیا ہی مطلب کی ہے۔" اس نے کھلی سچائی بیان کی۔

"ہاں اور ہم نے تو سارے ہی رشتے دار انتہائی کمینے اور خود غرض قسم کے پائے ہیں۔" وہ اخبار سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اگر یہ بات نہ کی ہوتی تو بھی سمیعہ اچھی طرح جانتی تھی اپنے رشتے داروں کے بارے میں اس کے خیالات۔ اس کا بس چلتا تو کسی جنگل میں جا کر بس جاتی جہاں کوئی جان پہچان والا اس کے آس پاس نہ ہوتا یا پھر سارے رشتے داروں کو ہی اٹھا کر کسی ویرانے میں پھینک آتی۔ "ویسے کمرہ کون سا ٹھیک کروں..... اسٹور روم کر دوں؟"

تیوریوں پر بل لیے اس نے کسی قدر طنزیہ انداز میں پوچھا تھا۔ سمیعہ ہنسنے لگی۔

"اللہ مہو..... اندرونی جلن کا یہ عالم ہے اور پھر کہتی ہو اسید بھائی کے آنے سے کوئی مسئلہ نہیں۔"

"جی نہیں اسٹور روم کشادہ ہے۔ اس لیے کہا تھا۔ ارحم کے چھوٹے سے کمرے میں ان کی بیگم کا دم نہیں گھٹنے لگے گا۔" اس نے منہ بنا کر ایک لولی لنگڑی وضاحت دی۔

"اس کی فکر تمہیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی ان کی بیگم ساتھ نہیں آرہیں۔ گھر ملے گا تب ہی آئیں گی۔" سمیعہ نے اس کی غلط فہمی رفع کرتے ہوئے بتایا۔

"کیا!" وہ سنتے ہی چلا اٹھی۔ "شازمہ بھابھی ساتھ نہیں آرہیں؟"

"ہاں' نہیں آرہیں میں نے یہی کہا ہے۔" وہ ڈر سی گئی اس کا ری ایکشن دیکھ کر۔

"مگر کیوں' کیوں نہیں آرہیں..... انہیں آنا چاہیے۔"

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے مہو تمہیں بھلا کیا۔ وہ آئیں نہ آئیں۔"

"ہاں' وہ تو ٹھیک ہے مگر....." وہ کہتے کہتے چپ ہوئی پھر قدرے توقف سے کہا۔ "دیکھو..... اگر وہ نہیں آرہیں تو اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ ان کے شوہر کے سارے پرسنل کام بھی ہمیں ہی کرنے پڑیں گے۔ آئی بات سمجھ میں" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے اپنی بات پر زور دیا۔

"پرسنل کام۔" سمیعہ نے الجھ کر دہرایا "یہ عجیب منطق ہے تمہاری۔ کام میں کوئی پرسنل جنرل نہیں ہوتا کام کام ہوتا ہے۔" اس کی اصل پریشانی جان کر وہ چڑ گئی۔

"ہاں ہوتا ہے۔ مگر تم نہیں سمجھو گی۔ تم بے وقوف ہو۔" اس کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ جھلا کر اسے ایک دھپ رسید کر گئی تھی۔ سمیعہ کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے۔ مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ کمرے سے نکل چکی تھی۔

وہ اس وقت جھاڑ پونچھ سے فارغ ہونے کے بعد بیڈ شیٹ تبدیل کر رہی تھی جب امی نے دروازے میں آکر پوچھا "مہو کیا کر رہی ہو تم کام ہو گیا؟"

ایک عدد سنگل بیڈ، رائٹنگ ٹیبل، دیوار گیر الماری اور دو عدد کرسیوں کے ساتھ ساتھ ایک بک شیلف والا یہ چھوٹا اور سادہ سا کمرہ کچھ عرصے پہلے تک ارحم کے زیر تصرف تھا مگر اس کے کویت جانے کے بعد جب سے یہ کمرہ ویران ہوا تھا۔ مہو اس پر توجہ دینا چھوڑ چکی تھی یہی وجہ تھی کہ آج محض یہاں کی صفائی ستھرائی میں ہی اسے گھنٹہ بھر سے زیادہ لگ گیا۔

"ہاں ہونے والا ہے تقریباً" مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ مجھے کوئی نیا کام کہہ دیں۔ میں سمیعہ سے کہہ چکی ہوں کھانا وہ بنا رہی ہے۔" روٹھے انداز میں کہتے ہوئے وہ اپنی تختہ ہوئی کمر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی۔

"ارے ۔۔۔ اس سے تو اچھا تھا تم یہ کام اسے سونپ دیتیں۔ ایک تو زمانے بھر کی ست ہے وہ ذرا سا کام کا بوجھ پڑے تو ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اس کے۔" انہیں سنتے ہی تشویش لاحق ہوئی۔

"تو وہ میرا مسئلہ نہیں ہے میں اپنا کام کر چکی ہوں۔ ابھی مجھے نہانے بھی جانا ہے۔ اور ابھی صرف پانچ ہی بجے ہیں۔ رات تک ہو جائے گا سب کچھ، اتنی بھی ست نہیں ہے وہ آپ خوامخواہ میں پریشان ہو رہی ہیں۔" اسے غصہ آیا۔ سدا کی کاہل اور سست الوجود سمیعہ ہمیشہ اپنی اس خصوصیت کی بنا پر ہر کام سے جان چھڑا لیا کرتی تھی۔

"ٹھیک ہے مگر پھر بھی مدد کروا دینا اس کے ساتھ کھانا وقت پر تیار ہونا چاہیے۔ بچہ اتنی دور سے آرہا ہے یقیناً" تھکا ہوا ہو گا۔"

"بچہ۔۔۔" وہ بری طرح سلگ گئی "آپ کا وہ لاڈلا چہیتا بچہ ابھی خود دوسرے بچے کا باپ بننے جا رہا ہے۔ مگر آپ کا یہ لاڈ پیار نانا، دادا بننے تک اسے بچہ ہی بنائے رکھے گا۔ حد ہوتی ہے ہر بات کی۔" اسے جلنے کڑھنے کے لیے زیادہ بڑی وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی امی اس کی کیفیت دیکھ کر بھی نظر انداز کر گئی تھیں۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"سمیعہ تم ابھی تک یہیں بیٹھی ہو۔" اسے دیکھ کر تو اسے چلانا ہی تھا۔ وہ آئرن اسٹینڈ کے پاس کھڑی اپنا کالج یونیفارم پریس کر رہی تھی۔ اس کی بلند آواز پر دہل سی گئی۔

"کیا کہہ رہی ہو۔ ڈراؤ تو مت۔ مجھے اپنے کپڑے پریس کرنے تھے۔ صبح میں کروں تو روز بہت دیر ہو جاتی ہے۔ اس لیے سوچا ابھی سے کر دوں۔" اس کے تیور دیکھ کر اس نے جھٹ صفائی دی۔

"یہ کام بھی تمہیں ابھی ہی یاد آنا تھا۔ چھوڑو اسے اور کچن میں جاؤ ورنہ ابھی امی آکر پھر سے مجھے ہی ڈانٹنے لگیں گی۔" اس نے آکر اس کے ہاتھ سے استری لی۔ سمیعہ اسے دیکھنے لگی۔ "تم ہی کر دو نا پلیز!"

وہ تنک سی گئی اس فرمائش پر۔ "ٹھیک ہے کر رہی ہوں، تم جاؤ۔" اس سے محض ٹالنے کو کہا تھا وہ سر ہو گئی۔

"ابھی کرو۔"

"اف ۔۔۔ یہ لو۔" اس نے زچ ہو کر قمیص پر استری پھیرنی شروع کی تو اس نے جان چھوڑی مہو کو پتا تھا۔ سمیعہ کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس کی کلاس لی جائے گی۔ ہر کام میں ہر وجہ اس کی ذات سے منسوب کی جاتی تھی۔ پھر چاہے وہ کوئی بھی کام ہوتا مگر وہ آج کوئی الزام لینے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی سمیعہ کے کپڑے پریس کرنے کھڑی ہو گئی تھی۔ مگر تھوڑی دیر بعد اس کے سیل نے بجتے ہوئے اس کے کام میں بھی خلل ڈالا اور ماتھے پر بھی کئی بل بکھیر دیے۔ قدرے جھنجلاہٹ کے عالم

میں استری کو قمیص پر چھوڑ کر اس نے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل سے اپنا سیل فون اٹھایا۔ تو اسکرین پر نظر پڑتے ہی چہرے کی ناگواری میں غضبناکی شامل ہوئی تھی۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر۔" زیر لب بڑبڑا کر سیل آف کرتے ہوئے وہ کپڑوں کے پاس آئی اور استری اٹھاتے ہی اس کا دل ڈوب سا گیا۔ اتنی سی دیر میں ہی جلتی استری نے سمیعہ کے بے داغ دامن پر اپنا نشان چھوڑ دیا تھا۔

"اف... مصیبت۔" روہانسی ہو کر اس نے کپڑے کو کھینچ کر ٹھیک کرنے کی کوشش کی نتیجتاً" دامن کے بیچوں بیچ ہی کافی بڑا سوراخ ہو گیا۔ چہرے پر ہاتھ رکھے وہ متوحش نظروں سے کچھ دیر تو اسے دیکھتی رہی۔ اگلے ہی پل اس نے ان کپڑوں کو اٹھا کر ہینگ کرتے ہوئے الماری میں سب سے پیچھے لٹکایا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی سمیعہ یہ کپڑے دیکھے کم از کم آج کے دن کے لیے اور پھر اپنا ایک سوٹ نکال کر نہانے کے لیے واش روم کی طرف بڑھ آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ تقریباً" پانچ سال بعد وہاں جا رہا تھا۔ پانچ سال پہلے کے مناظر تو اپنی جزئیات سمیت ذہن کے پردے پر بالکل تازہ تھے مگر اب کوشش کرنے کے باوجود وہ تصور نہ کرسکا کہ اس کا استقبال کس طرح سے کیا جائے گا۔ شاید اس کی ایک وجہ اس کی حد سے بڑھی ہوئی ذہنی پراگندگی بھی تھی۔ اس کا یہ ٹرانسفر انتہائی نامناسب وقت میں ہوا تھا۔ ایک ایسے وقت میں جب وہ گھر سے' گھر والوں سے دور جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اور سوچ بھی لیتا اگر ان کے ساتھ نہ جانے کی مجبوری درمیان میں حائل نہ ہوتی۔ شازمہ نے پتا چلتے ہی کہا تھا۔

"میں تو آپ کے ساتھ نہیں جا پاؤں گی۔"

"جانتا ہوں اور اسی لیے پریشان ہوں۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر چہرے پر ہاتھ پھیرے۔

"گھر کا بھی مسئلہ ہے سیٹ ہوتے ہوتے ٹائم لگ جائے گا اور پھپھو کے گھر تم یقیناً" کمفرٹیبل فیل نہیں کروگی۔"

"ظاہر ہے۔ ایک تو میں اتنا لمبا سفر کر نہیں سکتی اور پھر ایسی حالت میں' میں کسی غیر کے گھر جا کے بالکل نہیں پڑوں گی۔" وہ کسی قدر ناگواری سے گویا ہوئی تھی۔ دن قریب تھے سوائے ڈاکٹر کے پاس جانے کے وہ تو یہاں بھی گھر سے نکلنا چھوڑ چکی تھی۔

"وہ غیر نہیں میری پھپھو ہیں۔" اس نے برہمی سے جتایا تھا وہ چند لمحوں کے لیے چپ ہو گئی۔

"دیکھیے ... آپ بے فکر ہو کر جائیے۔ میرے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے بھی وہاں آکر میں اپنا پہلا قدم' اپنے گھر میں رکھنا چاہتی ہوں اپنے گھر میں۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے آخری جملے پر زور دیا "تو جب تک گھر کا مسئلہ حل ہو تب میں بھی ٹھیک ہو چکی ہوں گی۔" بات مکمل کرتے ہوئے اس نے وہ نہیں کہا جو کہنا اس کے لیے ضروری تھا۔ اس کے ادھورے جملے کو اسید ہی زیر لب انشاءاللہ کہتے ہوئے مکمل کر گیا۔ اور پھر آنے کے وقت تک اس پر عجیب ہی بددلی کی کیفیت چھائی رہی اور یہ کیفیت اس وقت شدید تر ہو گئی جب اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے تین سالہ احمد کو بے تحاشا روتے ہوئے چھوڑا۔

جس وقت ٹیکسی ایک جھٹکے سے رکی۔ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے وہ جو اپنے خیالوں میں گم تھا۔ چونک کر سیدھا ہوا اور تب ہی اس پر منزل مقصود پر پہنچنے کا انکشاف ہوا تھا۔ پھپھو نے فون کر کے فلائٹ کا ٹائم پوچھا ہی تھا۔ وہ پھپھا کو اسے لینے کے لیے بھیجنا چاہ رہی تھیں۔ مگر ایک تو کراچی شہر اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ ارحم ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ مگر شام کی فلائٹ تھی اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شام کے بعد پھپھا کو دیکھنے میں پرابلم ہوتی تھی اور ڈرائیونگ کرنا کافی رسکی ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس نے انہیں زحمت دیے بغیر خود ہی ایئرپورٹ سے ٹیکسی کر لی تھی۔ اس وقت تک اندھیرا پھیل چکا تھا۔

اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں سیاہ گیٹ کو ڈھکے سبز

بیلیں جو یقیناً دن میں بہت خوشنما لگتیں اب ایک پراسرار سا تاثر ابھار رہی تھیں گھر کو گھیرے احاطے کی بیرونی دیواریں نئی پینٹ شدہ لگ رہی تھیں اور آس پاس کی سرسبزی میں بھی مزید اضافہ ہو چکا تھا۔ بیگ کو دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے اس نے کال بیل بجانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ گیٹ خود بخود کھلتا چلا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ حیران ہوتا۔ سرمد نے باہر نکل کر اسے دیکھتے ہی خوشی سے نعرہ بلند کیا تھا۔

"اسید بھائی ویلکم، ویلکم۔" اس نے بڑے پرجوش انداز میں آگے بڑھ کر معانقہ کیا تھا۔ اسید کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ پھپھا جی کا یہ بھتیجا بہت جوشیلا قسم کا نوجوان تھا۔

"چاچی نے کہا تھا آپ سات بجے تک پہنچ جائیں گے۔ اتنی دیر ہو گئی تو میں نے سوچا خود ہی چل کر آپ کا پتا کیا جائے۔" سرمد نے اس کے ہاتھ سے بیگ لیا تھا۔ وہ اس کی معیت میں اندر داخل ہو گیا۔ پختہ روش پر چلتے ہوئے اس نے ایک نظر دائیں جانب پھیلتے ہوئے چھوٹے سے لان پر ڈالی۔ خوب صورتی سے تراشے گئے انواع و اقسام کے پودوں اور پھولوں سے سجا یہ باغیچہ اس گھر کے مکینوں کی خوش ذوقی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ برآمدے سے سیکنڈ فلور تک جانے والا زینہ بھی سیڑھی بہ سیڑھی ہرے بھرے گملوں سے سجا تھا۔ سبک خرام ہوا سے ہلکورے لیتے ایک طرف رکھے اس خوب صورت سے جھولے کو دیکھتے ہی ٹھٹکتے ہوئے اسے کچھ یاد آیا تھا۔ وہ پل بھر کو ٹھہر سا گیا۔

"لیجیے چاچی..... لے آیا میں آپ کے مہمان کو....." سرمد کی بلند آواز ابھرتی اسے چونکا گئی تھی۔ اگلے ہی پل سر جھٹکتے وہ بھی اندر داخل ہو گیا تھا جہاں سب ہی استقبال کے لیے آ موجود ہوئے تھے۔

"اسید بیٹا....." پھپھو نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا تھا۔ وہ کتنی ہی ان کی مہربان آغوش محسوس کرتا رہا۔ وہ اچھی طرح واقف تھا اپنے لیے ان کی بے لوث محبت سے۔

"کیسے ہو بیٹا..... گھر میں سب کیسے ہیں۔ بھائی جان، بھابھی اور شازمہ؟" سب سے ملنے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہی پھپھو بے تابی سے پوچھنے لگی تھیں۔

"سب ٹھیک ہیں پھپھو اور سب ہی آپ لوگوں کو سلام کہہ رہے تھے۔" ایزی ہو کر بیٹھتے ہوئے اس نے خیر و عافیت دریافت کرنی شروع کی تھی۔ "آپ سنائیے۔" سرمد کے گھر والے بھی آج نیچے ہی موجود تھے اور ایسا یقیناً اس کے آنے کے سبب تھا۔

"تو بھائی..... احمد کو بھی لے آتے نا ساتھ۔ اس نے تو ابھی اسکول جانا شروع نہیں کیا۔ بچی بہت یاد آتا ہے۔ اب تو اور بھی کیوٹ ہو گیا ہو گا نا۔" سمیعہ پوچھ رہی تھی۔

"جب میں آ رہا تھا تو وہ بہت رو رہا تھا۔ بڑی مشکل سے چھوڑ کر آیا ہوں۔" اس نے بتایا۔

"السلام علیکم اسید بھائی!" ہمیشہ کی طرح عجلت بھرے انداز میں داخل ہوتے ہی اس نے زبان کو بھی جس تیزی سے حرکت دی تھی۔ وہ صرف سلام اور بھائی ہی ٹھیک سے سمجھ پایا۔ گہرے سبز رنگ کے لباس میں دوپٹا شانوں پر پھیلائے۔ گھنگھریالے بالوں کی موٹی سی چٹیا آگے کیے وہ پھپھو کے صوفے کے ہتھے پر یوں ٹکی کہ موقع ملتے ہی بھاگنے کی دیر ہو۔

"کیسے ہیں آپ.....؟"

"میں تو ٹھیک ہوں مہو..... تم کیسی ہو؟" اس کا سراپا دیکھ کر نجانے کیوں اسید کو سنگ مرمر کے شفاف ستون اور اس سے لپٹی بیل کا خیال آیا۔

"بہت اچھی..... بہت سوں سے اچھی۔" وہ دھیرے سے مسکائی تو یاقوتی ہونٹوں کے بیچ جیسے سچے موتی جھلک دکھا گئے تھے۔

"اب اس بات کا کیا مطلب ہے!" سرمد نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"تم ہر بات کا مطلب مت پوچھنے لگا کرو۔" اس کے ابرو تن گئے تھے۔ اسید کی نظریں جم کر رہ گئیں۔ اس کے چہرے کا یہی تاثر تو اسے یاد رہتا تھا

ہمیشہ۔

"السلام علیکم اور بہت سارا ویلکم کراچی کے نووارد مہمانوں کو۔" زندگی سے بھرپور اور بڑی چہکتی ہوئی آواز ابھری تھی۔ سب ہی پل بھر کو خاموش ہوگئے۔ ڈرائنگ روم کے دروازے پر نظر پڑتے ہی خوشگوار اور تحیر آمیز آوازیں اس خاموشی کو پچھاڑ گئی تھیں۔

"ارے رامش!"

"اوہو۔ آگیا میرا دوست۔" سب سے پہلے سرمد اٹھا تھا پھر سمیعہ نے اپنی جگہ خالی کی۔

"صحیح ٹائم پر آیا ہوں نا۔۔؟" پھپھو کے سامنے جھکتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"بالکل صحیح ٹائم پر۔۔۔ مگر تمہیں بتایا کس نے؟" وہ حیران تھیں۔

"بس ہیں اپنے کچھ خفیہ ذرائع کیا سب کچھ بتادوں۔" وہ ہنس کر اسید کی سمت آیا جو پہلے ہی اس کے استقبال کے لیے کھڑا ہوچکا تھا۔ اس گہما گہمی میں کسی نے محسوس بھی نہیں کیا کہ مہو کب کمرے سے نکل گئی تھی۔

"یہ کیوں آیا ہے کیوں، کیوں، کیوں!" ماچس کی تیلی جلانے کی کوشش میں سلیب پر تیلیوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔ مگر شعلہ بھڑکنے کے بجائے وہ صرف سلگ کر رہ جاتی تھیں اس کے دل کی طرح۔ اس نے جھنجلا کر ماچس ایک طرف پھینکی اور سلیب پر کہنیاں ٹکائے ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

"مہو۔ کیا کررہی ہو کھانا لگادو نا۔ اسید بھائی فریش ہوکر آگئے ہیں سب کو بھوک لگ رہی ہے۔" سمیعہ کی آواز آئی تھی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"تم ہی لگادو سمیعہ میرے۔ سر میں درد ہے۔" اس کے انداز میں از حد بے زاری تھی۔

"کیا مطلب ہے میں لگادوں۔ کیا ہوا تمہارے سر کو ابھی کچھ دیر پہلے تو بالکل ٹھیک تھا۔" اس نے سنتے ہی ناراضی سے دریافت کیا۔

"سچ میں درد ہے۔ مجھ سے بات بھی نہیں ہو رہی۔ سوری۔" معذرت خواہانہ انداز اپناتے ہوئے وہ اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر ہی باہر نکل آئی تھی۔

کمرے میں آتے ہی اس نے الماری سے اپنی ان سلی فراک نکالی اور ٹیبل پر پڑا فیشن میگزین اٹھاتے ہوئے کارپٹ پر آبیٹھی۔۔۔ اس وقت سر درد کا بہانہ کرنے والی مہو کا یہ کام اگر سمیعہ دیکھ لیتی تو ہنگامہ مچا دیتی۔ مگر مہو کو پتا تھا کہ ابھی اس کے پاس بالکل بھی ٹائم نہیں ہوگا کمرے میں جھانک کر اس کی یہ مصروفیت دیکھنے کا اسی لیے وہ مطمئن تھی۔

سب کی باتوں اور قہقہوں کی آوازیں یہاں تک آرہی تھیں۔ اس نے کچھ دیر تو سننے سمجھنے کی کوشش کی پھر سر جھٹکتے ہوئے میگزین اپنی طرف کھینچا تھا۔

کافی دیر ہوگئی تھی اسے اپنے کام میں غرق ہوئے جب اچانک ہی ہونے والی آہٹ پر اس نے چونک کر نظریں اٹھائیں دروازے سے ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا وہ بڑی محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ناگواری اس کے ایک ایک نقش سے جھلک اٹھی۔ لب کاٹتے ہوئے اس نے سیدھے ہوکر اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے؟" تیوریاں چڑھائے اس نے کڑے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"وہی۔۔۔ جو تم ہمیشہ سے جانتی ہو۔ حال چال پوچھنے آیا ہوں اپنے دل کا بہت بے چین سا ہو رہا ہے۔ تم خیال نہیں رکھتیں نا۔" دھیرے سے مسکراتے ہوئے جم کر قدم رکھتا وہ اندر چلا آیا۔

"کیا کررہے ہو؟" وہ تبھی نہیں تو جھنجلا گئی۔

"قدر کیا کرو سنگدل لڑکی۔ ایسے نادر و نایاب تحفے بار بار نہیں ملا کرتے۔" ڈریسنگ ٹیبل کی تپائی کھینچ کر وہ اس کے سامنے یوں آبیٹھا کہ اس کے بھاری بھرکم جوتے اس کے پیروں کو چھونے لگے۔ ناگواری سے پیر سمیٹتے ہوئے اس نے ایک استہزائیہ نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

"جسے تم نادر و نایاب قرار دے رہے ہو۔ اس کوڑے کو میں بہت پہلے اپنے دل سے نکال چکی ہوں۔ تمہیں سمجھ میں آنا چاہیے۔"

"کوڑا۔" بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ بے

اختیار ہنس پڑا۔ "گہری نظریں اس پر جمائے وہ ذرا سا جھکا۔ "تمہیں نہیں لگتا تم بہت کڑوی ہوتی جا رہی ہو۔ نیم کی طرح۔"

"ہاں ہو رہی ہوں' ہوتی رہوں گی۔ اگر تم اسی طرح بار بار میرے سامنے آتے رہو گے۔" برہمی سے اس کی شہابی رنگت کی تاب اور بھی بڑھی تھی۔ وہ پلکیں جھپکانا بھول گیا۔

"تم مجھ سے بات نہیں کرو گی تو..... میں اسی طرح آتا رہوں گا۔ تم نے آج شام پھر سے میرا فون ریسیو نہیں کیا ناں مہو۔" اس کی زبان پر بے ساختہ یہ شکوہ آیا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسے کوئی حق بھی نہیں۔

"اچھا..... وہ تمہارا فون تھا۔" اس نے جس طرح تجاہل برتا..... رامش کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"آج ایک ان نون نمبر سے کال آئی تو تھی۔ مگر میں ان نون نمبرز ریسیو نہیں کرتی۔"

"بہت اچھا کرتی ہو۔ تم جب بھی جو بھی کرتی ہو۔ ہمیشہ اچھا کرتی ہو۔ اب اٹھ کر کھانا کھالو میں جانتا ہوں تم میری وجہ سے کھانا کھانے نہیں آئیں اور اگر تم میری وجہ سے بھوکی رہو گی تو مجھے رات کو نیند کیسے آئے گی۔" اس کے روٹھے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے دھیرے سے کہا۔ وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"بے فکر رہو اور خوب گہری نیند لو۔ تم اتنے اہم نہیں ہو کہ تمہارے لیے میں اپنا کھانا پینا چھوڑوں گی۔" اس کے انداز میں بے نیازی سے بڑھ کر تمسخر تھا۔ نچلا لب دانتوں تلے بھینچے وہ یونہی اسے دیکھتا رہا۔ "مجھ پر ترس مت کھانا کبھی بھی۔"

"ترس..... تم میرے دل میں جھانک پاتے تو دیکھتے۔ جو آتش فشاں وہاں جل رہا ہے میں تمہیں اس میں خاکستر بھی کردوں تو بھی وہ سرد نہ پڑے۔ مجھے چین نہ آئے۔" ایک نوکیلی سی مسکراہٹ اس کے لبوں تک آکر معدوم ہوئی تھی۔

"کتنے تیر ہیں تمہارے ترکش میں جو ختم ہی نہیں ہوتے۔" وہ بے چارگی سے سوال کرنے لگا۔

"جتنے بھی ہیں تمہاری سوچ اور برداشت سے بہت زیادہ ہیں۔"

"غلط فہمی ہے تمہاری۔ میری سوچ اور برداشت سے زیادہ ہوتے تو اس وقت میں تمہارے سامنے بیٹھا نہ ہوتا۔ ان کی تکلیف میری اس تڑپ کے سامنے کچھ بھی نہیں جو مجھے ہر بار تمہارے پاس کھینچ لاتی ہے۔" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ اس کا تاؤ بڑھا گیا۔

"اچھا تو اس سارے عرصے میں تمہاری یہ تڑپ کہاں ہوتی تھی جب تم اپنی نئی نویلی دلہن کے سنگ زندگی کے مزے لوٹ رہے تھے۔" وہ تڑخ گئی تھی اور رامش کا چہرہ تاریک ہو چلا یہیں پر آکر تو چت ہو جاتا تھا وہ۔ لفظ کھو جاتے۔ زبان گنگ ہو جاتی۔ اس کی کمزوری کا اظہار بنتی یہ خاموشی اسے احساس دلا رہی تھی کہ وہ اس دنیا کا بزدل ترین انسان ہے۔ وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کیوں...؟ برداشت کی حد ختم ہوگئی نا؟" کاٹ دار لہجے میں سوال کرتے وہ بھی اٹھ گئی۔ اس نے محض ایک نظر اسے دیکھا تھا اور پھر بہت تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ اس کی پشت دیکھتی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

رامش اس کا وہ تایا زاد تھا جس کی محبت شعور و آگاہی کے ساتھ ساتھ اس پر اپنا آپ منکشف کروا گئی تھی۔ اور ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی یہ شدتیں صرف مہو کو ہی نہیں رامش کو بھی ارد گرد کی دنیا سے بے گانہ کر گئی تھیں۔ مگر آس پاس کے رہنے والے لوگ سماعت بھی رکھتے تھے اور بصارت بھی اور سب سے پہلے رامش کی ماں خبردار ہوئی تھیں اس خطرے کی گھنٹی پر ان کے لیے ان کی محبت آکسیجن جیسی ضروری ہی سہی مگر ان کے لیے کسی تند و تیز آندھی سے کم نہیں تھی جس میں انہیں اپنا عزیز ترین بیٹا ہاتھ سے نکلتا لگ رہا تھا اور ایسا وہ کسی قیمت پر گوارا نہیں کر سکتی تھیں۔

ان کا ماننا شاید قسمت میں نہیں تھا جبھی تو رامش ہار مان گیا تھا اپنی ماں کے جذباتی بلیک میلنگ کے آگے اور مہو جو یہ سوچ رہی تھی کہ رامش مر سکتا ہے مگر کبھی بیچ راہ میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کا یہ یقین جس بری طرح ٹوٹا اس کی کرچیاں اسے اندر تک لہولہان کر گئی تھیں اور وہ کئی دن تک خود اپنا ہی سوگ مناتی رہی تھی۔ گو کہ رامش کی شادی ایک سال بھی نہیں چل پائی تھی۔ ماں کی خاطر جس رشتے، جس لڑکی کو اس نے گلے کا ہار بنایا تھا اسے آدھا ادھورا رامش قبول نہیں تھا۔ یوں تلخیوں، بدگمانیوں اور لڑائی جھگڑوں میں سال بھر بعد ہی یہ رشتہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا تھا اور رامش اعزاز ایک بار پھر اس کی محبت کے لیے دست سوال دراز کیے اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ مگر اب مہو کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

رات کو دیر سے سونے کے باوجود صبح اس کی آنکھ بہت جلدی کھل گئی تھی اور جب وہ فریش ہو کر باہر آیا تو فضا میں چکرائی تلے ہوئے پراٹھوں کی خوشبو سے اندازہ لگا لیا کہ پھپھو اس کا من پسند ناشتا بنانے کی تیاری پر لگ چکی ہیں۔

"کیوں تکلیف کر رہی ہیں پھپھو..... میں ناشتے میں اتنے پروٹوکول کا عادی نہیں ہوں۔ ایسی روغنی غذا میں کھلائیں گی تو عادتیں بگاڑ دیں گی میری" کچن میں داخل ہوتے ہی اشتہا انگیز خوشبو کو سانسوں میں اتارتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

"صرف پراٹھے کھانے سے ہی عادت بگڑ جائے گی آپ کی۔ اب ایسے تو پوز مت کریں جیسے آپ نے کبھی پراٹھے کھائے ہی نہ ہوں۔" سمیعہ کی آواز آئی تو اس پر اس کی موجودگی کا انکشاف ہوا۔ کچن ٹیبل کی ایک کرسی سنبھالے وہ سامنے پڑی پلیٹ سے چنے اٹھا اٹھا کر پھانک رہی تھی۔

"اوہ..... تو آپ بھی موجود ہیں۔ کالج نہیں گئیں آج۔" وہ اس کے پاس والی کرسی پر براجمان ہوا۔

"ابھی ذرا زبان کو لگام دے کر بیٹھی ہے اسید..... دوبارہ مت چھیڑنا۔" پراٹھے کو سینکتی پھپھو نے اس کا سوال سنتے ہی ٹوکا تھا۔ سمیعہ کا منہ بن گیا۔

"ہوا کیا.....؟" اس نے حیرانی سے ان کی صورت دیکھی۔

"ہونا کیا ہے..... مہو نے کل میرا یونیفارم جلا دیا..... سوچیں..... یہ کوئی کرنے والا کام ہے۔ کل پورا دن گدھوں کی طرح مجھ سے کام کروانے کے بعد اس نے یہ صلہ دیا میری محنت کا۔" وہ بھنا کر بول اٹھی تھی۔

"ارے تو ہو گیا ہو گا غلطی سے۔ جان بوجھ کر تھوڑی کیا ہو گا اس پر اتنا شور مچانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دوسرا یونیفارم پہن لو یا چھٹی کر لو۔ صبح ہی صبح اتنا ہنگامہ..... مرغے کی بانگ بعد میں دی ہو گی۔ اس نے آس پڑوس کو پہلے جگا دیا۔" سمیعہ کو گھورتے ہوئے پھپھو کا لہجہ برہمی سے بھرپور تھا اور تب اسے بھی یاد آیا کہ صبح اس کے کانوں میں کچھ آوازیں پڑی تو تھیں۔

"پہلی بات تو یہ کہ ہمارے گھر میں مرغا نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ میں نے اتنا بھی شور نہیں مچایا۔ مہو تو ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ پڑوسی کیا خاک جاگے ہوں گے۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے فوراً سے پیشتر اپنی صفائی پیش کی۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"تم یہ بتاؤ..... آج ناشتا نہیں کرنا..... صرف چنوں پر گزارا ہے؟" الٹرے سمیعہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "صبح ہی صبح امی نے جوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد مزید کسی ناشتے کی گنجائش نہیں رہی اور یہ چنے..." تپ کر کہتے ہوئے اس نے ایک نظر سامنے رکھی پلیٹ پر ڈالی "میں آپ کو بتاؤں بڑے کام کی چیز ہوتے ہیں۔ ہارس پاور ہوتی ہے اس میں چھلکوں سمیت ایک بار کھا کر تو دیکھیے۔ اڑتے نہ پھریں تو کہیے گا۔" کہتے ہوئے اس کا انداز ایسا تھا جیسے کسی بچے کو سمجھا رہی ہو وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"ہاں اسی لیے سمیعہ صاحبہ پورے گھر میں اڑتی پھرتی ہیں بے لگام گھوڑی کی طرح گھنٹوں کا کام منٹوں میں سر انجام دیتی ہیں۔ جاتی ہیں تو ایسی تیز رفتاری سے کہ ٹرین اور پلین بھی مقابلہ نہ کر پائیں۔ اس بار لاہور جانا ہو تو ٹکٹ پر پیسے مت خرچیے گا۔ ہماری سمیعہ سے کہہ دیجئے گا۔ ایک ہی دن میں لے جا کر واپس بھی لے آئیں گی۔" بے نیاز سے لہجے اور لاپروا انداز میں سمیعہ پر کڑا طنز کرتے اس نے جیسے آتے ہی اپنی آمد کا اعلان کیا تھا۔

"لیجیے آتے ہی شروع ہو گئیں۔" سمیعہ نے ٹیبل پر ہاتھ مارا۔ "سنو تم صبح سو بھی رہی تھیں یا صرف ڈرامہ کر رہی تھیں۔" وہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

لگتا تھا وہ شاور لینے کے بعد سیدھی کچن میں چلی آئی تھی۔ لائٹ اورنج کلر کے تنگ سے پاجامے اور مختصر سی قمیص پر دوپٹہ دائیں شانے پر ڈالے وہ اپنے حلیے سے بالکل لاپروا تھی۔ بھیگے بالوں سے بکھرتے قطرے گردن کی شفاف جلد میں جذب ہوتے جیسے اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔ گلابی ہوتیں آنکھوں میں خمار کا عالم تھا۔ دہکتے روپ سے پھوٹتی کرنیں یوں لگ رہی تھیں جیسے آفتاب اس کے وجود میں جل اٹھا ہو۔ نظریں پھیرتے ہوئے اسید نے بمشکل خود کو اٹھنے سے روکا تھا۔

"یقیناً" میں جاگ رہی تھی۔ سو رہی ہوتی اور تم اپنا یہ بھونپو جیسا منہ لے کر میرے کان میں چلاتیں تو تمہاری خیریت برقرار نہیں رہ سکتی تھی۔" فریج کھولتے ہوئے اس نے جواب دینے میں دیر نہیں کی۔

اسی وقت پھپھو نے اس کے سامنے ناشتا رکھا اور تب ہی اس کا سیل بھی بج اٹھا۔ اسکرین کو دیکھتے ہی وہ کال ریسیو کرتا کچن سے نکل آیا۔

"کتنے لاپروا ہیں آپ اسید..... کل رات میں اتنی دیر تک انتظار کرتی رہی مگر آپ نے ایک فون تک نہیں کیا" شازمہ نے اس کی آواز سنتے ہی شکایت کی تھی۔

"میں نے آتے ہی امی کو کال کی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ تم سو رہی ہو۔ اسی لیے ڈسٹرب نہیں کیا۔ ویسے بھی صبح سے میں کتنی بار کوشش کر چکا ہوں۔ دیکھ لو میری کئی مسڈ کالز ہوں گی۔" اس کا لہجہ کچھ روکھا ہو چلا۔

"احمد کیسا ہے' میرے آنے کے بعد زیادہ تو نہیں رویا؟"

"نہیں..... رات تک تو وہ روتا ہی رہا پھر بھوکا ہی سو گیا۔ زبردستی جگا کر میں نے کھانا کھلایا۔ ایک تو میں پہلے ہی خود سے بے زار ہوں اوپر سے اس کے نخرے۔ آپ تو بگاڑ کر چلے گئے۔ میری شامت آگئی ہے۔" شازمہ کی آواز سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا اس کی بے زاری کا ان دنوں وہ عجیب سی چڑچڑاہٹ کے زیر اثر تھی۔ "خیر..... آپ بتائیے۔ وہاں سب کیسے ہیں..... پھپھو' پھپھا جی؟"

"سب ٹھیک ہیں۔"

"اور مہو..... وہ کیسی ہے؟"

"اچھی ہے۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"پہلے سے بھی زیادہ؟" اس نے عجیب سے انداز میں پوچھا تھا۔ وہ ٹھٹک گیا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا پہلے سے بھی زیادہ۔ اب ہے تو ہے کیا تصویریں بھیج دوں اس کی۔" اس کے سوال کے معنویت محسوس کر کے اس نے کچھ جھنجلا کر کہا تھا۔ جب سے شازمہ کو یہ پتا چلا تھا کہ کبھی اسید کے لیے لڑکی کی تلاش مہو پر آکر ختم ہوئی تھی۔ تب سے وہ کبھی کبھی اس طرح سے ری ایکٹ کر جاتی تھی۔

"جی نہیں۔ مجھے اس کی کیا ضرورت؟" وہ روٹھے لہجے میں بول اٹھی۔

"آپ یہ بتائیے آفس کب سے جائیں گے اور پلیز گھر کے لیے کوشش کیجیے جلد مل جائے۔ میں ٹھیک ہو جاؤں تو زیادہ انتظار نہیں کروں گی۔"

"میں بھی نہیں کروں گا۔ ڈونٹ وری مگر پہلے آفس جوائن تو کرنے دو..... ابھی مجھے ناشتا کرنا ہے۔

شازمہ۔۔۔ میں تمہیں پھر فون کروں گا۔" پھپھو نے آواز دی تو اسے یاد آیا۔

"اوہ۔۔۔ اچھا ٹھیک ہے۔ سب کو میری طرف سے سلام کہیے گا اور فون کیجیے گا مگر شام کے بعد میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے ڈاکٹر کے پاس جانے کا سوچ رہی ہوں۔"

"کیا۔۔۔ کیا طبیعت زیادہ خراب ہے؟" وہ سنتے ہی متفکر ہوا۔

"ارے نہیں۔۔۔ زیادہ خراب نہیں ہے۔ آپ فکر مت کریں۔ امی جا رہی ہیں میرے ساتھ ابھی آپ ناشتا کیجیے۔ بعد میں بات کریں گے۔" اس نے تسلی کرانے کی کوشش کی تو وہ فون بند کرنے کے بعد بھی بے چین ہی رہا۔

☆ ☆ ☆

"کیا ایک انسان بیک وقت دو لوگوں سے محبت کر سکتا ہے۔۔۔" کتاب پر سر جھکائے سمیعہ نے نجانے ایسا کیا پڑھا تھا کہ سر اٹھا کر مہمل سے انداز میں اچانک ہی یہ سوال داغا۔ بالوں میں برش کرتے ہوئے اس کے ہاتھ تھمے مگر اس کی طرف دیکھے بغیر ہی گویا ہوئی۔

"تمہارا یہ سوال پیچیدہ ہے۔ واضح کرو تم یہ مرد کے لیے پوچھ رہی ہو یا عورت کے لیے۔"

"ہوں۔۔۔ دونوں کے لیے۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"مرد کے دل میں پوری دنیا سما سکتی ہے۔ تعداد کی بحث بے معنی ہے اور عورت۔۔۔" سائیڈ کی مانگ نکال کر بالوں کو چوٹی کی شکل دیتے دیتے وہ رکی۔ "ایک محبت کافی ہے باقی عمر اضافی ہے۔"

"مجھے پتا تھا یہاں تم اپنا تجربہ ڈسکس کرو گی۔" سمیعہ بول اٹھی۔ اس نے گھور کر دیکھا تھا۔

"براہ مہربانی۔۔۔ فضول بکواس سے گریز کیا جائے۔" سامنے سے تراشے گئے بالوں کو ہیئر پن میں مقید کرتے ہوئے وہ آئینے کے سامنے آئی۔

"میری ایک کلاس فیلو ہے۔ پچھلے دنوں وہ ایک آر جے کے عشق میں گرفتار تھی۔ روز ہی اپنے سیل میں سو، دو سو کا لوڈ کرواتی اور روز ہی اس کے شو میں درجنوں کے حساب سے میسجز کرتی۔ اس کا پرسنل نمبر حاصل کرنے کے لیے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا۔ اس سے ملنے کے لیے ایک دن ریڈیو اسٹیشن جا پہنچی مگر اس کے بعد جانتی ہو کیا ہوا۔ اس کے عشق کا بخار ایسے اترا جیسے کبھی آیا ہی نہ ہو۔ کیوں۔۔۔ کیونکہ وہ اپنی آواز کی طرح دلکش اور پرکشش نہیں تھا۔ آج کل وہ فیس بک پر کسی کے ساتھ سیٹ ہے اور اس کے پروفائل پر لگی اس کی پک کو اصلی مانتے ہوئے جی جان سے اس کے گن گانے میں مگن۔۔۔ اب بتاؤ اسے تم کیا کہو گی؟" سمیعہ نے بات کا اختتام کرتے ہوئے اس کی سمت جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

"نا سمجھ۔" برش میں پھنسے اپنے بے تحاشا ٹوٹتے بالوں کو نکالتے ہوئے اس کا دل ڈوبا تھا مگر انداز میں سابقہ لاپروائی برقرار تھی۔

سمیعہ ہنسنے لگی "تمہیں فیس بک میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے نا مہو۔"

"جس دن تمہارے پر نکلیں۔ مجھے بتا دینا میں بھی انٹرسٹ لینا شروع کر دوں گی۔" بالوں کا گچھا مٹھی میں بھینچتے ہوئے اس نے برش ٹیبل پر پھینکا۔

"تمہیں پتا ہے مہو تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ تم ایک نمبر کی کھڑوس ہو۔" سمیعہ جل گئی۔

"یہ قیمتی اطلاع فراہم کرنے کا بہت بہت شکریہ۔" کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے پل بھر کو رک کر اسے گھورا ضرور تھا۔

امی اور اسید کافی دیر سے لان میں موجود تھے۔ وہ انہیں دیکھنے اس طرف آئی تو ان کی آواز نے اس کے بڑھتے قدموں کو روک دیا۔

"اس پریشانی نے میری راتوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں اسید۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں۔ اچھے رشتے آنے کا بھی ایک وقت ہوتا ہے اب تو بھولے بھٹکے سے کوئی آ بھی جائے تو مہو کے بجائے سمیعہ کو پسند کر کے چلا جاتا ہے۔ جانے کس گھمنڈ میں تھی یہ

لڑکی...... اتنے اچھے اچھے رشتے ٹھکراتی رہی۔ کبھی کسی رشتے کے لیے منانے کی کوشش کرتے تو رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتی کہ آپ پر بوجھ ہوں تو جان لے لیجیے...... اٹھائیسواں سال ختم ہونے کو ہے اس کے ساتھ کی لڑکیاں دیکھو سبھی اپنا اپنا گھر بار سنبھال رہی ہیں مگر یہ...... پتا نہیں اس کے نصیب میں کیا لکھا ہے۔ کوئی امید ہی بندھتی نظر نہیں آتی......" تاسف، ملال، بے بسی کیا کچھ نہیں تھا ان کے لہجے میں اور ہوتا بھی کیوں نہ۔ اسید جو کبھی مہو کا طلب گار تھا آج ایک بچے کا باپ تھا۔ رامش کی ماں اس کی ایک شادی بھگتانے کے بعد دوسری کی تیاریوں میں تھیں۔ مگر مہو آج بھی وہیں کھڑی تھی جہاں آج سے سات سال پہلے تھی۔

واپس ہوتے ہوئے اس کے قدم من من بھر کے تھے۔ وہ امی کو سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھی کہ اپنی زندگی سے شادی نام کا لفظ ہی نکال چکی ہے۔ پہلے رامش کا انتظار کرتے ہوئے اور پھر کسی آسیبی سائے کی طرح ذات کے ایوانوں پر مسلط اس کی محبت سے پیچھا چھڑاتے ہوئے اسے لگتا تھا اس میں اب کچھ نہیں بچا۔ امی انجان تھیں اس لیے ان کے لیے کچھ بھی سمجھنا مشکل تھا اور وہ انہیں اپنی زندگی کا یہ سچ بتا نہیں سکتی تھی۔

اپنی سوچوں میں گم اس نے محسوس ہی نہیں کیا کہ اسید نے اس کا آتے آتے پلٹنا دیکھ لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کے آفس جوائن کرنے کے دو دن بعد سرمد کی فیملی نے اس کے لیے ایک دعوت کا اہتمام کر ڈالا۔ حالانکہ اس نے بارہا منع بھی کیا۔ ویسے بھی اس کے آنے کی بنیادی وجہ تو فکر معاش تھی۔ وہ یہاں سیر سپاٹے کرنے، مہمان نوازی کروانے یا دعوتیں کھانے تو آیا نہیں تھا مگر مہو کی چچی جنہیں وہ بھی چچی ہی کہتا تھا۔ پھپھو کی طرح انتہائی پرخلوص اور مشفق خاتون تھیں۔ اس کی ایک نہیں سنی۔ اس کی وہ شام انتہائی خوشگوار گزری تھی۔ کراچی آ کر اسے ہمیشہ ہی بہت اچھا لگتا تھا۔ ایک عجیب طرح کا قلبی لگاؤ ایک گہری وابستگی تھی اسے اس شہر سے۔ بیتے دنوں کی خوب صورت یادیں آج بھی اسے یہاں کی فضاؤں میں سرسراتی محسوس ہوتی تھیں۔ کئی سال پہلے جب وہ اپنی پڑھائی کے سلسلے میں یہاں آیا تھا۔

نوخیز جوانی کے ایام۔ جوش و ولولے سے بھرا دل اور نئے نئے خواب دیکھتی آنکھیں جن میں ان سنہرے خوابوں کے ساتھ کب ایک سنہرا مکھڑا بھی آ بسا، اسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔ دن میں کئی بار کھانے، چائے یا کافی کے بہانے وہ اسے ایک نظر دیکھنے کے جتن کیا کرتا تھا اور وہ بھی اپنی معصومیت میں چوٹیاں جھلاتی بھائی، بھائی کرتی اس کی ہر فرمائش پوری کرنے کو تیار نظر آتی تھی۔ فائنل ایئر کے ایگزام ہونے کے بعد واپس آتے ہی اس نے امی سے بات کی تھی۔ اور اسے کافی جھٹکا لگا جب اسے پتا چلا کہ وہ تو اپنی عزیز از جان سہیلی کی بیٹی کو اس کی دلہن بنانے کا خواب سجائے بیٹھی ہیں۔ اس کار دشوار میں سب سے مشکل مرحلہ امی کو منانے کا تھا مگر مہو کی محبت میں وہ اسے بھی بخوبی پار کر گیا۔ بادل ناخواستہ ہی سہی مگر وہ اس کی خاطر کراچی جانے کو تیار ہو گئی تھیں۔ اسے یقین تھا اب کوئی دیوار نہیں، کوئی رکاوٹ نہیں، وہ اپنی پھپھو کا سب سے لاڈلا بھتیجا تھا اور پھپھا جی کے نزدیک سب سے قابل نوجوان...... مگر پھر وہ ہوا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ امی نامراد واپس آئی تھیں۔ کچھ متاسف، کچھ برہم اور بے یقینی کے گہرے حصار میں۔ بجھے دل سے جانے کے باوجود انہیں یہ سبکی ہضم نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے انہوں نے آتے ہی شازمہ کو اپنی بہو بنانے کا اعلان کر دیا۔ وہ پھر بھی ڈٹا رہ سکتا تھا مگر حقیقی معنوں میں اس کا دل تب ٹوٹا جب اسے پتا چلا کہ اس انکار کے پیچھے خود مہو کی ذات ہے۔ اس وقت تو اس نے دل کو سمجھا لیا تھا مگر اب اتنے سالوں بعد بھی اسے تنہا دیکھ کر اسے کھوج سی لگ گئی تھی اور اسی لیے اس رات ڈنر کے بعد جب سرمد نے آئسکریم کھانے

کا پروگرام بنایا تو واپسی پر وہ اس سے بات کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم پھپھو کو کیوں پریشان کر رہی ہو مہو۔"

وہ اندر جانے کے بجائے وہیں جھولے پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ بھی سنسناتی ہواؤں کے ساتھ بکھرتی رات کی رانی کی مہک سانسوں میں اتارتے ہوئے اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"اگر آپ کو اپنی پھپھو کی فکر ہے تو ان سے کہیں میرے لیے پریشان ہونا چھوڑ دیں۔" وہ اس کی بات کا پس منظر جانتی تھی۔ وہ گردن ذرا سی موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"وہ ایسا کیسے کر سکتی ہیں مہو۔۔۔ تم نے ان کے لیے کوئی وجہ چھوڑی ہے۔"

"یقیناً" نہیں۔۔۔ مگر زندگی میں بہت کچھ ایسا ہوتا ہے، جو ہمارے چاہنے سے نہیں ہوتا۔۔۔ آپ نصیب پر یقین رکھتے ہیں نا اسید بھائی؟" وہ اس کی سمت دیکھ کر سوال کرنے لگی۔

"الحمد للہ۔ میں مسلمان ہوں۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"تو بس۔۔۔ اگر اللہ نے اس دنیا میں میرا کوئی جوڑ بنایا ہے تو مجھے ضرور ملے گا۔ ورنہ یوں بھی میری بری نہیں گزر رہی۔ بہت خوش اور مطمئن ہوں میں اپنی زندگی سے۔" وہ دھیمے مگر مضبوط لہجے میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اسید مزید کچھ کہہ ہی نہ سکا۔

☆ ☆ ☆

کارنر ٹیبل پر رکھے فون کی گھنٹی ایک تواتر سے بجے چلی جا رہی تھی۔ چینل سرچنگ میں مصروف اس نے ایک چینل پر ٹھہر کر والیوم تو بڑھا لیا مگر فون کی سمت توجہ کرنے کی زحمت بالکل نہیں کی۔

"مہو۔۔۔ کیا کر رہی ہو۔۔۔ پاگل کرنے کا ارادہ ہے۔ بند کرو ٹی وی کی آواز فون اٹھاؤ۔" سمیعہ کچن ہی سے چیخ کر بولی۔ اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔ میوزک چینل لگاتے ہوئے صوفے پر نیم دراز ہو کر اس نے پیر مزید پھیلا لیے۔

"تم انتہائی فضول لڑکی ہو۔ بچوں سے بدتر ہو قسم سے۔" چمچہ کو ہنڈیا میں پٹخ کر سمیعہ تنتناتی ہوئی اس طرف آئی تھی۔

"اچھا ہوا تم آ گئیں۔ میں اس کی تار نکالنے کا سوچ رہی تھی۔" اس نے کہا بھی تو کیا اسے گھورتے ہوئے سمیعہ نے ایک جھٹکے سے ریسیور اٹھایا۔ مگر سلام دعا کے فوراً" بعد ہی وہ ریسیور اس کی جانب بڑھا رہی تھی

"یہ لو۔۔۔ تمہارا فون ہے۔" اسے حیرت نہیں ہوئی وہ پہلے ہی نمبر دیکھ چکی تھی۔

"مگر میں تو سو چکی۔" والیوم اب لو ہو چلا تھا اور اس کی آواز انتہائی بلند۔

"سن لیا۔" سمیعہ نے دوبارہ ریسیور کان سے لگایا۔

خود پر بڑا کشن ہٹاتے ہوئے مہو سیدھی ہو بیٹھی۔

"رامش بھائی کہہ رہے ہیں۔ تمہیں خواب میں بھی میرے فون آتے ہیں۔ اتنا لگاؤ ہے مجھ سے واضح رہے یہ "لگاؤ" لفظ میں نے یوز کیا ہے۔ انہوں نے کچھ اور کہا ہے۔" لفظ بہ لفظ اس کی بات دہرانے کے بجائے اس نے اپنا اضافہ کیا تھا پھر بھی ناگواری سے مہو کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس پر اس کی دبی دبی مسکراہٹ۔

"سمیعہ۔۔۔ بند کرو فون۔" اس نے غصے سے کہا تھا۔ اس سے پہلے کہ سمیعہ جواب میں کچھ کہتی بھاری لہجے میں سلام کرتے ہوئے اسید نے انہیں چونکایا تھا۔ وہ دونوں ہی سنبھل گئیں۔

"وعلیکم السلام بھائی۔۔۔ مہو یہ لو پکڑو۔ میرا سالن جل ہو گیا ہو گا۔" اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے سمیعہ کو اچانک ہی یاد آیا۔ ریسیور صوفے کے ہتھے پر رکھ کر وہ کچن کی سمت بھاگی۔

"بیٹھیں نا اسید بھائی۔" بادل ناخواستہ ریسیور اٹھاتے ہوئے وہ اسے کھڑا دیکھ کر اس سے مخاطب ہوئی۔

"پھپھو کہاں ہیں؟" اس نے کھڑے کھڑے ہی پوچھا تھا۔

"پتا نہیں..... نماز پڑھ رہی ہیں شاید۔"

"اچھا..... تو پھر میں فریش ہو کر آجاتا ہوں۔" وہ اس وقت آفس سے آیا تھا۔ تھکن اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ مہو نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں!" اس کے جاتے ہی جیسے اس نے ریسیور کان سے لگایا رامش کی ناراض سی آواز ایئر پیس میں ابھری۔

"تمہارا فون تو تمہارے پاس ہوگا۔ اسے میں کیسے اٹھا سکتی ہوں۔"

"مہو....." اس نے زچ ہوتے ہوتے خود پر قابو پایا۔ "مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ میں رات کو تمہارے سیل پر کال کروں گا۔ پلیز، پلیز ریسیو کر لینا۔" وہ انتہائی سنجیدہ تھا۔

"جو کہنا ہے ابھی کہو۔ میرے اعصاب دن میں دو بار تمہیں جھیلنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

"نہیں بات تو میں رات کو ہی کروں گا۔ اگر تم چاہتی ہو کہ میں خود بہ نفس نفیس آکر تم سے وہ بات نہ کہوں تو تمہیں رات کو میری بات سننی پڑے گی۔ ٹھیک ہے۔ میں رات کو گیارہ بجے کال کروں گا۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"لیکن تب تک میں سو چکی ہوں گی۔" اس نے جتانا چاہا تھا مگر رامش نے اس کی بات سنے بغیر ہی کال ڈسکنکٹ کر دی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے وہ اٹھ آئی تھی۔

چائے بنانے کے بعد جب وہ اسید سے پوچھنے اس کے کمرے میں آئی تو اسے سر تھامے گم سم سی حالت میں بیڈ پر بیٹھے دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ اس نے ابھی تک چینج بھی نہیں کیا تھا۔

"اسید بھائی۔" اس نے دھیرے سے پکارا تو وہ چونکا۔

"کیا ہوا..... کوئی پریشانی ہے؟" اپنی فطرت کے برخلاف وہ نجانے کیسے یہ سوال پوچھ گئی۔ اسید کے ہاتھ میں سیل فون تھا۔ مہو اندازہ لگا رہی تھی کہ شاید کسی کا فون آیا تھا۔

"آں..... نہیں کوئی پریشانی نہیں۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے سیل سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ اس کے چہرے پر پھیلا اضطراب اس کے الفاظ کی نفی کر رہا تھا۔ بغور اسے دیکھتے ہوئے مہو سمجھ گئی کہ شاید اس پریشانی کا تعلق شازمہ بھابھی سے ہو سکتا ہے۔ مگر کچھ کہنے کے بجائے اس نے بات بدل دینا بہتر سمجھا۔

"میں چائے کا پوچھنے آئی تھی۔ آپ باہر نہیں آئیں گے۔ میں یہیں لے آؤں۔"

"نہیں مہو میں چائے نہیں پیوں گا۔ تھینک یو۔" وہ جواب دیتے ہوئے اٹھا تھا۔ چند لمحے حیران سی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ واپس پلٹ آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"مہو..... مہو اٹھو۔" گہری نیند میں ہونے کے باعث وہ پہلے تو شناخت ہی نہیں کر پائی کہ یہ آواز کس کی ہے۔ وہ تو جب دوبارہ جھنجوڑا گیا تب اس کے حواس جاگے مگر اس کے باوجود اس کی آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں اور بند آنکھوں سے ہی وہ یہ ضرور محسوس کر سکتی تھی کہ ابھی صبح نہیں ہوئی۔

"مہو۔" اس بار امی کی آواز کے ساتھ ہی اسے بند آنکھوں کے پیچھے روشنی کا جھماکا محسوس ہوا۔ وہ آنکھوں کو ہاتھوں سے ڈھانپتے ہوئے بے اختیار اٹھ بیٹھی۔ کسی ہنگامی صورت حال کا احساس خطرے کی گھنٹی بن کر دل و دماغ میں گونجا تھا۔ ورنہ امی کو اتنی رات میں اسے جگانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

"کیا ہوا امی!" آہستگی سے پوچھتے ہوئے اس نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹایا۔ تیز روشنی کے باعث آنکھیں ابھی بھی دیکھنے سے عاری تھیں۔

"شازمہ..... شازمہ بیٹی کو جنم دیتے ہوئے چل بسی ہے مہو۔" کپکپاتے لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے اس کے اعصاب پر بم پھوڑا تھا۔ وہ حیرت زدہ ہو کر انہیں دیکھتی رہ گئی۔ اب نہ صرف آنکھیں کھل گئی تھیں بلکہ ساری نیند بھی پل بھر میں اڑنچھو ہو گئی تھی۔

"کیا۔ کیا کہہ رہی ہیں امی آپ۔۔۔!" اسے اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

"رات کو ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اسے ہاسپٹل لے جایا گیا مگر۔۔۔ بچی تو بچ گئی ڈاکٹرز اسے نہیں بچا سکے۔ اسید تمہارے ابو کے ساتھ ایئرپورٹ گیا ہے فلائٹس کا پتا کرنے۔ اگر ٹکٹ مل گئی تو میں بھی اس کے ساتھ جا رہی ہوں۔ اٹھو تم سمیعہ کو بھی جگا دو۔" گھبرائے ہوئے لہجے میں ہدایت کرتی وہ بہ عجلت باہر نکل گئیں۔ مگر وہ ساکت و جامد بیٹھی رہی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ یہ کیسے ہو گیا۔" آنکھوں کے سامنے شازمہ کا ہنستا مسکراتا چہرہ آیا اور ذہن و دل میں طوفان اٹھنے لگے۔

"شازمہ بھابھی سب کو چھوڑ کر چلی گئیں اپنے شوہر۔۔۔ اپنے بچوں کو۔۔۔ او خدایا۔" اسے پتا بھی نہیں چلا تھا اور آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔

وہ رات بہت رینگ رینگ کر گزری تھی۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ اس وقت رات کے محض دو ہی بجے تھے۔ جس وقت امی نے آ کر اسے جگایا تھا۔ اس کے بعد باقی کی رات ٹہل ٹہل کر کبھی لاہور تو کبھی ابو کو فون کھڑکانے میں گزر گئی تھی۔ دوسرے دن اسید کے ہمراہ امی دس بجے کی فلائٹ سے لاہور کے لیے فلائی کر گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد گھر میں چھائی خاموشی اور سوگواری میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

"مجھے تو بےچارے اسید بھائی پر ترس آتا ہے۔ انہیں آئے دن ہی کتنے ہوئے تھے۔ اب وہ پچھتا رہے ہوں گے ناکہ کاش۔۔۔ نہیں آئے ہوتے۔"

وہ دکھتے سر کو تھامے کچن ٹیبل کی کرسی پر چپ سی بیٹھی تھی جب سمیعہ نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے گہری افسردگی سے کہا تھا۔

"جو ہونا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ہمارے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ بدل نہیں سکتا۔" رونے اور رتجگے نے اس کی غلافی آنکھوں کو مزید نمایاں کر دیا تھا۔ ڈھلک آنے والے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی۔ "میں تو احمد کا سوچ رہی ہوں۔ کتنا چھوٹا ہے وہ۔۔۔ اور 'اور وہ بچی۔۔۔ اس نے ماں کی صورت بھی نہیں دیکھی۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی

"مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا۔ شازمہ بھابھی تو بالکل ٹھیک تھیں اگر ٹھیک نہ ہوتیں تو اسید بھائی انہیں چھوڑ کر کبھی یہاں نہ آتے۔ پھر اچانک ہی ایسا کیوں ہو گیا۔"

"اسید بھائی کل بہت پریشان تھے۔ تم نے دیکھا تھا نا۔۔۔ مہو۔۔۔ کیوں نہ ہم امی کو فون کریں۔" کہتے ہوئے سمیعہ کو اچانک ہی خیال آیا۔

وہ چونکی پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں۔۔۔ ابھی شاید وہ ٹھیک سے بات نہ کر پائیں کل فون کر لیں گے۔" وہ اٹھ گئی۔ سمیعہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"مہو چائے تو پی لو تم نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔"

"دل نہیں چاہ رہا سمیعہ۔ جب بھوک لگی تب خود ہی کچھ کھا لوں گی۔" بے دلی سے کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

الماری کے دونوں پٹ کھلے تھے۔ کتنی دیر ہو گئی تھی اسے یونہی بت کی مانند کھڑے سامنے پڑے رنگ برنگے ملبوسات کو تکتے ہوئے۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا ان میں سے کسی ایک بھی لباس کو اس نے اس کے وجود پر سجے دیکھا ہو۔ وہ کیا اوڑھتی تھی۔ کیا پہنتی تھی، کیسی لگتی تھی اس نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب ان کپڑوں، ان رنگوں سے اسے کوئی انسیت کوئی آشنائی محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔ خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ سفید رنگ کا لباس اٹھایا اور آ کر بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔

"کاش۔۔۔ تم مجھے پچھتانے کا یہ موقع نہ دیتیں۔ کاش تم مجھے چھوڑ کر جانے میں اتنی جلدی نہ

کرتیں۔" پانچ سالہ رفاقت میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ وہ دونوں الگ ہوئے تھے اور ہمیشہ کے لیے ہی الگ ہو گئے تھے۔ اگر اسے اس انہونی کا علم ہو جاتا تو وہ آخری لمحہ تک اس کے ساتھ گزارنے کی سعی کرتا۔ لیکن اگر یوں ہوتا تو آج گزرے لمحوں کی پشیمانیاں کسی گرد آلود غبار کی طرح اس کی ذات کا احاطہ کیوں کیے رکھتیں۔ وہ اس کے لیے ایک آئیڈیل بیوی تھی مگر من چاہی نہیں تھی اور یہ ایک چیز اس کی تمام خوبیوں پر بھاری پڑ گئی تھی۔ اس کے باوجود ان دونوں کی ازدواجی زندگی بہت اچھی گزر رہی تھی۔ اسید اپنے جذبے اپنے راز دل کی گہرائیوں میں مدفن رکھنے کا قائل تھا اور شازمہ کھوجنے جانچنے والی ہستی نہیں تھی۔ اس کے لیے جو اسے نظر آتا تھا وہی حقیقت تھی اور جو مل رہا تھا اس پر مطمئن شادی کے سال بعد احمد کی صورت ایک بہترین تحفہ دے کر وہ اس کی زندگی کو اور بھی مکمل کر گئی تھی۔ اسید اس کا احسان مند تھا۔ مگر کبھی اس احسان مندی کا اظہار لفظوں تک نہیں پہنچا تھا اور آج جب وہ اس سے یہ سب کہنا چاہ رہا تھا تو آج وہ ہی نہیں رہی تھی۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے ان سرسراتے کپڑوں کو ہاتھوں میں بھینچا۔

"پاپا...." احمد کی نحیف سی آواز اسے چونکا گئی۔ اس نے بے اختیار گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ کب جاگا اسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔ گھٹنوں کے بل اٹھتے ہوئے ننھے احمد نے آکر اس کے گلے میں بانہیں ڈالی تھیں، وہ اس کی پشت سہلانے لگا۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ مما کے پاس جانے کی ضد کر کر کے، رو رو کر تھک گیا تھا اور اسید اسے بہلا بہلا کر اور تب ہی اس کی یہ غلط فہمی بھی رفع ہو گئی کہ وہ سب سے زیادہ اس سے اٹیچ ہے۔ ماں کی موجودگی میں اس کا لاڈ اور پیار اس کے لیے ایک بونس کی طرح تھا جسے وہ خوشی خوشی وصول کیا کرتا تھا۔

اور اب جب وہ نہیں تھی تو اس کا ہر حربہ ناکام ہو رہا تھا اسے بہلانے کا۔ اسے ماں چاہیے تھی رات کو سوتے اور صبح اٹھتے وہ سب سے پہلا نام مما کا ہی لیتا

تھا۔ اسید اسی میں الجھا رہتا بچی کو تو اس نے ابھی تک ٹھیک سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ پھپھو کے پاس رہتی تھی یا ندا کے پاس۔ اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ امی بی اس عمر میں اتنی چھوٹی بچی کو سنبھالنے کی سکت بالکل بھی نہیں تھی، جس کا اظہار وہ ابھی سے برملا کرنے لگی تھیں۔ ندا کو اپنے گھر چلے جانا تھا۔ اسید کو اپنی نوکری کی ٹینشن تھی۔ وہ تو سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا تھا کہ اب کیا ہوگا اور رات جب ندا نے اپنے جانے کی بات کی تو وہ متوحش نظروں سے اسے دیکھا رہ گیا۔

"میرا خیال ہے بھائی.... مجھے معطر کو اپنے ساتھ لے جانا چاہیے۔"

"معطر۔" وہ چونکا.... "تو تم نے اس کا یہ نام رکھا ہے۔"

"آپ لوگوں کو کس چیز کا ہوش ہے۔ بے نام پڑی ہوئی ہے لاوارثوں کی طرح مرے ہوؤں کے ساتھ مرا نہیں جاتا ہے۔ لوگ تو دبے لفظوں میں کہہ رہے ہیں۔ آپ تو ثابت کرنے پر تل گئے ہیں اسے بدقسمت۔" ندا پھٹ پڑی تھی۔

"خدا نہ کرے ندا یہ معصوم بدقسمت کیوں ہونے لگی۔" پھپھو نے بے اختیار کمبل میں لپٹی اس ننھی سی جان کو بھینچا تھا۔

"یہ سوگ ختم کریں اور بچوں کا سوچیں۔ احمد رو رو کر ہلکان ہوتا ہے آپ سنبھال بھی سکتے ہیں مگر معطر کا کیا.... شازمہ بھابھی کے گھر والوں کا تو سوچنا بھی فضول ہے ماں باپ ہیں نہیں نہ ہی کوئی بہن بھائی سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہیں۔ وہ کیوں لیں گے اس چھوٹی سی بچی کی ذمہ داری اور یہاں کیا ہے امی تو خود کو نہیں سنبھال سکتیں۔ اشعر سارا دن گھر میں بیٹھا نہیں رہ سکتا اور آپ کو بالآخر اپنی نوکری پر چلے جانا ہے۔ کچھ سوچا ہے اس کا حل کیا ہوگا۔" وہ سوال کر رہی تھی اس کے پاس بھلا کیا جواب ہوتا نڈھال سا ہو کر کنپٹیاں سہلانے لگا۔

"احمد سمجھ دار ہو رہا ہے۔ ابو اور اشعر کے ساتھ خوش بھی رہتا ہے۔ امی اسے ہینڈل کر سکتی ہیں مگر معطر

۔۔۔ میرا اسے لے جانا ہی ٹھیک ہوگا۔ اگر آپ چاہیں تو ہمیشہ کے لیے۔" اس نے کہا تھا۔ اسید تڑپ سا گیا۔

"نہیں۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔" وہ اس کی اولاد تھی اس کا اپنا خون۔۔۔ دل پر چھائی بے حسی کی برف ندا کے اس جھٹکے نے ایک لمحے میں جھاڑ دی تھی۔ بے قرار سا ہو کر اٹھتے ہوئے اس نے پھپھو کی گود سے اٹھایا۔ اتنے دنوں میں پہلی بار باپ کے پرشفقت لمس سے آشنا ہوتے ہی اس نے بڑے بھرپور انداز میں ہاتھ پیر ہلائے تھے۔ گلابی پھولے پھولے گالوں۔۔۔ سیاہ چنی منی آنکھوں والی اس جاپانی گڑیا کو دیکھتے ہی درد کی ایک لہر سی دل میں آکر گزر گئی تھی۔ لب بھینچتے ہوئے اس کا ضبط چھوٹتے چھوٹتے رہ گیا۔

"یا پھر جب تک کسی آیا کا بندوبست نہیں ہو جاتا ۔۔۔ یہ میرے پاس ہی رہے گی۔" ندا اس کی کیفیت محسوس کر گئی تھی۔ دھیرے سے کہتے ہوئے اٹھ کر قریب آئی۔ "کیوں میری گڑیا رانی رہے گی نا اپنی پھپھو کے پاس۔" اسے اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس کا لہجہ بھیگا تھا۔

"مگر ندا۔۔۔ تمہارا تو خود چھوٹی بچی کا ساتھ ہے۔ کیسے کرو گی؟" پھپھو نے پریشان ہو کر استفسار کیا

"میں کرلوں گی پھپھو۔ مگر امی نہیں کرپائیں گی۔ انہیں ایک عرصہ ہو گیا ہے یہ سب کیے۔ اتنے چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال آسان نہیں ہوتی۔ احمد کی بار تو بھابھی تھیں۔ مگر اب جب ان کی اپنی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ کیسے ہوگا۔" اس نے بے بسی سے کہا تھا۔ امی اس وقت بھی بی پی شوٹ کر جانے کے باعث دوائیں لے کر آرام کر رہی تھیں۔

"بھائی! کیا کہتے ہیں آپ؟" وہ اس سے مخاطب ہوئی۔

اسید جو کسی سوچ میں گم کھڑا تھا اس کی سمت دیکھنے لگا۔ "ٹھیک ہے ندا۔۔۔ مگر کچھ دن کے لیے، میں استعفیٰ دے رہا ہوں۔ کسی نہ کسی حد تک تو یہ مسئلہ حل ہو ہی جائے گا۔" ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتے اس نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ پھپھو اور ندا دونوں ہی ہکا بکا رہ گئیں۔

"کیا۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو اسید۔۔۔ نوکری چھوڑ دو گے۔ یہ ہے تمہارے مسئلے کا حل؟" پھپھو حیرت اور تاسف سے پوچھنے لگیں۔

"میرے لیے یہ جاب جاری رکھنا ناممکن ہو گیا ہے۔ آپ لوگ جانتے ہیں۔ میں وہاں چلا بھی جاؤں تو میرا ذہن اور دل یہیں رہے گا۔ اس سے بہتر ہے میں یہیں کہیں جاب ڈھونڈ لوں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

"تم اپنے آفس والوں سے بات کرو۔ ان سے کہو دوبارہ تمہیں یہاں بھیج دیں۔" پھپھو نے اس کی سنجیدگی محسوس کر کے مشورہ دیا۔

"اول تو ایسا ہو نہیں سکتا۔ بالفرض وہ مان بھی گئے تو اس میں دن لگ سکتے ہیں۔ اور میں نے کہا نا۔۔۔ مجھے اب یہاں سے کہیں نہیں جانا۔"

"میرا خیال ہے بھائی۔ آپ ایک بار ابو سے مشورہ کرلیں۔ اس کے بعد جیسے کا جو بھی کرنا ہے۔" ندا دھیرے سے کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ کوئی جلد بازی مت کرو۔۔۔ اچھی طرح سوچ لو۔ ایسی اچھی ملازمتیں بار بار نہیں ملا کرتیں۔ وہ نوکری چھوڑ دو گے تو سارا دن گھر میں بچوں کے ساتھ بیٹھے تو نہیں رہ سکتے۔ کام تو یہاں بھی کرنا ہے۔" وہ اسے اس کے فیصلے سے باز رکھنا چاہ رہی تھیں اس کے چہرے پر تفکر کا جال سا بن گیا تھا۔

"جو بھی فیصلہ کرنا سوچ سمجھ کر کرنا میرے بیٹے۔" انہوں نے اس کا بازو تھپکا۔ "اور ہو سکے تو میرے لیے بھی کل یا پرسوں کی سیٹ بک کروا دو۔ میرا جہلم تک یہاں رکنا ممکن نہیں ہو سکے گا۔" قدرے توقف سے انہوں نے اپنی بات کہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔

"تو آپ بھی چلی جائیں گی۔" بوجھل لہجے میں پوچھتے ہوئے اس کی آواز دھیمی ہوئی۔

"آج یا کل۔۔۔ جانا تو مجھے تھا ہی مہو نے کبھی اکیلے گھر نہیں سنبھالا اب اس نے کچھ کہا تو نہیں ہے مگر

میں جانتی ہوں اسے مشکل ہو رہی ہوگی۔" انہوں نے مجبوری بیان کی۔

"ٹھیک ہے پھپھو میں کل دیکھتا ہوں۔" تھکے تھکے سے انداز میں کہہ کر وہ بوجھل قدموں سے باہر نکل آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے۔ میری مہو کے خوب صورت چہرے پر یہ اداسیاں۔"

دھیرے سے ہلتے جھولے کو روکتے ہوئے اس نے پیر زمین پر ٹکا کر نظریں اٹھائیں۔ سینے پر بازو باندھے وہ پاس ہی کھڑا تھا۔ اسے حیرت ہوئی بھی تو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ بس خاموشی سے نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔ وہ قریب آکر بیٹھتے ہوئے اسے کھسکنے پر مجبور کر گیا۔

"تم نے اس رات میری کال ریسیو نہیں کی تو سوچا تھا کل خود تم سے آکر بات کروں گا مگر کبھی کبھی وہ ہو جاتا ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔" وہ افسردگی سے مسکرایا تھا۔

"ہاں۔ واقعی کبھی کبھی وہ ہو جاتا ہے جو ہم نے سوچا بھی نہیں ہوتا۔" کسی سوچ میں الجھی وہ غیر ارادی طور پر اس کی تائید کر گئی۔ رامش نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے..... جنگلی بلی نے آج پنجے نہیں نکالے۔"

"بور مت کرو رامش..... میں موڈ میں نہیں ہوں۔" وہ بے زار ہو چلی۔

"ٹھیک ہے نہیں کرتا ویسے بھی میں تم سے کچھ اور کہنے آیا تھا۔" وہ کچھ سوچ کر مسکرایا۔ اس نے نوٹس نہیں لیا۔ بے نیازی سے ناخن کترتی رہی۔

"مجھ سے شادی کرو گی؟"

"نہیں۔" مہو نے اس کی بات ختم ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"یہ بات منوانے کے لیے اگر مجھے تمہارے پیروں پر بھی گرنا پڑے تو میں دریغ نہیں کروں گا۔" بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے وہ دھیرے سے بولا۔

"میرا تب بھی یہی جواب ہوگا۔" لہجے کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی بے تاثر تھا۔

"تم سچ مچ اتنے بھولے ہو رامش۔ یا پھر صرف بنتے ہو۔ دوسری شادی کا اتنا ہی ارمان جاگا ہے تو اپنی والدہ سے کہہ دو۔ دوسری بار تمہارے سر پر سہرا سجانے کے لیے وہ کسی نہ کسی لڑکی کو ڈھونڈ ہی لیں گی۔" اس کی بے نیازی کا خول تڑخا تھا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔

"بالکل صحیح..... مجھے امی سے بات کرنی چاہیے۔ امی کو بھیجنا چاہیے۔ تب ہی کوئی بات بنے گی۔" وہ سر ہلاتے ہوئے جیسے صحیح پوائنٹ پر پہنچا تھا۔ مہو ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے؟"

"کیوں..... ؟ ابھی تم نے خود ہی تو کہا۔" رامش نے مصنوعی حیرانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ رخ موڑتے ہوئے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

"مہو۔" اس نام میں جیسے اس کا دل دھڑکتا تھا۔ وہ اٹھ کر اس کے مقابل آیا۔ شاکنگ پنک کلر کے چوڑی دار پاجامے اور ہاف سلیوز کی قمیص میں دوپٹا شانوں پر پھیلائے برہمی سے لب کاٹتی وہ نازک اندام پری پیکر اس کا رہا سہا اختیار بھی قابو کر رہی تھی۔

"تم مجھے سزا دینا چاہتی ہو نا! دیتی رہو مگر میرے ساتھ رہ کر۔" پیاسی نظریں اس کے چہرے پر گاڑتے ہوئے بوجھل لہجے میں بولا۔

"وہ تمہارے لیے نہیں' میرے لیے سزا ہوگی۔" اس نے کلس کر کہا تھا۔

"میں اس بار تمہیں کھونا نہیں چاہتا مہو آئی لو یو سو مچ۔"

"یہ جملہ اپنی بیوی سے کتنی بار کہا تھا؟" اس کا لہجہ کاٹ دار ہوا۔

"ایک بار بھی نہیں۔" وہ پھیکے پن سے مسکرایا۔

"ہونہہ۔" وہ نخوت سے سر جھٹک کر رہ گئی۔

"مہو..... میری مہو۔" اس کا بازو پکڑ کر رامش نے اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

"میں جانتا ہوں یہ نفرت، یہ بے زاری یہ گریز..... اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تم میری ہو اور تمہیں میری ہی بننا ہے بس یہی سچ ہے۔ اسے یاد رکھو اور باقی سب کچھ بھول جاؤ۔" دو ٹوک لہجے میں کہتے ہوئے اس نے جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑا تھا۔ مہو کو لگا دل میں بھڑکتے شعلے پورے وجود میں پھیلنے لگے ہوں۔

"چھین لوں گی۔ بہت جلد میں تم سے اپنا نام لینے کا اختیار بھی چھین لوں گی۔ تمہارا یہ غرور پاش پاش ہو گا رامش تم کبھی مراد نہیں پاؤ گے۔" تیزی سے اٹھتے اس کے بھاری قدموں کو دیکھتے ہوئے اس کے سرکش دل نے ٹھان لی تھی۔

"رامش آیا تھا مہو؟" اس کے اندر آتے ہی امی نے پوچھا تھا۔ وہ اس وقت فون پر مصروف تھیں۔ جب سے آئی تھیں تب سے دن میں کئی کئی بار لاہور فون کر کے بچوں کی خیریت معلوم کرتی رہتی تھیں۔

"اندر کیوں نہیں آیا.....؟" وہ شاید اسے اس کے ساتھ کھڑا دیکھ چکی تھیں۔

"اوپر آیا تھا وہ..... سرمد سے کوئی کام تھا اسے، یہاں نہیں آیا۔" تنک کر کہتے ہوئے وہ دھم سے صوفے پر بیٹھی۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے بغور اس کا یہ برہم انداز دیکھا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔ آپ بتائیے احمد اب کیسا ہے۔" اس نے بات بدلی۔

"وہ پہلے سے ٹھیک مگر کیا فائدہ۔ بخار ٹھیک ہو بھی جائے تو جتنے چڑچڑے پن کا وہ شکار ہے پھر سے اس کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ خدا ان معصوموں کی مشکل آسان کرے میرا تو دل کٹا جا رہا ہے۔" وہ پھر سے دلگیر ہوئی تھیں۔

گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں انہیں دیکھتی رہی۔

"اسید بھائی کیسے ہیں۔ واپس نہیں آ رہے؟"

"وہ نہیں..... چھٹیاں بڑھالی ہیں اس نے، پتا نہیں آگے کیا ارادہ ہے۔ وہ تو نوکری چھوڑنے کی بات کر رہا تھا۔" تھکے سے انداز میں کہتی وہ اٹھ گئی تھیں۔ اس کا دل دکھ و تاسف سے بھر گیا تھا۔

"میری بیٹی کیسی ہے ندا؟" آج نجانے کتنے دنوں بعد اسے فرصت ملی تھی فون کر کے یہ پوچھنے کی۔

"بہت اچھی ہے، اب تو باتوں پر رسپانس بھی دینے لگی ہے۔ حسنہ بہت خوش ہے اسے دیکھ کے سارا سارا دن اس کے گرد منڈلاتی رہتی ہے۔ اب تو اس نے مجھے بھی تنگ کرنا چھوڑ دیا ہے۔" ندا نے ہنس کر بتایا تھا۔

"آپ آئیں گے نہیں اسے دیکھنے؟"

"آؤں گا تو پھر اسے چھوڑنے کا دل نہیں کرے گا۔ اس لیے کچھ دن کے لیے تو رہنے ہی دو۔" اس نے بدقت لہجہ ہموار رکھا۔

"بھائی..... ایک بات کہوں۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ندا ہچکچاتے ہوئے گویا ہوئی تو اسید چونک سا گیا۔ "آپ..... آپ شادی کر لیں۔"

"یہی بات کرنی تھی۔" وہ ہڑبڑا کر رہ گیا۔ آج کل وہ یہ مشورہ ہر دوسرے فرد سے سن رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔ آپ کے لیے یہ آسان نہیں۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں۔ آپ ابھی جذباتی ہو کر سوچ سکتے ہیں مگر کچھ عرصے بعد آپ کو مجبور ہو کر یہ فیصلہ کرنا ہی پڑے گا۔ تن تنہا بچوں کی پرورش کرنا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ تھک جائیں گے پھر بھی وہ خلا پر نہیں کر پائیں گے جو ماں کے نہ ہونے سے ان کی شخصیت میں پیدا ہو گا۔"

"تم اپنی جگہ صحیح ہو ندا۔ مگر ان کے لیے اس خلا کے ساتھ رہنا بہتر ہے بجائے سوتیلے رشتوں کے بوجھ تلے دبی اپنی بگڑتی، مسخ ہوتی شخصیت سے نبرد آزما ہونے کے۔ سگی ماں کا متبادل کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے طور پر بری بھلی جیسی بھی ہوئی ان کی تربیت کرنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے نہ تو اس آپشن پر سوچنے کی کوئی ضرورت ہے نہ آئندہ کبھی ہوگی۔"

اس نے بڑے واضح انداز میں اپنا موقف بیان کیا تھا۔ ندا اور کچھ کہہ ہی نہیں پائی۔

مگر وہ صرف ندا کو چپ کروا سکتا تھا۔ اس سے اگلے روز جب احمد کے بخار کے باعث وہ اور امی رات بھر اس کے ساتھ جاگے تو صبح امی نے بھی اس کے سامنے یہی آپشن رکھا۔ اس کے بعد ابو نے ۔۔۔ جب انہیں اس کے نوکری چھوڑنے کے ارادے کا پتا چلا۔ اشعر نے ۔۔۔ روتے ہوئے احمد کو بہلانے میں ناکام ہوتے ہوئے جب اسے اس کی گود میں دیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس مختصر سے عرصے میں ہی ان کی ہمت ختم ہو گئی ہو۔ حالانکہ ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے۔ وہ دہرے عذاب میں آ گیا تھا۔ فی الحال تو معطر کو بھی ندا ہی سنبھال رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا جب وہ اسے لے آئے گا تب کیا ہو گا۔ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ شازمہ کی موت کی سزا اس ننھی سی بچی کو دیتا۔ اسے اس کے گھر، اس کے خاندان سے دور کر کے۔ اسے تعاون کی ضرورت تھی۔ اکیلے صرف اپنے بل بوتے پر ان کی پرورش کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا مگر اس کے اپنے تو ابھی سے ہی تھکنے لگے تھے اور یہ بات اس کا بھی حوصلہ توڑنے کے لیے کافی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ ۔۔۔ یہ بات آپ ہی کہہ رہی ہیں نا ۔۔۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔" وہ امی کی یہ بات سنتے ہی چلا اٹھی تھی۔ پاس بیٹھی سمیعہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"بس بھی کرو مہو ۔۔۔ ڈرامہ مت ۔۔۔" اس نے بے زاری سے کہنا چاہا مگر مہو کی زوردار ڈپٹ نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔

"منع کر دیں ۔۔۔ فوراً منع کر دیں۔" وہ غصے سے لال ہو رہی تھی۔

"دماغ ٹھیک ہے۔ کوئی ایرے غیرے نہیں ہیں وہ کہ آنے کی زحمت دیے بغیر ہی صفاچٹ انکار کہلوا دیں اور انکار کریں بھی کیوں؟ پہلے ہی تمہارے ان تماشوں کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے۔ کوئی راجہ نہیں آئے گا ۔۔۔ بیاہنے۔ اب اس کو غنیمت سمجھو۔"

امی اس سے زیادہ برہم ہوئی تھیں۔ بھر آنے والی آنکھوں کو جھپکتے وہ لمحہ بھر کو خاموش ہی ہو گئی۔

"امی! آپ نے اپنی ان جٹھانی صاحبہ سے پوچھا نہیں کہ پہلے وہ کہاں تھیں؟" اس کی حالت محسوس کر کے سمیعہ نے تلخی سے ان سے دریافت کیا۔

"نہیں پوچھا اور پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ سب نصیبوں کی باتیں ہیں۔ انہیں اگر مہو کا خیال آ بھی گیا ہوتا تو اس وقت اس کا بھی وہی حال ہوتا جو رامش کی سابقہ بیوی کا ہے۔" امی نجانے کن خیالوں میں تھیں۔ گھٹنوں پر کہنیاں ٹکائے اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

"میں تم سے کہہ رہی ہوں مہو۔ تمہاری یہ ہٹ دھرمی مزید نہیں چلے گی۔ پہلی شادی کوئی کلنک کا ٹیکہ نہیں ہوتی۔ مردوں کو ایسی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسی لڑکیاں بھی دیکھی ہیں میں نے کہ عمر گزر نے پر سوکن بننے پر بھی تیار ہو جاتی ہیں۔ جبکہ یہاں تو یہ جھنجھٹ بھی نہیں ہے۔"

"امی! کیا کہہ رہی ہیں آپ!" عمر کے اس طعنے پر سمیعہ نے گھبرا کر اس کی صورت دیکھی۔ جو شدت ضبط سے سرخیاں چھلکانے لگی تھی۔

"اس ایک شادی کے علاوہ کوئی خرابی نہیں ہے رامش میں۔ ابھی بھی کئی لوگ آس لگائے بیٹھے ہیں۔ اسے تم اپنی خوش قسمتی جانو۔"

"خوش قسمتی۔" اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"ورنہ بھابھی تو پہلے ہی فون کر کے کسی مطلقہ بھوکی تلاش کا کہہ چکی ہیں۔ کہہ دوں گی آ کر تمہیں ہی لے جائیں۔ شوہر اور سسرالیوں کے ساتھ ساتھ بچوں کی ذمہ داری بھی گلے پڑے گی تب پتا چلے گا تمہیں اور تب آ کر کرنا میرے ساتھ یہ بحثیں۔" امی شاید آج کوئی فیصلہ کر کے ہی آئی تھیں۔ ڈھلک آنے والے آنسوؤں کو پونچھتی وہ اٹھی۔

"امی ۔۔۔ اسید بھائی دوسری شادی کر رہے ہیں۔" سمیعہ کا دھیان اس بات پر اٹکا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو ۔۔۔ میری بات ابھی پوری نہیں

ہوئی۔" انہوں نے سمیعہ کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر انہیں دیکھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سمجھ گئی۔" سپاٹ چہرے سے کہتے ہوئے وہ رکے بغیر نکل آئی تھی۔

"میں نے اسے منع کیا پھر بھی۔۔۔ یہ سمجھتا ہے اس طرح سے مجھے جیت لے گا۔ میری مرضی کی اہمیت نہیں۔ میری ذات' میری عزت کچھ نہیں۔۔۔۔ میں سب کچھ بھول جاؤں۔" باہر آتے ہی وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی تھی۔ دبی چنگاریوں کو پھر سے ہوا ملی۔ اس کا تن من جلنے لگا۔ رامش اگر کسی امید میں تھا بھی تو اس میں غلطی اس کی تو نہیں تھی۔ اگر وہ بھی بہت پہلے کسی کا ہاتھ تھام چکی ہوتی تو اسے یہ خوش فہمی تو نہ رہتی کہ وہ اس کی منتظر ہے۔ اسی کے لیے جوگ لیے بیٹھی ہے۔ وہ خود کو صبح کا بھولا سمجھ رہا تھا اور چاہتا تھا کہ مہو بھی یہی سمجھے۔ مگر اس کے لیے بہت پہلے سارے باب بند ہو چکے تھے۔ صدیاں حائل ہو گئی تھیں ان کے درمیان۔

"نہیں رامش نہیں۔۔۔۔ میں اس بار تمہیں خود سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ میں اب تمہیں جیتنے نہیں دوں گی۔ محبت ہار چکی ہوں مگر اپنی ذات کا غرور نہیں ہار سکتی۔ میرے پاس کھونے کے لیے اور کچھ نہیں بچا۔" تپتے رخساروں پر ہاتھ رکھے ہتھیلی کے جھاڑ پر نظریں جمائے اسے فیصلہ کرنے میں ایک پل لگا تھا بس اور پھر ای تک یہ فیصلہ پہنچانے میں اس نے زیادہ انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

سمیعہ نے چیخ چیخ کر اس سے اس فیصلے کی وجہ پوچھی۔ ابو نے پاس بٹھا کر کتنی ہی دیر سمجھایا۔ ارحم نے کویت سے فون کر کے اسے ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر اس کی ایک ہی تکرار تھی۔

"اگر آپ کو میرا یہ فیصلہ منظور ہے تو ٹھیک۔۔۔۔ ورنہ پھر اس گھر سے میری ڈولی تو نہیں' میرا جنازہ ہی اٹھے گا۔"

بعض اوقات کچھ فیصلے نفع و نقصان کو دیکھے بغیر' نتائج کی پروا کیے بغیر کر لیے جاتے ہیں اور مہو بھی یہی کر رہی تھی اور ایسا کرتے ہوئے وہ خود بھی یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔

☆ ☆ ☆

بالکونی کی دیوار پر ہاتھ رکھے اس کی نظریں دور سے برقی قمقموں کی مانند نظر آتی روشنیوں پر تھیں۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے شور مچاتے ہوا کے ان نم جھونکوں کو پھیپھڑوں میں بھرا تھا۔ کتنی دیر ہو گئی تھی اسے یہاں کھڑے۔ اس میں ہمت ہی نہیں رہی تھی۔ اندر جا کر اپنی زندگی کی سب سے بڑی انہونی کو دیکھ کر ہر بار کی طرح ایک بار پھر حیران ہونے کی۔ وہ مجسم حیرت تھا اب تک۔ یہ کیسے ہوا' کس طرح ہوا۔ حالات و واقعات کے تسلسل کو سوچتے ہوئے بے یقینی سے شروع ہوئے اس کے خیالات بے یقینی پر ہی آ کر ختم ہو جاتے تھے۔ بالآخر تھک کر وہ پلٹ کر دروازہ کھولتے ہوئے اندر آیا اور سامنے ہی کمرے کا داخلی دروازہ کھول کر داخل ہوتی ندا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ بھی متعجب سی ہو گئی۔

"بھائی۔ کیا کر رہے ہیں آپ! سوئے نہیں ابھی تک؟"

"نیند نہیں آ رہی بچے سو گئے۔" پوچھتے ہوئے وہ صوفے پر آ بیٹھا۔

"احمد سو گیا۔ معطر بے چین سی ہے۔ بار بار جاگ پڑتی ہے۔ ابھی امی نے سورتیں پڑھ کر پھونکیں تو دوبارہ سے سلا کر آئی ہوں۔ مگر آپ کو کیا ہوا آپ کو تو اب سکون کی نیند سونا چاہیے۔" وہ دھیرے سے مسکرائی تھی آخری جملے پر۔

وہ خاموش ہی رہا۔ کیا بتاتا کہ اس کی نیند اب ہی تو صحیح معنوں میں غارت ہوئی ہے۔

"تم نے امی سے بات کی؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے یہ سوال کیا۔

وہ چونک گئی۔ "ہاں کی تھی۔ مگر امی کہہ رہی ہیں ان کے لیے اب مزید یہاں رکنا ممکن نہیں ہے۔ آپ ہی سوچیں وہ غلط تو نہیں کہہ رہیں۔ اشعر اور ابو کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ میں نے اظفر سے بات کی تو ہے مگر شاید ہی وہ مجھے اتنے دن وہاں رہنے کی اجازت دیں جبکہ پہلے ہی میں ہفتہ بھر یہاں گزار چکی خیر آپ فکر مت کریں۔ ہمارے جانے کے بعد آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ مہو کم از کم اتنی لاابالی تو ہرگز نہیں ہے کہ گھر نہ سنبھال سکے۔ اچھی خاصی میچور لڑکی ہے۔ معطر تو ابھی شعور کی اس منزل کو ہی نہیں پہنچی ہاں احمر کو اس سے مانوس ہونے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے۔ مگر وہ آپ سنبھال لیجیے گا۔" ندا نے بڑے رسان سے کہا تھا۔ وہ بے بسی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا کاش کہ یہ سب واقعی اتنا آسان ہوتا جتنا کہ وہ اسے بتا رہی تھی۔

"اچھا ــ ابھی تو آپ سو جائیں۔ صبح ہمارے جانے کی وجہ سے پھر آپ کو جلدی اٹھنا پڑے گا ٹھیک ہے۔ شب بخیر۔ پلیز ٹینشن فری ہو کر سوئیے گا۔ زیادہ سوچیے گا مت۔" تاکید کرتے ہوئے وہ اٹھ گئی تھی۔

وہ بھی بچوں کو دیکھنے کی غرض سے اٹھ کر اس کے ساتھ برابر والے کمرے کی طرف چلا آیا۔

دروازے پر ہی رک کر اس نے ایک نظر دیکھا۔ بیڈ کے درمیان سکڑی سمٹی لیٹی اس کا ایک ہاتھ سوئے ہوئے احمر پر تھا اور اس کے بائیں جانب حمنہ لیٹی تھی۔ وہ احمر کو پیار کرنے کا ارادہ ملتوی کرتا واپس پلٹ آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم یہ کیا کر رہی ہو مہو ــ تم ایسا نہیں کر سکتیں ــ"

تڑپ کیسی ہوتی ہے۔ کچھ کھو دینے کا خوف کیا ہوتا ہے۔ ہراس و تشویش کیسے رنگ اڑاتا ہے وہ یہ آج رامش کے چہرے پر بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ جو اس کی اس انوکھی ضد کو سنتے ہی دوڑا دوڑا آیا تھا کسی ہارے ہوئے بوکھلائے ہوئے جواری کی طرح۔

"میں ایسا کر سکتی ہوں رامش۔ اور میں ایسا ہی کروں گی۔ اگر میں صرف اپنے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ اگر میں اپنی فیملی بنانا چاہ رہی ہوں تو اس میں غلط کیا ہے۔ میں پہلے ہی بہت دیر کر چکی ہوں۔ مگر اب میرے پاس اور وقت نہیں ہے ضائع کرنے کے لیے ہم اوور ایج لڑکیوں کا یہی مسئلہ ہوتا ہے رامش ہمیں پھر اسی قسم کے لولے لنگڑے رشتوں پر کمپرومائز کرنا پڑتا ہے۔ کوئی پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری کا خواہش مند ہوتا ہے تو کوئی بچوں کے لیے اور کسی کو اپنے بچوں کے لیے ماں چاہیے ہوتی ہے۔ اگر میں نے اب بھی کچھ نہیں سوچا تو کل کو یہ چوائس بھی نہیں بچے گی۔ میرے پاس۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے آرام سے اپنا موقف بیان کر رہی تھی۔

سختی سے لب باہم پیوست کیے وہ کچھ دیر تو خاموش رہا پھر ایک دم ہی اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا۔ اس کے قدم بے اختیار پیچھے ہٹے۔

"میرے ساتھ ایسا مت کرو مہو ــ پلیز مت کرو۔" اس کی آواز بے حد دھیمی تھی۔ وہ بھری ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے کیا کیا ہے رامش!" وہ بھی دو زانو ہو کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ "میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا ــ جو کیا ہے تم نے کیا ہے۔" اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے اس کا لہجہ لرزا۔

"تم نے مجھ سے پیار نہیں کیا مہو کبھی بھی نہیں۔" اس کی دھیمی سی بڑبڑاہٹ غیر واضح تھی۔ پتا نہیں وہ پوچھ رہا تھا یا بتا رہا تھا۔

"پیار کیا تھا رامش جو ختم ہو گیا۔ عشق نہیں کیا کہ خود فنا ہو جاؤں۔" ہتھیلیاں زمین پر ٹکا کر وہ اسے دیکھنے لگی۔

"جب تم اپنی نئی زندگی کا آغاز کرنے جا رہے تھے۔ میں آئی تھی تمہیں تمہارا پیار یاد دلانے۔ نہیں نا۔ تم تو اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس تمام عرصے میں مجھ پر کسی عذاب کی طرح اترتا، ہر دن، ہر رات، ہر پل، ہر لمحہ ــ

میری اذیت، میری تکلیف میری تڑپ کا۔ ہم میں تو اب کچھ بھی برابری کا نہیں ہے۔ ذرا مجھے ایک موقع تو دو کہ میں خود کو تمہاری برابری پر لا سکوں۔ سچا پیار کرتے ہو نا مجھ سے بولو۔۔۔ دو گے مجھے یہ موقعہ۔۔۔" وہ تلخ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ اس نے جلتی نگاہیں اس کی سمت اٹھائیں۔

"میں بھی تمہیں ٹھکرا سکوں۔ کسی اور کا ہاتھ تھام سکوں اور پھر جب کسی وجہ سے ہماری نبھ نہ سکے تو خود پر طلاق یافتہ کا لیبل لگا کر تمہارے پاس آ جاؤں۔۔۔ قبول کر لو گے مجھے۔" آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ اسے احساس تک نہیں تھا۔

"تو تم یہ چاہتی ہو۔" تاسف، بے یقینی، دکھ کی شدت سے اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔ خون ہوتے دل کا لہو آنکھوں میں آ ٹھہرا تھا۔

"ہاں۔۔۔ یہ چاہتی ہوں۔ اگر مجھے واقعی چاہتے ہو تو مجھے میری زندگی جینے دو۔ مجھے اپنا ساتھ دینے پر مجبور مت کرو ورنہ اس کشمکش میں ٹوٹ جاؤں گی۔" وہ رو پڑی تھی۔

اس کے ہونٹوں پر اک زخمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ "ٹھیک ہے تمہارا حکم سر آنکھوں پر۔۔۔ اگر اتنا بھی نہ کر پایا تمہارے لیے تو تف ہے میری محبت پر نہیں آؤں گا تمہارے رستے میں، تمہاری زندگی میں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جیسے چاہو جیو۔۔۔ مگر، مگر خوش رہنا۔۔۔ اتنا ضرور کرنا میرے لیے۔" ذرا سا جھک کر اس کا بھیگا چہرہ تکتے ہوئے اس کی آواز لڑکھڑائی تھی۔ ویران آنکھوں میں سرخی کے ساتھ ساتھ نمی بھی لحہ بھر کو جھلک دکھا گئی۔ وہ بہت تیزی سے مڑا تھا۔ مہو بھیگی آنکھوں سے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

پھر معاملات بہت تیزی سے طے ہوئے تھے۔ اس کا اسید سے نکاح ہوا۔ شادی بھی سادگی سے یہیں ہوئی۔ کیونکہ اس دوران اسید اپنی جاب جوائن کر چکا تھا۔ آفس کی جانب سے ملے گئے اس خوب صورت سے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہونے کے بعد۔ یوں جس گھر میں آنے کی خواہش کبھی شازمہ کو تھی۔ وہاں پہلا قدم مہو نے رکھا۔ اسید کے گھر والے ابھی یہیں تھے۔ مگر کل انہیں بھی چلے جانا تھا۔ مہو ابھی تک تو ٹھیک ہی تھی مگر سوچ رہی تھی ان کے جانے سے اسے پریشان ہونا چاہیے یا نہیں۔

"مہو سو گئیں؟" ندا کی ہلکی سی آواز پر وہ اپنے خیالوں سے باہر آئی۔ آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر دیکھا تو وہ حمنہ کو اٹھا رہی تھی۔

"کیا کر رہی ہو ندا۔۔۔ رہنے دو نا۔"

"ویسے تو کبھی کبھار ہی ہوتا ہے مگر رات کو یہ بستر گیلا کر دیتی ہے۔ ایسے نہ ہو آج تمہیں ڈسٹرب کر دے۔" ندا نے مسکرا کر کہتے ہوئے اسے زمین پر بچھے میٹرس پر ڈالا۔

"کیا احمد کو بھی عادت ہے؟" اس نے چونک کر اپنے ساتھ سوئے احمد کو دیکھا۔

"نہیں اگر ہوتی تو امی بتا دیتیں۔ خیر ابھی تم سو جاؤ ورنہ صبح ہی صبح معطر صاحبہ کا الارم اسٹارٹ ہو جاتا ہے اور اپنے ساتھ وہ گھر بھر کو بھی جگا دیتی ہیں۔ اب تو میں اتنی عادی ہو گئی ہوں کہ اگر رات میں کسی وقت معطر رونے لگے تو لگتا ہے جیسے صبح ہو گئی ہو۔" وہ اتنے دنوں سے اسے سنبھال رہی تھی۔ یقیناً" اسے سب پتا تھا۔ چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے پھر سے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔

"یا اللہ مجھے ہمت دے اور اتنی بڑی ذمہ داری بہ احسن و خوبی نبھانے میں سرخرو فرما۔" آنکھوں سے گرما گرم سیال نکل کر تکیے میں جذب ہوا تھا۔ اس نے پلکیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

وہ لوگ ایئرپورٹ سے واپسی پر راستے میں تھے اور احمد پچھلے دس منٹ سے مستقل روئے جا رہا تھا۔ ایک تو ٹریفک کا شور، ہارنز کی آوازیں۔۔۔ اس پر مسلسل بلند ہوتی احمد کی چیخ و پکار اس کی کل کی رات جاگتے ہوئے گزری تھی اور ابھی بھی اس باعث سر میں دھماکے ہو رہے تھے۔ جلن کی وجہ سے آنکھیں کھل ہی نہیں پا

رہی تھیں۔ سوئی ہوئی چادر میں لپٹی معطر کو ہاتھوں میں لیے سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے وہ خالی خالی نظروں سے ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ اسید ڈرائیونگ کرتے ہوئے ساتھ احمد کو پچکار بھی رہا تھا۔ "چاچو اس کے لیے گفٹس لینے گئے ہیں۔ شام کو واپس آجائیں گے۔ دادا بھی ان کے ساتھ ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔"

احمد اتنا روتلو اور چڑچڑا بچہ تھا یا پھر ایسا ہو گیا تھا کہ ان پانچ چھ دنوں میں مہو نے ایک بار بھی اسے فریش موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔

"ایسا کرتے ہیں ہم احمد کو آئس کریم کھلا دیتے ہیں ٹھیک ہے۔" ایک بڑے سے جنرل اسٹور کو دیکھ کر اسید کو اسے بہلانے کا نیا حربہ سوجھا اور پاس بیٹھی مہو بھرپور طریقے سے چونک گئی۔

"نہیں..... کیا کر رہے ہیں آپ..... اس کا سینہ اتنا جکڑا ہوا ہے اور آپ اسے آئسکریم کھلانے کی بات کر رہے ہیں۔" وہ فوراً ہی کہہ اٹھی تھی۔

اسید نے ذرا حیران ہو کر اسے دیکھا۔ بظاہر تو وہ بہت لاتعلق سی دکھائی دے رہی تھی۔

"آئس تلیم....." تین سالہ احمد جو اب باتیں سمجھنے لگا تھا اسے رونے کے لیے نیا بہانہ مل گیا۔

"کس نے کہا تھا اس کے سامنے آئس کریم کا نام لینے کو۔" اسے جھنجلاہٹ ہوئی۔

"آئم سوری..... مجھے نہیں پتا تھا۔" وہ واقعی شرمندہ ہو گیا۔

"اب ایسا کریں۔ کسی شاپ پر روک کر اسے کینڈی وغیرہ دلا دیں۔" اس نے کہا تھا مگر اب دور دور تک اس صنعتی علاقے میں کوئی دکان دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ البتہ اس کی بات کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ منتظر احمد تھوڑی دیر کو خاموش ہو گیا اور اس وقت دائیں جانب سے مڑی ایک ذیلی سڑک کو دیکھ کر اس نے بے اختیار اسید کی طرف دیکھا۔

"گھر نہ چلیں۔"

اسید نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر بنا کچھ کہے گاڑی ریورس کی۔ کیونکہ اس دوران وہ کچھ آگے نکل آیا تھا۔

"احمد! پیچھے میرے بیگ سے معطر کی دودھ کی بوتل نکال دو۔" معطر کسمسا کر منہ بسورنے لگی تھی اس سے پہلے کہ رو پڑتی، اس نے جلدی سے احمد سے کہا تھا۔ کیونکہ دونوں سیٹوں کے درمیانی خلا میں وہ با آسانی پیچھے جا سکتا تھا۔

"نہیں۔" اپنے ننھے ہاتھوں کو آپس میں بھینچے روٹھے روٹھے احمد کو گلابی گال پھلا کر اسے اور بھی کیوٹ بنا رہے تھے۔ وہ پیدائشی گل گوتھنا قسم کا بچہ تھا۔

"پلیز احمد..... معطر کا پیارا بھائی نہیں ہے۔ دیکھو نا بہن رو رہی ہے۔" معطر کا احتجاج اب بلند ہو رہا تھا۔ وہ گھبرا کر اسے شانے سے لگا کر تھپکنے لگی۔

"احمد جاؤ۔ دودھ کی بوتل لے آؤ۔ معطر کو بھوک لگی ہے۔" اسید نے کہا تو وہ پیچھے گیا تھا۔ مگر یہ مہو کی خام خیالی تھی کہ فیڈر سے معطر چپ ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور مسئلہ تھا۔ وہ دودھ نہیں پی رہی تھی۔ اب اس کے رونے میں ایک طرح کی ناراضی سی در آئی تھی۔ گھر پہنچنے تک اس کا رونا جاری رہا اور مہو اسے سنبھال سنبھال کر پاگل ہو گئی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی امی جو سامنے ہی کھڑی تھیں۔ ان کی اس طوفانی انٹری پر کچھ حیران رہ گئیں اور مہو بجائے ان کے گلے لگنے کے روتی معطر کو ان کے ہاتھوں میں دے کر نڈھال سی کرسی پر گر گئی تھی۔

"سارا رستہ روتی رہی ہے۔ دودھ بھی نہیں پی رہی۔ پتا نہیں کیا مسئلہ ہے۔" وہ خود بھی روہانسی ہو گئی بتاتے ہوئے۔

"بس..... ہاں میرا بچہ دیکھو تو کیا حال بنا دیا ہے اس معصوم کا رلا رلا کے۔" معطر کی گلابی رنگت عنابی ہو گئی تھی۔ انہوں نے بہت نرمی سے اسے اپنے ساتھ بھینچا اور وہ جس طرح پل بھر کو خاموش ہوئی۔ مہو نے سر اٹھا کر حیرانی سے دیکھا تھا۔

"دودھ کیوں نہیں پی رہی۔" اب وہ اسے ہاتھوں میں جھلا رہی تھیں۔ اس کے رونے میں قدرے کمی

واقعی ہوئی تھی یا شاید وہ بھی تھک گئی تھی۔
"مجھے کیا پتا۔" بے زاری سے جواب دیتے ہوئے اس نے جلتی پیشانی مسلی۔
"مہو۔" امی کی پکار میں جو تنبیہہ تھی۔ اس نے الجھ کر انہیں دیکھا۔ وہ غالباً کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ مگر تب ہی احمد کی انگلی پکڑے اسید داخل ہوا تھا۔ وہ اس کے استقبال کو آگے بڑھیں۔
"ارے یہ تو چپ ہو گئی۔" اسید نے بھی اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔
"ہاں ـــــ میرے ہی ہاتھ میں کانٹے تھے۔" اس کی بڑبڑاہٹ بلند تھی۔ امی نے گھور کر دیکھا وہ نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے سامنے کے صوفے پر براجمان ہوا۔
"یہ دودھ کب بنایا ہے؟" امی بوتل ہاتھ میں لیے پوچھ رہی تھیں۔
"گھر سے نکلتے ہوئے۔" اس نے بتایا۔
"اور گھر سے کب نکلے تھے۔" ان کے تیور خراب ہوئے۔
"یہی کوئی تین چار گھنٹے پہلے۔" اسے اس سوال کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔
"اور تم یہ دودھ اسے اب پلانا چاہ رہی ہو۔" امی کی آواز بلند ہوئی۔
"کیا مطلب ہے امی۔ اب پلانا چاہ رہی ہوں۔ راستے میں تو نہیں بنا سکتی تھی نا اس لیے تو گھر سے نکلتے ہوئے بنایا تھا۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔ اسید خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"اٹھو..... اور اب تازہ دودھ بناؤ اس کے لیے۔" انہوں نے غصے سے کہا تھا۔ وہ پریشان ہو گئی۔ "مگر میں اس کے دودھ کا ڈبا ساتھ نہیں لائی۔"
"حد کر دی مہو..... تم نے تو حد ہی کر دی۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا اسے کچا چبا جائیں۔ مہو اٹھ کر ان کے قریب آئی۔ "اب ایسا کریں یہیں سے سرمد سے منگوالیں۔ یہ شام تک بھوکی تو نہیں رہ سکتی۔" معطر کو لیتے ہوئے اس نے دھیرے سے کہا تھا وہ اسے گھور کر رہ گئیں۔
"اسے ڈیوٹی کی طرح مت نبھاؤ مہو تم ان بچوں کی آیا بن کر نہیں گئی ہو ماں بن کر گئی ہو ماں بن کر دکھاؤ۔"

رات کے کھانے کے بعد جب اسید اور ابو ڈرائنگ روم میں باتوں میں مصروف تھے اور وہ امی اور سمیعہ کے ساتھ اپنے کمرے میں۔ امی نے انتہائی سنجیدگی سے اس سے کہا تھا۔ بیڈ پر نیم دراز معطر کو تھپکتے ہوئے اس کے ہاتھ تھمے۔
"اب کیا کر دیا ہے میں نے!" وہ نجانے کیوں زود رنج ہو رہی تھی۔ اب بھی کہتے ہوئے آنکھیں چھلک اٹھیں۔
"کیا بات ہے مہو۔ ابھی تو ایک دن بھی نہیں ہوا تمہیں ان بچوں کو سنبھالتے اور ابھی سے رونے لگیں۔" سمیعہ نے اس کے آنسو دیکھ کر حیرت سے کہا۔
"میں رو نہیں رہی ہوں۔" سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے اس نے آنکھوں کے کونوں کو پوروں سے مسلا

"پھر یہ کس طرح کی شکل بنائی ہوئی تھی آج پورا دن۔ اسید نے بھی نوٹ کیا ہو گا۔ کیا سوچتا ہو گا وہ۔" امی کے لہجے میں تشویش بھی تھی اور ناراضی بھی۔
"وہ کچھ نہیں سوچتا۔ یہ صرف آپ کے خیالات ہیں۔" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔
"میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا مہو۔ بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے رہی ہو۔ خدا کے لیے اسے پوری دیانت داری سے نبھانے کی کوشش کرنا ٹھیک ہے تم نے اب تک زندگی بہت بے فکری سے گزاری ہے۔ مگر تم بچی نہیں ہو۔ تیس کی ہونے کی ہو۔ اس عمر میں میں تین بچوں کی ماں تھی۔" امی اس کی کیفیت دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔
"تو میں کیا کروں۔ میں نے نہیں سنبھالے۔ کبھی بچے تھوڑی مشکل ہو رہی ہے تو کیا کروں۔"
آج ایک دن میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا اپنی آئندہ

مشکلات کا۔

"یہ کوئی وجہ نہیں ہے مہو ہر عورت جب پہلی بار ماں بنتی ہے تو کم وبیش انہی مسئلوں سے گزرتی ہے۔ کوئی بھی لڑکی بچے پالنے پوسنے کی ٹریننگ لے کر نہیں آتی ہے سسرال۔ سیکھنا پڑتا ہے جان لگانی پڑتی ہے اور تم... ذرا اپنی بے زاری کا عالم تو دیکھو... ایک دن میں یہ حال ہے۔" وہ پھر سے ڈانٹنے لگی تھیں۔ اس کا سر جھک گیا کیا کہتی جوش میں آکر اس نے جو پہاڑ سا بار اپنے شانوں پر لیا ہے اس سے ابھی سے ہی اس کے اعصاب شل ہونے لگے ہیں۔

"پال پوس تو کوئی بھی سکتا ہے مہو۔ ممتا کی خوشبو اس کی حرارت ایک الگ چیز ہوتی ہے اور بچوں کو ممتا کی ضرورت ہے۔ ماں بننے کے لیے جنم دینا ضروری نہیں ہے میری بیٹی سمجھو اس بات کو تم اس طرح جاتھے پر سو' سوبل کیے بے دلی و بے زاری سے صرف جان چھڑانے والے کام کروگی تو یہ بچے بھی کبھی تمہیں ماں نہیں کہہ پائیں گے۔ خود پہ سے سوتیلی کا ٹیگ ہٹانے کے لیے تمہیں سگی ماں سے بڑھ کر دکھانا ہوگا۔" وہ اب نرمی سے سمجھانے لگی تھیں اور اس کی نظریں پلکیں موندے معطر کے معصوم سے نقوش پر بھٹک رہی تھیں۔

"میں یہ کیسے کروں گی۔ کیسے...!" سوچ تھی کہ اس سے آگے بڑھ ہی نہیں رہی تھی۔ "جانتی ہو جب میں نے بھابھی سے بات کی تھی تو انہوں نے کیا کہا تھا... انہوں نے کہا۔ اسید تو پہلے شادی کے لیے مان ہی نہیں رہا تھا۔ اس شرط پر راضی ہوا کہ لڑکی مطلقہ یا بیوہ ہو۔ کوئی بچہ ساتھ ہو تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ اس کی ذمہ داری لینے کے لیے بھی تیار ہے۔ وہ خود ماں ہو گی تب ہی تو اس کے بچوں کو اپنا سمجھے گی۔ بھابھی کے مطابق جوان اور کنواری لڑکیاں تو اپنی ہی ہواؤں میں اڑتی پھرتی ہیں۔ انہیں بھلا کیا پتا۔ بچے کیسے پالے جاتے ہیں اور اسید کو اپنے بچوں کے لیے ماں چاہیے' اپنے لیے بیوی نہیں۔"

"انہوں نے یہ کہا تھا آپ سے۔" وہ بے یقین تھی۔ "آپ نے مجھے اس وقت کیوں نہیں بتایا۔"

"بتاتی تو کیا تم اپنی بات سے پیچھے ہٹ جاتیں۔" انہوں نے طنزیہ لہجے میں دریافت کرتے ہوئے اسے نظریں چرانے پر مجبور کردیا۔

"یہ مامی تو شروع ہی سے ایسی ہیں۔" سمیعہ بڑبڑائی۔ "توبہ لوگ بھی کتنے دوغلے ہوتے ہیں نا۔ عام حالات میں تو مامی تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں اپنے اس بیٹے کے لیے کنواری لڑکی کا رشتہ جو دو بچوں کا باپ بھی ہے اب خود سے ملنے لگا تو باتیں شروع کردیں۔"

"ان کا بھی کیا قصور... سوچ رہی ہوں گی۔ ہم اپنے سر سے بوجھ اتارنا چاہ رہے ہیں۔ پہلے کنوارے لڑکے کے لیے انکار کیا۔ اب دو بچوں کے باپ کے لیے اپنے منہ سے کہہ رہے ہیں۔ رامش کے رشتے کا تو پتا ہی نہیں سکتی تھی۔ جانے وہ کیا سوچتیں اور کیا بولتیں۔ کسی کی زبان بھی کوئی روک سکا ہے بھلا۔" ان کے لہجے میں تلخی آسمائی۔

"تو اب مجھے طعنے کیوں دے رہی ہیں۔ اسید تو آپ کا لاڈلا بھتیجا ہے نا... آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔" اسے بری لگ گئی ان کی بات۔

جب میری خواہش تھی تب تو تم نے میری ایک نہیں سنی۔ ہاں اسید مجھے بہت پیارا ہے اور اسی لیے اب میں اس رشتے کے حق میں بالکل نہیں تھی۔ تم میری بیٹی ہو مہو اور تمہاری ماں ہونے کے ناتے میں اچھی طرح یہ جانتی ہوں کہ تم میں وہ قابلیت' وہ اہلیت ہی نہیں ہے۔ اس کا گھر' اس کے بچے اس کی زندگی سنوارنے کی۔ اتنا بڑا دل چاہیے ہوتا ہے پرائی اولاد کو سینے سے لگانے کے لیے۔ ایثار' محبت' برداشت... ان میں سے کوئی ایک چیز بھی تمہارے پاس ہوتی تو میں کوئی خوش گمانی پال لیتی۔ مگر تمہارے تیور تو ابھی سے ہی دکھائی دے رہے ہیں۔" امی نے بڑے سخت الفاظ میں اسے آئینہ دکھایا تھا۔ اس کا بھر بھر آتا دل مزید بکھر گیا۔

"آپ کی وجہ سے... صرف اور صرف آپ کی وجہ سے کھٹکنے لگی تھی آپ لوگوں کی نظروں میں بوجھ بن

گئی تھی۔ ورنہ کیا تھا۔ نہیں ہو رہی تھی شادی' نہ ہوتی۔ بہت سی لڑکیاں شادی کے بغیر ہی زندگی گزار لیتی ہیں۔ میں بھی گزار لیتی۔ کیوں مجھ پر رامش سے شادی کے لیے دباؤ ڈالا کیوں میری اچھی بھلی زندگی کو اس بکھیڑے میں الجھایا۔" وہ دل ہی دل میں سخت شکوہ کناں تھی۔

"مما۔" احمد دروازے میں کھڑا تھا۔ وہ تینوں ہی چونک گئیں۔

سب کے سمجھانے پر وہ اسے مما تو کہنے لگا تھا مگر اس کے حقیقی معنوں میں نابلد ننھے احمد کی انداز میں اس کے لیے گریز اور جھجک برقرار تھی۔

"ارے میرا پرنس..... یہاں تو آؤ میرے پاس۔" سمیعہ نے اسے دیکھتے ہوئے بڑے پرجوش انداز میں اپنے پاس بلایا۔ مگر وہ آنے کے بجائے شرما کر واپس بھاگ گیا۔

"دیکھو تو آج پورا دن گود میں لیے لیے گھومتی رہی ہوں..... پھر بھی لفٹ نہیں کروا رہا۔" وہ ایک گہری سانس لے کر ان سے مخاطب ہوئی۔

"مجھے لگتا ہے۔ یہ کچھ کہنے آیا تھا۔ جا کر دیکھو سمیعہ۔" چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی۔

"میں دیکھتی ہوں۔ تم بھی اٹھو..... نو بج رہے ہیں۔ شاید اسید جانے کا ہی کہہ رہا ہو۔" اٹھتے ہوئے امی نے تاکید کی تھی۔ اس نے سر ہلا دیا۔

"پتا ہے مہو میں نے تو صرف ایک بہنوئی کا سوچا تھا۔ خبر بھی نہیں تھی۔ دو عدد پیارے پیارے بھانجا' بھانجی مل جائیں گے۔" معطر کے گال پر پیار کرتے ہوئے سمیعہ شرارت سے بولی تھی۔ وہ بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"سچ سچ بتانا۔ کیسا لگ رہا ہے ایک دم سے دو بچوں کی مما بننا۔" وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"بہت اچھا۔" وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اٹھی۔

"جب ہی آج سارا دن شکل پر بارہ بجے رہے۔" اس نے بھی یہ طعنہ مارا تو اس کے تاثرات بہت تیزی سے بگڑے تھے۔

"میں روز تو ایسی نہیں ہوتی' آج طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ تھوڑی چڑچڑی ہو گئی تو کیا ہو گیا۔" برہمی سے کہتے ہوئے اس نے کافی جھٹکے سے معطر کو اس چھوٹے سے کمبل نما بستر سمیت اٹھایا۔ وہ ڈسٹرب ہو کر تھوڑا ہلی۔ تو اس کی رنگت زرد ہو گئی۔ اس کے دوبارہ چیخ اٹھنے کے ڈر سے۔ بے اختیار ہی خود کو کوستے ہوئے اس نے بہت نرمی سے اسے سینے سے لگایا تھا۔

سمیعہ ہنسنے لگی تھی اس کی حالت دیکھ کر۔

"تم تو چپ کرو۔" اسے غصہ آگیا۔

"اچھا..... نہیں ہنستی۔" اس نے بمشکل ہنسی کو بریک لگایا۔ "یہ بتاؤ' اسید بھائی کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ.....؟"

"جیسا ہونا چاہیے۔" اس نے گول مول سا جواب دیا۔

"کیا مطلب..... جیسا ہونا چاہیے۔" اسے سمجھ نہیں آئی۔

"اتنے دن تو ان کے گھر والے تھے۔ زیادہ بات نہیں ہو پاتی تھی اور اب..... پتا نہیں۔" اس نے کہتے کہتے توقف کیا۔

"مجھے اندازہ نہیں مگر امی کی بات تو سن ہی لی تم نے..... انہیں اپنے بچوں کے لیے ماں چاہیے تھی۔ اپنے لیے بیوی نہیں۔" اس کا لہجہ کچھ تلخ ہو چلا تھا وہ اپنی بات مکمل کر کے رکی نہیں۔ پیچھے سمیعہ کچھ الجھی سی کھڑی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ کو کل آفس نہیں جانا.....؟"

اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ کتنی دیر ہو گئی تھی ٹی وی کے سامنے بیٹھے بیٹھے۔ بلکہ وہ ٹی وی دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ منتشر خیالات ذہن میں اودھم مچائے اسے خود میں ہی الجھائے ہوئے تھے۔ مہو کی آواز آئی تو وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ بھی جاگ رہی تھی۔ اسے حیرانی ہوئی اور پھر اس کا یہ سوال "نہیں

۔۔۔جانتا تو ہے۔" اس نے کچھ نہ سمجھ کر جواب دیا۔

"تو پھر آپ سوتے کیوں نہیں، ٹائم دیکھیے کیا ہو رہا ہے۔" وہ ٹائم کی طرف اس کی توجہ دلا رہی تھی۔ اس کا یہ پُراعتماد لہجہ اسید کو چند لمحوں کے لیے خاموش ہی کروا گیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہ تو ہمیشہ ہی سے ایسی ہے۔

"بس میں اٹھ ہی رہا تھا۔" ریموٹ اٹھا کر اس نے والیوم کم کیا۔ احمد کی وجہ سے یہ ٹی وی وہ دو دن پہلے ہی گھر لایا تھا۔ "تم کیوں اب تک جاگ رہی ہو؟" اس نے ایک نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی۔ نیوی بلیو لان کے پرنٹڈ سوٹ میں اس کی سنہری رنگت میں کھلی شفق مزید گہری ہو گئی تھی۔ ریشمی چوٹی سے نکلتی سیاہ لٹیں گردن اور چہرے کو گھیرے ہوئے تھیں۔ غلافی آنکھوں میں تیرتے گلابی ڈورے اس کی بے خوابی کی داستان سنا رہے تھے۔ اسے ایک نظر میں ہی اس کا سراپا ازبر ہو گیا تھا۔ اب اس کی نظریں ٹی وی اسکرین پر تھیں جس پر کوئی سیاسی ٹاک شو ریپیٹ میں چلایا جا رہا تھا۔

"میں جاگ نہیں رہی تھی۔ جاگی ہوں ابھی معطر کی آواز پر..... اس کا ڈائپر چینج کرنے کے لیے۔" ایک ہاتھ کمر پر رکھے دوسرے ہاتھ سے جمائی روکتے ہوئے بتا رہی تھی۔ "ڈائپر سے یاد آیا اس کے ڈائپرز ختم ہو گئے ہیں۔ کل لیتے آئیے گا اور اب اٹھ بھی جائیں۔ ڈیڑھ بج رہا ہے۔" وہ دوبارہ سے ایک طرح کی ہدایت دیتی واپس پلٹ گئی تھی۔

اس نے ایک گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی کیسا لگتا ہے۔ تعبیروں سے دور کسی بھولے بسرے خواب کو مجسم حقیقت دیکھنا..... دل کے نہاں خانوں میں وقت کے گرد تلے دبی کسی ان کہی اولین آرزو کا پھر سے بے دار ہونا۔ جیسے کوئی درخت جو بظاہر تو کٹ گرے مگر جس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں دور دور تک پھیلی ہوں۔ وہ اس کی پہلی چاہ تھی۔ پہلا درد اور پہلی حسرت..... اب اسے دیکھ رہا تھا تو حیرت ہو رہی تھی کہ اس کے بغیر وہ اتنا عرصہ جیتا کیسے رہا۔ خود ہی اپنی زندگی سے دور کرنے کے بعد وہ خود ہی سارے فاصلے سمیٹ کر اس تک آ گئی تھی اور وہ بے یقینی سے حیران ہو ہو کر اسے یوں دیکھتا تھا جیسے کوئی نابینا آنکھیں ملنے کے بعد پہلی بار دنیا کو دیکھتا ہے۔ اس کی زندگی حادثوں سے بھری پڑی تھی مگر اب جو یہ ہوا تھا اسے لگ رہا تھا شاید ہی اس دنیا میں کسی اور کے ساتھ ہوا ہو۔

کل رات معطر نے اسے متعدد بار جگایا تھا اور چار بجے کے قریب جو جاگ کر رونا شروع ہوئی تو اسے لے کر ٹہلتے ٹہلتے مہو کی ٹانگیں شل ہو گئیں۔ جانے اسے کیا تکلیف تھی۔ وہ معصوم بتا بھی نہیں سکتی تھی۔ مارے بے بسی کے اسے بھی رونا آنے لگا تھا۔ اسے ذرا بھی تو اندازہ نہیں تھا کتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ اپنے گھر میں، خاندان میں، آس پڑوس میں اس نے کسی بچے کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ اور اب جب اچانک ہی سر پر آ پڑی تھی تو اس کے اوسان خطا ہوئے جا رہے تھے۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ کبھی وہ کان کا درد وجہ سمجھ کر اس کے کان میں دوائی ڈالتی، کبھی پیٹ مالش کرتی، کبھی شانے پر ڈالتی تو کبھی بازوؤں میں جھلانے لگتی۔

فجر کی اذانیں ہونے تک معطر نے اسے نچوڑ ڈالا تھا۔ اس وقت اسے بالکل نہیں پتا تھا کہ اکثر بچوں کے ساتھ یہ مسئلہ ہوتا ہے ایک مخصوص وقت پر رونا یا ایک مخصوص وقت تک رونا اور آنے والی کئی راتوں میں اس کی نیندیں اسی طرح حرام ہونے والی ہیں۔ جب اسید نماز کے لیے جاگا تب تک وہ اس کے شانے سے لگی سو چکی تھی۔ وہ اس کی حالت دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اس کی نیند گہری تھی۔ اسے پتا بھی نہیں چل سکا تھا رات بھر مہو پر گزرنے والی مشکل کا۔ اس دن پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ نماز پڑھے بغیر ہی بستر پر ڈھیر ہو گئی تھی۔

اور جب اس کی آنکھ کھلی تو دبیز پردوں سے چھن کر آتی روشنی اسے ایک بھرپور دن کے چڑھ آنے کا پتا دے رہی تھی اور احمد بیڈ کے پاس ہی کھڑا اس کے رخسار تھپک رہا تھا۔ وہ بے اختیار ایک جھٹکے سے اٹھ

بیٹھی۔ ایک نظر معطر کے جھولے پر ڈالی۔ رات بھر جاگتے رہنے کے بعد وہ بڑے آرام سے محو خواب تھی۔

"پاپا کہاں ہیں؟" احمد کا چہرہ چھو کر پوچھتے ہوئے وہ بیڈ سے اتر آئی۔ اس نے کچھ کہنے کے بجائے انگلی سے باہر کی سمت اشارہ کیا۔ وہ سمجھی تو نہیں مگر عجلت میں ملحقہ واش روم کی طرف بڑھ آئی۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد جب وہ باہر آئی تو اسید کو کچن میں دیکھ کر اسے ڈھیروں ڈھیر شرمندگی نے آگھیرا۔

"آئم سوری۔ مجھے الارم لگا کر سونا چاہیے تھا.... پتا نہیں کیسے مجھے اتنی گہری نیند آگئی۔" وہ خفت زدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"تمہیں نیند گہری ہی آنی تھی مہو کیونکہ تم پوری رات جاگتی رہی ہو۔ بلکہ میرے خیال میں تمہیں ابھی اٹھنا بھی نہیں چاہیے تھا۔" اس کی سوجی آنکھوں اور ستے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ نرمی سے بولا تھا۔ وہ چائے بنا چکا تھا۔ ناشتا بھی ٹیبل پہ لگا لیا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کی شرمندگی شدید ہونے لگی۔

"میں نے آپ کو آفس سے لیٹ کروا دیا۔" اس کی آنکھوں میں جانے کیوں نمی اتر آئی تھی۔

"تمہاری وجہ سے نہیں مہو.... میری خود بھی آنکھ دیر سے کھلی۔" وہ اس کے قریب آیا۔

"جا کر سو جاؤ.... خود پر اتنا بوجھ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے تو بڑے ملائمت بھرے انداز میں کہا تھا۔ مگر مہو ایک دم ہی ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

"بوجھ.... کیا اسے بھی یہ لگ رہا ہے کہ میں یہ ذمہ داری ایک بوجھ کی طرح ڈھونے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"کیا ہوا....؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں...." اس نے خود کو سنبھالا۔ "میں ابھی نہیں سوؤں گی۔ مجھے نیند نہیں آئے گی۔ آپ بیٹھ کر ناشتا کیجیے۔ میں احمد کو لے آتی ہوں۔" وہ مزید اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر باہر نکل آئی تھی۔

لاؤنج میں آئی تو احمد کو ٹی وی کے سامنے کھڑے ریموٹ سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے پایا۔

"احمد جانو.... اتنی صبح صبح ٹی وی نہیں دیکھتے۔" پیار سے کہتے ہوئے اس نے ریموٹ اس کے ہاتھ سے لے کر جھک کر اسے بازوؤں میں اٹھایا تھا۔ وہ مچل کر چیخ اٹھا۔

"ابھی ٹام مین جیلی آئے گا۔"

"ٹام اینڈ جیری ابھی نہیں آئیں گے۔ احمد ناشتا کرے گا تب آئیں گے۔ اچھا بتاؤ کیا بناؤں.... آملیٹ بناؤں احمد کے لیے۔" وہ اسے گود میں لیے بہلاتے پھسلاتے کچن میں لے آئی۔ چائے کی چسکیاں لیتے اس نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"یہاں بیٹھو پاپا کے ساتھ۔ میں ابھی تمہارے لیے یلو یلو سا آملیٹ بناتی ہوں۔ ٹھیک ہے۔" مہو نے اسے اسید کی برابر والی کرسی پر بٹھایا۔ تو وہ فوراً" ہی اتر کر اسید کی گود میں چڑھ گیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"میں بھول گئی تھی کہ آپ کی اصلی جگہ تو یہ ہے۔" ہنس کر کہتے ہوئے وہ کوکنگ رینج کی طرف آئی۔ "ابھی اس کا موڈ پھر سے خراب ہونے والا ہے آپ کے جانے سے۔"

"نہیں.... مجھے لگتا ہے آج ایسا نہیں ہوگا۔"

"کیوں؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تم سنبھال لو گی۔" اسید کا انداز جتنا پر یقین تھا۔ فرائنگ پین میں انڈا توڑتے ہوئے اس کی حسیں پل بھر کو جم سی گئیں۔

"اچھا۔" اس کے چہرے پر بڑی بے جان سی مسکراہٹ بکھری تھی جسے وہ دیکھ نہیں پایا۔ جس وقت اس نے آملیٹ پلیٹ میں ڈالا.... اس وقت معطر نے رو رو کر اپنے جاگنے کا اعلان کر دیا۔ وہ جلدی سے پانی ابالنے کو رکھ کر بیڈ روم کی طرف آئی۔ مٹھیاں بھینچے معطر رو رو کر سرخ پڑ چکی تھی۔

"اوہ کتنا روتا ہے میرا بچہ۔" اسے اٹھانے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ وہ خود کو گندا کر چکی تھی اور شاید

اس وجہ سے اس کی نیند ٹوٹی تھی۔
اسے صاف کرکے جب وہ اسے کپڑے پہنا رہی تھی کہ احمد کے رونے کی آواز آئی۔ وہ سمجھ گئی اسید جا رہا ہے۔ معطر کو اٹھا کر وہ بہت تیزی سے باہر کو لپکی تھی۔
"سنیے!"
اسید نے ٹھٹک کر ایک حیران سی نظر اس پر ڈالی۔ کچھ ہانپتی ہوئی چہرے پر بے چینی اور اضطرابی کیفیت لیے وہ حال سے بے حال دکھائی دے رہی تھی۔
اس کے متوجہ ہونے پر صرف اس کا چہرہ دیکھے گئی۔
"ڈائپرز لانے ہیں نا مجھے یاد ہے۔" وہ سمجھا وہ اسے یاد دہانی کروانے آئی ہے۔
"نہیں..." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر جانے کیا سوچ کر یکلخت چپ ہو گئی۔
"کچھ اور کہنا ہے مہو۔" معطر کو لے کر پیار کرتے ہوئے اس نے دوبارہ اسے پکڑا دیا۔
"نہیں کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں تم ناشتا کر لینا۔" وہ دیکھ رہا تھا اسے ابھی تک ناشتا کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔
اس کے جانے کے بعد اس نے روتے ہوئے احمد کو کارٹون میں الجھایا اور معطر کا فیڈر بنا کر اسے پلاتے قدرے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے اس نے سیل فون اٹھا لیا۔
"ہیلو سمیعہ مجھے میگزین چاہئیں۔" وہ اس کی آواز سنتے ہی مطلب کی بات پر آئی۔
"ہیں... کیسے میگزینز؟" اس نے حیران ہو کر دریافت کیا۔
"بچوں کی نگہداشت ان کی پرورش ان کی تربیت سے متعلق جو بھی میگزین جیسا بھی مواد تمہیں ملتا ہے۔ مجھے لا دو۔" اس نے بتایا۔
"پھر صرف پرورش اور تربیت ہی کیوں ان کی آنے کی تیاری کا بھی تو تمہیں پتا ہونا چاہیے۔ آفٹر آل یہ بھی تمہارے کام آنے والا ہے۔" وہ اس کی بات سن کر شرارت سے بولی تھی "شٹ اپ سمیعہ۔" اسے غصہ آ گیا تھا اور دوسری طرف اس کی ہنسی بے قابو ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

زبانی کلامی ہمدردی کرنا بہت آسان ہے اور عملی طور پر اسے نبھانا بہت مشکل۔ اس بات کا احساس مہو کو اب ہوا تھا۔ جب شازمہ کی ڈیتھ ہوئی تھی۔ تب کتنے ہی دن وہ احمد اور معطر کا سوچ سوچ کر روتی رہی تھی۔ پریشان ہوتی رہی تھی۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں اس نے ان دونوں بچوں کے لیے اس کا بس نہیں چلتا تھا تب کہ وہ ان دونوں کو اپنے پروں میں سمیٹ لے۔ ان تک کوئی سرد و گرم نہ پہنچنے دے اور اب جب وہ اس کی پناہوں میں آ گئے تھے تو اسے لگ رہا تھا دنیا کا سب سے کٹھن کام کسی بن ماں کے بچوں کی حقیقی ماں بننا ہے۔ وہ دن رات کا فرق بھول گئی تھی۔ کبھی جو زندگی پر چھائے جمود سے تنگ آ کر وہ دن میں کئی کئی بار ایک ہی تاریخ دیکھ کر بے زار ہوتی تھی۔ اب اسے کیلنڈر دیکھنا تو دور، یہ تک پتا نہیں ہوتا تھا کہ آج دن کون سا ہے۔ صبح سے لے کر شام تک کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہ ہوتا جو اسے آرام سے بیٹھ کر کچھ سوچنے کا موقع دیتا۔ کبھی معطر کی فکر میں ہلکان ہوتی تو کبھی احمد کے چاؤ چونچلے پورے کرتی۔
معطر تو بہت چھوٹی تھی۔ اس کی پریشانی اور طرح کی تھی۔ مگر احمد کے ضدی پن نے اسے بہت زچ کیا تھا۔ وہ بہت موڈی بچہ تھا۔ کب کسی طرح ری ایکٹ کر جاتا۔ اسے کچھ اندازہ نہیں ہو پاتا تھا۔ اس دن بھی یہی ہوا۔ اس کا پیٹ خراب تھا۔ مگر وہ مسلسل نوڈلز کھانے کی ضد کیے جا رہا تھا اور اسی غصے میں جب مہو نے اس کے سامنے کھچڑی کی پلیٹ رکھی تو اس نے اٹھا کر وہ زمین پر دے ماری تھی۔ اسے ایک زوردار جھانپڑ رسید کرنے کی خواہش پر بمشکل قابو پاتے ہوئے وہ صرف بے بسی سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی ہر بدتمیزی، ہر بدلحاظی پر وہ ہاتھ اٹھانا تو دور کی بات تھی۔ وہ کوئی سخت جملہ کوئی تنبیہہ تک کرنے سے گریز کرتی تھی کہ کہیں اسید یہ نہ سمجھ لے کہ وہ روایتی سوتیلی

ماؤں جیسا سلوک کرنے پر اتر آئی ہے۔
"احمد۔ کیا بدتمیزی ہے۔ کیا حرکت ہے یہ۔" اتوار کی تعطیل ہونے کے باعث اسید گھر پر ہی تھا اور اس نے یہ دیکھتے ہی جتنے سخت انداز میں اسے ڈانٹا تھا۔ وہ رو پڑا۔
"پلیز اسید کچھ مت کہیں.... میں اس کے لیے اور بنا دیتی ہوں۔" حلق میں اٹکنے والے پھندے کو نگلتی اس کی آواز دھیمی پڑ گئی تھی۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی ہر ضد اس طرح سے پوری کرو گی تو اس کی یہ عادت پختہ ہو جائے گی۔" اسید نے سنجیدگی سے فوراً منع کر دیا۔
اس نے ایک نظر احمد پر ڈالی۔ مٹھیوں سے آنکھوں کو مسلتے اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ اسے تاسف نے آ گھیرا۔ بے اختیاری ہو کر وہ اسے اپنے قریب کر گئی۔
"احمد میری جان.... ایسا نہیں کرتے نا۔" اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ اس کی پیشانی چوم گئی۔ اسے خود بھی سمجھ نہیں آ تا تھا۔ ایک ہی پل میں اس کی بدتمیزی پر سلگتی وہ اگلے ہی پل اس کے آنسو دیکھ کر تڑپ جاتی تھی۔
"ایسا مت کیا کرو مہو.... کبھی کبھی بچوں کو یہ احساس دلانا ضروری ہوتا ہے کہ ان کی ہر بدتمیزی برداشت نہیں کی جائے گی۔" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔
"تو ٹھیک ہے۔ پھر آپ مت ڈانٹا کیجیے۔ میں ڈانٹ لیا کروں گی۔" وہ دھیرے سے بولی۔
"تم کب ڈانٹتی ہو؟" اس نے جس انداز میں پوچھا تھا۔ وہ جھینپ سی رہ گئی۔
احمد کو چھوڑتے ہوئے اس نے فرش پر بکھری کھچڑی کو دیکھا۔ ابھی اسے صاف کرنے کا مرحلہ درپیش تھا۔ تھوڑی دیر میں معطر جاگ جاتی تو اس کے لیے مشکل ہوتی۔
"آپ دھیان رکھیے۔ یہ نیچے نہ اترے۔ میں یہ جگہ واش کر دیتی ہوں۔" اسید کو تاکید کرتے وہ بچتی بچاتی کچن کی سمت آنے لگی تب ہی جانے کیسے پھسلن والی جگہ پر اس کا پیر پڑا تھا اور اگلے ہی پل وہ دھڑام سے پیٹھ کے بل گری تھی۔
"مہو۔" اسید بے اختیار چلا اٹھا تھا۔
پیٹھ سے اٹھتی درد کی لہر پورے بدن میں سرائیت کر گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔
"مہو.... تم ٹھیک ہو۔" وہ اس کے قریب آ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا درد برداشت کرنے کی کوششوں میں لب کاٹتی وہ اٹھنے لگی۔
"نہیں، رکو۔" اس کے چہرے پر اذیت رقم تھی۔ اسید نے جلدی سے اسے بازو کا سہارا دیا تھا۔ صوفے پر بٹھاتے ہوئے اس کے پیٹھ کے پیچھے کشنز رکھے۔ احمد پاس بیٹھا سہما ہوا سا اسے دیکھ رہا تھا۔
"مہو۔" وہ پریشان سا اس کے قریب بیٹھا۔
"میں ٹھیک ہوں۔" اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔ درد اگرچہ شدید تھا مگر اسے حرکت کرنے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔
"ایسا کرو.... تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاؤ۔" وہ اس کی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ "دیکھو تمہاری وجہ سے مما کے ساتھ کیا ہوا۔" اب وہ احمد سے مخاطب ہوا تھا۔
"نہیں پلیز.... اسے اور مت ڈانٹیں مجھے کچھ نہیں ہوا۔" مہو نے احمد کے چہرے پر بکھرا ہراس دیکھ کر بے لفظوں میں اسے ٹوکا۔
"تم کافی زور سے گری ہو۔ درد شدید ہو گا پین کلر لے لو یا پھر ڈاکٹر کے پاس چلیں؟"
"نہیں.... میں پین کلر لے لوں گی۔ ڈاکٹر کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔
"میں لے آتا ہوں۔" وہ اس طرف سے جانے کے بجائے صوفے کی سمت سے گھوم کر بیڈ روم کی طرف گیا تھا۔ اس نے نیم دراز ہونا چاہا تو دھیمے ہوتے درد نے انگڑائی لی اور وہ تڑپ کر رہ گئی۔
"یا اللہ۔ یہ کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔" دل کی گہرائیوں سے بے اختیار یہ شکوہ نکلا تھا مگر جونہی اس نے اپنی سوچ پر ذرا غور کیا.... بے بسی اور شرمندگی

سے گھٹنوں پر سر رکھتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"مما سوئی (سوری)..." اسے اس طرح روتے دیکھ کر احمد بھی روہانسا ہو گیا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ اپنے ہاتھوں کو مسلتے وہ رونی صورت لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا آنسو پونچھتے ہوئے وہ بدقت مسکرائی پھر ہاتھ بڑھا کر ڈرے ہوئے احمد کو اپنے قریب کر لیا تھا۔

"نہیں چاند... تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے مہو نے اس کا ڈر ختم کرنا چاہا تو وہ اس کے آنسو اپنے چھوٹے ہاتھوں سے صاف کرتا دوبارہ اس سے لپٹ گیا تھا اور پیچھے سے آتا اسید یہ منظر دیکھ کر دیکھتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

سمیعہ کا رشتہ سرمد کے ساتھ طے پا گیا تھا۔ منگنی میں اس نے کئی دن پہلے سے آنے کے لیے کہا تھا مگر مہو نے منع کر دیا۔ اس کے باوجود کہ یہ اس کے لیے دہری خوشی کا موقع تھا۔ بچوں کا کوئی مسئلہ نہیں تھا مگر اسید کو پریشانی ہوتی۔ اسید کے کہنے پر بھی وہ صرف منگنی والے دن اس کے ساتھ گئی تھی اور پورا دن سمیعہ کو منانے کی کوششوں میں گزارتے ہوئے وہ رات کو واپس آتے اسے پھر سے ناراض کر گئی۔

رات کو احمد کو سلانے کے بعد وہ معطر کو لیے بالکونی میں آئی تو اسید کو پہلے سے وہاں موجود پایا۔ اس کی آہٹ پر اسید نے مڑ کر دیکھا۔

مقیش کے نفیس کام سے مزین آف وائٹ لباس میں اس کی سج دھج ابھی تک ماند نہیں پڑی تھی۔ بالوں میں کہیں کہیں موتیا کی کلیاں اٹکی تھیں۔ بائیں بازو میں معطر کو اٹھائے وہ اسے چوڑیوں والے ہاتھ سے تھپک رہی تھی اور اس کی کھنک پر اسید متوجہ ہوا تھا۔

"یہ ابھی تک سوئی نہیں۔" اس کے چہرے سے بمشکل نظر چراتے ہوئے اس نے معطر کو دیکھا۔ گلابی فراک میں گھنگریالے بالوں والی گول مٹول سی معطر چند مہینوں میں ہی بہت صحت مند ہو گئی تھی مہو کے شانے پر سر رکھے منہ میں انگوٹھا ڈالے اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں کافی استغراق کا عالم تھا۔

"آپ کی بیٹی ہے۔ کوئی وجہ ہو نہ ہو۔ جاگنا ضرور ہے۔" وہ اس پر چوٹ کرتی پاس رکھی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ اسید کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے سینے پر بازو باندھ کر اسے دیکھا۔

"ویسے آج یہ پورا دن سوتی رہی ہے۔ فنکشن کی وجہ سے میں نے بھی نہیں جگایا ورنہ میں اسے دن میں اتنا سونے نہیں دیتی۔ احمد کو دیکھیں کب کا سو چکا اور ایک یہ محترمہ ہے۔" اس نے اسے گود میں لٹایا اور دھیرے سے پیر ہلانے لگی تھی۔

"آپ کو نیند نہیں آ رہی... وہ خود پر جمی اس کی نگاہیں محسوس کر چکی تھی۔

"نہیں!" نیند کا خمار اس کی آنکھوں سے عیاں تھا وہ پھر بھی منکر ہوتا نفی میں سر ہلا گیا کہ رات کے اس پہر سیاہ آسمان کے تاروں تلے اس زمینی چاند کو تکتے ہوئے وہ پوری رات بھی جاگ کر گزار سکتا تھا۔

"میں تو نیند کو بھگانے کے لیے یہاں چلی آئی۔ ذرا سی آنکھ لگتی نہیں کہ یہ چیخ اٹھتی ہے۔" نظریں جھکائے وہ معطر کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ وہ بجھنے لگی تھی اسید کی خاموشی سے۔ اس کی خاموشی سے اخذ کرتی اس کی لاتعلقی سے۔ اس کی لمبی لمبی باتوں کے جواب میں ایک آدھ جملے میں ملنے والے اس کے جواب 'اس کی سنجیدگی' اس کی بے نیازی۔ اس کا لیا دیا رہنے والا انداز' ذہن و دل میں کھب کر رہ جانے والی امی کی اس بات نے اس کے دیکھنے' اس کے سوچنے کا نظریہ ہی بدل ڈالا تھا۔ وہ اسید کی خاموش نظروں میں چھپے ان گنت پیغامات پڑھ ہی نہیں پائی تھی۔ اس کے مزاج' اس کی فطرت تک پہنچ ہی نہیں پائی تھی۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ اسید کو اپنے بچوں کے لیے ماں چاہیے۔ اپنے لیے بیوی نہیں اور پھر عجیب سی بے کلی ہوتی تھی جو دل کا احاطہ کر لیتی تھی۔

"آپ اتنا کم کم کیوں بولتے ہیں؟" اس سے رہا

نہیں کیا تھا بالآخر۔

وہ جو اسے دیکھنے میں محو تھا حیران سا ہو گیا۔ "نہیں ... میں کم کم تو نہیں بولتا۔" اسے اس بے موقع سوال کی وجہ یقیناً سمجھ نہیں آئی تھی۔

"اچھا... پھر مجھے ہی کم سننے کی بیماری ہو گی۔" اس کے لہجے میں چبھن سی در آئی۔

"مجھے تو لگتا ہے۔ میں نے اب زیادہ بولنا شروع کر دیا ہے۔" وہ ہلکے سے مسکراتے ہوئے کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ "پہلے تو اتنا بھی نہیں بولتا تھا۔ تم تو جانتی ہو۔"

"نہیں... میں نہیں جانتی۔ مجھے بھلا کیا پتا آپ اپنی پہلی بیوی سے کتنی باتیں کرتے ہوں۔" شروع شروع کے دنوں میں ان باتوں کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا تھا۔ مگر اب بہت کچھ ایسا تھا جو اسے بے چین کرنے لگا تھا۔

"مہو۔" اس کی خاموشی پر اسید نے پکارا۔ مگر اس نے نظریں اٹھا کر اس کی سمت نہیں دیکھا تھا "چپ کیوں ہو گئیں۔ تمہیں میرے نہ بولنے کا شکوہ ہے تو چلو آج بہت ساری باتیں کیے لیتے ہیں۔" شگفتگی سے کہتے ہوئے وہ اس کے جھکے سر کو دیکھنے لگا۔

"تو آپ صرف میری شکایت دور کرنے کے لیے مجھ سے باتیں کریں گے۔ کیا میں کوئی بچی ہوں جس کی ناراضی دور کرنے کے لیے اسے لالی پاپ پکڑا دیا جائے۔" وہ اور سلگی تھی۔ بمشکل کسی تاثر کو چہرے پر آنے سے روکتے ہوئے وہ غنودگی میں جاتی معطر کو احتیاط سے اٹھا کر اٹھی۔

"پھر کبھی سہی یہ سو گئی ہے۔ میں اسے جا کر لٹا آتی ہوں ایسا نہ ہو پھر سے جاگ جائے۔" سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے وہ بنا اس کی طرف دیکھے چلی آئی تھی۔ وہ اسے روک بھی نہیں پایا تھا۔

☆ ☆ ☆

معطر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسے موشن ہو رہے تھے۔ ایک ہی دن میں وہ جیسے نچڑ کر رہ گئی تھی اور اس سے لامحالہ اس کی طبیعت پر بھی اثر پڑا تھا۔ وہ اتنی چڑچڑی ہو گئی تھی کہ مہو کو کوئی کام نہیں کرنے دے رہی تھی۔ اس دن اس نے ناشتا بھی اسے گود میں لیے ہوئے ہی جیسے تیسے بنایا اور اسے دوبارہ ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے لیے اسید کو آفس سے جلدی آنے کی تاکید کی تھی۔ اسید کے جانے کے بعد اس نے معطر کو سلایا اور صفائی کو بعد پر ٹالتے ہوئے وہ پہلے معطر کے کپڑے دھونے کھڑی ہو گئی۔

احمد نے ابھی اسکول جانا شروع نہیں کیا تھا۔ اسید ان دنوں اس کے لیے کسی اچھے اسکول کی تلاش میں تھا جو گھر سے بھی قریب پڑتا اور احمد ان فراغت کے دنوں کو خوب کھیل کود میں گزار رہا تھا۔ سامنے کے فلیٹ میں جو فیملی تھی ان کے دو بچوں سے اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ کبھی وہ ان کے گھر چلا جاتا تو کبھی وہ یہاں چلے آتے۔

اس وقت بھی لاؤنج میں انہوں نے اچھی ہڑبونگ مچائی ہوئی تھی۔ ٹی وی بھی آن تھا۔ کچھ اپنے خیالوں میں کھوئی، کچھ ٹی وی کی بلند آواز پر اسے اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ وہ کب گھر سے نکل گئے۔ کافی دیر بعد جب وہ گیلری کا دروازہ کھول کر لاؤنج میں آئی تو ٹی وی کو خالی لاؤنج میں آن پایا۔

"احمد۔" ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کرتے ہوئے اس نے احمد کو آواز دی۔

"احمد... کہاں ہو؟" باری باری دونوں کمروں میں جھانکتے ہوئے اسے خیال آیا کہ شاید عالم اور عاصم کے ساتھ باہر نکل گیا ہو۔

"بھابھی!" جلدی سے دروازے پر اس نے سامنے والی خاتون کو پکارا۔ ان کا دروازہ کھلا تھا اسی لیے وہ دوسری ہی پکار پر سامنے آموجود تھیں۔

"احمد آپ کے پاس ہے؟" اس نے انہیں دیکھتے ہی دریافت کیا۔

"نہیں تو!" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا وہ عاصم کے ساتھ نہیں آیا...؟" انہیں اتنا لاعلم دیکھ کر مہو کا دل ڈوبا۔

"عالم تو کافی دیر پہلے گھر آگیا تھا اور عاصم ابھی ابھی آیا ہے مگر احمد تو ان کے ساتھ نہیں تھا۔ رکو... میں پوچھتی ہوں... عاصم 'عاصم یہاں آؤ۔" وہ خود بھی کچھ پریشان سی ہو گئیں۔ ان کے دونوں بیٹے جڑواں تھے اور تھے بھی احمد کے ہم عمر۔ ان میں اتنی سمجھ کہاں تھی۔ ماں نے پوچھا تو وہ گنگ ہو کر ان کی صورت دیکھنے لگے۔

"احمد کہاں ہے بیٹا؟ پلیز بتاؤ۔" اس کا لہجہ کانپ رہا تھا۔

"او... او آئس کریم والے انکل کے ساتھ گیا تھا۔" عاصم نے زبان کھولتے ہوئے ماں کی سمت دیکھا۔

"کہاں... کہاں گیا' او خدایا۔" اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑی تھیں۔

"شاید وہ آئس کریم والے کے پیچھے گیا ہو۔ تم پریشان مت ہو مہو۔ میرا دیور ابھی ابھی گھر آیا ہے۔ میں اسے ڈھونڈنے بھیج دیتی ہوں وہ یہیں کہیں ہو گا۔ گیٹ پر گارڈ ہوتے ہیں وہ باہر نہیں جا سکتا۔" ہما بھابی نے اس کی ہراساں صورت دیکھ کر تسلی دی۔ اڑی رنگت کے ساتھ وہ وہیں بیٹھ گئی تھی۔ دل میں اسید کو فون کرنے کا خیال آیا مگر پھر جھٹک دیا۔ ہما بھابی کا دیور ابھی اسے گھر لے آتا۔ پھر فضول میں اسید کو پریشان کرنے کا کیا فائدہ۔ بھابی نے ٹھیک کہا تھا۔ گارڈ کی نظروں میں آئے بغیر تو وہ گیٹ سے باہر نہیں جا سکتا۔ وہ خود کو طفل تسلیاں دے رہی تھی۔ اسی وقت معطر کے رونے کی آواز آئی تو اسے اندر آنا پڑا۔

معطر کو گود میں لیے وہ بالکونی میں آ کھڑی ہوئی اور تب ہی اس نے ہما بھابی کے دیور کو عاصم سمیت آتے دیکھا مگر احمد ان کے ہمراہ کہیں نہیں تھا۔ اس کے ہاتھوں' پیروں سے جان نکلی تھی۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے ہاتھ میں پکڑے سیل فون سے اسید کو کال ملائی۔

"اسید پلیز گھر آجایئے۔"

وہ اس کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر ہی بوکھلا گیا "کیا ہوا مہو... معطر ٹھیک ہے؟" صبح تو وہ اس کی فکر میں گھر سے نکلا تھا۔

"ہاں... مگر احمد... احمد نہیں ہے... پتا نہیں کہاں چلا گیا۔" وہ رو پڑی تھی۔

"کیا...؟" وہ چلا اٹھا "کہاں چلا گیا گھر سے نکلا کیسے؟"

"مجھے نہیں پتا... میں کام کر رہی تھی سمجھی عاصم کے ساتھ ہو گا مگر ان دونوں کے ساتھ بھی نہیں ہے۔ ہما بھابی کا دیور بھی ڈھونڈ کر آگیا۔ اسے بھی نہیں ملا۔ پلیز اسید۔ آپ ابھی اسی وقت گھر آجایئے۔"

"رونا بند کرو مہو... میں آرہا ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے فون بند کیا تھا۔ وہ بکھرتے اعصاب کو سنبھالے دوسرا نمبر ملانے لگی تھی۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آتا... اتنا چھوٹا سا بچہ اتنی سی دیر میں گیا کہاں... اور گیٹ پر کھڑا گارڈ کیا سو رہا تھا۔" ابو غصے بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ اس نے گھر فون کر کے امی کو آنے کے لیے کہا تھا اور کچھ ہی دیر میں وہ لوگ دوڑے دوڑے آئے تھے۔ ان کے ہمراہ چچی اور سرمد بھی تھے۔ اسید کے ساتھ اس کے کچھ دوست بھی چلے آئے تھے اور انہوں نے اس پورے علاقے میں تلاش شروع کر دی تھی۔ گارڈ نے شرمندگی سے عاری الفاظ میں لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے مطابق وہ آنے جانے والوں کی چیکنگ پر مامور تھا ان میں بیسیوں بچے کبھی اسکول' کبھی مدرسے کے لیے گیٹ سے گزرتے تھے وہ ہر ایک پر نظر نہیں رکھ سکتا تھا۔ یہ والدین کی اپنی ذمہ داری تھی۔

"میں کبھی اسے گھر سے نکلنے نہیں دیتی اور نیچے تو وہ جاتا ہی نہیں ہے۔ آج کچھ دیر کے لیے میرا دھیان ہٹا اور... پتا نہیں کہاں ہو گا... کیسا ہو گا۔ وہ تو اگر ہم کچھ دیر کے لیے بھی اس کی نظروں سے اوجھل ہوں تو ڈر پڑتا ہے۔ اب کیا حال ہو گا اس کا... میں تو صبح معطر میں الجھی اسے ناشتا بھی ٹھیک سے نہیں کروا پائی تھی۔" وہ رو رو کر پاگل ہو رہی تھی۔ دل کو جو طرح

طرح کے وسوسے دہلا رہے تھے۔ اس کی حالت خراب ہوئی جا رہی تھی اور چڑچڑی معطر حالات کی سنگینی سے بے خبر اس سے یوں چمٹی ہوئی تھی کہ سمیعہ کے اٹھانے پر اس نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔

"خدا خیر کرے گا مہو۔ یوں ہاتھ پیر مت چھوڑو.... اٹھ کر نماز پڑھ کر دعا مانگو۔" بمشکل خود کو سنبھالے امی نے نرمی سے سمجھایا تھا۔

"ہاں.... خدا ہی خیر کرے۔ اور جلدی سے اسے خیر خیریت سے ڈھونڈلا ئیں ورنہ لوگ تو یہی کہیں گے کہ سوتیلی ماں تھی۔ حفاظت نہیں کر پائی۔" چچی نے کہا تھا۔ وہ ایک دم چونک سی گئی۔ یہ کیا کہہ رہی تھیں چچی۔ اسے تو صرف احمد کی فکر تھی۔ اس بات کی طرف تو اس کا دھیان بھی نہیں گیا تھا۔ کیا واقعی اسے اس کے سوتیلے پن کا شاخسانہ قرار دیا جائے گا۔

"سوتیلی ماں....؟ مہو کیا واقعی....؟" ہما بھابھی جو کچھ دیر پہلے ہی آئی تھیں اس بات پر بے حد حیران ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔ مہو نے آج تک انہیں کچھ نہیں بتایا تھا اور انہیں احساس تک نہیں ہو سکا تھا کہ وہ حقیقی کے بجائے سوتیلی ہو۔ وہ جواب دینے کے بجائے سر جھکائے آنسو پونچھنے لگی تھی۔

"کیا معطر بھی....؟" اس کی گود میں معطر کو دیکھتے ہوئے انہوں نے دوبارہ پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ سہ پہر میں مامی کا فون آ گیا۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی مگر مہو خود پر قابو نہیں رکھ پائی۔ ان کا جو واویلا شروع ہوا تھا۔ ان کے ہر جملے پر اس کی رنگت زرد پڑتی جا رہی تھی۔ امی نے آ کر اس کی حالت دیکھی تو اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

اور یہی وقت تھا جب وہ سر تھامے بیٹھی تھی۔ اسید اور سرمد گھر میں داخل ہوئے تھے اور اسید کے بازوؤں میں دبکے ڈرے سہمے احمد پر نظر پڑتے ہی وہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"احمد.... میرا بیٹا...." لپک کر اس کے قریب آتے ہوئے وہ اسے بانہوں میں لے کر بے تحاشا چومتی چلی گئی۔ رو رو کر احمد کا حال بھی خراب ہو چکا تھا۔ چہرے پر آنسوؤں کے نشانات ثبت تھے چھوٹی چھوٹی آنکھیں رونے سے مزید چنی منی ہو گئی تھیں۔

"یہ کہاں تھا.... کہاں سے ملا؟" سب ہی کی جان میں جان آئی تھی۔ سب ہی اس کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔

"یہاں سے بہت دور.... میں تو حیران ہوں۔ یہ وہاں گیا کیسے.... وہیں پر کسی کو ملا تو انہوں نے مسجد میں پہنچا دیا۔ مولوی صاحب کئی اعلانات بھی کروا چکے تھے۔ تھینک گاڈ کہ ہمیں راستے میں وہاں پوچھنے کا خیال آ گیا۔ ورنہ ہم تو پولیس اسٹیشن جا رہے تھے۔" سرمد بتا رہا تھا اور سب ہی نے مختلف انداز میں شکر کے کلمات ادا کیے تھے۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کسی غلط ہاتھوں میں نہیں پڑا.... ورنہ آج کل کیا کچھ سننے کو نہیں ملتا" چچی کی اس بات پر وہ کانپ کر رہ گئی تھی۔ بے اختیار ہی خود سے چمٹے احمد کو دیکھا۔ اس کا ڈر ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا۔

"احمد' اتنی دور کیوں چلے گئے تھے بیٹا.... مما نے منع کیا تھا نا.... نیچے نہیں جانا۔" اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس کا لہجہ بھر آیا۔

"ڈرا کر رکھ دیا ہم سب کو۔" سمیعہ نے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے بال بگاڑے تھے۔ اس نے ایک نظر اسید پر ڈالی۔ اس کا سیل مسلسل بج رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی اب اس کے گھر والے اس سے معاملہ جاننے کی کوشش کریں گے۔

"اس کے سر کا صدقہ اتار دینا مہو اور اٹھ کر شکرانے کے نفل بھی ادا کر لو۔ اللہ نے بہت بڑا کرم کیا ہے۔" امی نے اٹھتے ہوئے تاکید کی تو اس نے چونک کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"امی کو تم نے بتایا تھا؟"

رات کو سب کے جانے کے بعد جب وہ بچوں کو سلا رہی تھی۔ اسید نے بیڈ کے سامنے والے صوفے

پر بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس نے سوتے ہوئے احمد کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالا۔ وہ ابھی تک اتنی غیر یقینی کیفیت کا شکار تھا کہ سونے تک اس نے مہرو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑ رکھا تھا۔ "انہوں نے آپ سے کیا کہا؟" سپاٹ لہجے میں پوچھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں تناؤ سا ابھرا۔ اسید ٹھٹک سا گیا اس کے انداز پر مگر اس نے اس کا سوال ان سنا کر دیا۔

"وہ لوگ پریشان ہوتے اسی لیے میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں پتا چلے۔"

"مگر میں نے بتا دیا اور بہت اچھا کیا۔ اس سے کم از کم مجھے اپنی اوقات تو پتا چلی۔" اس کا لہجہ چبھتا تھا۔ اسید نے پریشان ہو کر اس کے یہ اکھڑ تیور دیکھے شاید اسے بھی احساس ہو گیا تھا۔ خود پر قابو پاتے ہوئے اس نے ایک نظر معطر اور احمد پر ڈالی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر باہر چلی آئی تھی۔

"مہرو... کیا بات ہے؟" اسید نے پیچھے آ کر اسے بازو سے پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کہہ نہیں رہے مگر آپ کو بھی یہی لگ رہا ہو گا نا اپنے گھر والوں کی طرح کہ یہ میری غلطی سے ہوا۔ میں لاپروا ہوں۔ میرا سوتیلا پن مجھے دل سے ان کی فکر کرنے نہیں دیتا۔" بھیگے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے اسید کو کئی جھٹکوں سے دوچار کیا۔ وہ ہکا بکا ہو کر اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"میں ایسا کیوں سوچوں گا... تمہیں ایسا لگتا ہے۔" اس نے بے یقینی سے دریافت کیا۔

"سب سوچتے ہیں... سب سوچیں گے۔ جب بھی کبھی میری کوئی معمولی سی غلطی بھی پکڑ میں آئے گی تب مجھے یہی طعنہ سننے کو ملے گا۔" وہ دل گرفتگی سے کہہ رہی تھی۔

"امی نے کچھ کہا ہے تم سے؟" وہ سمجھ چکا تھا پھر بھی دھیرے سے پوچھنے لگا۔

"انجان مت بنیے۔ یقیناً" انہوں نے آپ سے بھی وہی سب کہا۔ جو انہوں نے مجھ سے کہا۔ میں سگی نہیں ہوں تو کیا ہوا۔ میں نے کون سی کمی کی ہے۔ وہ تو

یہاں نہیں ہیں۔ انہیں کیا پتا..... بلکہ کسی کو بھی کیا پتا
..... لوگوں کو بس الزامات عائد کرنے آتے ہیں۔ آج
انہوں نے کہا۔ کل کو سب کہیں گے اور کیا ہو گا اگر
ایک دن یہ بچے ہی آکر میری محبت میری محنت میرا
خلوص، میری ساری خواریاں مٹی میں ملاتے ہوئے
مجھے میری اوقات یاد دلانے لگیں۔"

آج کے واقعے نے پہلے تو ایک طرح اس کے دل و
دماغ کی چولیں ہلائی تھیں اور اس کے بعد اس کے تن
من کو اپنی لپیٹ میں لینے والے طوفان نے اس کا
چین و سکون ہی تہ و بالا کر دیا تھا۔ وہ بالآخر تھک گئی تھی
اور تھک کر پھٹ پڑی تھی۔

"امی نے کہا تھا خود سے سوتیلی ماں کا ٹیگ ہٹانے
کے لیے سگی ماں سے بڑھ کر بنو۔ میں نے سوچا میں خود
کو مٹا دوں گی۔ مگر کبھی ان بچوں کو یہ محسوس نہیں
ہونے دوں گی کہ انہیں میں نے جنم نہیں دیا۔ میں
انہیں کوئی کمی، کوئی محرومی محسوس نہیں ہونے دوں
گی۔ مگر اب پتا چل رہا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں
اپنی جان بھی دے دوں تو رہوں گی سوتیلی ہی۔ میں ڈر
ڈر کر انہیں ڈپٹوں..... سختی کروں یا پیار کروں۔ میری
ذرا سی بھول..... اور میرے منہ پر پڑنے والا یہ طمانچہ
..... جیسے آج پڑا ہے۔" جس فیصلے کو نبھاتے نبھاتے وہ
اسے کرنے کی وجہ تک بھول گئی تھی۔ اب یکدم ہی
اسے بہت کچھ یاد آنے لگا تھا۔

"آپ نہیں جانتے..... یا شاید جانتے ہوں کہ ماں
نے آج مجھ سے کیا کچھ کہا..... میں ان کی تنخواہ دار
ملازم نہیں ہوں۔ انہیں مجھ سے اس طرح جواب دہی
کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ احمد میرا بھی بیٹا تھا۔
تکلیف جیسے بھی ہو رہی تھی۔ پریشان میں بھی تھی۔
مگر وہ مجھ سے اس طرح سے بات کر رہی تھیں جیسے
احمد میری وجہ سے کھویا ہو۔ بلکہ اسے میں نے ہی کہیں
غائب کرا دیا ہو یا شاید وہ حق بجانب تھیں۔ میں اس
قابل ہوں۔ میری غلطی یہ ہے کہ میں نے خود اپنے منہ
سے آپ سے شادی کی بات کی، میں نے خود ہی خود کو
پیش کیا۔ یہ میری کمزوری یا مجبوری نہیں تھی مگر اب
میرے اس عمل کو کسی اور طرح سے دیکھا جا رہا ہے اور
میں یہ سب برداشت کرنے کی عادی نہیں ہوں۔"

ایک کے بعد ایک خیال آرہا تھا اسے اور تکلیف میں
اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ
سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ اسے کیا ملا۔ سکھ چین حرام
کر کے، دن رات کی تمیز بھلائے، اتنے عرصے کی اس
کڑی مشقت میں اسے کیا ملا یہ ٹھیک تھا کہ یہ فیصلہ
اس کا اپنا تھا۔ مگر جوش میں آکر اٹھائے اپنے اس قدم
کے یہ نتائج تو اس نے سوچے ہی نہیں تھے۔

اسید خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے دل کی بھڑاس
نکالنے کا موقع دے رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی بیچ میں
اسے ٹوکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جب تک کہ وہ
خود ہی بول بول کر تھک نہیں گئی۔

"تمہیں اتنا فرق پڑتا ہے مہو..... لوگ کیا کرتے
ہیں، کیا سوچتے ہیں۔ تمہاری زندگی کے تمام اہم
معاملے کیا اس ایک خیال کے زیر اثر تکمیل پاتے
ہیں۔" دھیرے سے اسے مخاطب کرتے ہوئے اسید
نے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھا "کیا مجھ سے شادی
کا فیصلہ بھی تم نے ان تمام لوگوں سے پوچھ کر کیا تھا جن
کے طعنوں، جن کی باتوں کا خوف تمہیں اس وقت ستا
رہا ہے۔" وہ سوال پوچھ رہا تھا۔ وہ نظریں جھکائے لب
کاٹنے لگی تھی۔

"مجھے تو اس بات کا پتا بھی بعد میں چلا ہے کہ مجھ
سے شادی کا فیصلہ تمہارا اپنا ہے۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا
کہ پھپھو نے اپنے بھتیجے پر احسان کیا ہے اور میں یہی
سوچ رہا تھا کہ میں اسے چکاؤں گا کیسے..... میں نے
شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے بھی یہ ڈر تھا کہ کوئی
غیر عورت آکر میرے بچوں کو ماں کا پیار کیوں دے گی۔
خلوص اور بے غرضی سے گندھا یہ رشتہ جو صرف اور
صرف ایثار کا متقاضی ہے کوئی کیوں کر میرے بچوں
سے استوار کرنا پسند کرے گی۔ جب پھپھو نے مجھ
سے بات کی تو مجھے حیرت ہوئی تم مجھ جیسا شخص ڈیزرو
نہیں کرتی تھیں۔"

اس بات پہ مہو نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ اپنی

بات جاری رکھے ہوئے تھا۔

"اگر اس وقت میں تم سے بات نہ کرتا تو میں زیادہ سوچے بغیر خود ہی انکار کر دیتا۔ مگر تم نے میرے تمام اندیشے غلط ثابت کیے مہو۔ تم نے مجھے 'میرے بچوں کو وہ دیا ہے کہ میں چاہوں تو بھی کبھی تمہارا یہ قرض نہیں چکا سکتا۔ مجھے لوگوں سے کوئی غرض نہیں ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی نہ رکھو۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تم میرے لیے کیا ہو میری بیوی 'میرے بچوں کی ماں تم انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرو 'سختی کرو یا مار و سکی اور سوتیلی کے بحث سے قطع نظر تمہیں اپنے ہر عمل پر یہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسے کس کھاتے میں ڈالا جائے گا۔ وہ تمہارے بھی بچے ہیں اور ایک ماں ہونے کے ناتے ان کی پرورش 'ان کی تربیت تمہاری ذمہ داری ہے۔ اس کے لیے تم کسی کو جوابدہ نہیں ہو۔۔۔ مجھے بھی نہیں مہو۔"

اس کا وجود لرز رہا تھا۔ اسید نے اسے شانوں سے تھاما وہ خود پر اختیار کھو بیٹھی تھی بے اختیار ہی اس کے شانے پر سر رکھتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اسید نے بے حد نرمی سے اپنے حصار میں قید کیا تھا۔

"اور آج میں تمہارے سامنے یہ اعتراف کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کروں گا کہ تم میری زندگی میں خدا کا سب سے حسین تحفہ بن کر شامل ہوئی ہو۔ جسے اس نے سب سے بچا کر صرف اور صرف میرے لیے سنبھال کر رکھا تھا جس کا شکر میں اس زندگی میں تو ادا کرنے کے قابل بالکل نہیں ہوں۔"

اس نے یہ کیا کہا تھا۔۔۔ مہو رونا بھول کر یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ اس کی گہری آنکھوں میں جذبے قندیلوں کی مانند جل اٹھے تھے۔

"میں نہیں جانتا تمہارے اس فیصلے کا سبب کیا ہے مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہمیں اس طرح ملنا تھا پھر چاہے تم مجھ تک آنے کے لیے کوئی بھی راہ بھی چنتیں۔"

یہ اعتراف نہیں تھا کوئی جادو تھا جو وہ اس پر پھونک کر اس کے مردہ تن میں جان ڈال گیا تھا۔ اس کی آنکھیں پھر سے بھر آنے لگی تھیں۔

"تم اس بات پر جلنے کڑھنے کے بجائے کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے صرف ایک بار میرے بارے میں اپنے بچوں کے بارے میں سوچ لیا کرو۔ یہ دنیا ہے مہو یہاں کوئی کسی کے لیے نہیں جیتا۔ نہ کسی کو جیتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔ لوگ جو چاہیں کہتے رہیں۔ تم صرف یہ یاد رکھو کہ تم ہمارے لیے کیا ہو۔ ہماری زندگیاں تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں ہیں تم ہمارے لیے ہمارا سب کچھ ہو۔" واشگاف الفاظ میں اس کی حیثیت بتاتا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ جو گپ چپ سی بیٹھی تھی۔ چونک کر سر اٹھاتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

کبھی کبھی کوئی حادثہ زندگی بدل کر رکھ دیتا ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی جس باعث وہ اتنی مایوس اور دلگرفتہ ہوئی تھی وہی حادثہ اس کی جھولی کو اس حد تک بھی بھر سکتا ہے۔ اسے کسی صلے کی تمنا نہیں تھی۔ اسے سراہے جانے کی بھی کوئی خواہش نہیں تھی اپنی مرضی سے کیے اس فیصلے کو وہ دل و جان سے اپنا فرض سمجھ کر نبھا رہی تھی۔ مگر آج اسید نے جس طرح کھلے دل سے اس کی ریاضتوں کا اعتراف کر کے اس کی ذات کو معتبر کیا تھا۔ شکر و شرمندگی سے لبریز اندر روتی جذبات امڈ امڈ کر اسے جل تھل کرنے لگے تھے۔ وہ کتنی جلدی مایوس ہو گئی تھی۔ کتنی جلدی تھک گئی تھی۔ اتنے کم عرصے میں اسے خود کو مضبوط رکھنا نہیں آیا تھا اس نے اسید کو یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ اپنے کیے فیصلے پر پچھتا رہی ہے۔ اس نے ایک بار پھر جذباتیت سے کام لیا تھا۔

اس سے پہلے کہ اسید جانے کے لیے بڑھتا۔ بھیگی پلکیں اٹھاتے ہوئے اس نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ آج اس شخص کو جانے نہیں دے سکتی تھی۔ وہ پھر سے پچھتانے کا 'اپنے لیے ایک نیا آزار مول نہیں لے سکتی تھی کہ وہ بھی اس کے لیے خدا کا تحفہ ہی تو تھا جو بالکل صحیح وقت پر آکر اس کی زندگی سنوار گیا تھا۔

اسید نے چونک کر اپنے ہاتھ پر اس کے نازک سے

ہاتھ کی گرفت کو دیکھا۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"میں سننے کو منتظر ہوں۔" اسید نے اس ہاتھوں پر اپنی گرفت قائم کرلی تھی اور اب بغور اس کے چہرے پر پھیلی کشمکش دیکھ رہا تھا۔

"پہلے تو معذرت ــــ اور پھر ــــ" اسے کہنے کو الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"آگے کہو مہو۔" اس نے ہولے سے اس کے گداز ہاتھ کو دبایا۔

"شکریہ۔" اسے یہ ہی لفظ سب سے بہترین لگا۔

"معذرت کس لیے اور شکریہ کیوں؟" وہ لب مبہم سی مسکراہٹ سے وضاحت چاہ رہا تھا۔

"میں نے کیا کچھ کہہ ڈالا بنا سوچے سمجھے میں نے غیر ضروری جذباتیت کا مظاہرہ کیا جس کی کوئی تک نہیں بنتی تھی۔ مگر میں نے وہ سب کچھ دل سے نہیں کہا تھا۔ یقین مانیے آج پورا دن میرے اعصاب جس قدر کشیدہ رہے ہیں شاید یہ اس کا اثر تھا اور اس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔"

"اتنی لمبی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی بلکہ تمہیں تو معذرت کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ یہ بالکل فطری رد عمل تھا اور اس کے لیے میرے نزدیک تم کہیں بھی قصوروار نہیں ہو۔" اسید نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کا چہرہ اٹھایا۔ وہ اپنی گلابی ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اور شکریہ میری زندگی میں آنے کے لیے مجھے یہ جتانے کے لیے کہ میرا آپ کی زندگی میں آنا ہمارے ملنے کی ہر وجہ سے بڑا ہے۔ میری ذات اہم ہے..... میرا آپ کے لیے ہونا اہم ہے اور اس ایک سچائی کے آگے باقی سب کچھ ہیچ ہے۔" اس کی خوب صورت آنکھوں کی خاموشی بول اٹھی تھی اور منتظر اسید اسے دیکھتا چلا گیا۔

"مہو..... تم نے شکریہ کیوں کہا تھا؟" وہ اس کی زبان سے سننے کا متمنائی تھا۔ مہو پل بھر کو چپ ہوئی تھی

اور تب جب وہ لب کھولنے ہی لگی تھی۔ معطر کے رونے کی آواز آئی تھی۔

وہ چونکی پھر اس کے ہاتھوں میں دبے ہوئے ہاتھوں کو دیکھا۔

"اسی لیے۔" دھیرے سے مسکرا کر کہتے ہوئے وہ ہاتھ چھڑا کر اندر چلی آئی تھی۔ اسید کے چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ آ ٹھہری۔ جذبے آج کامل ہو کر اس کے دل اور دنیا منور کر گئے تھے اور وہ جانتا تھا کہ اس روشنی میں آگے والا ہر رستہ اجلا اور آنے والا ہر منظر روشن تھا۔ یہ اس کی امید بھی تھی اور اس کے سچے جذبوں کا یقین بھی۔

☼ ☼

مکمل ناول

عزہ خالد

وہ کافی دیر سے معاذ کا انتظار کر رہی تھی پر خدا جانے وہ کہاں رہ گیا تھا تائی جان اس کے بالکل سامنے بیٹھی۔ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھیں وہ بڑے صبر اور حوصلے سے ان کی گھوریاں برداشت کر رہی تھی اگر مجبوری نہ ہوتی تو وہ کبھی یہاں کا رخ نہ کرتی۔

عصر کی اذان ہوئی تو تائی جان کو نماز کے لیے اٹھتے دیکھ کر اس نے شکر ادا کیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر ٹی وی لاؤنج کا جائزہ لینے لگی۔ وہ دو تین ماہ بعد یہاں آئی تھی وہ جانتی تھی تائی جان اسے پسند نہیں کرتیں اس لیے وہ بھی ہمیشہ یہاں آنے سے کتراتی تھی۔

دائیں طرف کچن کی کھڑکی تھی جس سے وہ با آسانی کچن میں کام کرتی ماہ زیب آپی کو دیکھ سکتی تھی اداس گم صم سی ماہ زیب آپی کو دیکھ کر اس کے دل میں فوراً" ان کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے تھے۔

ماہ زیب آپی ایک ایسا کردار جنہیں ایک خوب صورت شہزادہ مستقبل کے سہانے سپنے دکھا کر ایسا پردیس گیا کہ واپس آنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

اشعر بھائی اس کے پھوپھو زاد بھائی تھے انہیں ماہ زیب آپی سے ایسی طوفانی محبت ہوئی کہ منگنی چھوڑ ڈائریکٹ نکاح کر لیا۔ انہیں اعلا تعلیم کے لیے باہر جانا تھا شاید انہیں اپنی بڑی ممانی پر اعتبار نہیں تھا اسی لیے منگنی کے بجائے نکاح کے لیے زور دیا اور اپنی منوا کر چھوڑی اور اب وہ پچھلے چھ سات سال سے ہر سال آنے کا وعدہ کرتے اور پھر ہر سال کوئی نہ کوئی مجبوری آڑے آجاتی۔

پتا نہیں وہ کون سی مجبوریاں تھیں جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ زیب آپی پہلے بھی کم بولتی تھیں پر اب تو جیسے انہوں نے بولنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ اہمل کو ڈر تھا کہیں انتظار کرتے کرتے اس خوب صورت سی شہزادی کی آنکھیں پتھر نہ ہو جائیں۔

"آپی! معاذ آئے تو اسے ہماری طرف بھیج دینا۔"

اہمل کو اب وہاں رکنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ ماہ زیب نے سر کو ہلکی سی جنبش دی تو اہمل اداس سی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ ابھی مین گیٹ تک پہنچی ہی تھی کہ معاذ گھر میں داخل ہوا۔

"وہ آئے ہمارے گھر خدا کی قدرت۔" معاذ نے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

"معاذ! شکر ہے تم مجھے یہیں مل گئے، کسی پلمبر کو لے آؤ موٹر خراب ہو گئی ہے اور ٹنکی بالکل خالی ہے۔" اہمل نے فوراً" اپنی آمد کی وجہ بتائی۔

"چلو پہلے میں دیکھ لیتا ہوں چھوٹی موٹی خرابی تو میں بھی دور کر سکتا ہوں۔" معاذ اس کے ساتھ چل پڑا۔

پندرہ منٹ بعد موٹر بالکل ٹھیک چل رہی تھی۔

"تھینک یو معاذ۔ تھینک یو سو مچ۔" اہمل نے تشکر بھرے لہجے میں کہا۔

"موسٹ ویلکم۔" معاذ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھک کر کہا تو اہمل مسکرا دی۔

"چائے پیو گے؟" اہمل نے حق میزبانی نبھاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" معاذ نے نفی میں سر ہلایا اور غور سے

اسے دیکھنے لگا اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا کہ اہمل ہونٹ کچلتے ہوئے دائیں طرف رکھے گملوں کو دیکھنے لگی۔

"اہمل! مجھے تم سے بات کرنی تھی۔"

اہمل کو اندازہ تھا وہ کیا کہنا چاہتا ہے وہ اسی لمحے سے ڈرتی تھی وہ اس کے جذبات سے اچھی طرح آگاہ تھی

اس نے بڑی شدت سے دعا مانگی تھی کہ یہ وقت نہ آئے۔

"اہمل میں امی کو رشتے کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں' میں تم سے شادی..." وہ کئی دنوں سے الفاظ ترتیب دے رہا تھا آج بہت سادہ لفظوں میں اپنا مدعا بیان کرنے لگا تو اہمل نے اس کی بات کاٹ دی۔

"آئی ایم سوری معاذ! میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"مگر کیوں؟" اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اہمل انکار کردے گی۔

"میں... میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔"

"ضروری تو نہیں ہے نا معاذ' جس سے محبت کی جائے ہم اسے حاصل بھی کرلیں۔ ہر محبت کی کہانی میں ہیپی اینڈ تو نہیں ہوتا نا۔" اہمل نے اسے وہ بات سمجھانی چاہی جو کئی سالوں سے خود کو سمجھانے کی کوشش کررہی تھی پر ناکام تھی۔

"وجہ؟" وہ صرف ایک لفظ بول پایا تھا۔

"تائی جان مجھے پسند نہیں کرتیں' انہیں یہ ڈر ہے کہ میں تمہیں ان سے چھین لوں گی' میں "ہاں" کرکے ان کے شک کو ہوا نہیں دینا چاہتی' وہ تمہاری شادی اپنی بھانجی سے کرنا چاہتی ہیں ندا' بہت اچھی لڑکی ہے تم اس کے ساتھ..."

"اگر میں امی کو منالوں تو...؟" معاذ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"تو بھی نہیں..."

اہمل کے جواب پر معاذ نے ایک نظر اسے دیکھا اہمل نے فوراً" نظریں چرالیں۔ اس کی آنکھوں میں دکھ تھا روکے جانے کا دکھ...

"آئی ایم سوری معا..." اہمل نے سر اٹھاتے ہوئے کہنا چاہا پر معاذ واپسی کے لیے مڑ چکا تھا اہمل کی آواز سن کر بھی وہ رکا نہیں تھا جلدی جلدی قدم اٹھاتا مین گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

"معاذ مجھے پتا ہے تم تائی جان کو منالیتے' اکلوتے بیٹے کی ضد کے سامنے وہ ہار جاتیں پر میں انہیں جانتی ہوں وہ مجھے کبھی دل سے قبول نہ کرتیں۔" وہ معاذ کی پشت دیکھتے ہوئے خود کلامی کررہی تھی۔

"معاذ تم بہت اچھے ہو میں تمہیں دھوکا کیوں دوں' میرے دل پر تو بس اسی کا قبضہ ہے' میں اسے دعا میں نہ مانگوں تو میری دعا مکمل نہیں ہوتی اسے سوچنا مجھے اچھا لگتا ہے' میں وہ انوکھی لاڈلی ہوں جو چاند کی خواہشمند ہے' میں جانتی ہوں چاند میری دسترس سے دور ہے پر... پر میں اس دل کا کیا کروں۔" اہمل نے بے بسی سے ہونٹ کچلے تھے۔

پانچ سال ہونے کے باوجود وہ اس شخص کے سحر سے نہیں نکل پائی تھی ان پانچ سالوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔ وقت' حالات' رشتے ناتے یہاں تک کہ اہمل رضا خود بھی' بہت بدل گئی تھی پر کوشش کے باوجود بھی وہ اس شخص کو نہیں بھول سکی تھی صرف تین ملاقاتوں میں وہ "زیان بن حسان" کی دیوانی بن گئی تھی۔

اس میں اہمل رضا کا کوئی قصور نہیں تھا وہ تھا ہی ایسا کہ اس نے دیکھا اور بس فتح کرلیا۔

اہمل کوئی جذبات کی ماری ہوئی لڑکی نہیں تھی بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھی وہ پر صرف تب تک جب تک زیان سے نہیں ملی تھی۔ اس نے کہیں پڑھا تھا حسین چہرے جان کا عذاب ہوتے ہیں زیان بن حسان کو دیکھنے کے بعد وہ اس بات سے اتفاق کرنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"فری! یو نو میں آل ریڈی اسپیچ اور بیت بازی کامپٹیشن میں حصہ لے چکی ہوں اب یہ سائنس کوئز... کیسے تیاری کروں گی؟" اہمل نے پریشانی سے فروہ کو دیکھا جو بتانے آئی تھی سائنس کوئز میں حصہ لینے والی نازش اچانک بیمار ہوگئی تھی میڈم غوری بہت پریشان تھیں فروہ احسان نے فوراً" ان کی پریشانی دور کردی تھی۔

"تمہیں تیاری کی کوئی ضرورت نہیں ہے' میری

فل تیاری ہے تم بس خانہ پری کے لیے وہاں بیٹھ جانا۔" اور پھر فروہ کی منتوں اور تسلیوں کے بعد وہ راضی ہوگئی۔ پر اگلے دن سائنس کوئز میں بیٹھی ابہل فروہ کو منہ بھر بھر کر برا بھلا کہہ رہی تھی فروہ نے ایک بھی سوال کا صحیح جواب نہیں دیا تھا ہال میں بیٹھے گورنمنٹ کالج کے لڑکے دل کھول کر ان کا مذاق اڑا رہے تھے حالانکہ اس مقابلے میں ان سے بھی نکمی ٹیمز موجود تھیں پر ان کا کالج زیادہ نشانے پر اس لیے تھا کہ ہر سال ہونے والے ان مقابلوں میں ان کا کالج ہمیشہ نمایاں رہا تھا۔

"فروہ کی بچی کہاں گئی وہ تمہاری تیاری؟ تم ذرا ہال سے باہر نکلو میں تمہارا گلا دبا دوں گی۔" ابہل نے مائیک سائیڈ پر کرتے ہوئے فروہ کے کان کے قریب ہو کر آہستگی سے کہا۔

"مجھے کیا پتا تھا اتنے الٹے سیدھے سوال ہوں گے تم خود بتاؤ مجھے کیا پتا کتے کے منہ میں کتنے دانت ہوتے ہیں مانا کہ مجھے بچپن میں ایک بار کتے نے کاٹا تھا پر میں نے دانت گنے نہیں مجھے اس وقت پتا ہوتا کہ سائنس کوئز میں مجھ سے ایسے سوال کیے جائیں گے تو میں ضرور گنتی۔" فروہ شروع ہوئی تو رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی ابہل نے اسے کہنی مار کر چپ کروایا کیونکہ کمپیئرنگ کرتے ٹیچر کا رخ اب ان کی طرف تھا۔

"ٹیم بی گورنمنٹ گرلز کالج سے ہمارا سوال ہے کہ ہنسنے کے دوران انسانی جسم کے کتنے اعصاب حرکت کرتے ہیں؟"

فروہ نے فوراً ابہل کی طرف دیکھا پر وہ بے رخی سے منہ پھیر چکی تھی۔ مطلب صاف تھا کہ اس سے امید نہ رکھی جائے۔ اسے تو رہ رہ کر بیت بازی اور اسٹیج کامپٹیشن کی فکر ستا رہی تھی۔

"دانت باہر آتے ہیں، آنکھیں بھی بچ جاتی ہیں، کان سکڑ جاتے ہیں۔" فروہ کو انگلیوں پر گنتے دیکھ کر ابہل کو بے ساختہ ہنسی آئی اگلے ہی لمحے بیل بج گئی۔

"ٹیم بی آپ کا ٹائم ختم ہوگیا ہے آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہنسنے کے دوران انسانی جسم کے چار سو اعصاب براہ راست حرکت کرتے ہیں۔"

"میں نے بھی یہی جواب دینا تھا بس بیل جلدی بج گئی۔" فروہ نے ابہل کے کان کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی۔ ابہل اس کے اس جھوٹ پر اسے گھورے بغیر نہ رہ سکی۔

اگلا راؤنڈ شروع ہونے سے پہلے چار نکمی ٹیمز کو مقابلے سے باہر کر دیا گیا جس میں ان کی ٹیم بھی شامل تھی۔ ابہل کا موڈ سخت آف تھا گورنمنٹ کالج کے لڑکے سیٹیاں اور تالیاں بجا بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ فری جی بھر کر انہیں کوس رہی تھی۔

"خدا کرے اگلے راؤنڈ میں سب سے پہلے ان کی ٹیم نکلے کمینے کتنے خوش ہو رہے ہیں۔" فروہ کو گورنمنٹ کالج کے لڑکوں کی خوشی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

ابہل نے بیگ سے دیوان غالب نکال لیا تھا۔ اسے اب کل ہونے والے بیت بازی مقابلے کی تیاری کرنی تھی جبکہ فروہ گورنمنٹ کالج کے لڑکوں کو بددعائیں دینے میں مصروف تھی۔

☆ ☆ ☆

ابہل نے سامنے بیٹھی ٹیم "اے" کو دیکھا وہ کسی پرائیویٹ کالج کی ٹیم تھی۔ درمیان میں بیٹھا زیان بن حسان اپنی وجاہت اور دلکش پرسنالٹی کی وجہ سے سب میں نمایاں تھا۔ وہ اعتماد سے مائیک تھامے بیٹھا تھا اسے اپنی متاثر کن شخصیت کا بہت اچھی طرح احساس تھا۔ ہال میں بیٹھے اسٹوڈنٹس ہی نہیں ٹیچرز بھی اس سے متاثر نظر آ رہے تھے۔ فروہ بار بار اس کے کان میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔ وہ جتنا اس سے نظر ہٹانا چاہ رہی تھی فروہ اتنا ہی اس کی کوشش ناکام کر رہی تھی۔

"اس کی رسٹ واچ دیکھو کتنی خوب صورت ہے۔"

"فری کیا ہوگیا ہے۔" ابہل نے اسے ٹوکا۔ "کیوں پاگل ہو رہی ہو اس کے پیچھے۔"

"ابھی ایک میں نہیں پورا ہال تاڑ رہا ہے اسے 'میرا قصور نہیں ہے وہ ہے ہی اتنا خوب صورت' اس کے ساتھ جو دونوں بیٹھے ہیں وہ بھی اچھے خاصے ہیں پر وہ تو سر سے پاؤں تک کسی بہت اچھی کمپنی کی برانڈ لگ رہا ہے۔" ایمل نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا بات تو اس کی سولہ آنے درست تھی۔

خدا خدا کر کے مہمان خصوصی کی آمد ہوئی جو اپنے دیے گئے ٹائم سے ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ تھے وہ ملک کے جانے مانے شاعر تھے۔ ان کی آمد کے فوراً بعد کمپیئرنگ کے فرائض انجام دینے والے ٹیچر مائیک تھامے اسٹیج پر آ گئے تھے اور پہلا شعر پڑھ کر مقابلے کا آغاز کیا۔

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

"جی ٹیم "اے" الف سے شروع کیجیے۔" کمپیئر نے اپنا رخ ٹیم اے کی طرف کیا۔ ہال میں بیٹھے لوگوں کی نظریں پہلے ہی زیان بن حسان پر تھیں۔

اہل ہنر کو مجھ پر وصی اعتراض ہے
میں نے جو اپنے شعر میں ڈھالے تمہارے خط

زیان بن حسان کے لبوں سے یہ شعر نکلا اور ہال میں بیٹھے لوگ زور زور سے تالیاں بجا رہے تھے۔ ایمل اور فروہ نے حیرت سے ہال میں بیٹھے لوگوں کو دیکھا۔

"ابھی تم مانو یا نہ مانو یہ اپنے رشتے داروں کو لایا ہے۔"

"جی ٹیم بی "ط"" کمپیئر گورنمنٹ بوائز کالج کی طرف متوجہ ہوئے پر ان کی تو جیسے سٹی گم ہو چکی تھی۔ وہ حیرت کی تصویر بنے ٹیم اے کو دیکھ رہے تھے جیسے "ز" سے کوئی لفظ نہیں بنتا تو "ط" سے بھی کوئی لفظ نہ بنتا ہو۔

ایمل نے سامنے بیٹھے اپنے روایتی حریف گورنمنٹ بوائز کالج کے لڑکوں کو دیکھا جو بڑی بے بس نظروں سے ہال میں بیٹھے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔

تیس سیکنڈ پورے ہوتے ہی بزر بج گیا اور ٹیم "بی" مقابلے سے باہر ہو گئی اور اسے اسٹیج سے اٹھنے کا اشارہ مل گیا۔

"ٹیم اے نے ٹیم بی کو پہلے ہی شعر پر کلین بولڈ کر دیا اور پویلین کی راہ دکھا دی۔"

میزبان ٹیچر کرکٹ کے شوقین دکھائی دے رہے تھے۔

"اسے کہتے ہیں غرور کا سر نیچا۔" فروہ نے فوراً اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ اسے جانے کیوں ٹیم بی سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

"کتنی تیاری کی ہوگی بے چاروں نے۔۔۔"

"ٹیم سی آپ کی باری ہے۔" میزبان ٹیچر کی آواز پر وہ فوراً "ٹیم "سی"" کی جانب متوجہ ہو گئی جس میں موجود تین لڑکیاں پہلے ہی تیار تھیں۔

طبع آزاد پر قید رمضاں بھاری ہے
تم ہی کہہ دو کیا یہی آئین وفاداری ہے

"سرسید کالج آپ کی باری ہے۔"

یارب غم ہجراں میں اتنا تو کیا ہوتا
جو ہاتھ جگر پر ہے وہ دست دعا ہوتا

سرسید کالج کی نمائندگی کرتے وہ تینوں لڑکے چہرے پر کچھ ایسی مصنوعی ذہانت سجائے ہوئے تھے کہ اس ہال میں ان سے زیادہ ذہین فطین کوئی نہیں ہے یہ فروہ کا ان کے بارے میں خیال تھا اور ایمل اس سے متفق تھی۔

"جی گورنمنٹ گرلز کالج۔" میزبان ٹیچر ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی پچھلے کئی سالوں سے ہر سال ہونے والے مقابلوں میں گورنمنٹ گرلز کالج کی ٹیم نمایاں تھی۔

امید تو بندھ جاتی تسکین تو ہو جاتی
وعدہ نہ وفا کرتے وعدہ تو کیا ہوتا

ایمل کے شعر پر ہال تالیوں سے گونج رہا تھا اس لمحے ہال میں بیٹھے لوگوں کی نظر زیان بن حسان سے ہٹی تھی اور یہ بات زیان بن حسان کو بڑی ناگواری گزری تھی اسے ہمیشہ فرنٹ پر رہنا پسند تھا سامنے بیٹھی ایمل رضا اسے زہر لگ رہی تھی۔

ایک گھنٹے میں چار ٹیمز نکل چکی تھیں۔ زیان سے

اپنے ساتھ بیٹھی دونوں ٹیمز کو مقابلے سے باہر کردیا تھا اسے بانگ درا' دیوان غالب سب حفظ تھیں۔
وہ ایک کے بعد ایک مشکل حرف دے کر ساتھ والی ٹیم کو زچ کررہا تھا۔
"امی اب یہ اقبال کا جانشین ہمیں باہر کرے گا۔" سرسید کالج جیسے ہی مقابلے سے باہر ہوا تھا فروہ نے فکر مندی سے ایمل کو دیکھا تھا۔
"کوئی بات نہیں ویسے بھی اب صرف تین ٹیمز بچی ہیں تینوں میں سے ایک پوزیشن تو ہماری ہوگی نا۔" زارا نے فروہ کو حوصلہ دیا مائیک پر ایمل کی گرفت مضبوط ہوگئی تھی۔ زیان بن حسان بڑی بارعب آواز میں اقبال کا شعر پڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد ان کی باری تھی۔

اسی طلسم کہن میں اسیر ہے آدم
بغل میں اس کی ہیں اب تک بتان عہد عتیق

میزبان ٹیچر ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

قاتل میرا نشان مٹانے پر بضد ہے
میں بھی نوک خنجر پر سر چھوڑ جاؤں گا
دشمن کریں گے میری دلیری پر تبصرے
میں مر کر بھی زندگی کی خبر چھوڑ جاؤں گا

ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ زیان بن حسان نے ناپسندیدگی سے نچلا ہونٹ دانتوں میں بھینچ لیا تھا۔ ایمل رضا کا یوں فرنٹ پر آنا اس کی خود پسند طبیعت پر سخت ناگوار گزر رہا تھا اسے ہر صورت اس ٹیم کو مقابلے سے باہر کرنا ہے وہ اپنے ذہن میں ایسے تمام اشعار کو ترتیب دے رہا تھا جن کے آخر میں ایسے حرف آتے ہوں جس سے گورنمنٹ گرلز ٹیم جلد از جلد مقابلے سے باہر ہوجائے۔
وہ اگر زیان بن حسان تھا تو وہ بھی ایمل رضا تھی وہ اسے جتنا آسان ہدف سمجھ رہا تھا وہ اتنا آسان نہیں تھا ایسا محسوس ہورہا تھا یہ مقابلہ بس ایمل رضا اور زیان بن حسان کے بیچ ہے۔

وہ بلائیں تو کیا تماشا ہو
ہم نہ جائیں تو کیا تماشا ہو

"جی گورنمنٹ گرلز کالج۔"

وقت کی چند ساعتیں ساغر
لوٹ آئیں تو کیا تماشا ہو
یہ کناروں سے کھیلنے والے
ڈوب جائیں تو کیا تماشا ہو

آخری مصرعہ پڑھتے ہوئے ایمل رضا نے زیان کو دیکھا تھا۔ زیان بن حسان کو لگا تھا وہ دو ٹکے کی لڑکی اس کی انسلٹ کررہی ہے اسے چیلنج کررہی ہے۔ اس نے تحقیر بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ شاید اسے جانتی نہیں تھی اس نے بچپن سے آج تک اپنے اسکولز اور کالجز میں ٹاپ کیا تھا۔ اس کا اکیڈمک ریکارڈ اس کی پرسنالٹی ہر چیز شاندار تھی وجاہت اور ذہانت ہر چیز میں وہ غیر معمولی تھا۔
"جی فاطمہ زہرہ کالج۔" میزبان ٹیچر نے مقابلے میں موجود تیسری ٹیم کی جانب متوجہ ہوئے۔

واعظ کیسے ڈرائے ہے یوم حساب سے
گریہ میرا نامہ اعمال دھو گیا

فاطمہ زہرہ کالج کی لڑکی نے فوراً" شعر پڑھا تو زیان کی آواز ہال میں گونجی۔

ایک مسافت صدیوں کی
میں اور میری ذات کے بیچ

ایمل نے فوراً" فروہ اور زارا کی طرف دیکھا اسے اس حرف سے کوئی شعر اس وقت یاد نہیں آرہا تھا وہ دونوں خاموش تھیں۔ کچھ دیر بعد گھنٹی بج گئی تھی تیس سکنڈ پورے ہوچکے تھے ان کی ٹیم مقابلے سے باہر ہوگئی تھی وہ تینوں بجھے دل کے ساتھ اٹھ گئی تھیں۔

چلتے چلتے یاد آیا رستے میں
بچپن رکھ کر بھول آیا میں بستے میں

فاطمہ زہرہ کالج کی لڑکی شعر پڑھ رہی تھی ایمل کو افسوس ہوا یہ شعر تو اسے بھی یاد تھا پر اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ بڑی مشکلوں سے اپنے آنسو روکتے ہوئے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

ناز ہے طاقت گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اپنے ساتھ بیٹھی دونوں ٹیمز کو مقابلے سے باہر کردیا تھا۔ اسے انگریزی اور اردو کے بہت سے شعر حفظ تھے۔

وہ ایک کے بعد ایک مشکل حرف دے کر ساتھ والی ٹیم کو زچ کررہا تھا۔

"ہم بھی ایسے اقبال کا جانشین سمیں باہر کرے گا۔" سرسید کالج جیسے ہی مقابلے سے باہر ہوا تھا فروہ نے فکر مندی سے ابہل کو کہا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ ویسے بھی اب صرف تین ٹیمز بچی ہیں تینوں میں سے ایک پوزیشن تو ہماری ہوگی نا۔" زارا نے فروہ کو حوصلہ دیا تھا۔ مائیک پر ابہل کی گرفت مضبوط ہوگئی تھی۔ زیان بن حسان بڑی بارعب آواز میں اقبال کا شعر پڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد ان کی باری تھی۔

ابھی تبسم کمن میں اسیر ہے آدم
بغل میں اس کی ہیں اب تک بتان عہد عتیق

میزبان ٹیچرز ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

قسم میرا نشان مٹانے پر بضد ہے
میں بھی نوک خنجر پر سر چھوڑ جاؤں گا
دشمن کریں گے میری دلیری پہ تبصرے
میں مر کر بھی زندگی کی خبر چھوڑ جاؤں گا

ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ زیان بن حسان نے ناپسندیدگی سے نچلا ہونٹ دانتوں میں بھینچ لیا تھا۔ ابہل رضا کا یوں فرنٹ پر آنا اس کی خود پسند طبیعت پر سخت ناگوار گزر رہا تھا اسے ہر صورت اس ٹیم کو مقابلے سے باہر کرنا ہے وہ اپنے ذہن میں ایسے تمام اشعار کو ترتیب دے رہا تھا جن کے آخر میں ایسے حرف آتے ہوں جس سے گورنمنٹ گرلز ٹیم جلد از جلد مقابلے سے باہر ہوجائے۔

وہ اگر زیان بن حسان تھا تو وہ بھی ابہل رضا تھی وہ اسے جتنا آسان ہدف سمجھ رہا تھا وہ اتنا آسان نہیں تھا۔ کیا محسوس ہورہا تھا یہ مقابلہ بس ابہل رضا اور زیان بن حسان کے بیچ ہے۔

وہ بلائیں تو کیا تماشا ہو
ہم نہ جائیں تو کیا تماشا ہو

"جی گورنمنٹ گرلز کالج۔"

وقت کی چند ساعتیں ساغر
لوٹ آئیں تو کیا تماشا ہو
ہم کناروں سے کھیلنے والے
ڈوب جائیں تو کیا تماشا ہو

آخری مصرعہ پڑھتے ہوئے ابہل رضا نے زیان کو دیکھا تھا۔ زیان بن حسان کو لگا تھا وہ دو ٹکے کی لڑکی اس کی انسلٹ کررہی ہے اسے چیلنج کررہی ہے۔ اس نے تحقیر بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ شاید اسے جانتی نہیں تھی اس نے بچپن سے آج تک اپنے اسکولز اور کالجز میں ٹاپ کیا تھا۔ اس کا اکیڈمک ریکارڈ اس کی پرسنالٹی ہر چیز شاندار تھی وجاہت اور ذہانت ہر چیز میں وہ غیر معمولی تھا۔

"جی فاطمہ زہرہ کالج۔" میزبان ٹیچر نے مقابلے میں موجود تیسری ٹیم کی جانب متوجہ ہوئے۔

واعظ کسے ڈرائے ہے یوم حساب سے
گریہ میرا نامہ اعمال دھو گیا

فاطمہ زہرہ کالج کی لڑکی نے فوراً شعر پڑھا تو زیان کی آواز ہال میں گونجی۔

ایک مسافت صدیوں کی
میں اور میری ذات کے بیچ

ابہل نے فوراً فروہ اور زارا کی طرف دیکھا اسے اس حرف سے کوئی شعر اس وقت یاد نہیں آرہا تھا وہ دونوں خاموش تھیں۔ کچھ دیر بعد گھنٹی بج گئی تھی تیس سیکنڈ پورے ہوچکے تھے ان کی ٹیم مقابلے سے باہر ہوگئی تھی وہ تینوں بجھے دل کے ساتھ اٹھ گئی تھیں۔

چلتے چلتے یاد آیا رستے میں
بچپن رکھ کر بھول آیا میں بستے میں

فاطمہ زہرہ کالج کی لڑکی شعر پڑھ رہی تھی ابہل کو افسوس ہوا یہ شعر تو اسے بھی یاد تھا پر اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ بڑی مشکلوں سے اپنے آنسو روکتے ہوئے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

ناز ہے طاقت گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اس نے فوراً "مڑ کر دیکھا تھا زیان بن حسان چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ لیے اقبال کا شعر پڑھ رہا تھا۔ اہمل کو ایسا محسوس ہوا یہ شعر خاص طور پر اس کے لیے پڑھا گیا ہے۔

"ایڈیٹ... کیسے شعر مارا ہے ہم پر..." فروہ کو جی بھر کر غصہ آیا تھا۔

"اللہ کرے جیسے ہمیں لگا ہے ایسے ہی یہ خود بھی نکلے۔" فروہ باقاعدہ ہاتھ پھیلا کر بددعائیں دے رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد فیصلہ ہو گیا تھا زیان بن حسان اور اس کی ٹیم ناقابل شکست قرار پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ آج بھی آیا ہے۔"

زیان بن حسان پر نظر پڑتے اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

"لگتا ہے اس کے کالج کے پاس ایک یہی نمونہ ہے۔" فروہ نے ناگواری سے کہا تھا کل یہی فروہ اس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھی اور آج اسے نمونہ کہہ رہی تھی وجہ کل ہونے والے بیت بازی مقابلہ تھا۔

زیان بن حسان کو اسٹیج پر بلایا گیا تھا۔ اس اسپیچ کامپٹیشن کا عنوان تھا۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

ابھی کچھ دیر پہلے گورنمنٹ بوائز کالج کا اسٹوڈنٹ اس عنوان کی فیور میں دلائل دے کر گیا تھا زیان کو اس کی مخالفت میں دلائل دینے تھے۔

زیان بن حسان کے دلائل تو شاید اتنے مضبوط نہیں تھے پر اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔ اس کی ساحرانہ شخصیت اس کی خوب صورت آواز نے ہال میں بیٹھے لوگوں پر سحر پھونک دیا تھا۔ اہمل رضا کی نظر اس کے خوب صورت ہاتھ پر بندھی بیش قیمت رسٹ واچ پر تھی وہ بار بار دلائل دیتے ہوئے بڑے مہذب انداز میں اپنا ہاتھ ہوا میں لہرا رہا تھا وہ انہی گہرے آنکھوں سے ہال میں جس طرف دیکھتا تھا وہاں موجود لوگ کچھ دیر کے لیے سانس لینا بھول جاتے تھے وہ تھا ہی اتنی دلفریب اور ہوشربا شخصیت کا مالک...

وہ ہال میں بیٹھے لوگوں پر سحر پھونک کر جا چکا تھا۔

"اب آئیں گی گورنمنٹ گرلز کالج کی اہمل رضا"

اپنا نام سن کر اہمل کے اوسان خطا ہو گئے تھے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ زیان کے بعد اس کی باری ہو گی۔ وہ تو زیان بن حسان کے سحر میں جکڑی ہوئی تھی اسے تو بس یہ یاد تھا۔

زیان بن حسان کی رسٹ واچ بہت خوب صورت ہے یا شاید وہ اس لیے اتنی خوب صورت لگ رہی ہے کہ اسے زیان نے پہنا ہوا ہے اس کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے اس کے نصیب جاگ گئے ہیں کہ وہ زیان بن حسان کے ہاتھ میں ہے۔

زیان بن حسان یونانی دیوتاؤں سے زیادہ خوب صورت ہے اس کی پرکشش گہری آنکھیں جس پر پڑتی ہیں وہ سانس لینا بھول جاتا ہے۔

"اہمل۔" مسز غوری نے اسے پکارا تھا وہ فوراً ہوش میں آئی تھی۔ اسے مجبوراً "اٹھنا پڑا تھا وہ مرے مرے قدموں سے اسٹیج کی طرف جا رہی تھی۔ اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا اسے اپنی اسپیچ بھول گئی تھی کتنی محنت سے اس نے اسپیچ تیار کی تھی کتنے مضبوط دلائل تھے وہ اسٹیج پر جا کر کیا کہے گی...؟

متوقع بے عزتی کا خیال آتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"یا اللہ مدد۔" اس نے بڑی شدت سے پکارا تھا۔

اس کی پکار سنی گئی تھی۔ اسٹیج پر پہلا قدم رکھتے ہی اسے اپنی اسپیچ یاد آ گئی تھی۔

اور پھر اس نے زیان بن حسان کے سحر کو توڑ دیا تھا۔

ہال میں بیٹھے لوگ اس کے مضبوط دلائل اور خوب صورت انداز سے متاثر ہو رہے تھے ججز کے فرائض انجام دینے کے لیے اردو ڈیپارٹمنٹ کے پروفیسرز کو خصوصی طور پر بلایا گیا تھا۔ اہمل رضا زیان بن حسان کا سحر توڑ کر جا چکی تھی۔ ایک کے بعد ایک

اسٹوڈنٹ آ کر اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔
نتیجے کے اعلان کا وقت آیا تو ایمل کی ہارٹ بیٹ تیز ہوئی۔ اس نے ارد گرد نظر دوڑائی وہ زیان بن حسان کو دیکھنا چاہ رہی تھی پر وہ جانے کہاں تھا۔
تیسرے نمبر پر آنے والا سرسید کالج کا اسٹوڈنٹ خوشی سے جھومتا اسٹیج پر گیا تھا اس کے انداز پر ہال میں بیٹھے لوگوں کے چہرے بے ساختہ مسکرائے تھے۔
"دوسرے نمبر پر ہیں زیان بن حسان۔
زیان بن حسان سے گزارش ہے کہ اسٹیج پر آ کر اپنی ٹرافی وصول کریں۔" میزبان ٹیچر نے ہال پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک لڑکا تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اسٹیج پر آیا تھا اور زیان بن حسان کی طبیعت کی خرابی کا بتا کر اس کی ٹرافی وصول کی۔ یہ ان دو لڑکوں میں سے ایک تھا جو کل بیت بازی کے مقابلے میں اس کے ساتھ تھے۔
"پہلے نمبر پر ہیں ایمل رضا۔ گورنمنٹ گرلز کالج کی ایمل رضا جنہوں نے کل ہونے والے بیت بازی کے مقابلے میں اپنے خوب صورت اشعار سے حاضرین کے دل موہ لیے تھے اور آج اپنے مضبوط دلائل سے ہر ایک کو متاثر کیا۔"
میزبان ٹیچر کے تعریفی جملے اسے خوش نہیں کر پائے تھے اس کے دل و دماغ تو زیان بن حسان میں اٹکے ہوئے تھے اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ زیان بن حسان کو اچانک کیا ہو گیا۔ وہ اسٹیج پر کیوں نہیں آیا شاید شکست اس کے لیے ناقابل برداشت ہے اور وہ بھی ایک لڑکی سے۔

☆ ☆ ☆

"زیان کہاں ہے؟" حسان احمد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مہتاب سے سوال کیا۔
"کل سے کمرہ بند کیا ہوا ہے کھانا لے کر گئی تھی دروازہ نہیں کھولا پورا کمرہ بکھیر دیا ہے ساری شیلڈز ٹرافیز توڑ دی ہیں۔" مہتاب حسان پریشان سی صورت بنائے حسان احمد کو بتا رہی تھیں۔

"کیوں؟" حسان احمد نے سوالیہ نظروں سے مہتاب کو دیکھا۔
"آپ کو بتایا تھا نا کل شہر کے تمام کالجز کا اسپیچ کامپٹیشن تھا۔" مہتاب نے انہیں یاد دلانا چاہا۔
"اوہ ہاں۔" حسان احمد کو یاد آیا۔
"سیکنڈ پوزیشن تھی نا۔ پھر یہ رد عمل کیوں؟" حسان احمد نے اپنی پلیٹ میں کھانا ڈالتے ہوئے پوچھا۔
"آپ کو پتا ہے نا بچپن سے آج تک ہمیشہ فرسٹ آیا ہے وہ۔ اس کے لیے یہ ناقابل برداشت ہے کہ کوئی اس سے پہلے ہو، کوئی اس سے آگے ہو، آپ اسے سمجھائیں زندگی میں ہار جیت دونوں چلتی رہتی ہیں ضروری تو نہیں ہے وہ ہر جگہ جیتے، وہ خود کو ناقابل شکست تصور کرنے لگا ہے۔" مہتاب کے چہرے پر فکر مندی کی لکیریں تھیں۔
"تم فکر مت کرو، میں بات کروں گا اس سے، ابھی تو مجھے ایئر پورٹ کے لیے نکلنا ہے بزنس ٹرپ سے واپس آ کر اس سے بات کروں گا۔" حسان احمد نے کھانا کھاتے ہوئے انہیں تسلی دی۔ مہتاب کی پریشانی کسی طور کم نہیں ہوئی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر حسان احمد ایئر پورٹ کے لیے نکل گئے تھے۔ انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے زیان کے دوست کا نمبر ملایا۔
"ہیلو موحد بات کر رہے ہو۔" دوسری طرف سے "ہیلو" سن کر وہ فوراً بولیں۔
"جی آپ کون؟"
"بیٹا میں زیان کی ماما بات کر رہی ہوں۔"
"جی آنٹی کیسی ہیں آپ؟" دوسری طرف سے بڑے مہذب اور شائستہ انداز میں پوچھا گیا تھا۔
"میں بس ٹھیک ہوں بیٹا۔۔۔ تم سے ایک کام تھا۔"
"جی آنٹی حکم کیجیے۔"
"بیٹا زیان نے کل سے کمرہ بند کیا ہوا ہے کچھ کھا پی بھی نہیں رہا تم آ کر اس سے بات کرو اسے سمجھاؤ، زیان کے پاپا سے کہا تھا اس سے بات کریں پر ان کے لیے تو بزنس میٹنگ، بزنس ٹرپ زیادہ امپورٹنٹ ہیں۔"
مہتاب حسان اتنی پریشان تھیں کہ انہیں احساس ہی

نہیں ہوا تھا وہ بیٹے کے دوست کے سامنے حسان احمد سے ہونے والی شکایات بتا رہی ہیں۔

"آنٹی آپ فکر مت کریں میں آتا ہوں کچھ دیر میں۔" موحد کی بات پر ان کی پریشانی کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد موحد آ گیا تھا۔ مہتاب آنٹی کو تسلیاں اور دلاسے دے کر وہ زیان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کچھ دیر دروازہ بجانے کے بعد آخر کار زیان نے دروازہ کھول دیا تھا۔ زیان کا اور کمرے کا حلیہ دیکھ کر موحد ایک پل کے لیے کچھ بول ہی نہیں پایا تھا۔

"یہ۔ یہ کیا ہے؟" موحد نے کمرے میں ایک نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہو گیا زیان۔۔۔ ہار جیت تو کھیل کا حصہ ہوتی ہے۔۔۔ جو ہارنے کا حوصلہ نہ رکھیں انہیں جیتنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔۔۔ کل جو تم نے مس بے ہیو کیا سر لاشاری بہت غصہ ہو رہے تھے ہمارے کالج کا ایک نام ہے ایک ساکھ ہے اس کی' تم نے کل جس طرح پرائز لینے سے انکار کر دیا تھا۔۔۔"

"موحد پلیز۔۔۔ مجھے یہ نصیحت وغیرہ مت کیا کرو۔" زیان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

"جہاں تک رہی بات پرائز لینے سے انکار کرنے کی' تو انہوں نے میرے سامنے اس لڑکی کو فوقیت دی تھی۔۔۔ میں زندگی میں کبھی نہیں ہارا' انہوں نے مجھے ایک لڑکی سے ہرا دیا۔۔۔ ایک لڑکی سے۔۔۔ مائی فٹ" اس نے سامنے پڑی کرسی کو پیر سے زور سے ٹھوکر ماری۔ اس کا غصہ کسی طور ختم نہیں ہو رہا تھا۔

"زیان انہیں وہ تم سے زیادہ قابل لگی ہو گی اس کے ولائل۔۔۔" موحد نے کچھ کہنا چاہا تھا پر زیان نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"وہ زیان بن حسان سے زیادہ قابل نہیں ہو سکتی۔" زیان چلایا تھا موحد نے اس خود پسند انسان کو دیکھ کر سر پکڑ لیا تھا۔ اسے سمجھانا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ بری طرح اس کے حواسوں پر سوار تھا وہ آنکھیں بند کرتی تو وہ گرے آنکھوں والا یونانی دیوتا اس کے سامنے آ جاتا تھا وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی تو بس اسے ہی مانگنے جاتی۔ اس کا سحر کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ اتنا عرصہ گزر گیا تھا انہوں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ وہ ابھی بھی کتاب آگے رکھے کتاب میں رکھی زیان بن حسان کی تصویر دیکھ رہی تھی۔

"امی یہ کیا ہے؟" فروہ نے اس کے ہاتھ سے کتاب جھپٹتے ہوئے پوچھا تھا۔ کتاب میں رکھی تصویر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بے تحاشا حیرت تھی امل رضا نے اس طرح کی چھچھوری حرکتیں کبھی نہیں کی تھیں۔ وہ تصویر اخبار سے لی گئی

"انٹر میں ٹاپ کرنے والے زیان بن حسان۔"

امل شرمندگی سے ہونٹ کاٹ رہی تھی اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ اس معاملے میں خود کو بے بس پاتی تھی۔

"امل!" فروہ کی حیرت کسی طور کم نہیں ہو رہی تھی وہ ایک نظر تصویر کو دیکھ رہی تھی اور ایک نظر امل کو۔۔۔ جس کے گالوں پر بہنے والے آنسو اس کی بے بسی کی داستان سنا رہے تھے جب دل انسان کے اختیار میں نہیں رہتا تو انسان یونہی بے بس ہو جاتا ہے اور دل تو ایک انوکھا لاڈلا ہے جو کھیلنے کو چاند مانگ لیتا ہے اسی لیے اس دل کو کبھی بچے سے تشبیہ دی جاتی ہے تو کبھی پاگل کہا جاتا ہے اسی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر امل رضا نے یہ حرکت کی تھی جسے وہ ہمیشہ تھرڈ کلاس حرکتیں کہتی تھی۔ فروہ احسان نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے وہ تصویر دوبارہ کتاب میں رکھ دی تھی۔

"امل رضا اگر یہ محبت ہے تو تم ایک ناکام محبت کرو گی۔۔۔ تمہارے اور اس کے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے اور تم ایک ایسے انسان سے محبت کر رہی ہو جو ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے اور ایسے انسان سے محبت کرنا ہمیشہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔" فروہ احسان اسے دیکھ کر سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

فریج کھولتے ہی اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا تھا اس نے کتنی محنت سے کیک بنایا تھا اور اب وہ کیک غائب تھا اسے شک نہیں یقین تھا یہ کام فہد کے سوا کوئی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی دھواں دھار رو رہی تھی فہد صاف مکر گیا تھا۔

"کیا ہوا اہمل ایسے کیوں رو رہی ہو؟" لاؤنج میں داخل ہوئے سعد نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

"بھائی اس فادی کے بچے نے میرا پورا کیک ہڑپ کرلیا' اتنی مشکلوں سے بنایا تھا۔"

"جھوٹ... سراسر جھوٹا الزام لگا رہی ہے میرے بچوں پر' ان معصوموں نے تو کیک چکھا تک نہیں ہے ان معصوموں کو تو یہ بھی نہیں پتا کہ کیک ہوتا کیسا ہے اور اگر اہمل کے ہاتھ کا ہو تو چھپ چھپ کر کھانے میں کتنا مزا آتا ہے۔" سعد جو اسے ڈانٹنے کا ارادہ رکھتے تھے انہوں نے بہت مشکلوں سے اپنی ہنسی ضبط کی۔

"دیکھا... دیکھا مان لیا نا اس نے' ابھی تو کچھ دیر پہلے کہہ رہا تھا کہ اس نے تو کیک دیکھا بھی نہیں ہے۔"

"دیکھا کب تھا دیکھنے میں اگر وقت ضائع کرتا تو تم پہنچ جاتیں بس جلدی جلدی میں نے اور معاذ نے کھایا تھا۔" فہد اب بھی اپنی بات پر قائم تھا کہ اس نے کیک دیکھا نہیں تھا۔

"کیا... معاذ بھی تمہارے ساتھ شامل تھا۔" اہمل کا صدمہ مزید بڑھ گیا تھا۔ "میں نے اتنی محنت سے بنایا تھا فری کے لیے..."

"اچھا تو وہ تم نے اپنی اس بھوکی' ندیدی اور چٹوری دوست کے لیے بنایا تھا۔" اہمل کا کیک کا صدمہ کم نہیں ہوا تھا کہ فہد نے فروہ کو بھوکی' ندیدی اور چٹوری کہہ کر اس کے غصے کو مزید ہوا دے دی تھی۔

"فادی کے بچے میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" اہمل فوراً" جارحانہ تیور لیے اس کی طرف بڑھی اور بڑھنے سے پہلے ٹیبل پر رکھا گلدان اٹھانا نہیں بھولی تھی۔

"دیکھو ابھی بار بار میرے بچوں کو بیچ میں مت لاؤ' سعد بھائی اسے منع کریں ان معصوموں کو بیچ میں نہ لایا کرے۔" فہد کو ان نادیدہ بچوں سے بڑی ہمدردی تھی۔ اہمل اس کے سنے بغیر گلدان سے اس کا نشانہ لینے لگی تھی وہ بھاگ کر سعد کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

"ایم... ابی... دیکھو گلدان مت مارنا' تمہیں پتا ہے نا اس کے سر پر لگنے سے اکثر یادداشت چلی جاتی ہے' دماغ کے کسی حساس حصے پر لگے تو بندہ کومے میں چلا جاتا ہے اور مر بھی سکتا ہے۔" فہد کی زبانی اتنے خوفناک نتائج سن کر اس نے ڈر کر فوراً" گلدان واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا تھا۔

سعد فہد کی اس چالاکی پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکے تھے اس نے فہد کا کان پکڑتے ہوئے اپنے سامنے کیا۔

"اتنے بڑے ہوگئے ہو' اب چھوڑ دو یہ حرکتیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے سمجھا رہے تھے۔

"ہاں میں تو خود بھی سوچ رہا ہوں کہ میں بڑا ہوگیا ہوں میرا خیال ہے آپ کے ساتھ میری بھی شادی ہوجانی چاہیے کہیں میری عمر نہ نکل جائے۔"

"شادی کا بہت شوق ہو رہا ہے پہلے اپنے پیروں پر تو کھڑے ہوجاؤ۔" سعد نے اس کا کان چھوڑ کر اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"اپنے پیروں پر ہی تو کھڑا ہوں' یہ دیکھیں۔" فہد نے باقاعدہ اچھل اچھل کر سعد کو یقین دلایا کہ وہ واقعی ہی اپنے پیروں پر کھڑا ہوسکتا ہے اس کی اس حرکت پر سعد کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا تھا جبکہ اہمل ہنس ہنس کر دوہری ہوگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے شروع سے ماہ زیب آپی پسند تھیں اس کی خواہش تھی کہ سعد بھائی کی شادی ماہ زیب آپی سے ہو پر دو سال پہلے اشعر بھائی ان پر "جملہ حقوق محفوظ ہیں۔" کا ٹیگ لگا کر باہر جاچکے تھے۔ امی نے سعد بھائی کے لیے ایک لڑکی پسند کی تھی وہ آج کل سعد کی شادی کے لیے کافی سرگرم تھیں۔

"یہ دیکھو کیسی ہے؟" مدحت بیگم نے تصویر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
"اچھی ہیں کیا نام ہے ان کا؟" لعل نے تصویر پر سرسری سی نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔
"سارہ نام ہے تمہیں پسند آئی؟"
"جی۔" لعل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"بس ایک بار سعد کو دکھا دوں اسے پسند آئی تو شادی کی ڈیٹ فکس کریں گے ان کی طرف سے تو ہاں ہی ہے۔" مدحت بیگم پرجوش انداز میں کہہ رہی تھیں۔ اچانک اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک گئیں۔
"لعل تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے دن بہ دن۔" مدحت بیگم تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔
"کچھ نہیں' آپ کا وہم ہے۔" وہ بھیم کا بہانہ کرتی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ ماں سے جھوٹ بولنا اس دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے وہ کیا بتاتی انہیں اسے محبت جیسا موذی مرض لگ گیا ہے۔ وہ زیان بن حسان کے سحر سے نہیں نکل پا رہی زیان بن حسان نے اس کے دل و دماغ کو آکٹوپس کی طرح جکڑ لیا ہے کل یونہی بیٹھے بٹھائے اسے جانے کیا خیال آیا فیس بک پر زیان بن حسان کو سرچ کرنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس کا فیس بک پیج ملنے پر اسے اتنی خوشی ہوئی کہ جیسے اس کے ہاتھ قارون کا خزانہ لگ گیا ہو۔ جانے اس کے جی میں کیا سمائی عزت نفس ایک طرف رکھ کر اس نے اسے ایڈ کرنے کی ریکوئسٹ سینڈ کر دی تھی محبت واقعی اندھی ہوتی ہے لعل رضا کو دیکھ کر یہ بات سچ ثابت ہو گئی تھی۔ یہ ساری حرکتیں اس کے نزدیک اوچھی اور تھرڈ کلاس تھیں پر اب۔
آج اسے یہ دیکھ کر بہت شرمندگی ہوئی تھی زیان بن حسان نے اس کی ریکوئسٹ ریجیکٹ کر دی تھی۔ اپنی اتنی تذلیل پر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔
"ہو سکتا ہے اسے میں یاد ہی نہ ہوں اتنا عرصہ ہو گیا۔ ان باتوں کو اسے کہاں یاد ہو گا کہ دو سال پہلے وہ کسی لعل رضا سے ملا تھا۔" دل اس کا وکیل بنا اس کے حق میں صفائیاں دے رہا تھا۔

٭ ٭ ٭

سعد کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی تھی وہ امی کے ساتھ بازاروں کے چکر کاٹتے کاٹتے تھک گئی اس کی کوشش ہوتی تھی شاپنگ پر فہد کو ضرور ساتھ لے کر جائے ایک تو سامان اٹھانے میں آسانی ہو جاتی تھی اور دوسرا فہد کی موجودگی میں وہ بور نہیں ہوتی تھی وہ دنیا جہاں کے لوٹ پٹانگ واقعات سنا تا سارا راستہ اسے ہنساتا رہتا تھا۔ فہد اس سے عمر میں ایک سال بڑا تھا پر اس میں بڑے بھائیوں والا رعب نہیں تھا وہ ہر وقت ہنستا ہنساتا محفل کو زعفران بنائے رکھتا تھا۔
وہ ابھی بھی فہد کے ساتھ اس شہر کے مہنگے ترین مال میں سارہ بھابی کے لیے ولیمہ کا شرارہ لینے آئی تھی۔
"تم اپنے لیے بھی سوٹ لے لو۔" اسے واپسی کے لیے تیار دیکھ کر فہد نے کہا۔
"نہیں بہت مہنگائی ہے یہاں پر' تو یہ کرو جس ریٹ میں میں یہاں پر ایک سوٹ خریدوں گی کسی عام مارکیٹ میں دو تین خرید لوں گی۔" شاپنگ مال کے گلاس ڈور سے باہر آتے ہوئے اس نے وضاحت کی۔
"چلو جب میں باہر چلا جاؤں گا نا تو بہت سارے پیسے بھیجوں گا تم جی بھر کر شاپنگ کرنا اس مال سے۔"
فہد کی بات پر اس نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔
"تم باہر جاؤ گے۔؟"
"ہاں اب میرا دوست اسجد یو ایس اے جا رہا ہے وہ وہاں سیٹ ہو گیا تو دیکھو میں بھی جاؤں گا۔" وہ پارکنگ ایریا کی طرف جاتے ہوئے اپنے ارادے سے آگاہ کر رہا تھا۔ لعل حیران تھی آج سے پہلے کبھی اس نے ایسے کسی ارادے کا ذکر نہیں کیا تھا۔
"کیا تم باہر چلے جاؤ گے۔؟" لعل کے چہرے پر فکرمندی کی لکیریں دیکھ کر فہد ہنس پڑا تھا۔

"بالکل ابھی صرف ارادہ ہے ابھی کہیں نہیں جارہا' مجھے ڈگری تو ملنے دو پہلے۔" فہد جیب سے چابی نکالتے ہوئے بائیک کی طرف بڑھا۔

اس نے بائیک اسٹارٹ کی اور دائیں طرف کھڑی ایمل کو دیکھا جو بت بنی کھڑی سامنے دیکھ رہی تھی۔

"ایمی... ایمل..." اس نے زور سے پکارا تو وہ ہوش میں آئی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ کیا دیکھ رہی ہو؟" اس نے سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کک... کچھ... نہیں۔" وہ نفی میں سرہلاتے ہوئے بائیک پر بیٹھ گئی تھی اس نے ابھی کچھ دیر پہلے زیان بن حسان کو دیکھا تھا جو اپنی بیش قیمت گاڑی میں بیٹھا آگے بڑھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ حیرت سے سعد بھائی کو دیکھ رہی تھی' جو ناشتا ٹرے میں رکھوا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

"سعد بھائی ایسے تو نہیں تھے۔" ابھی شادی کو ایک ہفتہ ہی ہوا تھا وہ حیران تھی ایک ہفتے میں بھی کوئی اتنا بدل سکتا ہے وہ سعد بھائی جو اس کی ڈھیروں فرمائش پوری کرتے تھے روز دو دو گھنٹے اس کے پاس بیٹھ کر فہد کی شکایتیں سنتے تھے اب ان کے پاس اس سے بات کرنے کا بھی ٹائم نہیں تھا۔ وہ اپنے لیے ناشتا بنانے کچن میں آئی تھی جب سعد بھائی نے اسے کچن میں دیکھ کر پکارا۔

"ایمل میرا اور سائرہ کا ناشتا بنادو جلدی سے' سائرہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ حکم دے کر واپس اپنے بیڈ روم میں چلے گئے تھے کچھ دیر بعد واپس آئے اور ٹرے لے کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تھے۔

"کیا ہوا؟" اسے یوں کھڑے دیکھ کر فہد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں..." اس نے نفی میں سرہلادیا تھا۔

"مجھے بھی نہیں بتاؤ گی۔" فہد نے اپنائیت سے کہا تھا ایمل کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو آگئے تھے ایک بھائی کی اپنائیت پر اور دوسرے بھائی کی اس قدر بے گانگی پر۔

"فادی سعد بھائی کتنا بدل گئے ہیں نا۔"

"اوں ہوں رو کیوں رہی ہو پاگل' اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔" فہد نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی سے رو رہی ہو ابھی تو میری شادی بھی ہونی ہے تم نے ایک بھابھی کا ناشتا بنایا ہے کل کو دو بھابھیوں کا ناشتا بنانا پڑے گا۔" فہد نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جان سے ماردوں گی تمہیں بھی اور تمہاری بیوی کو بھی' میں تمہاری نوکر نہیں ہوں۔" وہ آنسو صاف کرتی ہوئی جارحانہ موڈ میں آچکی تھی۔ فہد مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوچکا تھا اپنی لاڈلی بہن کی آنکھوں میں آنسو اس کے لیے ناقابل برداشت تھے۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں موجود تینوں نفوس خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے مدحت بیگم سرد آہ بھر کر رہ گئی تھیں جبکہ ایمل بے آواز رو رہی تھی اسے اندازہ نہیں تھا فہد کی جس بات کو اس نے مذاق میں لیا تھا وہ سچ تھی وہ امریکا جارہا تھا' مدحت بیگم بالکل خاموش تھیں کل جب سعد نے الگ ہونے کی بات کی تھی وہ جب بھی خاموش رہی تھیں۔ شاید اب خاموش رہنا ہی ان کے حق میں بہتر تھا ان کے بیٹے بڑے ہوگئے تھے اس عمر میں اولاد یہی سمجھتی ہے کہ وہ اپنا اچھا برا بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

"امی میرا یہاں کوئی فیوچر نہیں جابز کے لیے دھکے کھانے پڑیں گے۔ سعد بھائی سے تو کوئی امید رکھنا ہی فضول ہے اور آپ کی پینشن میں کیا کچھ کریں گے ہم' مہنگائی بہت ہوچکی ہے۔" مدحت بیگم گورنمنٹ اسکول میں پرنسپل رہ چکی تھیں جوانی میں ہی بیوگی کی چادر اوڑھ لی تھی انہوں نے کس محنت اور مشقت

سے ان تینوں کی پرورش کی تھی یہ بس وہ جانتی تھیں یا ان کا خدا۔

"امی پلیز۔" فہد نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے التجا کی تھی۔

"میں نے تمہیں کب روکا ہے بیٹا' تمہارا جو جی چاہے کرو۔"

"آپ نے اجازت بھی تو نہیں دی نا۔"

وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں کل بڑے بیٹے نے ان سے اجازت نہیں مانگی تھی انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تھا آج چھوٹا ان سے اجازت مانگ رہا تھا اگر وہ اجازت نہیں دیں گی تو کیا وہ رک جائے گا۔۔۔؟

"ٹھیک ہے جیسا تمہیں بہتر لگے کرو' تمہیں لگتا ہے کہ پاکستان میں تمہارا کوئی فیوچر نہیں ہے اور باہر جاؤ گے تو وہاں پلیٹ میں رکھ کر تمہیں جاب مل جائے گی تو تم خوشی سے جاؤ۔"

"میں نے ایسا کب کہا ہے۔۔۔ یہاں میں کب سے جاب کے لیے دھکے کھا رہا ہوں۔۔۔ امی یہاں ایک اینٹ بھی اٹھائیں گی تو اس کے نیچے سے دس انجینئر نکلیں گے اور وہ بھی میری طرح بے روزگار۔۔۔ آپ کو تو اندازہ ہے نا کتنی بے روزگاری ہے یہاں۔۔۔ اگر کچھ عرصہ اور جاب کے لیے دھکے کھائے تو میں ڈپریشن کا شکار ہو جاؤں گا۔"

اس کی منت سماجت کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا مدحت بیگم نے اسے اجازت دے دی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کے جانے کے بعد ہر شے سے اداسی ٹپک رہی تھی وہ معاذ کے ساتھ ایئرپورٹ گئی تھی اسے چھوڑنے' وہ بری طرح رو رہی تھی فہد اور معاذ اسے یوں روتا دیکھ کر بوکھلا گئے تھے۔

"امی پلیز یوں مت رو' میں جا نہیں سکوں گا۔" فہد اسے چپ کرواتے ہوئے التجا کر رہا تھا۔

"میں بہت جلد آؤں گا۔۔۔ اپنا اور امی کا خیال رکھنا۔۔۔ معاذ۔" وہ معاذ کی طرف مڑا تھا۔

"یار میری غیر موجودگی میں گھر چکر لگاتے رہنا' سعد بھائی تو اپنی بیوی کو پیارے ہو گئے ہیں۔" معاذ سے گلے ملتے ہوئے ہزاروں نصیحتیں کر رہا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا اور کانٹیکٹ میں رہنا ہم تمہیں بہت مس کریں گے۔"

"میں بھی تم لوگوں کو بہت مس کروں گا' میرا انتظار کرنا' میں بہت جلد آؤں گا ان شاء اللہ۔" اس نے مڑ کر انہیں ہاتھ ہلایا تھا اور آگے بڑھ گیا تھا۔

سعد کے بعد فہد بھی چلا گیا تھا گھر کے در و دیوار سے اداسی ٹپک رہی تھی سعد فہد کو سی آف کرنے بھی نہیں آئے تھے ان کے کسی سسرالی عزیز کی شادی تھی۔

اہل کو لگتا تھا اب زندگی میں کچھ نہیں رہا سوائے بوریت کے۔ یونیورسٹی سے آ کر گھر کے کام اور کچھ دیر امی سے باتیں کرتی اور بس پھر سارا دن فرصت۔۔۔ یا پھر خواب بننا' وہ خواب جو شاید کبھی پورے ہی نہیں ہونے تھے زیان بن حسان کے خواب۔۔۔ جو شاید نہیں اس کے نصیب میں تھا بھی یا نہیں۔۔۔ سوائے دعاؤں میں گڑگڑا کر مانگتی تھی پتا نہیں اس کی دعائیں قبولیت کا شرف پا سکیں گی یا۔۔۔

☆ ☆ ☆

اسے جیسے ہی احسان انکل کے ایکسیڈنٹ کی خبر ملی تھی وہ فوراً اسپتال پہنچی تھی فروہ اس کے گلے لگی بے تحاشا رو رہی تھی اسے تسلی اور دلاسوں کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ ایکسیڈنٹ میں احسان احمد کی دونوں ٹانگیں ضائع ہو گئی تھیں۔

"اہل۔۔۔ میرے بابا۔۔۔"

"فروہ صبر کرو' اللہ کی کوئی مصلحت ہو گی وہ اپنے بندوں پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔" بہت دیر بعد وہ اس قابل ہوئی تھی کہ فروہ کو تسلی اور دلاسہ دے سکے۔

"وہ اگر ہمارے نصیب میں پرخار راستے لکھتا ہے تو ہمیں مضبوط جوتے بھی بخشتا ہے وہ بڑا مہربان ہے اپنے

بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔" وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے سمجھارہی تھی۔

"شکر ادا کرو کہ تمہارے سر پر باپ کا سایہ ہے' جو نہیں ہے اس کا دکھ مت کرو جو ہے اس کا شکر ادا کرو۔" اس نے آنٹی کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھیں وہ اسے سامنے کونے والے بینچ پر بیٹھی مل گئی تھیں وہ اٹھ کر ان کے پاس آگئی تھی مصباح بیگم کو ہزاروں تسلیاں اور دلاسے دے کر وہ واپس چل پڑی تھی امی گھر پر اکیلی تھیں اور ان کا بی پی اکثر ہائی رہتا تھا سعد اور فہد کے جانے کے بعد وہ بہت اکیلی ہوگئی تھیں۔

"آگے نہیں پڑھوگی؟" آج ان کا آخری پیپر تھا اس نے سوالیہ نظروں سے فروہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں۔" فروہ نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"گھر کے حالات پہلے جیسے نہیں رہے' میں جاب کروں گی اب۔" فروہ نے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا تھا۔ ایمل نے بڑے غور سے اسے دیکھا تھا۔ وہ کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔

"اور تم... تمہارا کیا پلان ہے؟" فروہ نے اس سے سوال کیا تھا۔

"کوئی پلان نہیں ہے' امی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی' ان کے پاس ہر وقت کسی کا ہونا ضروری ہے' دیکھو یا تو پرائیویٹ ایڈمیشن لوں گی یا پھر..."

"سعد بھائی آتے ہیں ملنے۔"

"کبھی کبھار' دو چار ماہ میں ایک چکر لگا لیتے ہیں۔" ایمل دکھی آواز میں بتارہی تھی۔ فروہ سرد آہ بھر کر رہ گئی تھی۔

"اور فہد فون کرتا ہے؟"

"ہاں... اسے جاب مل گئی ہے بہت خوش تھا کہہ رہا تھا اب ڈالرز کی برسات ہوگی۔" وہ آنسو روکتے ہوئے بڑے ضبط سے بتارہی تھی کل جب فہد نے یہ

"ہوسکتا ہے یہ تمہارا وہم ہو' وہ تمہارے بابا کی وجہ سے پریشان ہوں آخر وہ ان کے سگے بھائی ہیں۔" ایمل نے

جملہ کہا تھا تب اس نے بڑے مشکلوں سے آنسو ضبط کیے تھے وہ اسے کہنا چاہتی تھی کہ انہیں ڈالرز کی نہیں بلکہ اس کی ضرورت ہے۔

یہ آنکھ شدت گریہ سے لال تھوڑی ہے
بھئی ملال ہے اتنا ملال تھوڑی ہے
یہ جو تم اپنی ماں کو ڈالر بھیج کر خوش ہو
ارے میاں! یہ کوئی دیکھ بھال تھوڑی ہے

وہ سات سمندر پار تھا وہ اسے کیا بتاتی جب امی کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے تو کیسے اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اسے ایسا محسوس ہوتا ہے وہ اس بھرے جہان میں اکیلی ہے اسے کتنی شدت سے دونوں بھائیوں کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

"اچھا اہمل میں چلتی ہوں' بابا کی دوائیں بھی لینی ہیں میڈیکل اسٹور سے۔" فروہ اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے کھڑی ہو گئی تھی۔ اہمل بھی اپنا سامان سمیٹتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

"وہ تمہیں آنٹی انکل اجازت دے دیں گے جاب کے لیے۔" اہمل نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اتنے آرام سے تو نہیں مانیں گے پر مجھے ہر صورت انہیں منانا ہے۔ اہمل بابا کے ایکسیڈنٹ کے بعد مجھے اندازہ ہوا ہے کہ اس دنیا میں بس پیسے کی اور پیسے والوں کی قدر ہے اگر یہ پیسہ نہ ہو تو اپنے خونی رشتے بھی منہ موڑ لیتے ہیں جن کے یہاں امیری کا شجر ہو ان کے عیب بھی ہنر لگتے ہیں اور جہاں غربت اور مفلسی ہے ان جیسا گھٹیا اور بیچ کوئی نہیں ہے۔" فروہ بڑی تلخی سے حقائق بیان کر رہی تھی۔

"پتا ہے اہمل بابا کے ایکسیڈنٹ کے بعد پھوپھو کی نظریں بدل گئی ہیں' مجھے لگتا ہے وہ اپنے فیصلے پر پچھتا رہی ہیں۔ انہوں نے جس احسان احمد کی اکلوتی بیٹی سے اپنے بیٹے کا رشتہ کیا تھا وہ احسان احمد معذور نہیں تھا اور اس معذور احسان احمد کے گھر بیٹا بیاہنے سے انہیں لاکھوں کا جہیز نہیں ملے گا۔ مجھے لگتا ہے وہ بری طرح پچھتا رہی ہیں۔"

"ہو سکتا ہے یہ تمہارا وہم ہو' وہ تمہارے بابا کی وجہ سے پریشان ہوں آخر وہ ان کے سگے بھائی ہیں۔" اہمل نے اس کے ذہن کو مثبت سوچ کی طرف متوجہ کیا۔

"وہ تمہیں پتا ہے اہمل میں وہم نہیں پالتی۔ خیر جو بھی ہے جیسا ہے جلد سامنے آجائے گا۔"

"ہوں... پھر بھی تم اچھی امید رکھو' میری نیک تمنائیں' دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" وہ رک گئی تھی اب انہیں مخالف سمت میں سفر کرنا تھا وہ فروہ احسان سے گلے ملتے ہوئے رو پڑی تھی۔ ان دونوں نے بہت سارا وقت ساتھ گزارا تھا ان کی دوستی بے مثال تھی اسکول اور کالج میں انہوں نے زندگی سے بھرپور دن گزارے تھے فروہ اسے چپ کرواتے کرواتے خود بھی رو پڑی تھی۔ گزرے وقت نے دونوں کے دامن میں پریشانیاں' دکھ اور تکلیفیں ڈال دی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ خاموشی سے بیٹھی سامنے دیوار کو تکے جا رہی تھی ابھی کچھ دیر پہلے فروہ گئی تھی' فروہ آفس سے سیدھی اس کے پاس آگئی تھی۔ وہ ایک بہت اچھی پرائیویٹ کمپنی میں جاب کر رہی تھی۔ پرکشش سیلری تھی اور کام بھی زیادہ مشکل نہیں تھا اور سب سے بڑھ کر آفس اسٹاف بہت اچھا تھا فروہ کے دن تو نہیں بدلے تھے پر گزارا اچھا ہو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے فروہ کی باتوں پر غور کر رہی تھی اس کے جی میں جانے کیا سمائی تھی فروہ کو معاذ کے متعلق بتا دیا تھا کہ کل معاذ نے اسے پرپوز کیا تھا پوری بات سن کر فروہ کا پارہ بہت ہائی ہو گیا تھا اس نے اہمل کو بے تحاشا سنائی تھیں اس کے خیال میں اہمل نے معاذ جیسے بندے کو ٹھکرا کر کفران نعمت کیا تھا۔

"فری تم تائی جان کو نہیں جانتیں' وہ کبھی بھی اس رشتے سے خوش نہ ہوتیں۔"

"تو نہیں منانا اور خوش رکھنا معاذ کا کام تھا تمہارا نہیں اور جب وہ کہہ رہا تھا وہ انہیں منالے گا تو تمہیں

کیا تکلیف تھی جو انکار کیا۔" ایمل خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی اور فروہ اس پر جی بھر کر گرج برس رہی تھی۔

"اس سے شادی کرکے تم ہر لحاظ میں فائدے میں رہتیں۔۔۔ اتنی اچھی جاب ہے اس کے پاس' پھر وہ تم سے محبت بھی کرتا ہے اور آنٹی بھی تمہارے قریب ہی ہوتیں۔۔۔ پر تم۔۔۔ تم انتہائی درجے کی بے وقوف لڑکی ہو ایمل رضا۔۔۔ تم ساری دنیا کو تائی جان کی ناراضگی کا بتا کر بے وقوف بنا سکتی ہو پر مجھے نہیں۔۔۔ میں جانتی ہوں تم آج تک اس۔۔۔ زیان بن حسان کے پیچھے پاگل ہو۔۔۔ وہ نہیں ملے گا تمہیں' سمجھاؤ اپنے اس دل کو ہم ایسا نہیں ہوتا یہ کوئی تین گھنٹے کی فلم یا ڈرامہ نہیں ہے یہ زندگی ہے ایمل۔۔۔ اسے یوں سراب کے پیچھے بھاگتے ہوئے ضائع نہیں کرتے۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی وہ ایمل رضا کی زندگی میں موجود چند پر خلوص لوگوں میں سے ایک تھی جو یہ چاہتی تھی کہ ایمل خوش رہے۔

ایمل کی خوشی کیا تھی۔۔۔؟ یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی پر وہ اس بے وقوف' دل کے ہاتھوں مجبور لڑکی کو سمجھانا چاہتی تھی کہ زندگی خوابوں کے سہارے نہیں گزرتی۔ ایمل رضا اور زیان بن حسان کے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ چاہ کر بھی اسے پا نہیں سکتی اور زیان بن حسان کو تو شاید یہ بھی یاد نہ ہو کہ کون ایمل رضا۔

"امی اتنے مہنگے خواب نہیں دیکھتے۔" اس کے کانوں میں فروہ کے الفاظ گونج رہے تھے ایمل کے لب ملے تھے اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی تھی۔

"وہ ہو سکے میرا اسے اتنا زوال دے"

☆ ☆ ☆

"سر کیا بات ہے آج آپ بہت خوش نظر آرہے ہیں۔" فروہ نے اعزاز صاحب کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ اعزاز صاحب اس کے سوال پر مسکرائے تھے۔

"فروہ تمہیں پتا ہے تم پورے اسٹاف میں میری فیورٹ کیوں ہو؟"

"کیوں؟" فروہ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"تمہیں میرا چہرہ دیکھ کر میرے موڈ کا پتا چل جاتا ہے ایسے جیسے کوئی بہت اپنا جان لیتا ہے۔" اعزاز درانی نے سامنے بیٹھی اس لڑکی کو دیکھا تھا جسے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے اپنے آفس میں اپائنٹ کیا تھا اور اتنے قلیل عرصے میں اپنی اچھی فطرت کی وجہ سے انہیں بہت عزیز ہو گئی تھی۔

"اگلے مہینے میرا بیٹا پاکستان آرہا ہے اپنی تعلیم مکمل کرکے' میں بہت خوش ہوں' مجھے سمجھ نہیں آرہی یہ ایک مہینہ کیسے گزرے گا' اس کا انتظار کرنا مشکل ہو رہا ہے۔" اعزاز درانی بچوں کی طرح ایکسائٹڈ ہو رہے تھے فروہ انہیں دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"سر! آپ کو اپنے بیٹے سے بہت پیار ہے۔۔۔؟" فروہ نے بے تکا سا سوال کیا۔ اعزاز درانی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بہت زیادہ۔۔۔ میں نے اسے ماں اور باپ دونوں بن کر پالا ہے وہ بہت چھوٹا تھا جب اس کی ماما کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔"

"سر آپ نے دوسری شادی کیوں نہیں کی؟"

"دوسری شادی۔۔۔ اس وقت تمہارے جیسی کوئی اچھی لڑکی ملی ہی نہیں' اور اب ملی ہو تو انگیجڈ ہو۔" اعزاز درانی چہرے پر مصنوعی افسوس طاری کرتے ہوئے کہہ رہے تھے ان کی آنکھوں میں بلا کی شرارت تھی۔

"سر اگر آپ سنجیدہ ہیں تو میں انگیجمنٹ توڑ دیتی ہوں۔" فروہ نے فوراً" آفر کی۔ اعزاز درانی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"تم اگر آج سے بیس سال پہلے مل جاتیں تو پھر سنجیدگی سے سوچا جاسکتا تھا اب کیا فائدہ۔"

"پر سر آج سے بیس سال پہلے تو میں ایک یا دو سال کی ہوتی۔" فروہ نے فوراً" ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"اوہ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" اعزاز درانی

نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ فروہ دیر تک ان کے انداز پر مسکراتی رہی۔

☆ ☆ ☆

گھر کے در و دیوار پر عجیب سی سوگواری چھائی ہوئی تھی ابھی کچھ ہی دیر پہلے زینت پھوپھو رشتہ توڑ کر چلی گئی تھیں۔ آج اتوار تھا وہ ایمل کے گھر جانے کا سوچ رہی تھی کہ اچانک زینت پھوپھو غوری میزائل کی طرح گھر میں داخل ہوئیں اور آتے ہی اس پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی تھی کہنے کو اس کے پاس بھی بہت کچھ تھا پر وہ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی تھی اس کا شک درست ثابت ہوا تھا ایمل کا خیال تھا کہ وہ اس کا وہم ہے پر وہ شاید اپنے رشتے داروں کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ اتنے عرصے سے کسی بہانے کی منتظر تھیں اور اب ان کے پاس رشتے توڑنے کی بڑی مضبوط وجہ تھی فروہ کی جاب' وہ ایسی آزاد خیال لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنا سکتیں جو مردوں کے ساتھ کام کرتی ہے۔ جو صبح سے شام تک جانے کہاں جاتی ہے' کیا کرتی ہے۔

وہ بھول گئی تھیں وہ لڑکی کوئی غیر نہیں بلکہ ان کے اکلوتے بھائی کی بیٹی ہے۔ جس کے شفاف کردار پر وہ کیچڑ اچھال رہی ہیں۔

فروہ کو اپنا اندازہ درست ہونے کی کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی تو کوئی غم بھی نہیں ہوا تھا جب انسان دکھوں اور آزمائشوں کی بھٹی میں جلتا ہے تو وہ مضبوط ہو جاتا ہے چھوٹے موٹے دکھ اسے پریشان نہیں کرتے پھر' اسے حالات سے لڑنے کا سلیقہ آ جاتا ہے۔ فروہ احسان کو بھی شاید حالات سے لڑنے کا سلیقہ آ گیا تھا یا پھر عمیر کے نام کی انگوٹھی پہننے کے باوجود اسے کبھی عمیر سے دلی اور جذباتی وابستگی نہیں رہی تھی۔

امی اس سے نظریں چرائے پھر رہی تھیں اور بابا خود کو کمرے میں بند کر چکے تھے۔

"امی۔" مصباح بیگم کچن میں کھڑی بے آواز رو رہی تھیں۔ ان کا خیال تھا اگر گھر کے حالات یوں بدتر نہ ہوتے اور فروہ جاب نہ کرتی تو شاید زینت یوں رشتہ نہ توڑتی۔

"آپ کیوں رو رہی ہیں... لوگوں کی شادیاں بھی ٹوٹ جاتی ہیں میری تو صرف منگنی ہی ٹوٹی ہے اور میں تو کہتی ہوں بہت اچھا ہوا کہ زینت پھوپھو کی اصلیت پہلے ہی کھل گئی..."

"لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے جن لڑکیوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں ان کے..."

"چھوڑیں لوگوں کو' ان کی پروا مت کیا کریں' ان کی تو عادت ہے باتیں بنانے کی' اللہ نے جو میرے نصیب میں لکھا ہے وہ مجھے ہر صورت ملے گا' آپ فکر مت کریں۔" ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"چلیں بابا کے پاس چلتے ہیں کتنی دیر سے کمرہ بند کیے بیٹھے ہیں۔" مصباح بیگم آنسو پونچھتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑیں۔

"ان کے سامنے روئیے گا مت' وہ مزید پریشان ہو جائیں گے ہمیں انہیں حوصلہ دینا ہے بڑی مشکلوں سے تو انہوں نے اس حادثے کو قبول کیا تھا۔ وہیل چیئر تک محدود زندگی کتنی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتی ہے اس کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔" اسے اپنے بابا کا سہارا بننا تھا بڑی مشکلوں سے تو وہ زندگی کی طرف لوٹے تھے وہ بڑے مدبرانہ انداز میں امی کو نصیحتیں کر رہی تھی۔

"اب تو نہیں روئیں گی نا؟" کمرے کے دروازے تک پہنچ کر اس نے ان سے پوچھا تھا۔ مصباح بیگم نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے پیار سے اس کے گال کو چھوا تھا۔ اس لمحے انہیں محسوس ہوا تھا ان کی بیٹی بہت سمجھ دار ہو گئی ہے۔ فروہ نے آگے بڑھ کر دروازہ بجایا تھا۔

"بابا۔" اندر سے کوئی آواز نہیں آئی تھی اس نے دوبارہ دروازہ بجایا تھا اب کی بار بھی اندر سے کوئی آواز نہیں آئی تھی اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔

کمرے کے اندر کا منظر دیکھ کر دونوں ماں بیٹی کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔ کمرے کے عین

بیچ میں احسان احمد فرش پر بے سدھ پڑے تھے اور ان سے تھوڑے فاصلے پر وھیل چیئر خالی پڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اسپتال کے کوریڈور میں کھڑی پیسوں کا حساب کر رہی تھی وہ اتنی بڑی رقم کا بندوبست کیسے کرے گی۔

"کس سے مانگوں۔۔۔؟ کون دے گا۔" اس کے ننھیالی رشتے دور دراز شہروں میں آباد تھے اور ان سے بھی اتنی بڑی رقم کی امید نہیں رکھی جا سکتی تھی ددھیالی رشتے داروں میں بس زینت پھوپھو تھیں جن کی وجہ سے اس کے بابا اس حالت کو پہنچے تھے۔

"تم اپنی پھوپھو کو فون کر دو' اتنے پیسے کہاں سے آئیں گے ان سے قرض لے لیں۔۔۔"

"نہیں' میں ان کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گی' ان ہی کی وجہ بابا اس حال کو پہنچے ہیں۔"

"پھر کہاں سے آئیں گے اتنے پیسے۔"

"اللہ مسبب الاسباب ہے آپ فکر مت کریں مجھے سوچنے دیں۔۔۔" اس کے ذہن میں اہمل کا نام آیا تھا پر اہمل اتنی بڑی رقم دینے کی پوزیشن میں نہیں ہے یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

"کون۔۔۔ کون دے سکتا ہے اتنے پیسے۔۔۔" اس کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا اس کے ذہن میں تمام دوست رشتے داروں کے نام آ رہے تھے پر ان میں سے اکثریت سفید پوش تھی اور وہ ان سے اتنے پیسے مانگ کر انہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اور پھر اچانک سے امید کا اک دیا روشن ہوا تھا اس نے فوراً" بیگ سے موبائل نکالا تھا اور وہ "اعزاز درانی" کا نمبر ملا رہی تھی۔

"تم میرے چہرے سے میرے موڈ کا پتا کر لیتی ہو' جیسے کوئی بہت اپنا جان لیتا ہے۔" اعزاز درانی کا جملہ اس کے کانوں میں گونج رہا تھا اس نے موبائل کان سے لگالیا تھا بیل جا رہی تھی وہ کوشش کے باوجود بھی اپنے آنسو نہیں روک سکی تھی۔

"ہیلو۔" اس کی بھرائی ہوئی آواز پر دوسری طرف سے بڑی تشویش کا اظہار ہوا تھا۔

"کیا ہوا فروہ۔۔۔؟"

"سر میرے بابا۔۔۔ سر انہیں ہارٹ اٹیک۔۔۔" اسے جانے کیا ہوا تھا ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

"کیا۔۔۔ کب؟ کہاں ہو تم؟" اعزاز درانی اس کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے ساری بات سمجھ گئے تھے جو لوگ ہم سے محبت کرتے ہیں ان کے سامنے ضروری نہیں کہ پوری تکالیف پورے غم کی تفصیل بتائی جائے وہ تو کہے سے ہی دکھ جان لیتے ہیں۔

"میں۔۔۔ اسپتال میں ہوں۔"

"کون سے اسپتال میں؟"

اس نے جلدی سے انہیں اسپتال کا نام بتایا تھا کچھ ہی دیر بعد اعزاز درانی وہاں پہنچ گئے تھے پھر اسے نہیں پتا چلا کب کہاں اسپتال کا بل دیا گیا۔

احسان احمد کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ اعزاز درانی واپس جا رہے تھے فروہ کو وہ الفاظ نہیں مل رہے جن سے شکریے کے چند بول بول سکے۔

"سر تھینک یو۔۔۔ تھینک یو سو مچ۔۔۔ سر میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں اتار سکتی۔" وہ تشکر بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم میرا یہ احسان بہت آرام سے اتار سکتی ہو ہر ماہ اپنی سیلری سے تھوڑے پیسے کٹوا کر۔" اعزاز درانی نے مسکراتے ہوئے اس کا مسئلہ چٹکیوں میں حل کیا تھا۔

"میں پیسوں کی بات نہیں کر رہی سر' جو آپ نے مشکل میں میرا ساتھ دیا' ایسے تو کوئی اپنا بھی نہیں دیتا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر رو پڑی تھی۔

"اوں ہوں ایسے نہیں روتے' تم تو بہت بہادر' باہمت لڑکی ہو۔۔۔ جہاں تک رہی بات اس دوسرے احسان کی تو میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ فروہ احسان کو زندگی میں موقع دے کہ وہ میرا احسان اتار سکے کیونکہ میں جانتا ہوں فروہ احسان بہت خوددار لڑکی ہے۔" اعزاز درانی کی بات پر اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے

نہیں دیکھا تھا۔
"سر میں شاید پھر بھی آپ کا احسان نہ اتار سکوں۔ آپ گریٹ ہیں۔" ان سے مشکور نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔
"اچھا اب میں چلتا ہوں' کوئی بھی کام ہو بلا جھجک مجھے فون کر دینا۔" وہ اسے ہدایت دیتے آگے بڑھ گئے تھے پیچھے کھڑی فروہ کافی دیر تک اس بے غرض اور عظیم انسان کو دیکھتی رہی تھی۔

✲ ✲ ✲

ایمل کو جیسے ہی احسان انکل کے ہارٹ اٹیک کی خبر ملی تھی وہ فوراً "اسپتال پہنچی تھی۔
"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" اس نے شکوہ کناں نظروں سے فروہ کو دیکھا تھا۔
"لو بتا دیا نا۔ اس وقت میں اتنی ٹینشن میں تھی کہ کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا۔ خیر اب تو اللہ کا شکر سب ٹھیک ہو گیا ہے پاپا کی حالت خطرے سے باہر ہے کل وہ اسپتال سے ڈسچارج ہو جائیں گے۔" فروہ بڑے ہشاش بشاش انداز میں اسے بتا رہی تھی۔
"تمہیں دکھ نہیں ہوا تمہاری منگنی ٹوٹ گئی۔" ایمل اس کے چہرے سے اندازہ نہیں لگا پائی تھی' اس سے پوچھ بیٹھی۔
"نہیں۔" فروہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
ایمل نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا پر بولی کچھ نہیں تھی۔
"ہمیں! اللہ کی رضا میں راضی ہونے میں بڑا سکون ہے کوئی دکھ دکھ نہیں لگتا' کوئی تکلیف تکلیف نہیں لگتی جب انسان یہ سوچے کہ اللہ اس سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے وہ اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔" وہ بڑی پر سکون سی اسے پر سکون زندگی گزارنے کا کلیہ بتا رہی تھی۔
"اور تم سناؤ آنٹی کی طبیعت کیسی ہے؟"
"پہلے سے کافی بہتر ہیں۔"
"اور فہد کب آ رہا ہے پاکستان؟"
"پتا نہیں' یہی کہتا ہے کہ جلد آؤں گا۔"
"آجائے گا ان شاء اللہ۔" فروہ نے سعد کے متعلق پوچھنے سے گریز ہی کیا تھا۔
وہ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی تھی پھر احسان انکل سے ملنے کے بعد اس نے واپسی کی راہ لی تھی۔ اسپتال کے احاطے سے نکل کر اس نے ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑائی یش سامنے آتی ٹیکسی کے ڈرائیور کو مطلوبہ ایڈریس بتا کر وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ معاذ کی منگنی ندا سے ہو گئی تھی تائی جان کے رویے میں خاصی بہتری آگئی تھی اب وہ اسے عجیب عجیب نظروں سے نہیں گھورتی تھیں بلکہ اس پر اچھی خاصی مہربان ہو گئی تھیں۔ اسے اگر ان کی طرف چکر لگائے زیادہ دن ہو جاتے تھے تو وہ اسے بلوا لیتی تھیں یا خود آجاتی تھیں ان کی رویے کی اس بہتری کی وجہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

✲ ✲ ✲

اس نے تیسری بار اعزاز صاحب کو دیکھا وہ پچھلے پندرہ منٹ سے فائل سامنے رکھے بڑے انہماک سے اس کا مطالعہ کر رہے تھے۔
"سر!"
"ہوں۔" اعزاز صاحب نے بڑے مصروف انداز میں کہا ان کی نظریں اب بھی فائل پر ہی تھیں۔
"سر! میں آپ کو کیسی لگتی ہوں؟"
"کیا میں اس بے تکے سوال کی وجہ جان سکتا ہوں۔" اعزاز درانی نے فائل بند کر کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا وہ کافی دیر سے نوٹ کر رہے تھے کہ فروہ ان سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔
"سر آپ اس دن کہہ رہے تھے کہ اگر میں انگیجڈ نہ ہوتی تو آپ میرے بارے میں سنجیدگی سے سوچتے۔"
اعزاز درانی کے چہرے پر بالکل ایسی مسکراہٹ تھی جیسے کسی چھوٹے بچے کی بچکانہ سی بات پر بڑوں کے چہرے پر ہوتی ہے۔

"تم بھول رہی ہو میں نے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم بیس سال پہلے ملتیں تو سنجیدگی سے تمہارے بارے میں سوچا جاسکتا تھا۔ ویسے ایک بات کہوں..." فروہ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔
"مصیبت میں گدھے کو باپ بنانے میں کوئی قباحت نہیں ہے پر اگر وہ گدھا تمہاری عمر کا ہو تو زیادہ بہتر ہے۔" اعزاز صاحب کی بات پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔
"سر! باخدا میں نے آپ کو گدھا نہیں سمجھا یہ آپ کی ذاتی سوچ ہے۔" فروہ بے تحاشا ہنستے ہوئے انہیں بتارہی تھی۔
"اچھا۔" وہ مسکرائے تھے۔
"اور تمہارے بابا کی طبیعت کیسی ہے؟" اعزاز درانی دوبارہ کوشش کے باوجود بھی ان کی عیادت کے لیے نہیں جاسکے تھے۔
"کافی بہتر ہیں پہلے سے' پر بہت چپ چپ رہتے ہیں۔"
"کیوں؟"
"وہ میری وجہ سے پریشان ہیں' جس لڑکی پر اس کی سگی پھوپھو اتنے سنگین الزام لگا کر رشتہ توڑ دیتی ہے اس کے ماں باپ یونہی پریشان ہوتے ہیں میری تسلیاں دلاسے کچھ اثر نہیں کرتے اب ان پر۔" وہ پریشانی سے انہیں بتارہی تھی۔
"اوں ہوں پریشان نہیں ہوتے' فروہ احسان ہیرا ہے اور تمہاری پھوپھو کی آنکھوں پر لالچ کی پٹی بندھی ہوئی تھی اس لیے انہوں نے انجانے میں کیا کچھ گنوادیا انہیں اندازہ نہیں ہے۔"
"سر ہیرے کی قدر تو جوہری کو پتا ہوتی ہے اور جوہری کہاں سے آئے گا؟" فروہ نے منہ بسورتے ہوئے پوچھا۔
"آجائے گا... فکر کیوں کرتی ہو۔" اعزاز صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆ ☆ ☆

تائی جان نے اسے بلوایا تھا وہ فوراً" بلاوے پر چل پڑی تھی وہ معاذ کے ساتھ کچھ ضروری سامان خریدنے مارکیٹ جارہی تھیں۔
"بیٹا تم ماہ زیب کے پاس رہ جانا میں تو چاہ رہی تھی وہ بھی ساتھ چلے پر اس نے تو جیسے گھر سے باہر نہ نکلنے کی قسم کھائی ہوئی ہے خود کو گھر میں قید کرلیا ہے نہ ہنستی ہے نہ بولتی ہے۔" تائی بڑی اپنائیت سے اسے اپنی پریشانی بتارہی تھیں جب معاذ کمرے میں داخل ہوا۔
"امی چلیں..." معاذ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اس نے فوراً" نظریں جھکالیں۔ معاذ کی شکوہ کرتی نظروں کا سامنا کرنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ تائی جان اٹھ کر معاذ کے پیچھے چل پڑی تھیں۔
"اسے میرے دکھ سے نکال دے۔" اس نے معاذ کی پشت دیکھتے ہوئے بڑی شدت سے دعا کی تھی اس نے معاذ جیسے پر خلوص انسان کا دل توڑا تھا وہ بہت شرمندہ تھی۔
وہ اٹھی اور زیب آپی کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ زیب آپی کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھیں اسے دیکھ کر انہوں نے کتاب ایک طرف رکھ دی تھی۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ انہیں اصل بات کی طرف لے آئی تھی جس کے متعلق جاننے کا اسے بہت اشتیاق تھا۔
"شعر بھائی پاکستان کب آئیں گے؟"
"پتا نہیں۔" وہ کچھ دیر خاموش رہی تھیں جب بولیں تو ان کی آنکھوں میں بہت اداسی تھی۔
"فون پر بات نہیں ہوتی ان سے۔"
"نہیں۔"
"کیوں؟ آج کل تو لڑکیاں نامحرموں سے بڑے دھڑلے سے بات کرلیتی ہیں وہ تو پھر..."
"وہ مجھ سے بات نہیں کرتے۔"
"کیوں؟ کوئی جھگڑا ہوا؟ وہ ناراض ہیں آپ سے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے زیب کو دیکھا تھا۔
"ہاں بہت زیادہ..."
"کیوں؟" وہ ہر صورت اس معمے کو حل کرنا چاہتی تھی۔

"وہ باہر جانے سے پہلے مجھ سے ملنا چاہتے تھے امی نے سختی سے منع کر دیا تھا امی کے انکار پر انہیں بہت غصہ آیا تھا انہوں نے مجھے فون کیا تھا اور کہا تھا کل میں یونیورسٹی جانے کے بجائے ان کے ساتھ چلوں ان کے اس حکم پر میں پریشان ہو گئی تھی' میں امی کو دھوکا نہیں دے سکتی تھی ' میں سارا دن پریشانی سے سوچتی رہی تھی' مجھے کیا کرنا چاہیے ' میں نے امی سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا کیونکہ امی کا جواب میں پہلے ہی جانتی تھی وہ اس طرح ملنے کو بہت برا سمجھتی تھیں اور سچ کہوں تو میں بھی ان کی ہم خیال تھی۔" وہ بہت آہستہ بول رہی تھیں اہمل بہت مشکلوں سے ان کی آواز سن پا رہی تھی۔

"پھر۔۔۔؟" وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہوئیں تو اہمل نے بے چینی سے پوچھا۔

"میں اگلے دن یونیورسٹی ہی نہیں گئی۔۔۔ میں اپنی ماں کو دھوکا نہیں دے سکتی تھی۔۔۔ پھر وہ باہر چلے گئے۔۔۔ میں نے بہت کوشش کی انہیں منانے کی۔۔۔ وہ میری کالز ریسیو نہیں کرتے تھے۔۔۔ اس کے باوجود میں گھنٹوں ان کا نمبر ڈائل کرتی رہتی کہ کبھی تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گا ایک دن انہوں نے کال ریسیو کرلی تھی انہوں نے مجھے کہا تھا کہ اگر آئندہ میں نے انہیں دوبارہ تنگ کیا تو وہ ایک منٹ بھی سوچے بغیر اس رشتے کو ختم کردیں گے ان کی اس بات پر میں ڈر گئی تھی' اس کے بعد میں نے کبھی دوبارہ ان سے رابطے کی کوشش نہیں کی' نہ اتنے سالوں میں انہیں کبھی میرا خیال آیا۔۔۔"

"آپ نے تائی جان کو بتائی یہ بات۔۔۔؟" اہمل نے اس انتظار کرنے والی شہزادی کی ویران آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔"

"اس کہانی کا کیا اینڈ ہو گا؟ کیا یہ منتظر آنکھیں یونہی انتظار کرتے کرتے پتھر کی ہو جائیں گی۔۔۔" اہمل نے سرد آہ بھرتے ہوئے سوچا تھا منتظر تو وہ بھی تھی کسی معجزے کی۔ زیان بن حسان اس کا ہو جائے یہ اس کے لیے معجزے سے کم نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

آج اعزاز درانی بہت خوش تھے ان کا بیٹا پاکستان آگیا تھا۔ وہ اسے لے کر آفس آئے تھے ابھی کچھ ہی دیر پہلے تمام اسٹاف سے تعارف کروایا تھا۔

"یہ موحد ہے میرا بیٹا' لندن سے آیا ہے۔" فروہ نے بڑے غور سے تھری پیس میں ملبوس اس شاندار بندے کو دیکھا تھا جس کے اعزاز میں تمام لوگ اپنی سیٹوں سے کھڑے ہو گئے تھے فروہ کو بھی ناچار اٹھنا ہی پڑا۔

"یہ محمود صاحب ہیں ہماری کمپنی کے سب سے سینئر رکن ہیں۔"

"السلام علیکم سر!" محمود صاحب نے بڑے مودبانہ انداز میں سلام کیا تھا اس نے سر کو ذرا سی جنبش دے کر جواب دیا تھا۔

"یہ فیضان صاحب ہیں۔ یہ ماریہ ہیں' یہ رخسار زیدی ہیں۔" اعزاز صاحب تعارف کرواتے ہوئے اس کی ٹیبل تک پہنچ گئے تھے۔

"یہ فروہ احسان ہیں۔"

"یہ وہی ہے نا؟" موحد نے مسکراتے ہوئے اعزاز صاحب کی طرف دیکھا تھا وہ اثبات میں سرہلا گئے تھے فروہ نے اعزاز صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے اس "وہی" کا مطلب جاننا چاہا پر وہ بیٹے کو لے کر آگے بڑھ گئے تھے۔ اعزاز صاحب کی اس طوطا چشمی پر اسے بہت دکھ ہوا تھا وہ بیٹے کے آتے ہی بدل گئے تھے۔

"فروہ بی بی آپ کو اعزاز صاحب بلا رہے ہیں۔" پیون نے اسے اطلاع دی تو وہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر ان کے آفس کی طرف چل پڑی تھی۔

"سر میں اندر آسکتی ہوں۔" دروازے میں کھڑے ہو کر اس نے اجازت طلب کی تھی۔ اعزاز صاحب مسکرائے تھے۔

"تمہیں اجازت کی کب سے ضرورت پڑنے لگی

"جب سے آپ کا بیٹا آیا ہے تب سے آپ روایتی باس بنتے جا رہے ہیں۔" فروہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے شکوہ کیا ابھی کچھ دیر پہلے ہی موحد واپس گیا تھا۔

"وہ اتنے سالوں بعد آیا ہے فروہ ابھی تک تو اسے دیکھ کر میرا جی بھی نہیں بھرا' دل چاہتا ہے اسے ایک منٹ کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دوں۔"

"اب آگیا ہے نا اب دوبارہ مت جانے دیجیے گا۔" فروہ نے انہیں مخلصانہ مشورہ دیا اور پھر فوراً" اسے کچھ یاد آیا۔

"سر آپ کے بیٹے نے مجھے دیکھتے ہی "یہ وہی ہے نا" کہا تھا ذرا آپ اس جملے کی تشریح کریں گے۔" اعزاز صاحب اس کی بات پر ہنسے تھے انہیں اس کا یوں آپ کا بیٹا کہنا بہت اچھا لگا تھا۔

"وہ تمہیں جانتا ہے کہ پاکستان میں اس کے پاپا کی ایک چھوٹی سی دوست ہے فروہ احسان۔"

"ہائیں' میں آپ کی دوست ہوں؟" فروہ نے حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔

"ہاں تو نہیں ہو کیا تم میری دوست؟" فروہ نے فوراً" نفی میں سر ہلایا تو اعزاز صاحب کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہائے۔" وہ بڑے انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھی جب موحد کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"السلام علیکم!" فروہ نے اس کی "ہائے" کے جواب میں اسے سلام کرکے شرمندہ کرنا چاہا اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔"

"آپ کو اجازت کی کیا ضرورت ہے یہ پورا آفس آپ کا ہے۔" فروہ جواب دے کر دوبارہ فائل پر کچھ لکھنے لگی۔

"پاپا بتا رہے تھے آپ میری بڑی تعریفیں کر رہی تھیں۔" تیزی سے چلتا ہوا پین رک گیا تھا اس کا جی چاہا تھا شرم سے ڈوب مرے' اسے اعزاز صاحب پر بے تحاشہ غصہ آیا تھا جو اتنی سی بات ہضم نہیں کر سکے تھے۔ کل اس نے ہنستے ہوئے اعزاز صاحب کو کہہ دیا تھا۔

"سر آپ کا بیٹا ہے بہت ڈیشنگ' آپ پر نہیں گیا۔"

اس نے سوچ لیا تھا اب اعزاز صاحب کے سامنے کوئی بات کرتے ہوئے کم از کم تین چار بار ضرور سوچے گی۔

"ویسے مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا' میں جب بھی لندن سے انہیں کال کرتا تھا وہ مجھے "فروہ نامہ" سناتے رہتے تھے مجھے بہت جیلسی فیل ہوتی تھی آپ سے۔" وہ صاف گوئی سے بتا رہا تھا۔

"پر مجھے آپ سے ملنے کا کوئی خاص شوق نہیں تھا حالانکہ وہ یہاں پاکستان میں مجھے سارا دن "موحد نامہ" سناتے رہتے تھے اور مجھے آپ سے ذرا جیلسی فیل نہیں ہوتی تھی کیونکہ میں آپ کی طرح جل ککڑی نہیں ہوں۔"

موحد کا قہقہہ بلند ہوا تھا وہ مان گیا تھا پاپا ایسے ہی اس لڑکی کے گن نہیں گاتے تھے۔

"ویسے ککڑی تو مونث ہوتی ہے جبکہ میں تو مذکر ہوں۔" فروہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا اتنے سال باہر رہنے کے باوجود اس کی اردو بہت صاف تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ کافی دیر سے اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اس نے موحد کو کہاں دیکھا ہے وہ موحد کو جب بھی دیکھتی تھی اسے لگتا تھا اس نے پہلے بھی کبھی دیکھا ہے' پر کہاں؟ یادداشت کھنگالنے پر بھی اسے کچھ یاد نہیں آیا تھا بابا دفتر سے آچکے تھے انہیں اعزاز صاحب کے توسط سے ایک اخبار میں ملازمت مل گئی تھی وہ اخبار ایک ہفت روزہ میگزین بھی نکالتا تھا احسان احمد کا ادبی ذوق دیکھتے ہوئے اعزاز درانی نے اپنے ایڈیٹر

دوست سے بات کی تھی فروہ ان کے اس احسان پر ان بے وقوف بنائی گئی ہے یہ سوچ کر اس کا منہ پھول گیا تھا۔
کی بے حد مشکور تھی اس جاب سے احسان احمد مصروف ہو گئے تھے۔ اب وہ پہلے کی طرح ہنسنے بولنے لگے تھے وہ بہت خوش تھی اور اگلے دن ان کے آفس میں بیٹھی اپنی اس خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا وہ جب مصروف ہوں گے تو پھر سے زندگی کی طرف لوٹ آئیں گے کسی کام کرنے والے بندے کو اگر اس طرح گھر بیٹھنا پڑ جائے تو وہ یونہی زندگی سے بے زار ہو جاتا ہے۔"

"سر... میں آپ کا یہ احسان...

وہ کبھی نہیں بھولوں گی۔" اعزاز درانی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یہ جملہ مجھے حفظ ہو چکا ہے فروہ' آئندہ مت بولنا۔"

"اوکے باس۔" فروہ نے بڑے اسٹائل سے کہا۔

"سر کیا بات ہے آج آپ کا بیٹا نظر نہیں آرہا' آج نہیں آیا کیا؟" فروہ کو اندازہ نہیں تھا پیچھے صوفے پر بیٹھا کوئی مسکرا مسکرا کر اس کی باتیں سن رہا تھا کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دائیں طرف دیوار کے ساتھ لگے صوفے پر اس کی نظر نہیں پڑی تھی موحد نے فوراً" نفی میں سر ہلا کر اعزاز درانی کو دیکھا تھا وہ چاہتا تھا فروہ اس کی موجودگی سے لاعلم ہی رہے۔

"سر میں جب بھی آپ کے بیٹے کو دیکھتی ہوں مجھے لگتا ہے میں نے اسے کہیں دیکھا ہے پر کہاں؟ یہ یاد نہیں آتا۔" فروہ بے تکلفی سے انہیں اپنی پریشانی سے آگاہ کر رہی تھی۔

"تو اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو تمہیں موحد یاد دلا دے گا... کیوں موحد؟" اعزاز صاحب نے موحد کو دیکھا تھا۔

"جی... جی ضرور..." موحد کی آواز سن کر اسے جھٹکا لگا تھا۔

اس نے فوراً" مڑ کر دیکھا تھا وہ کب سے وہاں بیٹھا تھا وہ شریر سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے چلتا ہوا اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا وہ اتنی دیر سے۔

"ہم بیت بازی اور اسپیچ کامپٹیشن میں ملے تھے بورڈ کی طرف سے ایکسٹرا کریکلم ایکٹیوٹی ویک منایا گیا تھا جس میں شہر کے تمام پرائیویٹ اور گورنمنٹ کالج انوائٹ کیے گئے تھے' بیت بازی مقابلے میں ہماری ٹیم نے فرسٹ پوزیشن حاصل کی تھی۔" فروہ کو فوراً" یاد آیا تھا وہ زیان بن حسان کے ساتھ آئے دونوں لڑکوں میں سے ایک تھا۔ فروہ کا دل چاہا تھا وہ زیان بن حسان کے متعلق پوچھے اس سے' جس کے پیچھے اس کی دوست آج بھی پاگل تھی۔ پر دل کی ہر بات مانی نہیں جاسکتی اور ضروری نہیں تھا کہ وہ آج بھی زیان بن حسان سے کانٹیکٹ میں ہو۔

"موحد تو تمہیں دیکھتے ہی پہچان گیا تھا' اس کی یادداشت بہت اچھی ہے ماشاء اللہ۔" اعزاز درانی مسکراتے ہوئے بتا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

اک تازہ حکایت ہے
سن لو تو عنایت ہے
اک شخص کو دیکھا تھا
تاروں کی طرح ہم نے
اک شخص کو چاہا تھا
اپنوں کی طرح ہم نے
اک شخص کو سمجھا تھا
پھولوں کی طرح ہم نے
وہ شخص قیامت تھا
کیا اس کی کریں باتیں
دن اس کے لیے پیدا
اور اس کی تھی راتیں
کم ملتا کسی سے تھا
اور ہم سے تھیں ملاقاتیں
رنگ اس کا شہابی تھا
زلفوں میں تھی مہکاریں
آنکھیں تھیں کہ جادو تھا

پلکیں تھیں کہ تلواریں
دشمن بھی اگر دیکھے
سو جان سے دل ہارے
کچھ تم سے وہ ملتا تھا
باتوں میں شباہت تھی
ہاں تم ہی سا دکھتا تھا
شوخی میں شرارت میں
لگتا بھی تمہی سا تھا
دستور محبت میں
وہ شخص ہمیں اک دن
غیروں کی طرح بھولا
تاروں کی طرح ڈوبا
پھولوں کی طرح ٹوٹا
پھر ہاتھ نہ آیا وہ
ہم نے بہت ڈھونڈا
تم کس لیے چونکے ہو
کب ذکر تمہارا ہے
کب تم سے تقاضا ہے
کب تم سے شکایت ہے
اک تازہ حکایت ہے
سن لو تو عنایت ہے۔

اس نے ایک بار پھر اپنی لکھی ہوئی اس نظم کو پڑھا تھا اور پھر اس کے آخر میں ماہ زیب لکھ دیا تھا۔ دماغ نے فوراً ٹوکا تھا۔

"یہ ایک غیر اخلاقی حرکت ہے۔"

پر دل نے فوراً "سائیڈ" لی تھی اگر اس جھوٹ سے کوئی روٹھا مان جائے اور کسی کی زندگی کی خوشیاں واپس آجائیں تو اس میں کوئی زیادہ برائی نہیں ہے اور اہمل نے تو ہمیشہ دل کی مانی تھی پھر آج کیوں دماغ کی سنتی۔ وہ چاہتی تھی اس سے پہلے کہ اس شہزادی کی آنکھیں پتھرا جائیں شہزادہ لوٹ آئے۔

وہ محبت کا دم بھرنے والا شہزادہ جانے کیوں اتنا سنگدل ہو گیا تھا وہ اس کے دل میں سوئی ہوئی محبت جگانا چاہتی تھی۔ اس نے سارا کام مکمل کیا تھا اور تمام چیزیں دراز میں رکھ دی تھیں وہ پہلی فرصت میں انہیں پوسٹ کردے گی۔

اس نے اپنا پسندیدہ گانا چلایا تھا اور خود بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں۔ کمرے میں عامر سلیم کی آواز گونج رہی تھی۔

ابھی بھی مجھے تم یاد آتے ہو
میں تنہا ہوں تمہارے بن
میں تنہا ہوں تمہارے بن

☆ ☆ ☆

"فروہ میں نے تمہارے لیے ایک رشتہ دیکھا ہے۔" اعزاز صاحب کی بات پر اسے حیرت ہوئی تھی۔

"سر آپ نے یہ کام کب سے شروع کردیا؟" فروہ نے ہنستے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔ اعزاز صاحب اس کے سوال پر بس مسکرائے تھے بولے کچھ نہیں۔

"اچھا یہ بتائیں کیسا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟" فروہ نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

"دیکھنے میں اچھا خاصا ہے کرتا کچھ نہیں ہے ابھی تک۔"

"مطلب بے روزگار ہے مجھے اسے کما کر کھلانا پڑے گا۔" فروہ کو شدید مایوسی ہوئی تھی۔

"نہیں اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ اپنے باپ کی کمائی پر عیش کرتا ہے اس کے باپ کا اچھا خاصا بزنس ہے۔" اعزاز درانی نے مسکراتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے باپ اگر دھکے دے کر گھر سے نکال دے گا تو پھر میرا کیا بنے گا۔" فروہ کو اپنا مستقبل غیر محفوظ دکھائی دیا تھا۔

"ہاہاہا... نہیں نہیں اس کا باپ اتنا سنگدل نہیں ہے۔" اعزاز صاحب کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔ "میں ملا ہوا ہوں اس سے 'خوف خدا' رکھنے والا بندہ ہے، بہت اچھا آدمی ہے۔"

"اچھا کہاں رہتا ہے؟ کیا نام ہے؟"

"لڑکے کا نام ہے موحد اعزاز درانی۔"

"جی۔" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ "سر آپ میرے ساتھ مذاق۔" وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میرا تمہارا مذاق نہیں ہے، بیٹھو۔" اعزاز صاحب نے تحکمانہ لہجہ میں کہا تھا وہ دوبارہ بیٹھ گئی تھی وہ حیرت کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

"میں تمہارے گھر موحد کا رشتہ لے کر آنا چاہتا ہوں، تمہیں کوئی اعتراض۔؟" اعزاز درانی نہایت سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"اعتراض۔ اس کے اور موحد کے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے۔" وہ کمپلیکس کا شکار نہیں تھی حقیقت پسند تھی پھر اس نے اپنے تمام اعتراضات بلکہ خدشات اعزاز صاحب کو گنوا دیے تھے۔

"تمہارے تمام اعتراضات بے بنیاد ہیں میرے نزدیک اور ایک بات بتا دوں یہ میرا نہیں بلکہ موحد کا فیصلہ ہے۔" فروہ نے بے یقینی سے انہیں دیکھا تھا۔

"اور کوئی اعتراض۔؟" اعزاز صاحب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا اس نے خاموشی سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"گڈ۔" اعزاز صاحب مسکرائے تھے اور فروہ سوچ رہی تھی کہ وہ اس عظیم انسان کے احسانات کا بدلہ کیسے چکائے گی۔

☼ ☼ ☼

اور پھر ایک حیرت انگیز واقعہ رونما ہو گیا تھا اشعر اچانک پاکستان لوٹ آیا تھا ماہ زیب کی ویران زندگی میں بہار لوٹ آئی تھی۔

"اہمل! مجھے یقین نہیں آ رہا اشعر واپس آگئے ہیں۔" اہمل نے بڑے غور سے ماہ زیب کو دیکھا جس کے چہرے پر خوشی کے سارے رنگ موجود تھے۔

"چلیں آپ کو یقین دلانے کے لیے اشعر بھائی سے آپ کی ایک ملاقات ارینج کر دیتی ہوں۔"

"نہیں۔ امی ناراض ہو جائیں گی۔" ماہ زیب نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں ہوں گی تائی جان ناراض۔ ویسے بھی پھوپھو شادی کی ڈیٹ لینے آ رہی ہیں دو تین دن میں۔" اہمل نے اسے اطلاع دی۔

"اہمل مجھے یقین نہیں آ رہا یہ سب کیسے ہوا۔" ماہ زیب سے اپنی خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی وہ حیران تھیں یہ سب کیسے ہوا کہاں تو اشعر اتنا سخت ناراض تھے اور کہاں یہ سب۔

اہمل خاموشی سے مسکراتے ہوئے ان کے چہرے کے رنگ ملاحظہ فرما رہی تھی اس نے ماہ زیب کو بالکل نہیں بتایا تھا کہ اس نے اشعر کو کال کی تھی ماہ زیب کے حق میں مقدمہ لڑا تھا اور اشعر کو قائل کیا تھا کہ وہ غلط کر رہے تھے۔

محبت یہ نہیں ہوتی
کہ جس میں معاف کر دینا
نہایت غیر ممکن بات ہو جائے
محبت یہ نہیں ہوتی
کہ تم نے کہہ دیا تو دن ہو
اور تم نے کہا تو رات ہو جائے
محبت یہ نہیں ہوتی
کہ جب جیتو تو تم جیتو
کہ جب بولو تو تم بولو
گلے شکوے تمہیں ہی ہوں
یہ سارے فیصلے تم ہی کرو
کس کو
محبت بھیک میں دینی ہے
کس کو خواہشوں کے ساتھ اپنانا ہے
کس سے وعدہ کرنا ہے
یا کس کو بھول جانا ہے
محبت یہ نہیں ہوتی
ذرا سا سوچ لیتا
تم جسے اب تک محبت کہتے آئے ہو
محبت وہ نہیں ہوتی

☼ ☼ ☼

وہ ابھی گھر پہنچی تھی وہ بہت تھکی ہوئی تھی آج اس نے فروہ کے ساتھ بازاروں کی خاک چھانی تھی وہ اس کی شادی کی تیاریوں میں اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی اس کا ارادہ تھا کھانا کھا کر تھی تان کر سوئے گی۔

"کیا ہوا امی؟" لاؤنج میں بیٹھی مدحت بیگم کسی سوچ میں غرق تھیں۔ اس کی آواز پر چونکیں۔

"فہد کا فون آیا تھا کچھ دیر پہلے۔"

"اچھا کیا کہہ رہا تھا؟ معاذ اور زیب آپی کی شادی میں آئے گا؟" اہمل نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

"کہہ رہا تھا مشکل ہے۔" امی کے جواب پر وہ افسردہ ہوگئی تھی۔

"تمہارا پوچھ رہا تھا' میں نے بتایا کہ فروہ کی شادی ہو رہی ہے اس کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہے' مجھ سے پوچھنے لگا اہمل کی شادی کے کیا ارادے ہیں؟" کچھ دیر چپ رہنے کے بعد انہیں یاد آیا تو اسے بتانے لگیں۔

"میرا کوئی ارادہ نہیں ہے' میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔"

"یہ تنہائی تو میرا نصیب ہے بیٹا' تم کیوں قربانی دے رہی ہو۔" اہمل وہیں ان کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔

"آپ نے بھی تو ہمارے لیے قربانی دی تھی..... ہماری وجہ سے دوسری شادی نہیں کی تھی۔" اہمل نے عقیدت سے ان کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"میری بات اور تھی میرے پاس تم تینوں تھے اور یہ امید تھی کہ کل کو میرے بیٹے بڑے ہو جائیں گے مجھے میری محنت کا پھل مل جائے گا۔"

"پر آپ کو کیا ملا.... کیا دیا ہم نے آپ کو....؟" وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر رو پڑی تھی۔

"بس میرا نصیب.... میری تو یہی دعا ہے میرے بچے جہاں رہیں خوش رہیں۔" ماں جیسا عظیم کوئی نہیں ہوتا اولاد چاہے جتنی بھی نافرمان ہو پر وہ ہر وقت اس کے لیے دعا گو رہتی ہیں۔

☼ ☼ ☼

اس نے اسٹیج پر بیٹھے فروہ اور موحد کو دیکھا اور دل ہی دل میں ان کی نظر اتاری تھی وہ فروہ کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھی اس نے خواتین حضرات کے جم غفیر میں کوئی شناسا چہرہ ڈھونڈنا چاہا پر تھوڑی ہی دیر بعد اس کی تلاش ختم ہوگئی۔ اسے شہلا اور رباب نظر آگئیں وہ فروہ کے ساتھ کام کرتی تھیں وہ فروہ کے توسط سے انہیں جانتی تھی کچھ ہی دیر بعد وہ ان کے گروپ میں کھڑی تھی وہاں دھواں دھار بحث چھڑی ہوئی تھی موضوع تھا نوجوان نسل کی بڑھتی ہوئی بے راہ روی۔

وہ بڑے غور سے ان کے خیالات سن رہی تھی جب شہلا اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اہمل تمہارا کیا خیال ہے نوجوان نسل کی اس بڑھتی ہوئی بے راہ روی کی اصل وجہ کیا ہے۔"

"اس کی بہت ساری وجوہات ہیں میڈیا اور انٹرنیٹ کا سب سے اہم رول ہے اس میں' میڈیا آج کل جو دکھا رہا ہے وہ ہماری مذہبی اور معاشرتی روایات کے منافی ہے' والدین نے بچوں پر توجہ دینا چھوڑ دی ہے وہ ان پر نظر نہیں رکھتے کہ وہ کیا دیکھ رہے ہیں' وہ کس طرف جا رہے ہیں وہ انہیں صحیح غلط کی تمیز نہیں سکھا رہے انہیں جائز و ناجائز کے متعلق آگاہ کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔" اس کے پاس کسی بھی موضوع پر بولنے کے لیے الفاظ اور دلائل کی کمی نہیں تھی وہ ڈیبیٹر تھی۔ کچھ فاصلے پر کھڑا شخص اس کی آواز سن کر چونکا تھا یہ آواز' یہ لہجہ اس کے ذہن میں محفوظ تھا اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی اس کے قدم آپ ہی آپ اس طرف بڑھ گئے تھے اس لڑکی کو پہچاننے میں اسے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت لگا تھا۔

"اہمل رضا آپ بہت اچھی ڈیبیٹر ہیں ہم بہت متاثر ہوئے آپ سے۔" اس نے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ لیے اسے مخاطب کیا تھا۔ اہمل اس پر نظر پڑتے ہی سانس لینا بھول گئی تھی اسے وہ یاد تھی یہ بات اس کے لیے حیرت انگیز تھی پر اسے نہیں پتا تھا وہ جس سے ایک بار مل لے اسے کبھی نہیں بھولتا اور اس لڑکی کو نہ بھولنے کی کئی وجوہات تھیں اس لڑکی کی طرف

اس کا حساب باقی تھا اور اسے ہر صورت ادھار چکانا تھا۔

"اہمل رضا یہ جو لڑکیاں لڑکوں کو نیٹ پر ایڈ کرنے کی ریکویسٹ سینڈ کرتی ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز...؟" وہ اس کے سامنے کھڑا تضحیک بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"قول و فعل میں تضاد کو منافقت کہتے ہیں یا کچھ اور..." اس نے نہایت معصومیت سے دوسرا سوال کیا تھا وہاں موجود کوئی نہیں جانتا تھا کہ زیان بن حسان اہمل رضا کی ذات کے پرخچے اڑا رہا تھا جس نے محبت میں ایک چھوٹی سی نادانی کر دی تھی۔

اہمل کا دل چاہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ سامنے کھڑے شخص نے اسے منٹوں میں دو کوڑی کا کر دیا تھا اس سے وہاں کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

"اہمل آر یو او کے؟" اس کے زرد ہوتے چہرے پر نظر پڑتے ہی شہلا نے تشویش سے پوچھا تھا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اہمل بڑی مشکلوں سے بول پائی تھی اس کے سامنے زمین گھوم رہی تھی اس نے اس شخص کو مانگتے ہوئے اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال گنوائے تھے وہ تیزی سے قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی تھی وہ سارا راستہ روتی رہی تھی۔

"کاش وہ اسے کبھی نہ ملتا۔ کاش وہ اس کے لیے معاذ کا دل نہ توڑتی... کاش وہ اس کی محبت میں یوں اتنی بے وقوفیاں نہ کرتی۔" بہت سے پچھتاوے تھے اسے، پر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا گزرا وقت واپس نہیں آ سکتا تھا۔

تمہیں کس نے کہا تھا یہ...؟
کسی سنسان راستے پر
کسی انجان چہرے سے
ذرا سی آشنائی کو
بہت ہی خاص لکھ ڈالو
کہیں دو چار باتوں کو
بہت پیارا سا تم دلکش
حسین احساس لکھ ڈالو
تمہیں کس نے کہا تھا یہ...؟
سنو اے موم کی لڑکی
اب اس دور کے اندر
کوئی لیلیٰ نہیں بنتی
نہ کوئی ہیر بنتی ہے
قدم دو چار چلنے سے
سفر سانجھا نہیں بنتا
تو ان بے کار سوچوں پر
سنو! رونے کا ڈر کیسا
جسے پایا نہیں تم نے
اسے کھونے کا ڈر کیسا

☆ ☆ ☆

"تم رات کس وقت آئی تھیں مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" گیارہ بجے اس کی آنکھ کھلی تھی سر میں اب بھی شدید درد تھا، منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر وہ سیدھی کچن میں آ گئی تھی وہاں مدحت بیگم پہلے سے موجود تھیں۔

"جس وقت آئی آپ سو رہی تھیں۔" اہمل نے چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیسی رہی فروہ کی شادی؟" اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر وہ ایک پل کے لیے چونکی تھیں۔

"اچھی... بہت اچھی، آپ کے نہ آنے پر ناراض ہو رہی تھی۔"

"تم نے میری طرف سے معذرت کر لینی تھی۔"

"جی اسے آپ کی طبیعت کی خرابی کا بتا دیا تھا۔" اہمل نے دائیں ہاتھ سے اپنا سر دباتے ہوئے انہیں بتایا۔

"کیا ہوا؟ طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" مدحت بیگم نے تشویش سے پوچھا تھا۔

"جی بس سر میں تھوڑا درد ہے۔"

"تمہاری آنکھیں کیوں اتنی سرخ ہو رہی ہیں روتی رہی ہو کیا؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"فلو ہو رہا ہے اس لیے آپ کو ایسا محسوس ہو رہا ہے۔" اس نے بہانہ گھڑا۔

"تمہاری تائی جان آئی تھیں ابھی کچھ دیر پہلے۔"

"اچھا کیا کہہ رہی تھیں؟"

"بتا رہی تھیں اگلے مہینے کی دو تاریخ کو زیب کی اور اگلے دن معاذ کی شادی ہے۔" انہوں نے اسے اطلاع دی۔

"تم چلی جایا کرو ان کی طرف، کام میں ہاتھ بٹا دیا کرو ان کا۔" ان کی ہدایت پر وہ اثبات میں سر ہلا کر چائے کپ میں ڈالنے لگی تھی۔ وہ چائے کا کپ لے کر ابھی کمرے میں آئی ہی تھی کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ اسکرین پر فروہ کا نام جگمگا رہا تھا۔

"تم کل کہاں غائب ہو گئی تھیں؟" اس کے ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے غصے میں پوچھا گیا تھا۔

"فری میری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔"

"مجھے بتا کر تو جاتیں۔۔۔ اور اچانک سے تمہیں کیا ہو گیا تھا؟" فروہ کے اس سوال پر وہ چپ رہی تھی۔

"امی۔۔۔ تم کل زیان سے ملی تھیں؟" فروہ کے سوال پر اس کے تھمے ہوئے آنسو پھر سے رواں ہو گئے تھے۔

"کیا ہوا امی۔۔۔ تم چپ کیوں ہو۔۔۔؟" امل کی اس خاموشی پر فروہ کو تشویش ہوئی تھی۔

"فری۔۔۔ وہ۔۔۔" اس نے پھر ساری بات فروہ کو بتا دی تھی۔

"اور تم خاموشی سے وہاں سے چل دیں۔۔۔؟ منہ توڑ دیتیں اس خود پسند اور خود پرست انسان کا۔" پوری بات سن کر فروہ جلال میں آ گئی تھی۔ امل ہونٹ کچلنے کے سوا کچھ نہیں کر سکی تھی، غلطی اسی کی تھی اس نے محبت میں خود کو اتنا کیوں گرایا تھا۔

"تم سے کچھ نہیں ہو سکے گا، میں ہی اس کا دماغ درست کروں گی۔۔۔ اس نے اتنی سی بات پر تمہیں اتنا ذلیل کیا۔"

"فری تم کچھ نہیں کرو گی۔۔۔" اس نے فروہ کی بات کاٹی تھی دوسری طرف سے ٹوں ٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ فروہ نے کال کاٹ دی تھی۔ وہ بے بسی سے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔ فروہ کے لہجے کی مضبوطی سے اسے اندازہ ہو گیا تھا وہ اب نہیں رکے گی۔ وہ سر تھام کر وہیں بیٹھ گئی تھی۔

پندرہ منٹ بعد اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی تھی اس نے ٹیبل پر پڑا موبائل اٹھا کر چیک کیا وہ فروہ کا میسج تھا۔

بس کچھ دیر میں محسن وہ پتھر ٹوٹ جائے گا
میں اس کی سرد مہری پہ محبت مار آیا ہوں

معاذ فہد سے سخت ناراض تھا وہ اس کی شادی میں نہیں آ رہا تھا۔ ناراض تو وہ بھی بہت تھی فہد سے، شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں وہ اور امی تائی جان کے ساتھ شادی کی تیاریوں میں مدد کروا رہی تھیں شادی کے مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔ وہ ابھی کپڑے چینج کرنے کے غرض سے گھر آئی تھی وہ ابھی سوٹ پریس کر کے ہٹی تھی کہ کوئی بیل پر ہاتھ رکھ کر جیسے بھول گیا تھا وہ تیزی سے گیٹ کی طرف چل دی تھی۔

"پتا نہیں کون پاگل ہے۔" وہ لاک کھولتے ہوئے بڑبڑائی تھی بیل اب بھی مسلسل بج رہی تھی۔

باہر کھڑے شخص کو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے پھیل گئی تھیں۔

"فادی۔۔۔" وہ خوشی سے چلائی اور تقریباً بھاگتے ہوئے اس سے لپٹ گئی تھی وہ بھول گئی تھی کہ وہ اس سے سخت ناراض تھی اس سے کبھی نہ بات کرنے کا عہد کر چکی تھی وہ سب بھولے بری طرح رو رہی تھی وہ کتنے سالوں بعد یوں اچانک آ گیا تھا۔

"امی اندر بھی جانے دو گی یا یہیں دریا بہا دو گی۔"

"فادی تم بہت برے ہو تم ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے تمہارے جانے کے بعد ہم تنہا رہ گئے تھے سعد بھائی نے کبھی پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔۔۔ امی کی طبیعت اکثر خراب ہو جاتی تھی، میں کس طرح سنبھالتی تھی، کیسے اسپتال لے کر جاتی تھی تم اندازہ نہیں کر سکتے۔" وہ فہد سے کئی مسلسل شکوے کیے جا رہی تھی۔ فہد اسے لیے اندر آ گیا تھا۔

"ہم نے تمہیں بہت مس کیا۔۔۔"

"مجھے اندازہ ہے' میں نے بھی تم لوگوں کو بہت مس کیا۔" وہ اسے چپ کرواتے ہوئے یقین دلا رہا

"تم جھوٹ بول رہے' تمہیں ذرا یاد نہیں آئی ...ری۔" اسے اس کی بات کا ذرا یقین نہیں آیا تھا۔

"میں سچ بول رہا ہوں تمہاری قسم۔" فہد نے ...رت سے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ قسم کھائی۔ اس نے فوراً" اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"بہت بدتمیز ہو تم۔ میری قسم کھا رہے ہو اگر میں ...گئی تو۔۔۔"

"تو کیا۔۔۔ بہت بڑا مقبرہ بنواؤں گا تمہارا' دنیا دیکھے گی ...کہے گی کہ فہد رضا کو اپنی بہن سے بہت محبت ...ہے۔"

"دفع ہو جاؤ بہت بدتمیز ہو تم' بڈھے ہو جاؤ گے پر ...ھرو گے نہیں۔"

ابمل کی بات پر وہ خوب ہنسا تھا اور اپنا سامان ایک ...رف رکھ کر صوفے پر ڈھے گیا تھا۔ ابمل اس کے ...لیے پانی کا گلاس لے کر آئی تھی۔

"جھوٹے۔۔۔ تم تو کہہ رہے تھے کہ تم معاذ کی شادی ...یں نہیں آ رہے۔" ابمل نے اسے پانی کا گلاس پکڑاتے ہوئے کہا۔

"بس میں نے چاہا تھا تم سب کو سرپرائز دوں۔"

"فادی۔۔۔ سچ سچ بتاؤ تم نے وہاں شادی تو نہیں کی۔۔۔؟" ابمل نے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے تفتیش کی۔ "میں تو سوچ رہی تھی کہ تم نے وہاں کسی گوری سے شادی کرلی ہوگی اور دو چار بچوں کو لے کر ہی پاکستان آؤ گے۔"

"بچوں کو لے تو آتا پر ان کے ایگزیم چل رہے تھے نہیں تو انہیں بھی بہت شوق تھا اپنی پھوپھو سے ملنے کا۔" فہد نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ حیرت سے ابمل کی آنکھیں پوری پھیل گئیں۔

"ک۔۔۔ کیا۔۔۔ تم نے سچ میں شادی کرلی۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ چار بھتیجے بھتیجی ہیں تمہارے۔"

"ک۔۔۔ کب۔۔۔ کب کی شادی؟" ابمل صدمے سے بے ہوش ہونے والی تھی۔

"دو سال ہوگئے ہیں۔" فہد کے جواب پر اس کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"شادی کو دو سال۔۔۔ اور بچے چار۔۔۔ اوہ مائی گاڈ۔۔۔ فادی تمہارا جواب نہیں ہے۔" فہد جو حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا اسے فوراً" اپنی غلطی کا احساس ہوا' وہ کچھ خجل سا ہوگیا جبکہ ابمل ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئی تھی۔

"پاگل ٹوئنز ہوئے ہیں دونوں بار۔" فہد نے فوراً" ایک اور جھوٹ گھڑا۔

"دو سال میں وہ اتنے بڑے بھی ہوگئے کہ ان کے ایگزیم۔۔۔ اوہ مائی گاڈ۔۔۔" ابمل ہنس ہنس کر دوہری ہوگئی تھی اسے نہیں یاد کہ وہ آخری بار اس طرح کب ہنسی تھی شاید کئی سالوں پہلے بھی ایسے ہنسی ہوگی۔

"فادی اتنے جھوٹ مت گھڑا کرو خدا کو منہ دکھانا ہے۔" ابمل کی بات پر وہ شرمندہ سا ہوکر سر کھجانے لگا۔

"امی کہاں ہیں؟" فہد نے ارد گرد نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"تائی جان کے گھر ہیں' کھانا لاؤں تمہارے لیے؟" ابمل کو خیال آیا تو فوراً" پوچھا۔

"نہیں فی الحال تو بھوک نہیں ہے' میں بس دس منٹ میں فریش ہوکر آتا ہوں پھر تائی جان کے گھر چلیں گے سب کو سرپرائز دیں گے' معاذ کو بھی منانا ہے۔" وہ اٹھ کر فریش ہونے چل پڑا تھا۔

ابمل خوش تھی بے پناہ خوش تھی' فہد آج بھی ویسا ہی تھا ہنستا مسکراتا' زندگی سے بھرپور۔۔۔

✲ ✲ ✲

معاذ اور ماہ زیب کی شادی بخیر و خوبی ہوگئی تھی۔ معاذ پتا نہیں خوش تھا یا نہیں' ابمل اس کے چہرے سے کوئی اندازہ نہیں لگا پائی تھی پھر بھی وہ اسے مطمئن لگا تھا۔ ابمل اس کی خوشیوں کے لیے دعاگو تھی۔

یہ میری عمر میرے ماہ و سال دے اس کو
میرے خدا میرے دکھ سے نکال دے اس کو

"امی میں سوچ رہا ہوں کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر ایمل کی شادی کر دیتے ہیں۔" وہ میگزین ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی، فہد کی آواز پر اس نے چونک کر اسے دیکھا وہ بہت سنجیدگی سے امی سے مخاطب تھا۔

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں اب تم دونوں بہن بھائی کی شادی کر دیتی ہوں، مجھے منساز کی بیٹی عائشہ بہت پسند آئی ہے تمہارا کیا خیال ہے؟" مدحت بیگم نے اس کا جواب جاننا چاہا۔

"مجھے چھوڑیں، مجھے تو سعد بھائی کی طرح ایک نہ ایک دن پرایا ہو ہی جانا ہے۔" وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا تو مدحت بیگم نے اس کے سر پر چپت رسید کی۔

"بھائی ہے تمہارا۔۔۔ ادب کیا کرو۔۔۔"

"فکر مت کیجیے والدہ میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں اور مستقبل میں انہی کے نقش قدم پر چل کر جورو کا غلام بن کر ملک اور قوم کا نام روشن کروں گا۔" وہ چہرے پر شریر سی مسکراہٹ سجائے نان اسٹاپ بول رہا تھا کہ اچانک کچھ یاد آیا۔

"اوہ یاد آیا۔۔۔ میں نے تو وہاں شادی کر لی تھی، ایمل نے بتایا نہیں آپ کو، چار بچے بھی ہیں۔" مدحت بیگم نے اس کی کمر پر دھمو کا رسید کیا۔

"شرم کرو۔۔۔"

"کیسی ماں ہیں آپ۔۔۔ مائیں تو خوش ہوتی ہیں اور آپ یوں مار رہی ہیں مجھے۔" کمر سہلاتے ہوئے چہرے پر مسکینیت طاری کرتے ہوئے بولا تھا۔ مدحت بیگم اور ایمل اس کے انداز پر اپنی ہنسی نہیں روک پائی تھیں۔

ایمل نے میگزین کا صفحہ پلٹا تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا وہاں فیڈرل پبلک سروس کمیشن میں ٹاپ کرنے والے زیان بن حسان کا انٹرویو تھا یہ میگزین دو ماہ پہلے کا تھا وہ فروہ اور پھر زیب آپی کی شادی کی مصروفیات کی وجہ سے پڑھ نہیں پائی تھی۔ زیان بن حسان کی خوب صورت سی تصویر کے نیچے لکھا تھا۔

"مجھے خود سے اپنی ذات سے محبت ہے۔" اس سے محبت کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔

ایمل کو بے ساختہ وہ نظم یاد آئی تھی اس نے بہت پہلے اپنی ڈائری میں لکھی تھی اس نظم کا عنوان "آئیڈیل" تھا۔

رنگ، ساحر کی غزلوں جیسا
لہجہ، جیسے فیض کا مصرعہ
آنکھیں، عمر خیام کا جادو
باتیں، بلھے شاہ کے دوہے
اور آواز میں وارث شاہ کی ہیر سنانے کی خوشبو
کاندھے سیمسن کی مانند
پناہیں اپالو جیسی
ہاتھ میں تیشہ اور قلم
یکساں مضبوطی سے تھامے
جب اک دن
میرا شہزادہ میرے سامنے آیا تو
میں آنکھیں میچے، ننگے پاؤں
واپسی کا ہر نقش مٹا کر
ساری دنیا چھوڑ کے اس کے پیچھے چل دی
بیچ سفر میں جا کر یہ ادراک ہوا
وہ اتنا مکمل ہے کہ اسے
خود اپنے علاوہ کسی اور کی ہستی کا اقرار نہیں
وہ سب کچھ ہے، سب کچھ ہے لیکن
اس کے دل میں پیار نہیں

اس نے میگزین بند کر کے ایک طرف رکھ دیا تھا۔

"ایمل تم فروہ کی دعوت کرنے کا کہہ رہی تھیں، آج فہد فارغ ہے یوں کرو اس کے ساتھ جا کر فروہ کو دعوت دے آؤ۔" مدحت بیگم نے اسے مشورہ دیا تھا۔

"چلو میں ڈراپ کر دوں گا۔" فہد نے فوراً "آفر کی تو وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ کافی دن ہو گئے تھے فروہ سے ملے ہوئے نہ ہی وہ اسے فون کر سکی تھی۔ فہد اسے فروہ کے گھر کے پاس ڈراپ کر کے چلا گیا تھا۔

ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر سامنے بیٹھے زیان بن حسان پر پڑی تھی جو موحد کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی ایمل واپس مڑ گئی تھی۔ موحد باتوں میں اتنا مصروف تھا کہ اسے ایمل کی آمد کی خبر تک نہ ہوئی تھی مگر زیان بن حسان نے اسے مڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

مدحت بیگم اور فہد اس کی شادی کے معاملے میں خاصے سنجیدہ تھے وہ بس خاموش تھی اس نے یہی سوچا ہوا تھا جہاں امی اور فہد کہیں گے خاموشی سے شادی کرلے گی وہ اب زندگی میں کبھی پہلے جیسی بے وقوفی نہیں کرے گی خوابوں اور سرابوں کے پیچھے بھاگنے والوں کے ہاتھ سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں آتا۔ اس نے حالات سے کمپرومائز کرلیا تھا پر ایک عجیب واقعہ رونما ہوا تھا اس کے لیے ایک رشتہ آیا تھا جو خاتون اپنے بیٹے کے لیے رشتہ لے کر آئی تھیں وہ کوئی عام خاتون نہیں تھیں شہر کے جانے مانے بزنس مین حسان احمد کی بیوی۔۔۔ اپنے غیر معمولی ذہین بیٹے زیان بن حسان کا رشتہ لے کر آئی تھیں جس نے حال ہی میں مقابلے کے امتحان میں ٹاپ کیا تھا مدحت بیگم خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں اور فہد بھی بہت خوش تھا اسے زیان بہت پسند آیا تھا پر ایمل نے گھر میں ہنگامہ کردیا تھا اس کی ایک ہی ضد تھی وہ یہاں شادی نہیں کرے گی اس کا یہ ردعمل فہد کی سمجھ سے باہر تھا۔

"ایمل کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ زیان بہت اچھا لڑکا ہے' میں ملا ہوں اس سے' اتنی شاندار پرسنالٹی ہے یقین کرو میں تو بہت متاثر ہوا۔" فہد اس سے شدید متاثر نظر آرہا تھا۔

"ضروری نہیں ہے جیسا وہ دکھتا ہو نہ اتنا ہی اچھا بھی ہو' یہ جو غیر معمولی شکل و صورت والے انسان ہوتے ہیں ناں۔۔۔ ان میں بہت غرور ہوتا ہے یہ انسان کو انسان نہیں سمجھتے' بڑے خود پسند ہوتے ہیں انہیں اپنے سوا کچھ نظر نہیں آتا' میں بہت عام سی انسان ہوں فادی اور میرا خیال ہے میرے لیے کوئی عام سا انسان ہی بہتر رہے گا۔"

"تم سے کس نے کہا کہ تم عام ہو۔۔۔ تم ہرگز بھی مینگو پیپل نہیں ہو۔" فہد نے مسکراتے ہوئے کہا پر ایمل بالکل نہیں مسکرا سکی تھی وہ شدید ٹینشن میں تھی اسے سمجھ نہیں آرہی تھی زیان بن حسان نے یہ نیا شوشا کیوں چھوڑا ہے۔

"فادی! تم لوگ جہاں بھی کہوگے میں شادی کرلوں گی پر پلیز۔۔۔ یہاں نہیں۔۔۔" وہ التجائیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی فہد سرد آہ بھر کر رہ گیا تھا اتنا شاندار پرپوزل ٹھکرانا اس کے خیال میں کفرانِ نعمت تھا۔

مدحت بیگم بھی اسے منا منا کر تھک گئی تھیں پر اس کی نہ ہاں میں نہیں بدل رہی تھی۔

اسے سمجھ نہیں آرہی تھی زیان نے کیوں رشتہ بھیجا ہے۔

"شاید اس لیے وہ ساری زندگی مجھ پر طنز کرتا رہے گا' مجھے ذلیل کرتا رہے گا۔" وہ ہونٹ کچلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

شام تک فروہ آگئی تھی ایمل اسے دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی اسے مدحت بیگم اور فہد نے بلوایا ہوگا اسے سمجھانے کے لیے۔

"ایمی! کیوں انکار کررہی ہو؟ کیا کمی ہے اس میں؟" فروہ کے سوال پر اس نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا تھا وہ یوں سوال کررہی تھی جیسے کچھ نہ جانتی ہو۔

"وہ سچے دل سے تمہارا طلب گار ہے۔"

"وہ انتہائی خود پسند انسان ہے اسے صرف اپنی ذات سے محبت ہے اور وہ اپنے سوا کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔"

"وہ بدل گیا ہے۔"

"یہ ایک ناممکن بات ہے۔"

"تم اسے ٹھکرا کر بے وقوفی کررہی ہو۔"

"میں نے ساری زندگی بے وقوفیاں ہی کی ہیں ایک اور سہی۔"

"اہمل وہ سچ میں بدل گیا ہے وہ تم سے شدید محبت کرنے لگا ہے۔"

"اور میں اس سے شدید نفرت کرنے لگی ہوں۔"

اہمل نے دوبدو جواب دیا تھا۔

"اہمل وہ بہت شرمندہ ـــ" فروہ نے کچھ بولنا ہی چاہا تھا کہ اہمل نے اس کی بات کاٹ دی۔

"فری اگر تم نے ایک لفظ بھی اس کے حق میں بولا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تم لوگ اس کی جتنی بھی حمایت کرلو پر میں اب اس سے شادی نہیں کروں گی یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ فہد اور امی تو کچھ نہیں جانتے پر تم تو جانتی ہو نا تم کیوں ان کے کہنے پر مجھے قائل کرنے۔۔۔"

"مجھے فہد اور آنٹی نے نہیں کہا۔۔۔" فروہ نے فوراً اس کی غلط فہمی دور کی۔

"مجھے زیان بن حسان نے بھیجا ہے۔" فروہ کی بات پر اہمل نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ خوش نہیں تھی تو غمگین بھی نہیں تھی۔ گھر میں اب زیان بن حسان کے رشتے کا ذکر نہیں ہوتا تھا اسے نہیں معلوم تھا کہ اس رشتے سے انکار کردیا گیا ہے یا نہیں اس کے لیے یہی بہت تھا کہ اب امی اور فہد اس رشتے سے ہاں کے لیے اصرار نہیں کرتے۔

وہ جلدی جلدی تیار ہو رہی تھی فروہ نے اسے بلوایا تھا کوئی بہت ضروری کام تھا اس کے اصرار پر بھی فروہ نے کام نہیں بتایا تھا وہ امی کو مطلع کرکے فروہ کی طرف چل دی تھی۔

وہ ابھی فروہ کے محل نما گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی وہ چائے بنانے چلی گئی تھی وہ بائیں طرف دیوار پر لگی پینٹنگز کو دیکھ رہی تھی جب مردانہ بوٹوں کی ٹک ٹک پر اس نے دروازے کی طرف دیکھا زیان بن حسان کو دیکھ کر وہ فوراً" جانے کے لیے کھڑی ہوگئی تھی اسے فروہ سے اس حرکت کی امید نہیں تھی۔

"بیٹھ جاؤ پلیز۔" ان گہری آنکھوں میں التجا تھی اہمل انکار نہیں کر سکی تھی۔ وہ اس کے بالکل سامنے صوفے پر بیٹھ گیا تھا اہمل اسے دیکھنے سے گریز کر رہی تھی اسے یہ ڈر تھا کہیں وہ اپنے ہوش نہ گنوا دے۔ اس میں اہمل رضا کا قصور نہیں تھا زیان بن حسان تھا ہی ایسا۔

"میرا نام زیان بن حسان ہے' میں حسان احمد اور مہتاب حسان کا اکلوتا بیٹا ہوں سات سال بعد بہت منتوں اور مرادوں کے بعد اللہ نے ان کی گود بھری تھی۔ زیان بن حسان کو اپنی اہمیت کا اچھی طرح اندازہ تھا وہ جہاں جاتا تھا محبتیں اس کی منتظر ہوتی تھیں اور وہ ان محبتوں کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتا تھا وہ جہاں جاتا تھا نمایاں رہتا تھا اپنے اکیڈمک ریکارڈ' ذہانت' وجاہت اور شاندار پرسنالٹی کی وجہ سے۔ اسے شروع سے فرنٹ پر رہنے کی عادت تھی وہ کبھی اگنور نہیں ہوا تھا۔" اہمل کو سمجھ نہیں آئی تھی وہ اسے "زیان نامہ" کیوں سنا رہا ہے وہ اگر اسے متاثر کرنا چاہ رہا ہے تو یہ انتہائی فضول حرکت تھی وہ پہلے ہی اس سے متاثر تھی۔

"تمہیں پہلی بار میں نے بیت بازی مقابلے میں دیکھا تھا تم مجھے بالکل عام سی لگی تھیں تمہاری خوب صورتی نے مجھے بالکل متاثر نہیں کیا تھا وجہ یہ تھی کہ میرے سرکل میں تم سے زیادہ خوب صورت لڑکیاں تھیں جو میرے قدموں میں بچھنے کو تیار رہتی تھیں۔" اہمل نے لب کچلتے ہوئے اس خود پسند انسان کو دیکھا تھا وہ فوراً" بیگ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی وہ آج پھر اس کے ہاتھوں اپنی انسلٹ نہیں کروانا چاہتی تھی۔

"بیٹھ جاؤ' ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی' میں آج پوری سچائی سے تمہیں اپنے متعلق بتا رہا ہوں تاکہ تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کر سکو' مجھے زندگی میں کبھی ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ پر تم وہ واحد لڑکی ہو جس نے میرے ہوش اڑا دیے ہیں پہلے مجھے ہرا کر اور پھر میرے رشتے کو ٹھکرا کر۔" وہ اہمل رضا کی برتری تسلیم کر رہا تھا اور یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔

"اس دن تمہاری وجہ سے میری ذات پس منظر میں چلی گئی تھی ہال میں بیٹھے تمام لوگوں کی توجہ تمہاری طرف ہوتی دیکھ کر مجھے تم شدید بری لگ رہی تھیں پھر تمہارا چیلنجنگ انداز مجھے مزید تاؤ دلا رہا تھا میری یہی کوشش تھی کہ میں تمہاری ٹیم کو جلد از جلد مقابلے سے باہر کر دوں اور میں کچھ ہی دیر میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مجھے بے پناہ خوشی ہوئی تھی۔ مجھے لگا تھا' میں نے وہاں بیٹھے ہر شخص کو یہ بات جتا دی ہے کہ 'میں ناقابل شکست ہوں" زیان بن حسان کو ہرانا اتنا آسان نہیں ہے۔

اگلے دن میری زندگی کا بہت برا دن تھا' میں نے اس کے بعد بے حساب کامیابیاں سمیٹیں پر اس ہار کا غم میں نہیں بھول سکا تھا ہار اور وہ بھی ایک لڑکی سے یہ بات میری انا کو کسی طور قبول نہیں تھی تمہارا چہرہ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتا تھا' میں نے سوچ لیا تھا زندگی میں کبھی موقع ملا تو تمہیں نیچا دکھا کر اپنی اس شکست کا بدلہ لوں گا فیس بک پر تم نے مجھے ایڈ کرنے کی ریکویسٹ سینڈ کی تھی جو میں نے ریجیکٹ کر دی تھی اس دن میں تم پر بہت ہنسا تھا تم بھی ایک عام سی لڑکی ہو اور متاثرین زیان میں شامل ہو۔" اہمل سر جھکائے ہونٹ کچل رہی تھی اس نے زندگی میں یہ غلطی کیوں کی۔ کاش وہ وقت کو پیچھے لے جا سکتی۔

"پھر تم مجھے موحد کی شادی میں ملی تھیں "نوجوان نسل کے حالات" پر اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہوئی۔ میں تمہیں فوراً" پہچان گیا تھا پہچانتا کیوں نہیں تمہاری طرف میرا کئی سال پرانا حساب باقی تھا۔

میرا خیال تھا کہ تم اسی لیے میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہو کہ تمہاری طرف میرا حساب رہتا ہے پر اس دن میری یہ سوچ غلط ثابت ہو گئی جانے کیوں تمہاری یوں انسلٹ کر کے میں کچھ بے چین سا ہو گیا تھا تمہاری وہ آنسو بھری آنکھیں جب بھی مجھے یاد آتی تھیں میرا سکون برباد ہونے لگتا تھا پھر فروہ نے مجھے فون

کر کے خوب سنائی۔ غصہ تو مجھے بہت آیا تھا پر میں خاموش رہا۔ وجہ یہ تھی کہ فروہ موحد کی بیوی ہے اور موحد میرا بہت اچھا دوست۔۔۔۔ پھر اس دن تم مجھے یہاں بیٹھے دیکھ کر فوراً واپس چلی گئی تھیں۔۔۔ میں تمہارا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا پر میں نے تمہیں پہچان لیا تھا۔ اس وقت میرے دل نے بڑی شدت سے خواہش کی تھی کہ میں تمہیں دیکھوں۔۔۔ پر میں اس خواہش پر عمل نہیں کر سکا تھا۔

ماما ان دنوں میری شادی کا پلان بنا رہی تھیں وہ مجھے جو لڑکی دکھاتیں میں اسے ریجیکٹ کر دیتا۔ وہ آخر کار تھک گئیں اور مجھ سے میری پسند پوچھنے لگیں میرے دل میں جانے کیا سمائی تمہارا نام لے دیا۔ ماما اگلے ہی دن میرا رشتہ لے کر تمہارے گھر چلی گئیں تمہارے گھر والوں نے سوچنے کا ٹائم مانگا مجھے حیرت ہوئی اتنے شاندار پرپوزل پر میرا نہیں خیال تھا کہ کوئی سوچنے کا ٹائم مانگتا اور وہ بھی جب جبکہ لڑکی میری محبت میں گرفتار تھی۔ پھر یہ انتظار طویل ہو تا گیا تمہارے گھر والوں کی یہ خاموشی میرے صبر کا امتحان لے رہی تھی پھر میں نے فروہ کو تمہارے پاس بھیجا تو تم نے صاف انکار کر دیا کہ تم مجھ جیسے خود پسند انسان سے شادی نہیں کرو گی۔ امل رضا! زیان بن حسان کچھ عرصے پہلے واقعی خود پسند تھا پر وہ اب صرف امل پسند ہے۔ تم نے مجھے چاروں شانے چت کر دیا ہے' میں تمہارے سامنے اپنا دل ہار گیا ہوں اور بڑے کھلے دل سے اپنی ہار تسلیم کرتا ہوں تم پلیز۔۔۔ مجھے ریجیکٹ مت کرو مجھے کبھی کسی نے ریجیکٹ نہیں کیا۔ پلیز مجھے یوں ریجیکٹ مت کرو۔۔۔ میں بکھر جاؤں گا۔" زیان بن حسان اس کے سامنے التجا کر رہا تھا' امل نے اسے دیکھا وہ یوں گڑگڑاتا کتنا برا لگ رہا تھا۔

"میں نے اس دن تمہاری بہت انسلٹ کی تھی' میں بہت شرمندہ ہوں' آئی ایم ویری سوری۔۔۔" امل رضا کو یوں معافی طلب کرتا زیان بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا محبت نے اس سلطان کو گدا بنا دیا تھا۔

"امل پلیز کچھ بولو۔۔۔" امل کی خاموشی پر اس نے بے چینی سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ اتنے پڑھے لکھے ہیں آپ کو نہیں پتا خاموشی کا کیا مطلب ہوتا ہے۔۔؟" امل کے جواب پر زیان نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ امل کے چہرے پر مسکراہٹ تھی محبت کرنے والے سنگدل نہیں ہوتے وہ پھر کیسے سنگدل بن کر زیان کا دل توڑتی۔ وہ تو اس سے محبت کرتی تھی زیان نے تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"تھینک گاڈ تم دونوں کی صلح ہو گئی۔" اسی لمحے ٹرالی میں لوازمات سجائے فروہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔

"تھینک یو سو مچ فروہ' میں آپ کا احسان۔۔۔" زیان بول ہی رہا تھا کہ فروہ نے اس کی بات کاٹی۔

"آپ میرے اس احسان کا بدلہ اتار سکتے ہیں زیان بھائی۔۔۔ میری اس پاگل دوست کو کبھی دکھی مت ہونے دینا۔" فروہ نے زیان کو چائے کا کپ تھماتے ہوئے کہا۔

امل نے "پاگل" لفظ پر فروہ کو گھور کر دیکھا تھا اس کی اس گھوری پر فروہ ہی نہیں زیان بھی ہنس پڑا تھا۔

امل رضا نے ایک طویل سفر کے بعد آخر کار منزل پالی تھی۔

☆ ☆

مکمل ناول

حیا بخاری

"عہنا....." مدھم سی پکار پہ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ چاچی ہاتھ میں کھانے کی ٹرے لیے کھڑی تھیں۔

"اٹھو بیٹا۔ کچھ کھالو۔ کب تک ایسے منہ سر لپیٹ کر پڑی رہو گی۔"

انہوں نے ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ بادل ناخواستہ اسے اٹھنا ہی پڑا۔ لیکن آنکھوں سے بہتے پانی کو وہ نہیں روک پائی تھی۔

"ابو مجھے یوں اکیلے چھوڑ کر کیوں چلے گئے چاچی۔"

وہ ایک مرتبہ پھر رو دی تھی۔

"اکیلے کہاں بیٹا۔ ہم سب ہیں نا تمہارے ساتھ۔ پھر تمہارے باپ نے وصیت بھی تو کی ہے کہ ان کی موت کے بعد تم اپنی ماں کے پاس رہو گی۔ وہاں بھی تم اکیلی نہیں رہو گی۔ تمہاری ماں ہے وہاں تمہارے رشتہ دار....."

"پلیز چاچی۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید کچھ بولنے سے روک دیا۔

"مت لیں میری ماں کا نام۔ مجھے نہیں رہنا ان کے پاس۔ جس ماں کو آج تک کبھی میری یاد نہیں آئی۔ اب یوں اچانک سے وہ میری حقدار بن گئیں۔" تلخ لہجے میں بولتی وہ بکھرنے لگی تھی۔

"تمہارے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ پھر باپ کی وفات کے بعد تمہاری ذمہ داری ماں کے ہی سر آئی ہے۔ ہم سے تمہارا جو بھی رشتہ ہو ماں اور بیٹی کے رشتے سے زیادہ تو نہیں۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں ہے۔ میرے لیے تو آپ ہی سب سے بڑھ کر ہیں۔ آپ نے ہی میری پرورش کی۔ مجھے تربیت دی۔ آپ ہی میری ماں ہیں بس۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"دیکھو بیٹا۔ ٹھیک ہے تمہاری ماں سے بہت سنگین غلطیاں ہوئیں اگر سوچ کہوں تو واقعی ناقابل معافی لیکن پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ وہ تمہاری ماں ہے۔ لیکن میرا تم سے وعدہ ہے کہ بہت جلد تمہیں اپنی بیٹی بنا کر پورے حق سے اس گھر میں واپس لے آؤں گی۔" وہ مسکرائیں عہنا ناسمجھی سے انہیں دیکھے گئی۔

"وقت آنے پر تم سب سمجھ جاؤ گی۔ بس تم بہادر بنو۔ اب آرام سے کھانا کھاؤ۔ اور ہاں اپنا ضروری سامان بھی پیک کر لینا۔ تمہاری ماں کسی وقت بھی تمہیں بلوا سکتی ہے۔ دوسروں کی غلطیوں کی سزائیں کڑھ کڑھ کر خود کو نہیں دیتے۔ اگر زندگی تنگ کرنی ہے تو ان کی کرو یوں خود کو سزا نہ دو۔ شاباش جلدی سے کھانا ختم کرو۔ میں ذرا کچن کی صفائی کر لوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"آپ رہنے دیں چاچی۔ میں کھانا کھا کر کر دوں گی۔" اس نے فوراً انہیں منع کرتے ہوئے کہا۔

"چلو۔ جیسے تم کہو۔ میں پھر ذرا کمر سیدھی کر لوں۔ اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔" انہوں نے

ذرا ٹالے سے دعا دی اور باہر چلی گئیں۔

وہ بددلی سے کھانا کھانے لگی۔ چند نوالے لینے کے بعد ہی اس کا جی متلانے لگا تھا۔ اس نے کھانا واپس میز پر رکھ دیا۔ تبھی اس کی نگاہ سائیڈ ٹیبل پر رکھی اس کے پاپا کی مسکراتی تصویر پر پڑی۔

"ہو سکے تو میری بات پر عمل کرنا بیٹا۔ مجھے پتا ہے میں اور تمہاری ماں ہم دونوں ہی تمہارے گناہ گار ہیں۔ لیکن پھر بھی ہو سکے تو ہمیں معاف کر دینا۔ میں نے اپنی زندگی سے یہ سبق سیکھا ہے۔ کہ بعض اوقات جو کچھ ہمیں دکھائی دیتا ہے وہ پورا سچ نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات اسی بے حد واضح نظر آنے والی حقیقت میں بہت بڑا دھوکہ چھپا ہوتا ہے۔ جس کا ادراک ہمیں تب ہوتا ہے جب وقت ہمارے ہاتھ سے ریت کی طرح نکل جاتا ہے۔ اور پھر ہاتھ آتی ہے صرف ندامت اور پچھتاوا۔"

اے میرے سے کچھ وقت گزر جانے کے بعد یہ
آنے لگے آنکھوں سے پھر آنسو رواں ہو گئے
"ہر شخص تمہیں پینے آئے گا میرا بیت ...

جانا اس کے ساتھ۔ میں ایک دو بار ملا ہوں اس سے۔ کافی اچھا لڑکا ہے۔ اور ہاں ایک بات اور عینا۔ ہمارا ماضی ہمارا تھا۔ تم اپنی زندگی سنوارنے پر توجہ دینا۔ یہ نہ ہو کہ تم تجسس دل میں پیدا کر کے میرے اور اپنی ماں کے متعلق کریدنا شروع ہو جاؤ۔ بعض دفعہ چند حقائق پر پردہ پڑے رہنا ہمارے اپنے ہی فائدے میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اسے سمجھایا تھا۔ مگر یہ حقیقت تھی کہ لفظ اسے یاد تھے۔ مفہوم وہ نہ سمجھ سکی تھی۔

"مجھے کچھ بھی نہیں سمجھنا ابو۔ میری ماں گناہ گار ہیں۔ ساری دنیا جھوٹ نہیں بولتی۔ اور پھر جس ماں کو اپنی اولاد کا خیال نہ ہو۔ اسے اس اولاد پہ کوئی حق نہیں۔ میں صرف آپ کے لیے وہاں پہ جاؤں گی ضرور مگر یہاں واپس آنے کے لیے۔" اس نے سختی سے اپنے آنسو رگڑ کے صاف کیے اور دل ہی دل میں فیصلہ کرتے ہوئے برتن اٹھا کر کچن کی طرف چل دی۔

☼ ☼ ☼

"پھوپھو یہ کچھ کاغذات ہیں۔ آپ انہیں سنبھال کر رکھ لیں اپنے پاس۔" ارتق نے زاہدہ بیگم کو پکارا تو وہ حیرت سے اس کے ہاتھ میں پکڑے اس کاغذات کے پلندے کو دیکھنے لگیں۔

"اس دن تم نے مجھ سے ان کاغذات پر دستخط کرائے تھے۔" بالآخر وہ پوچھ ہی بیٹھیں۔ جو بات انہیں مسلسل تنگ کر رہی تھی۔

"جی پھوپھو۔" وہ ادب سے کہتا ان کے پاس ہی بیڈ پہ بیٹھ گیا۔

"لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کاغذات ہیں کس چیز کے۔"

"اصل میں انکل نے مرنے سے چند دن قبل اپنی دکانیں اور وہ گھر آپ کے نام کر دیے تھے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا تھا اور زاہدہ کو لگا جیسے کسی نے ان کے منہ پر کس کے طمانچہ مار دیا ہو۔

"ارتق... تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئیں۔

"جس شخص نے میری عزت پہ بدنما داغ لگا دیے اس سے یہ تحفہ کیونکر وصول کر لیا تم نے میرے لیے۔" ضبط کے مارے ان کا وجود لرزنے لگا تھا۔

"کیونکہ مجھے یہی ٹھیک لگا پھوپھو۔ یہی بات آپ کی سچائی واضح کرے گی۔ جس شخص نے آپ کی عزت پر الزام لگا کے آپ کو خود سے دور کیا۔ وہ یوں سب کچھ آپ کے نام کر دے۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا آپ کی بے گناہی کا اور پھر ان کاغذات میں واضح طور پر لکھا ہے کہ آپ اور عینا اس سب میں برابر کی حصے دار ہیں اور کسی بھی غلط فیصلے یا آپ کی نافرمانی کی صورت میں عینا کو اس سب سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ سو آئی تھنک کہ آپ سے زیادہ یہ فیصلہ عینا کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا گیا۔ تبھی مجھے یہی کرنا مناسب لگا۔" زاہدہ نے حیرت سے اپنے وجیہہ بھتیجے کو دیکھا تھا۔ جو کبھی کبھی اپنے فیصلوں سے ان سب کو واقعی حیران کر دیتا تھا۔

"اب تو مطمئن ہیں نا آپ؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ زاہدہ نے تشکر بھری نگاہ اس کے چہرے پہ ڈالی۔

"ہاں، لیکن تمہیں کیا لگتا ہے عینا یہاں آئے گی۔ کیونکہ مجھے نہیں لگتا گھر والوں نے اس کے ذہن میں میرے لیے کوئی اچھا تاثر چھوڑ رکھا ہو۔" ان کے لہجے میں اندیشے بول رہے تھے۔

"کانوں سنے اور آنکھوں دیکھے میں بہت فرق ہوتا ہے پھوپھو۔ آپ بس اللہ پر توکل رکھیں۔ اگر انکل پہ آپ کی بے گناہی واضح ہو سکتی ہے تو عینا تو آپ کی اولاد ہے۔ اور اولاد اپنی ماں سے کبھی خفا نہیں رہ سکتی۔" اس نے ان کا کمزور سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تو وہ بھی مطمئن انداز میں سر ہلا گئیں۔

☼ ☼ ☼

"امی، امی میرے کولیکشن سے دو سی ڈیز غائب ہیں۔" سرمد چلاتا ہوا کچن میں آیا تو عینا جلدی سے سر جھکا گئی۔ "توبہ کتنا پکا ہے حساب کتاب کا۔ اب اتنی زیادہ

ہی ڈریز میں سے دو کے غائب ہونے کا بھی اس کو پتا چل گیا۔" اس نے دل ہی دل میں سوچتے ہوئے سرمد کی ذہانت کو داد دی۔

"مجھے کیا پتا۔ اب کیا میں اس عمر میں سی ڈیز سنوں گی۔" چاچی زینب اس کی بات سنتے ہی بھڑک اٹھیں۔

"یہ سب اس کا کام ہے۔" وہ تیزی سے عینا کی طرف بڑھا۔ عینا جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بولو۔ اٹھائی ہیں ناتم نے میری سی ڈیز۔" وہ جانچتی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔

"اتنی ساری الماریاں بھری پڑی ہیں تمہاری۔ ہو سکتا ہے اوپر تلے ہو گئی ہوں۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"ہوئی نہیں، کردی گئیں۔ اور یہ جو الماریاں بھری پڑی ہیں نا۔ ان میں سے تم کچھ بھی اٹھالیتیں تو مجھے خبر نہ ہوتی لیکن تم نے میری سب سے زیادہ پسندیدہ سی ڈیز اٹھالی ہیں۔" بات کے آخر میں وہ زور سے چلایا تھا۔ عینا نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"جلدی بتاؤ کہاں ہیں؟" سرمد نے اس کا بازو پکڑ کے مروڑتے ہوئے کہا۔ عینا کراہ کر رہ گئی۔

"سرمد یہ بات کرنے کا طریقہ ہے۔" چاچی زینب فوراً آگے آئیں۔

"چور سے بات کرنے کا یہی طریقہ ہے۔" وہ بھلا کب کسی کی سنتا تھا۔

"اپنے گھر سے چیز اٹھانا کوئی چوری نہیں ہوتی۔" عینا زبردستی آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی۔

"اپنے گھر سے جو مرضی اٹھالینا۔ مگر یہ میرا کمرا اور وہ میرا کمرہ ہے۔ سو خبردار جو آئندہ کچھ بھی ادھر ادھر کرنے کی کوشش کی ہو۔" اس کے تلخ لہجے میں اجنبیت محسوس کر کے آنسو چھلک ہی پڑے۔

"یہ اس کا بھی اپنا گھر ہے۔ تم کون ہوتے ہو یہ فیصلہ کرنے والے کہ یہ گھر تمہارا ہے یا کسی اور کا۔" چاچی زینب نے اسے کمر پہ دھپ رسید کرتے ہوئے کہا۔ تو وہ کمر سہلاتے ہوئے خفت سے انہیں دیکھنے لگا۔

"کمال ہے امی۔ آپ بھی اسی کی سائیڈ لینا۔" اس نے عینا کا ہاتھ جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے کہا۔

"اور اب کھڑی کیا ہو۔ جاؤ میری سی ڈیز لے کر آؤ۔" وہ پھر سے اس پر چلایا تھا۔ عینا تیزی سے آنکھیں رگڑتی باہر نکل گئی۔

"کتنی بار سمجھایا ہے تجھے اس سے بنا کر رکھ۔ تیرا ہی فائدہ ہوگا۔ اگر یہی چلن رہا نا تیرا تو ایک دن ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔" زینب نے اسے مدھم لہجے میں کہا تو وہ منہ بنا گیا۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کے لیے اداکاریاں کرنے کی اور ویسے بھی یہ چڑیا کیا کرے گی میرا۔ بس اب آپ دماغ نہ کھائیں میرا۔" بے زار لہجے میں کہتا وہ کچن سے باہر نکلنے لگا۔ تو عینا کو اپنی طرف آتے دیکھ کر رک گیا۔ عینا نے خاموشی سے ہاتھ میں پکڑی دو سی ڈیز اس کی طرف بڑھا دیں۔ سرمد نے ایک قہر آلود نگاہ اس پہ ڈالی تھی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کچن میں چلی گئی۔

"عینا خفا ہو گئی ہو۔" زینب فوراً اس کی طرف آئیں۔

"نہیں چاچی۔ بس پتا نہیں کیوں بابا کے مرنے کے بعد مجھے لگتا ہے سرمد کچھ بدل سا گیا ہے۔" نم لہجے میں بولتے ہوئے وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے کھیلنے لگی۔

"ارے نہیں بیٹا۔ ایسا نہیں سوچتے۔ وہ دل کا بہت صاف ہے۔ بس کچھ پریشان ہے ان دنوں تم تو جانتی ہو نا کہ کب سے نوکری کے لیے دھکے کھا رہا ہے۔ بس اسی پریشانی نے اسے چڑچڑا کر دیا ہے۔" زینب اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"مگر اس میں اس کا اپنا بھی تو قصور ہے چاچی۔ کبھی بھی پڑھائی کو سیریس نہیں لیا اس نے۔" وہ سنک میں پڑے برتن دھوتے ہوئے صاف گوئی سے بولی۔

"ہاں یہ بھی سچ کہتی ہو تم۔ اصل میں صدر میں تھیں تین دو کانیں ہیں نا۔ تو اسے کمانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مگر یہ بات اسے کون سمجھائے۔" عینا نے حیرت سے چاچی کو دیکھا۔ جہاں اب افسوس کی جگہ

غرور نے لی تھی۔ وہ مایوسی سے سر ہلا گئی۔

"اچھا سنو۔ ذرا کھانا بھی نکالو۔ آج سر میں بڑا درد ہے۔" چاچی نے سبزی اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"چاچی۔ میں نے کتنی بار آپ کو کہا ہے کہ کاموں کی فکر آپ نہ کیا کریں۔ میں سب کر لیا کروں گی۔ مگر آپ ہیں کہ پھر بھی جان ہلکان کرتی رہتی ہیں۔ جائیں آرام کریں اب۔" وہ محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگائے ہوئے بولی۔

"اللہ تجھے سکھی رکھے بیٹا۔" وہ دعائیں دیتی باہر چلی گئیں اور وہ دوبارہ سے سرمد کے رویے کو سوچتی اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"ارشق ــــ" عابدہ بیگم نے ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے آواز دی۔ تو وہ جو بیڈ پہ آڑا ترچھا لیٹا لیپ ٹاپ پہ مصروف تھا۔ فوراً سیدھا ہوا تھا۔

"جی امی۔" اس کی مدھم سی آواز پہ وہ مسکراتی ہوئی اندر آئی تھیں۔

"کچھ تصویریں دی تھیں تم کو۔ کہاں ہیں۔" وہ تیز نظروں سے اس کا چہرہ جانچتے ہوئے بولیں۔

"کون سی تصویریں امی۔" وہ سادہ سے لہجے میں بولا تو عابدہ بیگم کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔

"ارشق۔ کب سدھرو گے۔ تیس سال سے اوپر کے ہو رہے ہو۔ مگر حرکتیں اب بھی بچوں والی۔ ارے تمہارے سارے دوست گھر بار والے ہو گئے۔ اور تم ــــ" وہ غصہ ہوئیں۔

"اور میں کیا ــــ امی؟ الحمدللہ۔ میرا بھی گھر بار ہے سڑک پہ تو نہیں رہتا نا۔" وہ مسکرایا۔

"توبہ کرو ــــ میں نے یہ گھر بار کب کہا۔ میرا مطلب بیوی بچوں سے تھا۔" وہ کان چھوتے ہوئے بولیں۔

"اپنے سب دوستوں سے اچھی زندگی جی رہا ہوں بغیر بیوی بچوں کے۔" وہ سر کھجاتے ہوئے شرارت سے بولا۔ تو وہ مزید تپ گئیں۔

"تم نے تصویریں دیکھیں یا نہیں مجھے سیدھی طرح جواب دو۔" اب کی بار انہوں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"سوری امی۔ آپ نے جو کل لفافہ دیا تھا۔ وہ جوں کا توں میرے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھا ہے۔ مجھے نہیں دیکھنی یہ تصویریں۔ میں نے کہا نا جہاں مرضی میرا رشتہ کر دیں مگر اس کام کے لیے مجھے مجبور نہ کریں۔" وہ سر جھکا کر بولا۔ عابدہ بیگم خشمگیں نظروں سے اسے گھورتی رہ گئیں۔

"مگر کیوں۔ کیا تم مجھے وجہ بتا سکتے ہو۔ آخر تمہیں لڑکی خود پسند کرنے میں کیا اعتراض ہے۔" وہ خفا لہجے میں بولیں۔

"امی۔" وہ اٹھ کر بیڈ سے نیچے اتر کر ان کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔

"عورت کو اتنا ارزاں نہ کریں امی۔ آپ تو خود عورت ہیں۔ عورت تو قابل عزت' قابل احترام ہستی اور مخلوق ہے اللہ پاک کی بنائی ہوئی۔ یوں اپنی خواہش کے لیے کسی کا چہرہ دیکھنا' حسن کا ایک ایک نقش تلاشنا' اپنی پسند کے مطابق کسی کو قبولنا کسی کی ہتک کرنا اور کسی کو مکمل طور پر رد کر دینا' ہمارے مذہب میں اس کی گنجائش کہاں نکلتی ہے۔ ہم پڑھے لکھے لوگ ہی اگر اپنی اقدار' اپنے مذہب اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو نہیں سمجھیں گے' ان کے احکامات سے روگردانی کریں گے تو حوا کی بیٹی یوں ہی کبھی خاکی لفافوں میں قید نیلام ہوتی رہے گی اور کبھی حسن' رنگت' امیری' غریبی یا جہیز کی لعنت کی وجہ سے بے مول ٹھہرائی جاتی رہے گی۔" وہ ماں کا ہاتھ تھامے بولے جا رہا تھا۔

"مگر بیٹا۔ ان کے ماں باپ نے خود رشتہ کرانے والوں کو اپنی بیٹی کی تصویریں دی ہیں۔ میں نے نہیں ــــ" انہوں نے کمزور سی دلیل دی۔ "ہو جاتا ہے امی ۔ انسان کئی بار بے حد کمزور ہو جاتا ہے۔ قسمت سے لڑ لڑ کے تھک جاتا ہے۔ مگر ایسا تب ہی ہوتا ہے جب وہ

اللہ کے در کا آسرا چھوڑ کے اس قدر رذیل حیلے رکھنا شروع کر دیتا ہے۔ کبھی اسے یہ تک پتا نہیں چلتا کہ اپنے ہاتھوں اپنی سب سے بڑی متاع لٹانے جا رہا ہے۔ میں خود ایک بہن کا بھائی ہوں امی۔ اللہ کبھی مجھے اتنا مجبور نہ کرے اور مجھے یقین ہے کہ اللہ ہی ہمارے لیے ساتھی چن لیتا ہے اور مجھے وہ ساتھی دل و جان سے قبول ہے۔ اس کی شکل' اس کا اسٹیٹس جیسا بھی ہو۔ وہ میری شریک حیات ہو گی تو میرے لیے قابل عزت ہو گی۔ قابل محبت ہو گی۔" وہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ عابدہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"لوگ کہتے ہیں میرا بیٹا بہت خوب صورت ہے۔ لیکن تم تو بے حد خوب صورت ہو ارشق۔ جیسا باہر ویسا اندر۔ تم نے میرا دل خوشی سے بھر دیا بیٹا۔ اللہ تم جیسا بیٹا ہر ماں کو عطا کرے۔" انہوں نے پیار سے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا۔ تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"اوہو۔ بڑا پیار آ رہا ہے بھابھی آج تو میرے بھتیجے پہ۔" تبھی زاہدہ بیگم اندر آئی تھیں۔

"سب کو ہی آتا ہے پھوپھو۔ آپ کا بھتیجا ہے ہی اتنا پیارا۔" وہ شریر مسکراہٹ لبوں پہ سجائے بولا۔

"ہاں ہاں' ماشاء اللہ۔ اس میں تو کوئی شک نہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔

"ارے ہاں یاد آیا۔ ارشق عینا کو لینے کب جاؤ گے تم۔" اچانک ہی عابدہ کو یاد آیا تو انہوں نے پوچھ لیا۔

"اسی شہر میں ہی تو ہے امی۔ سوچ رہا ہوں کل چلا جاؤں۔ ویسے بھی کل آف ہے۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ویسے مجھے تو پریشانی سی ہے۔ نہ جانے وہ یہاں کیسا بی ہیو کرے۔" عابدہ نے زاہدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نارمل تو وہ نہیں ہو گی۔ بلکہ میرے خیال میں تو کچھ زیادہ ہی ری ایکٹ کرے گی۔ اب پتا نہیں میرے بارے میں اس نے کیسی تصویر بنا رکھی ہے اپنے ذہن میں۔" زاہدہ سوچ کر ہی اداس ہونے لگیں۔ ارشق نے فوراً" ہی انہیں خود سے لگا لیا۔

"ڈونٹ وری پھوپھو۔ آپ سے کہا نا کہ لوگ جو آپ کا تصور بناتے ہیں وہ اتنا انمٹ نہیں ہوتا۔ آپ لوگوں کے دلوں پہ جو نقش چھوڑتے ہو وہ بہت دیرپا اور پائیدار ہوتے ہیں اور آپ سے کوئی متاثر نہ ہو۔ ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں مگر تم جتنی جلدی ہو سکے اسے یہاں لے آؤ۔ باپ زندہ تھا تو اور بات تھی۔ اب ان لوگوں سے کسی بھی بھلائی کی امید رکھنا مجھے ٹھیک نہیں لگتا۔ یہ نہ ہو کوئی چال چل جائیں اور احمد بھائی کی ساری تدبیر دھری کی دھری رہ جائے۔" عابدہ نے پریشان لہجے میں کہا۔

"ایسا کچھ نہیں کر سکتے۔ وصیت نامہ کی کاپی ان کو بھی مل چکی ہو گی۔ سو ایسی پریشانی والی فی الحال تو کوئی بات نہیں۔" ارشق نے ان کو تسلی دلائی۔

"ہاں یہ بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔" زاہدہ بھی مطمئن ہو گئیں۔

"چلیں پھوپھو۔ خوش ہو جائیں۔ کل آپ کی لاڈلی آپ کے پاس ہو گی۔" وہ مسکراتے ہوئے پھوپھو سے آ لپٹا تھا۔ جن کی آنکھیں خوشی کی موتیوں سے جھلملانے لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"سامان پیک کر لیا عینا۔" وہ ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی۔ جب چاچی اس کے پاس چلی آئیں۔

"کچھ سامان رکھا ہے۔ کچھ پیکنگ ابھی باقی ہے۔ دل ہی نہیں کر رہا۔" وہ کتاب ایک طرف رکھ کے اداسی سے بولی۔

"دل تو میرا بھی نہیں کر رہا کہ تمہیں خود سے جدا کروں۔ مگر خونی رشتوں اور منہ بولے رشتوں میں بہت فرق ہوتا ہے بیٹا۔" وہ اس کے قریب ہی پڑی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"میں یہ فرق مٹا دوں گی چاچی جان۔ خونی رشتوں کو ٹھوکر مار کے آپ کے پاس چلی آؤں گی۔" وہ پختہ لہجے

میں بولی۔

"مجھے تم پہ پورا یقین ہے عینا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جسے عینا نے مضبوطی سے تھام لیا۔

"سچ میں سوچتی ہوں تو ابھی کل کی ہی بات لگتی ہے۔ جب تمہاری ماں نے اس گھر پہ قیامت توڑی تھی۔ لاکھ بھلانے کی کوشش کرتی ہوں۔ مگر پھر بھی کوئی عورت اتنا کیسے کر سکتی ہے۔ احمد بھائی جیسے شریف اور باکردار شخص کی بیوی اور پھر ایک معصوم فرشتے جیسی بیٹی کی ماں۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولیں۔ عینا لب کچلنے لگی۔

"احمد بھائی تو ٹوٹ گئے۔ بکھر گئے۔ تمہاری خاطر انہوں نے تمہاری ماں کو معاف بھی کرنا چاہا۔ مگر صرف دو ماہ کی گڑیا کو چھوڑ کے وہ اپنی زندگی جینے ہمیشہ کے لیے یہ گھر چھوڑ گئی۔" وہ باقاعدہ رونے لگیں۔ عینا کی آنکھوں میں چبھن سی اتری۔

"تمہیں اور احمد بھائی کو سنبھالتے سنبھالتے یہ زخم بھر ہی گئے۔ مگر آج بھی بنت حوا کا یہ روپ دل لرزا دیتا ہے۔ عینا تم جا رہی ہو بیٹا۔ مگر مجھ سے وعدہ کرو۔ اپنی ماں' اپنے ننھیال کا اثر نہیں لوگی' تم اپنے بابا کی بیٹی ہو۔ میری بیٹی ہو اپنے عمل سے ثابت کرو گی۔ بولو کرو گی نا۔" انہوں نے سختی سے آنسو رگڑ کے اس سے وعدہ لیا۔ وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

"آپ فکر نہ کریں چاچی۔ میں ان لوگوں کو ان کا اصل چہرہ دکھا کے شرمندگی کے اتھاہ سمندر میں غرق کروں گی۔ مگر خود کو کبھی ان جیسا نہیں بننے دوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔" وہ پرعزم لہجے میں بولی۔

"اچھا اب تم جلدی سے پیکنگ کر لو۔ ارشق کا فون آیا تھا۔ کل تمہیں لینے آئے گا وہ۔" بالآخر انہوں نے اسے خبر سنائی۔

"کل۔" وہ اداس ہوئی۔

"ہاں' مجبوری ہے۔ لیکن تم اداس مت ہونا اور ہاں مجھ سے اور سرمد سے رابطے میں رہنا۔ تاکہ یہ لوگ اس زعم میں نہ آئیں کہ تم ہمیں چھوڑ کے مکمل طور پہ ان سے رشتہ بنانے چلی ہو۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"فکر ہی نہ کریں چاچی آپ کو پتا ہی نہیں کہ وہ خود مصیبت کو گلے لگا رہے ہیں۔ تنگ آ کے خود واپس نہ بھیج دیا تو عینا نام بدل دیجیے گا۔" اس نے جیسے چیلنج لیا۔ چاچی اس کے اس انداز پہ کھل کے مسکرا دیں۔

"اچھا' چلو اب جلدی سے پیکنگ کر لو۔ تاکہ وہاں پریشانی نہ ہو تمہیں۔ کچھ چاہیے تو بتا دینا۔ میں لا دوں گی بازار سے۔" عینا ان کی بات پہ سر ہلا گئی۔

✲ ✲ ✲

وہ رگڑ رگڑ کے صحن دھوئے جا رہی تھی۔ جب ڈور بیل کی تیز آواز نے اسے جھنجلا کے رکھ دیا۔

"اس وقت کون آ گیا۔" وہ غصے سے بڑبڑائی۔ گھر پہ اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ سو دروازہ اسے ہی کھولنا تھا۔ اس نے غصے سے پائپ ایک طرف پھینکا اور تار سے دوپٹا اتار کر سلیقے سے خود کو اچھی طرح ڈھانپ کر گیٹ کھول دیا۔ دروازے کے اس پار کھڑے سفید شرٹ اور بلیک جینز میں بے نیاز سادہ سا شخص ایک دفعہ ہی بیل بجا کے مطمئن سا گاڑی سے ٹیک لگا کے کھڑا تھا۔ وہ چپ چاپ اس نوجوان کو دیکھے گئی جو اس وقت اپنی کمال بے نیازی سے کسی ریاست کا شہزادہ لگ رہا تھا۔

"اگر میں اتنا خوب صورت لگ رہا ہوں تو گھر میں بٹھا کے آرام سے بھی دیکھا جا سکتا ہے محترمہ۔" نہ جانے وہ کب اس کے قریب آ کر بولا تھا۔ وہ چونک گئی۔ گہری کالی آنکھوں میں شرارت کی تیز چمک لیے وہ اسے گھور رہا تھا۔

"نن' نن' نہیں تو۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"ارشق ہوں۔ آپ غالباً" عینا۔ تعارف تو ہو گیا اب اگر اجازت ہو تو اندر آ جاؤں یا یہیں سے میرے ہم سفر ہونا ہے۔" وہ کتنا بولتا تھا اور شاید بولتا بھی بنا سوچے سمجھے تھا۔ عینا نے کڑھ کے سوچا تھا۔

"میں گیسٹ روم کھول دیتی ہوں۔ آپ بیٹھ

جائیں کچھ دیر۔ اصل میں گھر پر کوئی نہیں ہے تو...“
وہ تھوڑی متذبذب تھی۔

”رہنے دیں۔ آپ تیار ہو جائیں۔ میں ذرا یہاں قریب ہی ایک کام نبٹا کے آتا ہوں۔“ اس نے سہولت سے انکار کرتے ہوئے کہا۔ عینا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ تو سوچ رہی تھی۔ اس کے اکیلے ہونے کا سن کر وہ چہک اٹھے گا۔ تبھی اس کی نگاہ سامنے گلی میں چاچی پر پڑی تھی۔

”چاچی آگئیں۔ آپ ان کے ساتھ بیٹھیں۔ میں سامان لے کے آتی ہوں۔“ وہ تیزی سے کہہ کر اندر چلی گئی۔

زینب بی بی نے ایک گہری نگاہ دروازے کے سامنے جمے لڑکے پہ ڈالی تھی۔

”سلام چاچی۔“ پورے اعتماد سے مکمل مسکراہٹ کے ساتھ پیار بھرا سلام آیا تھا۔ زینب منہ بنا کے رہ گئیں۔

”اندر آجاؤ۔“ سلام کا جواب دیے بغیر ہی گھر میں داخل ہوتے ہوئے ارشق کو بھی حکم صادر ہوا۔ وہ کان کھجاتا ان کے پیچھے ہولیا۔

”بیٹھ جاؤ۔ میں عینا کو بلاتی ہوں۔“ تخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک اور حکم دیا گیا۔ جو من و عن قبول کیا گیا۔

”عینا تیار ہو بیٹا۔“ وہ اندر آکے عینا سے بولیں۔ وہ خاموشی سے اثبات میں سر ہلا گئی۔

”میری باتیں تو یاد ہیں نا بیٹا۔ مجھے مایوس مت کرنا۔“ انہوں نے مضبوطی سے عینا کا ہاتھ تھاما۔

”کبھی نہیں چاچی۔ میں آپ کی باتیں بھلانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔“ وہ پورے عزم سے بولی۔

”چلو تم اپنا سامان نکالو۔ میں اس کے ساتھ باہر بیٹھتی ہوں۔“ وہ اس کا گال سہلاتے ہوئے باہر چلی گئیں۔ عینا نے سوٹ کیس دھکیلا۔ مزید کچھ کپڑے رکھے اور باہر آئی تو ارشق جو مسلسل بولے جا رہا تھا۔ ”خاموش ہو گیا۔ چاچی نے فوراً“ اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

”چلیں۔“ مکمل اعتماد سے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ کچھ دیر پہلے والی حواس باختگی یکسر غائب ہو چکی تھی۔

”آپ کے گھر میں کچھ مہمانوں کو بہت اچھے سے رخصت کر دیا جاتا ہے۔ رہ گئے پیچھے ہم۔“ بہت ہی دلفریب مسکراہٹ سجائے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تھا۔ جس پہ جھنجلائی آنکھوں میں ایک دم سے شرارت چمکی تھی۔

”صرف غیر مہمانوں کے ساتھ ورنہ اچھے لوگوں کی تو بہت قدر کی جاتی ہے۔“ لہجے میں تیکھا پن سموئے اس نے کرارا سا جواب دیا۔

”اوہ۔ واؤ۔ بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا پھر تو آپ سے۔“ سامنے کھڑے اس لمبے چوڑے بندے کو جیسے رتی برابر بھی پروا نہ ہوئی۔ عینا منہ بنا کے رہ گئی۔

”چلیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بڑی جلدی ہے۔ شیور۔ مجھے بھی انتظار نہیں ہو سکتا ہے۔“ ارشق نے کندھے اچکائے۔ عینا غصے سے دیکھ کے رہ گئی۔ اور پھر کچھ دیر بعد ہی وہ دونوں ارشق کے گھر کی طرف رواں تھے۔

٭ ٭ ٭

گیٹ کے اندر قدم دھرتے ہی اسے انجانی سی خوشی نے گھیرا تھا۔ دل ایک دم ہی کسی بے نام ترنگ جیسے وہ ان ہی راہوں کی متلاشی رہی ہو۔ جیسے برسوں سے کسی نہاں خانے میں اندر ہی اندر یہ خواہش پنپ رہی تھی۔ وہ خود بھی حیران ہوتی گیٹ کے سامنے بنی لمبی سی سفید پتھروں کی روش پہ چلتی آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ ارشق نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کی تھی اور اب سامان اٹھائے اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔ وہ بہت محویت سے ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ گھاس کا ایک حصہ مکمل طور پہ سفید ماربل پہ مشتمل تھا جبکہ دوسری طرف بہت خوب صورت لان تھا۔ جس میں رنگ برنگے کھلتے پھول آنکھوں کو عجیب سی سرخوشی

بخش رہے تھے۔
اس کا دل چاہا بھاگ کے لان میں گھس جائے۔ ننگے پاؤں نرم نرم سبز گھاس کو محسوس کرے۔ پھولوں کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھے۔ پودوں کو محسوس کرے۔ تبھی گھر کا اندرونی دروازہ کھلا تھا۔ اس نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ وہ کوئی ادھیڑ عمر خاتون تھیں۔ سفید لباس اور بڑے سے ململ کے سفید دوپٹے میں ان کا چہرہ عجیب سے نور سے دمک رہا تھا۔ ان کے چہرے میں عجیب سی کشش تھی۔ **عینا** کے قدم تھم سے گئے۔ وہ چاہ کر بھی ان کے چہرے سے نگاہ نہ ہٹا پائی۔

"**عینا**۔" ان کی بجھی بجھی سی آنکھوں میں روشنی سی چمکی تھی **عینا** کو دیکھ کر وہ ذرا سا چونکی۔

"میری بچی۔" وہ سیدھا آ کر **عینا** سے لپٹ گئیں۔ **عینا** اپنی جگہ سے ہل بھی نہ پائی۔ دل میں ان کی قربت پاتے ہی عجیب سی ٹھنڈک اترنے لگی۔ وہ جو دل میں نہ جانے کیا کیا سوچ کر آئی تھی۔ ساری نفرت ساری ناراضی کہاں جا چھپی تھی۔ وہ کچھ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کا سارا وجود شل سا ہو گیا تھا۔ ماں کی محبت ہر ایک جذبے پہ' ہر ایک شدت پہ حاوی ہونے لگی تھی۔

"کیسی ہو **عینا**۔" وہ بے آواز رو رہی تھیں۔ بار بار اس کا چہرہ دیکھتیں' اس کا ماتھا چوم لیتیں۔ اس کے ہاتھوں پہ بوسہ دیتیں۔ کتنی بے قراری تھی ان کے ایک ایک انداز میں۔ کیا وہ واقعی ان کے لیے کچھ تھی۔ اس نے اسے پورے وقت میں پہلی بار کسی منفی سوال کو ذہن میں جنم دیا تھا اور پھر ایک پل لگا تھا ساری نفرت سارا گلہ ابھرنے میں۔

اور یہی سچ ہے کہ جب ہم اچھائی میں ذرا سا منفی پہلو تلاش کرتے ہیں تو وہ ننھا سا پہلو ساری اچھائی پہ غالب آنے لگتا ہے۔ اچھائی کا رنگ مدھم پڑنے لگتا ہے۔ دل میں خدشات اور دوسروں کے بارے میں غلط آرا۔ خود بخود دل کے آئینے پہ شبیہ دینے لگتی ہیں۔ یہی سب **عینا** کے ساتھ ہوا تھا۔ ماں کا لمس ان کی خوب صورت پرنور شخصیت اور سب ایک لمحے میں اپنی خوب صورتی کھو چکے تھے۔ حاوی تھا تو بغض اور عداوت' کدورت کا جذبہ۔

"پھوپھو اندر چلیں یا سارے عرصے کی پیاس یہیں کھڑے کھڑے بجھانی ہے آپ نے۔" ارشق ان کے قریب آ کر بولا تو وہ دونوں ہی چونک پڑیں۔ ارشق نے ایک گہری نگاہ ڈالی **عینا** کے چہرے پہ۔ جہاں عجیب سی بے نیازی طاری تھی۔ وہ واضح طور پہ محسوس کر سکتا تھا۔ کہ **عینا** کے انداز میں پھوپھو والی گرمجوشی مفقود تھی۔

"کافی روڈ ہیں محترمہ۔ کہیں انگلیاں ٹیڑھی ہی نہ کرنی پڑیں پھوپھو کو۔" ارشق نے دل ہی دل میں اندازہ لگایا۔

عابدہ مامی' مائرہ سب اس سے بہت اچھی طرح پیش آئے۔ گھر جتنا باہر سے خوب صورت تھا۔ اندر سے اس سے بھی زیادہ۔ سب کچھ سلیقے سے سجا تھا اور جو بات اسے سب سے زیادہ پسند آئی۔ وہ اندر باہر پودوں کی کثرت تھی۔ گھر کے اندر بھی سجاوٹ کے لیے کئی اقسام کے پودے بہت ہی خوب صورتی سے سجا رکھے تھے۔

اس کی خاموشی کی وجہ سے کوئی بھی اس سے زیادہ فری نہ ہو سکا تھا۔ سوائے مائرہ کے۔ وہ تقریباً" اس کی ہم عمر ہی تھی۔ تبھی مسلسل اس کے ساتھ لگ کے بیٹھی تھی۔ اس کے نولفٹ والے انداز کو نظر انداز کیے وہ نہ صرف اسے سب کے متعلق آگاہی فراہم کر رہی تھی۔ بلکہ زبردستی اسے ساتھ لگائے سارا گھر بھی دکھا رہی تھی۔

"یہ کمرہ میرا ہے۔ اور اب تم بھی میرے ساتھ رہو گی۔ یا اگر تمہیں پرابلم ہو تو......" وہ ایک کمرے میں اسے لے جاتے ہوئے بولی۔

"ہاں پلیز مائرہ۔ مجھے اپنا روم شیئر کرنے کی عادت نہیں ہے۔" وہ شاید پہلی بار بولی تھی۔ مائرہ چپ سی ہو گئی' **عینا** کو اچھا نہ لگا۔

"آئم سوری۔ اگر تمہیں برا لگا۔" اس نے فوراً"

معذرت کی۔
"ارے نہیں۔ یہ تو اچھی بات ہے۔ میں تو خوش ہوئی کہ تم نے مجھ سے بات تو کی۔" مائرہ مسکرا کر بولی۔
"تو پھر ایسا کرو۔ تم یہ ساتھ والا روم لے لو۔ یہ بھی تمہیں بے حد پسند آئے گا۔" وہ اسے فوراً" ساتھ والے کمرے میں لے آئی۔ اور واقعی وہاں آکر اس کا دل خوش ہو گیا تھا۔ کمرہ کافی کشادہ تھا اور ایک طرف بک شیلف رکھا تھا جس میں کافی کتابیں تھیں۔ بیڈ کے بالکل ساتھ بڑی قدرے لمبی مستطیل شکل کی میز پہ سی ڈی پلیئر اور کافی ساری سی ڈیز رکھی تھیں..... وہ بے حد خوش ہوئی۔ کمرے کے ساتھ ملحقہ ٹیرس دیکھ کے تو اس کا دل جھوم اٹھا۔ ایسے گھر کے تو بس وہ خواب دیکھا کرتی تھی۔
"کیسا لگا؟" مائرہ نے اسے یوں چپ چاپ کھڑا دیکھ کر پوچھا۔
"بہت اچھا' بے حد اچھا۔" وہ واقعی خوش تھی۔ مائرہ مسکرا دی۔
"اچھا تم فریش ہو جاؤ۔ پھر نیچے آجاؤ کھانا کھائیں گے۔" مائرہ نے کہا۔
"نہیں میں یہیں کھالوں گی۔ پلیز تم ادھر ہی لے آؤ۔" وہ ایک دم سے بولی۔
"جیسے تم کو آسانی ہو۔ اس میں کیا ایشو ہے۔" وہ لاپرواہی سے بولی۔
"میں ابھی لے آتی ہوں۔" وہ مڑنے لگی۔
"سنو۔" مائرہ رکی۔
"یہ کمرہ۔ آئی مین اس کی سیٹنگ کس نے کی ہے؟" وہ اتنی دیر میں کتابوں اور سی ڈیز کو اچھی طرح جانچ چکی تھی اور یہ حیرت کی بات تھی کہ اس گھر میں کوئی تھا جو اس کا ہم ذوق تھا۔
"ویسے تو یہ روم پہلے بھائی کا ہوا کرتا تھا۔ مگر یہ سب بھائی اور پھوپھو کے مشترکہ شوق ہیں۔ اب کچھ عرصے سے یہ شوق کچھ دب سا گیا ہے۔ کیوں کہ بھائی بہت مصروف ہو گئے ہیں۔ ورنہ تو ٹھیک ٹھاک محفل جما کرتی تھی اس کمرے میں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور باہر چلی گئی۔
"مطلب بوریت تو نہیں ہونے والی۔ ٹھیک ٹھاک انجوائے کروں گی میں یہاں۔" پر مسرت انداز میں وہ ایک ایک کر کے سی ڈیز دیکھنے لگی۔

☆☆☆

اس نے نہ صرف کھانا کمرے میں کھایا تھا۔ بلکہ دوبارہ کمرے سے باہر نہ نکلی تھی اور حیرت کی بات یہ تھی کہ امی یا ماموں کسی نے بھی اسے ڈسٹرب کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ وہ یہاں سب کو فیس کرنے آئی تھی' ان سب پر واضح کرنے آئی تھی کہ وہ ان سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی۔ مگر وہ خود نہ جانے کیوں ان سب کے سامنے نہیں جا پا رہی تھی۔
رات کا ہی کوئی پہر تھا۔ نئی جگہ تھی شاید۔ تبھی اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ تبھی آہستہ سے دروازہ کھلا تھا۔ اس نے ذرا سا آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ کوئی اور نہیں اس کی ماں تھی۔ دل جیسے آپے سے باہر ہونے لگا۔ اس نے جلدی سے آنکھیں موند لیں۔ زاہدہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے پاس آ ٹھہریں۔ انہوں نے کچھ زیر لب پڑھ کر اس کے اوپر پھونکا۔ کچھ دیر یونہی جیسے اس کے چہرے کو اپنی آنکھوں میں جذب کیا اور پھر اس کے ماتھے پہ اپنی محبت ثبت کر کے آہستہ سے ویسے ہی پلٹ گئیں جیسے آئی تھیں۔ عینا نے حیرت سے آنکھیں کھولیں۔ پیشانی پہ ٹھنڈک کا عجیب سا احساس جیسے ثبت ہو کے رہ گیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ماں کو سوچنے لگی۔ ان کا لباس' ان کا انداز اور خاص کر ان کا روپ سب کچھ قطعی مختلف تھا اس سے جیسا اس نے سوچ رکھا تھا۔ سوچتے سوچتے نہ جانے کب وہ نیند کی گہری وادیوں میں اتر گئی۔

☆☆☆

"واؤ۔ مائرہ۔ کتنی پیاری چوائس ہے تمہاری۔" وہ نیچے آئی تو لاؤنج میں مائرہ قالین پہ بہت سے پرنٹ پھیلائے کپڑوں کی جانچ پڑتال میں مصروف تھی۔ سب کپڑوں کے رنگ' پرنٹ سبھی زبردست تھے۔

عینا نے دو کاٹن اور ایک لان کا سوٹ اٹھا کر صوفے پہ رکھتے ہوئے دیکھنا شروع کیے مائرہ مسکرا دی۔

"میری پسند اتنی اعلا کہاں جناب۔ یہ سب تو زاہدہ پھوپھو کی پسند ہے۔" اس نے کہا اور مزید کپڑے لپیٹ کر عینا کے پاس ہی آبیٹھی۔

"ہی کی یہ" تیزی میں اس کے منہ سے پھسلا تھا۔ اندر آتے ارشق کو ایک خوشگوار احساس نے گھیرا تھا۔

"میرا مطلب....." عینا کو شاید اپنے لفظوں پہ شرمندگی تھی۔

"ہاں جی۔ آپ کی امی اور ارشق بھائی ہی لے کر آئے ہیں یہ سب کپڑے۔ گرمیاں اسٹارٹ ہونے والی ہیں۔ تو پھوپھو نے سوچا جتنی جلدی ان کے استقبال کی تیاری کرلی جائے اچھا ہے۔ اب تم بتاؤ تم کو کون کون سے کلر پسند ہیں وہ تم رکھ لو۔ باقی ہم سب بعد میں دیکھ لیں گے۔" وہ محبت بھرے انداز میں بولی۔

"آئی تھنک تم پہ یہ اورنج اور بلیک والا اچھا لگے گا۔" ارشق برابر والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے بولا۔ عینا اور مائرہ نے بیک وقت اسے دیکھا۔

"آپ سے کس نے مشورہ مانگا؟" مائرہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"ہم خدائی خدمت گار ہیں۔ کسی کے مانگنے کا انتظار تھوڑی کرتے ہیں۔" وہ بے فکر انداز میں کہتے ہوئے موبائل سے کھیلنے لگا۔

"تو کیا خیال ہے عینا یہ ٹھیک رہے گا۔" مائرہ نے اب عینا سے پوچھا۔

"میرے خیال میں یہ ریڈ والا اچھا ہے۔ اور یہ پنک والا بھی۔" اس نے مائرہ کی گود میں دھرے کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ کلرز بھی مجھے بے حد پسند ہیں۔" ارشق کی طرف سے ایک اور لقمہ آیا۔ دونوں نے دیکھا وہ اب بھی موبائل کی طرف ہی متوجہ تھا۔

"بھائی....." مائرہ نے خفگی سے کہا تو سیل فون پہ جمی نگاہیں تو اوپر نہ اٹھیں البتہ ہونٹ مسکرا دیے۔

"اچھا سوری۔" وہی بے نیاز سا انداز۔

"کچھ پسند آیا عینا۔" تبھی زاہدہ وہاں آئیں۔

"ہاں پھوپھو۔ یہ ریڈ اور پنک والے پسند ہیں اسے۔" مائرہ فوراً بتانے لگی۔

"میں نے تو یہ سب عینا کے لیے پسند کیا ہے۔ جو پہن لے مجھے سچی خوشی ہوگی؟" وہ محبت پاش نظروں سے اپنی نرم و نازک سی بیٹی کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ عینا کے دل میں کسک سی اٹھی۔

"میں یہاں کسی کو خوش کرنے نہیں آئی۔ صرف اپنے بابا کی وصیت پوری کرنے آئی ہوں۔ آپ پلیز یہ مت سمجھ لیجیے گا کہ میں کبھی بھی ہمیشہ کے لیے آپ کے پاس رہوں گی۔" تلخ لہجہ اور سخت الفاظ ماحول پہ عجیب سی خاموشی چھاگئی تھی۔ ارشق کی نظریں اٹھیں اور عینا کے صبیح چہرے پہ جم گئیں۔

"یہ بات ہم سب جانتے ہیں۔" ارشق نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ تو باقی سب کے ساتھ ساتھ عینا بھی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ جو سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"بھئی سیدھی بات ہے۔ بیٹیاں تو ہوتی ہی پرایا دھن ہیں۔ کسی کو اپنی ماں کے ساتھ نہیں رہنا۔ کیوں مائرہ۔" اس کے لبوں پہ شریر مسکراہٹ تھی۔ "ہاں بات تو صحیح ہے تمہاری۔" کثافت دم توڑنے لگی۔ عینا حیران سی رہ گئی۔ ارشق کے پاس ہر جملے کا جواب رہتا تھا۔ اس نے دیکھا ارشق کی بات پہ اس کی ماں کے ہونٹوں پہ بہت خوب صورت مسکراہٹ تھی۔

"گویا اس شخص کے ہوتے ہوئے میں اس عورت کو اذیت نہیں دے سکتی۔ جو بھی دکھ دینا ہوگا اس کی غیر موجودگی میں ہی۔" دل ہی دل میں سوچا گیا۔

"تم لوگ آرام سے منتخب کرلو۔ کل میں لے جاؤں گی ٹیلرز کے پاس۔ ابھی کچھ آرام کرلوں۔" نرم لہجے میں کہہ کر زاہدہ اٹھ گئیں تو وہ موبائل جیب میں رکھتے ہوئے ان دونوں کے پاس آٹھہرا جو ایک مرتبہ پھر کپڑوں میں کھو چکی تھیں۔

"عینا۔" بہت ہی سنجیدہ انداز میں اسے پکارا گیا تھا۔ اس نے چونک کے سر اٹھایا۔ وہ گھٹنوں کے بل ذرا سا جھکتے ہوئے بیٹھا۔

"زندگی میں کسی کا بھی دل دکھا دو تو شاید اللہ تم پہ رحم کر جائے، تمہیں بخش دے۔ لیکن ماں باپ کا دل دکھانا تمہاری راہ میں خار ہی خار بھر دے گا۔ سو پلیز آئندہ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" اس کے انداز میں اپنائیت بھری دھونس تھی۔ بے حد چمکدار آنکھوں میں عینا نے اپنی جھلک بہت واضح دیکھی تھی۔ تبھی نظریں چرا گئی۔

"مجھے جو ٹھیک لگے گا۔ میں تو وہی کروں گی۔ اور پھر ابھی تو میری ماں مجھے سمجھانے کا کوئی حق نہیں رکھتیں تو آپ یہ زحمت کیوں کر رہے ہیں۔" وہ قطعی طور پہ اجنبی بن گئی۔ ارشق مسکرا دیا۔

"ایک بات بتاؤں۔ جو چیز آپ کو جتنا اٹریکٹ کرے، آپ اتنا ہی اسے ری جیکٹ کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ تمہیں ہم سب میں اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ تبھی تم خوف سے اجنبیت کے پردے میں چھپا لیتی ہو خود کو۔" عینا نے حیرت سے اس کے مسکراتے چہرے کی طرف دیکھا۔

"خیر یہاں رہو گی تو خود بخود ہی جان جاؤ گی کہ کھوٹا اور کھرا کیا ہوتا ہے۔ اصل اور نقل میں کیا فرق ہے۔ ابھی تو میں چلوں۔ پھوپھو نے کافی خوار کیا ہے تم دونوں کی خاطر۔ میں بھی ذرا ستا لوں۔" جتانے والے انداز میں کہتا وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ مائرہ بھائی کے انداز پہ ہنس دی۔

"بہت مان ہے تمہارے بھائی کو خود پہ؟" عینا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو۔ بھائی تو بہت سادہ سے ہیں۔ تم انہیں کزن کی حیثیت سے قبول کرو گی۔ تب انہیں سمجھو گی۔" مائرہ نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں یہاں رشتے بنانے نہیں بلکہ جو تھوڑی سی حیثیت ہے ان رشتوں کی وہ بھی ختم کرنے آئی ہوں۔" وہ تلخی سے بولی تھی۔ مائرہ نے حیرت سے اس پیاری لڑکی کو دیکھا تھا جو لفظوں سے زخم لگانے میں کمال مہارت رکھتی تھی۔

"خیر تم یہ دو سوٹ میرے لیے دے دینا اپنی پھوپھو کو۔ پھر دیکھوں گی کہ پہننا ہے کہ نہیں۔" روکھے لہجے میں کہتے ہوئے وہ اٹھ کر چل دی تھی اور مائرہ الجھ کے رہ گئی تھی اس کے اس قدر اچانک بدلاؤ پہ۔ بس دو پل لگتے تھے اس کا موڈ تبدیل ہونے میں اور یہ بات اسے حیران کر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بھائی، آجاؤں۔" مائرہ نے دروازے پر ہلکی سی دستک دیتے ہوئے پوچھا۔ تو ارشق جو کچھ فائلز میں سر دیے بیٹھا تھا۔ فوراً متوجہ ہوا۔

"آؤ مائرہ۔ چائے لائی ہو۔ واؤ۔" مائرہ کے ہاتھ میں چائے کا کپ دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"مجھے واقعی بے حد طلب ہو رہی تھی۔" فوراً ہی کپ اچک لیا گیا۔ اس کی تیزی پہ مائرہ کھلکھلا دی۔

"بھائی۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔"

"ہاں کہو۔ خیریت تو ہے؟" اسے اچانک ہی یوں خاموش ہوتا دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا۔

"وہ مجھے آپ سے عینا کے متعلق بات کرنا تھی۔"

"پھر۔ پھر کیا کر دیا محترمہ نے۔ کوئی بات ہوئی ہے؟۔"

"وہ اس نے پھوپھو کے بنوائے ہوئے سوٹ سلمٰی کو دے دیے۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"واٹ۔۔۔" اس کی توقع کے عین مطابق ارشق اچھلا تھا۔

"جی بھائی۔ وہ تو سب حیران رہ گئے۔ جب پھوپھو نے عینا کو کہا کہ ان میں سے ایک ابھی پہن لے اور کچھ دیر بعد وہی سوٹ سلمٰی پہنے سب کے سامنے آ گئی۔ میں تو بتا نہیں سکتی آپ کو کہ پھوپھو بے چاری کی کیا حالت ہوئی۔ چپ سی ہو گئیں۔ امی نے سلمٰی کو

ڈانٹا تو وہ بے چاری منہ بسورنے لگی کہ اسے تو عہنا آپی نے سننے کے لیے دیا۔ باقی اسے کچھ پتا نہیں اور واقعی بھائی مسلئے بے چاری کو کیا پتا کہ وہ سوٹ پھوپھو نے عہنا کے لیے بنوائے کیونکہ وہ پورے دو ہفتوں کی چھٹی کے بعد آئی ہے۔" مائرہ کے لہجے میں چھلکتی اداسی ارشق کو مزید طیش دلا گئی۔

"وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں اسے۔"

وہ غصے میں اٹھا۔ مائرہ نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں بھائی۔ یہ طریقہ نہیں۔ ہمیں کچھ اور سوچنا پڑے گا۔"

"کیسے کچھ اور سوچنا پڑے گا۔ وہ اتنی بدتمیزی کیسے کر سکتی ہے اور پھر زاہدہ پھوپھو۔ انہیں کوئی ہرٹ کرے مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔" غصے کے مارے اس کا وجود کانپنے لگا تھا۔ اسی وقت عابدہ اندر آئی تھیں۔

"جو زہر اتنے سالوں اس کے اندر انڈیلتے رہے ہیں وہ لوگ۔ اس کا اثر اتنی جلدی ختم ہونے کی توقع تم کیسے کر سکتے ہو۔" انہوں نے نرمی سے ارشق کو سمجھایا۔

"بچی نہیں ہے وہ امی! اب کافی سمجھ دار ہے۔ اگر اپنی سگی ماں کے ناکردہ گناہ سمجھ سکتی ہے وہ بھی اوروں کے منہ سے تو اتنی عقل تو ہونی چاہیے اس میں کہ اپنی ماں کے اصل روپ کو خود ان کی شخصیت سے بھی پرکھ سکے۔" وہ تلملایا تھا۔

"پاگل ہو تم۔ اگر اس میں عقل ہوتی تو کیا وہ اپنی ماں کو دوسروں کی نگاہوں سے دیکھتی۔ یہی تو اس کی کم عقلی کی دلیل ہے کہ وہ اپنے بجائے دوسروں پہ بھروسہ کر رہی ہے۔ ایسے لوگ ٹھوکر کھا کے ہی سنبھلتے ہیں۔ اور میرے خیال میں اب ہم کچھ بھی کر لیں۔ ٹھوکر سے پہلے اسے کبھی نہیں سدھار پائیں گے۔ ہمیں اب قدرت کی طرف دیکھنا ہو گا۔ صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔" نرمی سے اس کے بال سہلاتی انہوں نے واپس ارشق کو بیڈ پہ بیٹھنے پہ مجبور کیا۔

"تم نے اگر کچھ کرنا ہے تو زاہدہ کو تسلی دے دو۔ اسے سمجھاؤ کہ عہنا کی طرف سے کسی بھی لچک کی توقع کیے بغیر بس اپنا کردار نبھائے۔ عہنا کی باتوں کو دل پہ نہ لے۔ بلکہ اس کی ہدایت کے لیے دعا کرے۔"

"ان شاء اللہ اللہ سب ٹھیک کرے گا۔" مائرہ نے ایک تشکر بھری نگاہ ماں کے چہرے پہ ڈالی تھی۔ جنہوں نے بروقت آ کے بات سنبھال لی تھی۔ ورنہ وہ خود بھی بھائی سے زاہدہ پھوپھو کے لیے ہی بولنے آئی تھی۔ مگر ان کی بات سے پہلے وہ عہنا کی حرکت پہ بھڑک اٹھا۔ عابدہ کی باتوں نے کافی ریلیکس کر دیا تھا اسے۔

"فی الحال تو میں جاتا ہوں پھوپھو کے پاس۔ مگر یہ بات طے ہے۔ کہ عہنا کا علاج بھی سوچنا ہے میں نے۔ اسے سزا تو ضرور دوں گا۔" وہ بھی ارشق تھا۔ کہاں ٹلنے والا تھا۔

"اچھا بھئی سوچ لینا۔ پہلے جاؤ زاہدہ کے پاس۔ اسے تمہاری ضرورت ہے۔ پتا نہیں تمہارے پاس کیا جادو ہے۔ بڑی سے بڑی مشکل سہہ جاتی ہے وہ تمہاری باتوں کے حوصلے سے۔" عابدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"آپ کا بیٹا ہوں نا امی۔ رشتوں کی قدر کرنا انہیں پروان چڑھانا آپ سے ہی سیکھا ہے۔ سو عہنا کو بھی مطلب اس مس فٹ کو فٹ کر کے ہی دم لوں گا۔" اس کی مسکراہٹ لوٹتے دیکھ کر مائرہ نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ عابدہ بھی مسکرا دیں۔

☼ ☼ ☼

اس نے تو سوچا تھا کہ ماں کے اتنے مان سے محبت سے سیئے گئے کپڑے جب یوں وہ ایک کام والی کو دے گی۔ تو وہ کتنا ہرٹ ہوں گی۔ سارے گھر والے کتنا پریشان ہوں گے اور ارشق' اسے پورا یقین تھا کہ ارشق تو بری طرح بپھر جائے گا۔ مگر اس گھر میں تو ویسا ہی سکون تھا۔ وقتی طور پہ اس نے سب کے چہرے اترتے دیکھے تھے۔ مائرہ کی آنکھوں میں اس کی ماں کو دیکھتے ہوئے جو نمی اتری وہ اس نے واضح دیکھی تھی۔ عابدہ مامی کس طرح ساکت ہو گئیں اس نے نوٹ

کر کے دل ہی دل میں تالیاں بجائیں اور زاہدہ' اس کی ماں وہ تو بس ٹکر ٹکر سلمیٰ کو دیکھے گئیں۔ کتنی بے یقینی تھی ان کی آنکھوں میں۔ لیکن اس کے بعد اس کے بعد کیا ہوا۔ وہ سب نارمل ہو گئے۔ سلمیٰ کو کسی نے کچھ بھی نہیں کہا۔ پھر ارشق واپس آیا۔ تب بھی کوئی ری ایکشن سامنے نہ آیا۔ کسی کو اتنی بڑی انسلٹ سے کچھ بھی فرق نہیں پڑا تھا۔

لیکن وہ.... عینا احمد وہ نہ جانے کیوں کڑھ رہی تھی' اسے اندر ہی اندر شرمندگی سی گھیر رہی تھی۔ وہ اس بات سے انکاری تھی۔ لیکن حقیقت سے جتنا بھی انکار کر دیا جائے۔ وہ اپنا آپ آشکار کر کے ہی رہتی ہے۔ اس میں ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ کمرے سے باہر نکلے۔ کسی کا سامنا کرے۔

ان سب کو تو کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ مگر وہ اس کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ لب کچلنے لگی۔

تبھی اسے خیال آیا۔ اس نے تیزی سے سیل فون اٹھا کر سرمد کا نمبر ڈائل کیا۔ نمبر مصروف تھا۔ وہ کچھ دیر سیل پکڑے انتظار کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد دوبارہ وہی نمبر ڈائل کیا۔ اب کی بار کال جا رہی تھی۔ وہ پوری طرح متوجہ ہو گئی۔ مگر اگلے ہی پل اسے شدید جھٹکا لگا جب دوسری بیل پہ ہی اس کی کال کٹ دی گئی۔ اس نے تیزی سے ری ڈائل کیا۔ اس کا مطلوبہ نمبر پاور آف تھا۔ وہ شاکڈ رہ گئی۔ کیا سرمد اتنا بزی تھا۔ آنکھوں میں چبھن سی اتری۔ دروازے پہ ہونے والی ہلکی سی دستک پہ وہ چونکی تھی۔ تیزی سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

"کزن۔ میں اور مائرہ لانگ ڈرائیو پہ جا رہے ہیں چلو گی۔" ارشق کی چہکتی آواز اس کا دل جلا گئی۔

"نہیں۔" تلخ آواز میں چیخ کر جواب دیا گیا۔

"سوچ لیں۔ اکیلے بیٹھنے سے دس منفی خیال آتے ہیں۔ اور منفی خیال بہت سی خلش اور رنجشیں جگا دیتے ہیں دل میں اور پھر وہ خلش درد کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور پھر انسان کی آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں۔" بہت ہی خوب صورت لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ذرا سا دروازہ کھولا تھا۔ سامنے ہی بیڈ پہ پاؤں لٹکائے وہ بیٹھی نظر آئی۔

"موسم بھیگ رہا ہے سو آنکھوں کو تکلیف نہ دیں۔ ہم پندرہ منٹ آپ کا انتظار کریں گے۔ آگے آپ کی قسمت۔" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ پلٹ گیا۔

عینا وہیں بیٹھی سوچتی رہی۔

"کیا ہوا بھئی؟" ارشق گاڑی میں بیٹھا تو پیچھے بیٹھی مائرہ بے صبری سے بولی۔

"دس پندرہ منٹ بعد ہی پتا چلے گا کہ کیا ہوا؟" وہ لاپروائی سے راحت علی خان کے گانے پہ سر دھننے لگا۔ اور صرف دس منٹ بعد ہی اس نے کالے دوپٹے میں چمکتا چہرہ اپنی طرف آتے دیکھا تھا مرر میں۔ اس کے ہونٹوں پہ بہت خوب صورت مسکان آگئی۔

"ارشق زیدی سے کوئی بچ کر دکھائے۔" وہ دائیں آنکھ دباتے ہوئے بولا تو مائرہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ اسے خوشی تھی کہ وہ پھوپھو کے ساتھ ساتھ عینا کو بھی اپنے نزدیک لانے میں کامیاب ٹھہرے تھے۔ اور ان دونوں کو یقین تھا کہ یہی چھوٹی چھوٹی قربتیں ایک نہ ایک دن عینا کو سب حقیقت سمجھنے پہ مجبور کر دیں گی۔

☆ ☆ ☆

"امی میرا نمبر کیوں دیا اس چڑیل کو۔ میں دوستوں میں تھا۔ بار بار کال کر کے سارا مزا خراب کر دیا اس لڑکی نے۔" سرمد گھر میں داخل ہوتے ہی چیخا۔ زینب جو برآمدے میں تخت پہ لیٹی اونگھ رہی تھیں۔ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

"کس چڑیل کو۔" وہ حیرت بھرے لہجے میں بولیں۔ سرمد ایک تاسف بھری نگاہ ان کے چہرے پہ ڈال کر رہ گیا۔

"ایک ہی چڑیل ہے ہماری زندگی میں۔ عینا احمد نام ہے شاید اس کا۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا تھا۔

"کیا عینا کا فون آیا تھا۔ کب کس وقت۔" وہ ایک ہی سانس میں بولیں۔ "تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔"

"جی۔ میں باہر تھا دوستوں کے ساتھ کارڈز کھیل رہا تھا۔ بار بار کال کر کے میرا سارا گیم برباد کیا۔ مجبوراً مجھے موبائل آف کرنا پڑا۔" بے زاری ہی بے زاری تھی سرمد کے لہجے میں۔ زینب بی بی کا دل سر پیٹنے کو چاہا۔

"کب عقل آئے گی تجھے۔ گیم تو برباد ہو ہی گیا تھا نا۔ تو اگر اس کی کال اٹھا لیتے تو قیامت نہ آجاتی۔" اب کی بار ان کا لہجہ تیز تھا۔

"آپ کو بڑی ہمدردی ہے اس سے۔ اتنی عزیز ہے تو یہیں سنبھال کے رکھ لیں۔ مجھ سے نہیں ہوتی اس سے بات وات۔" وہ صاف گوئی سے بولا اور ان کے قریب ہی تخت پہ دراز ہو گیا۔

"مجھے اس سے نہیں تجھ سے ہمدردی ہے۔" وہ غصے سے بولیں۔

"مجھ سے ہمدردی ہوتی تو اس کو میرا نمبر کبھی نہ دیتیں۔" وہ موبائل آن کرتے ہوئے بولا۔

"تیرے بھلے کے لیے ہی دیا۔ تاکہ تجھ سے رابطے میں رہے اور تم دونوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع ملے۔" انہوں نے اس بار پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔

"اس کے قریب۔ سوچنا بھی مت۔ ہے کیا اس میں جو سرمد علی اس کے قریب جانے کا سوچے۔" وہ تلخی سے بولا تھا۔

"تیری سوچ سے بھی بڑھ کر ہے یہ جو گھر ہے نا اتنا بڑا سا۔ یہ تیرے باپ کا نہیں بلکہ اسی عینا احمد کے باپ کا ہے۔ اور وہ جو تین تین دکانوں کا پیسہ تم اور میں اور تمہارا وہ نکھٹو باپ یوں آرام سے بیٹھ کر ہضم کر رہے ہیں نا یہ سب بھی اسی عینا احمد کے باپ کا ہے۔

اور تمہارے باپ کی طرح تمہاری ساری کارستانیاں بھی احمد بھائی سے چھپی نہیں تھیں۔ سو میرا نہیں خیال کہ انہوں نے تم سب کے لیے کچھ سوچا ہو گا۔" وہ تیز لہجے میں بولیں۔ تو سرمد سیدھا ہو بیٹھا۔

"اور پھر جب سے انہوں نے عینا کی سرپرستی اس کی ماں کو سونپی ہے۔ مجھے تو یہ بھی یقین ہونے لگا ہے کہ ضرور جائیداد کے متعلق بھی انہوں نے فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ عینا کو اپنے تئیں تو میں نے خاصا ماں اور اس کے خاندان کے خلاف کر دیا ہے۔ مگر میں جانتی ہوں کہ اچھائی چاہے کتنی ہی مخفی رکھی جائے اپنا آپ منوا کے رہتی ہے۔ اگر سب سچ کھل گیا نا عینا پہ تو ہم سب فٹ پاتھ پہ آجائیں گے۔" ان کی آنکھوں میں سوچ کے سائے گہرے تھے۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں امی۔" سرمد نے تو شاید ایسا کچھ سوچا بھی نہیں تھا۔

"ہاں تو جس کی ماں کو اس گھر میں نہیں ٹکنے دیا اس کی اولاد کو بھلا کیسے سینے سے لگا سکتی ہوں۔ یہ تو احمد بھائی نے زبردستی ڈال دی میری گود میں۔ میں نے بہت چاہا مگر وہ اسے ماں کو سونپنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ ورنہ آج سارا میدان صاف ہوتا۔ اس لیے کہتی ہوں کہ ڈھنگ کا کوئی کام تو کر نہ سکے۔ اب اس کام کو جو خود بخود بن رہا ہے۔ باپ کی طرح بنے بنائے کام کو اپنی نادانیوں سے مت بگاڑو۔" انہوں نے سرمد کا کان پکڑ کے کھینچا۔

"چل اب فون لگا۔ میں خود منالوں اس کو۔" زینب نے کہا تو وہ سرہلا کے فون ملانے لگا۔ دوسری طرف بیل جاتی رہی۔ دو تین مرتبہ ملانے کے بعد اس نے فون ملانا بند کر دیا۔

"میرے خیال میں ابھی فون اس کے پاس نہیں ہے۔ میری مس کالز دیکھے گی تو دوبارہ کرلے گی فون آپ کی بات کرا دوں گا۔ تب تک میں ذرا نیند لے لوں۔" وہ انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔

"ساری عمر ایسے کسی نازک جوان دوشیزہ کی طرح انگڑائیاں لیتے گزار دو اپنے باپ کی طرح۔ شرم کرلو کچھ۔" زینب نے اسے پیچھے سے پکارا مگر وہ بنا توجہ کیے اپنے کمرے میں گھس گیا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

رات دیر تک کتابیں پڑھتے رہنے سے اور پھر باری

باری سب کے کردار اور واقعات سوچنے میں وہ پوری رات صحیح طریقے سے نیند نہیں لے پائی تھی، جبھی آج بستر چھوڑنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

مائرہ دوبارہ اسے بلانے آئی۔ آج کسی پڑوسی کے ہاں میلاد کی محفل تھی اور وہ سب ہی جا رہے تھے۔ مائرہ چاہتی تھی کہ عینا بھی ان کے ساتھ ہو۔ مگر عینا کی طبیعت دیکھتے ہوئے وہ اسے اپنا خیال رکھنے کا کہہ کر چلی گئی۔

بدقت اس نے بستر چھوڑا اور فریش ہو کے نیچے چلی آئی۔ لاؤنج خالی پڑا تھا۔ کچن سے آتی برتنوں کی آواز اسے تسلی دے گئی۔

"سلمٰی۔ ذرا ایک کپ چائے تو لے آؤ۔" اس نے سلمٰی کو آواز دی۔ اور اس کے جواب پہ توجہ دیے بغیر لاؤنج کی اس بڑی سی گلاس وال کے قریب چلی آئی جہاں سے خوب صورت لان دل و نظر مہکا دیتا تھا۔ اس نے ایک سائیڈ سے پردے ہٹائے اور اگلے ہی پل شاکڈ رہ گئی۔

وال سے صرف چند گز کے فاصلے پہ لگے۔ جامن کے قد آور درخت کے نیچے ایک دوسرے کے بے حد قریب وہ ارشق اور کوئی لڑکی تھی۔ اسے یقین نہ آیا اپنی نظروں پہ۔ اپنی ماں کے لیے اس کی سوچ خواہ جو بھی تھی۔ ان لوگوں کے لیے کم از کم اس نے ایسا کچھ نہ سوچا تھا۔ اور نہ ہی اسے کوئی توقع تھی۔ اس نے تیزی سے پردے واپس کھینچ لیے تھے۔ آج اسے حقیقت میں اپنے ننھیال سے گھن محسوس ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے واپس مڑی۔ چائے لاتی سلمٰی نے حیرت بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور چائے لیے اس کے پیچھے ہی چل دی۔

"آخر تم یہ حقیقت تسلیم کیوں نہیں کر لیتے ارشق کہ میں تم سے بے حد پیار کرتی ہوں۔" رابعہ اس کے بے حد قریب آ کے بولی تھی اور ارشق اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا اس کی اس دیدہ دلیری پہ۔ اس بات سے بے خبر کہ کوئی دوسرا بھی یہ منظر دیکھ کر ایسے ہی شاکڈ تھا۔

"شرم نہیں آتی تمہیں رابعہ۔ اس بات کا بھی خیال نہیں تمہیں کہ تم ایک لڑکی ہو۔" وہ تیزی سے پیچھے ہٹا تھا۔ رابعہ اس کے انداز پہ مسکرا دی۔

"کیوں۔ کیا لڑکی کو حق نہیں کہ وہ اپنی محبت کا اظہار کر سکے۔" ماتھے پہ آئی بالوں کی لٹ انگلیوں پہ لپیٹتے ہوئے وہ ادا سے مسکرائی۔ ارشق نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

"بالکل نہیں۔ کم از کم اس طرح تو بالکل نہیں۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔ اس کے ہر ایک انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس وقت کس قدر غصے میں تھا۔ مگر وہاں پروا ہی کسے تھی۔

"مجھے تو ہے اور میں یہ حق کسی کو بھی چھیننے نہیں دوں گی ارشق، تم صرف میرے ہو۔ ویسے سنا ہے تمہاری کوئی نئی کزن آئی ہوئی ہے۔ بہت پیاری ہے۔" کزن کا ذکر کرتے ہی رابعہ کا منہ سا بنا تھا۔ ارشق کی آنکھوں میں چمک سی ابھری تھی۔

"ہاں۔ بے حد پیاری۔ اس جیسا کوئی نہیں۔" وہ مسکرا دیا تھا۔ رابعہ کا چہرہ پھیکا سا پڑ گیا۔

"اوہ۔ تبھی میں کہوں تمہیں میری بات پہ غصہ کیوں آیا؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"جی نہیں۔ مجھے غصہ اس لیے آیا کہ تم نے بات ہی غلط کی۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"اور ہاں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ اتنا بڑا دوپٹا لے کر تم لازما" آنٹی سے میلاد کی اجازت لے کے ہی نکلی ہو۔ سو اگر ابھی میں انہیں کال کر کے بتا دوں تاکہ آپ کی بیٹی ادھر ہے ہمارے گھر میں تو خیر نہیں میری ننھی سی بہن کی۔" وہ اسے چڑاتے ہوئے بولا۔ غصے سے رابعہ کا سانس پھولنے لگا۔

"خبردار۔ جو کبھی آئندہ یہ بکواس کی ہو۔ تمہاری بہن مائرہ ہے او کے میں کسی کی بہن نہیں۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"میرے لیے تو تم مائرہ جیسی ہی ہو۔ اس کے علاوہ کوئی اور توقع نہ رکھنا مجھ سے۔ اور اب میری جان بخشو۔ مجھے کام کے لیے جانا ہے" زور سے ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ تقریبا" چلایا تھا۔ اور تیزی سے اپنی گاڑی کی

طرف بڑھ گیا۔ رابعہ نے غصے سے زمین پہ پاؤں پٹخا تھا۔

☆ ☆ ☆

کبھی کبھی بالکل سادہ سی زندگی انتہائی مشکل موڑ لے آتی ہے انسان کی زندگی میں انسان بے چارہ اندازہ ہی نہیں لگا پاتا کہ کون سا راستہ صحیح منزل کی طرف جاتا ہے اور کون سا راستہ صرف فریب ہی فریب ہے۔ مگر پھر بھی انسان کو ایک راستہ منتخب کرنا پڑتا ہے۔ اس راستے پر چلنا پڑتا ہے۔ منزل سے 'کامیابی سے 'ناکامی سے بے خبر۔ شاید ایک اندھا سفر۔

یہی کچھ تو ہوا تھا عینا احمد کے ساتھ۔ پہلے وہ تھی۔ بابا تھے۔ چاچی 'چاچا اور سرمد تھے۔ زندگی سادہ تھی۔ وہ اپنے بابا کی جان تھی۔ کوئی کمی نہیں تھی۔ حتیٰ کہ سگی ماں بھی اسے یاد نہ آتی تھی۔ وہ ابھی چھوٹی ہی تھی۔ جب چاچی 'پڑوس کی عورتوں نے اسے اپنی ماں کے متعلق بہت کچھ بتا دیا۔ اور اس کے کچے ذہن میں سب بیٹھتا چلا گیا یہی وجہ تھی کہ جب وہ کچھ سمجھنے کے قابل ہوئی۔ تو اس کے بابا جو اکثر اس کے سامنے اس کی ماں کا ذکر چھیڑنے لگتے 'اسے کچھ بتانے کی کوشش کرتے وہ سختی سے رد کر دیتی۔ وہ اپنی ماں کو بھول چکی تھی۔ اس نے زینب چاچی کو ماں مان لیا تھا۔ مگر پھر۔۔۔

پھر بابا نے اس کے سامنے نئی راہیں کھول دیں کہ وہ اپنی منزل خود تلاش کرے۔ وہ منزل جس کی اسے نہ چاہ تھی نہ کوئی شوق۔ مگر اپنے باپ کی وجہ سے اسے یہ سفر شروع کرنا پڑا۔

اور یہاں آکر اب وہ خود جیسے اس راہ کی عادی ہونے لگی تھی۔ ماں اور اس کے خاندان سے تمام تر کدورت کے باوجود وہ اپنے دل میں ان سب کے لیے کھچاؤ محسوس کر رہی تھی۔ ایک انجانی سی کشش۔ اکیلے کمرے میں بیٹھ کر وہ ماں کے خلاف کتنی ہی باتیں سوچ لیتی۔ مگر ان کے سامنے جاکر جیسے کمزور پڑ جاتی۔ مائرہ کی دوستی وہ چاہ کر بھی رد نہ کر سکی۔ عابدہ ماں تو تھیں ہی سادہ سی عورت۔ حال احوال تک ہی رہتیں۔ اور

ارشق۔۔۔

نام سوچتے ہی دل عجیب ہی لے پہ دھڑکا تھا۔ اس نے بے اختیار ہی پردے ہٹائے اور کھڑکی مکمل طور پہ کھول دی۔ ہوا کے جھونکے کے ساتھ ٹھنڈی بارش کی بوندوں نے جب چہرے کو چھوا تو کتنا ہی سکون بھر گیا اس کے اندر۔ وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

جو کچھ بھی تھا۔ صاف ظاہر تھا۔ ایسی کوئی بھی کیفیت 'کوئی بھی احساس اتنے عرصے میں سرمد کے لیے نہیں جاگا تھا اس کے دل میں 'جو ارشق کے لیے وہ محسوس کر رہی تھی۔

"عینا۔۔۔!" تبھی کسی نے زور سے پکارا تھا اسے۔ وہ چونکی تھی۔ اس نے نیچے نگاہ کی۔ لان کا سرخ سوٹ پہنے بارش میں بھیگتی مائرہ اسے ہاتھ ہلا ہلا کے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ مسکرا دی۔

"جلدی آؤ۔ بہت مزا آرہا ہے۔" وہ پھر چلائی تھی۔ وہ ذرا سا کھڑکی پہ جھکی تھی اسے جواب دینے کہ اس کا موبائل اس کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے کیاری میں جا گرا۔ وہ فوراً" دوڑتی ہوئی نیچے اتری تھی۔ لیکن اس کے وہاں پہنچنے تک فون بری طرح متاثر ہو چکا تھا۔ وہ تاسف سے کیچڑ میں لت پت فون کو دیکھنے گئی۔

"گولی مارو۔ بھائی نیا لادیں گے۔" مائرہ کو جیسے پروا ہی نہیں تھی۔ وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچتی ہوئی لان میں لے گئی۔ اور پھر واقعی کچھ دیر بعد ہی مائرہ سے شرارتیں کرتے 'بارش میں نہاتے وہ سارا ملال بھول چکی تھی' ارشق نے لاؤنج کی گلاس وال سے ان دونوں کو کھلکھلاتے دیکھا اور مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

"ارشق۔۔۔" بارش اور تیز آندھی نے لان کا حشر نشر کر دیا تھا۔ تبھی آج صبح سے اس نے لان کی صفائی کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔ زاہدہ پھوپھو کی آواز پہ اس نے ذرا سا سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر سے بکھرے پتے سمیٹنے لگا۔

"جی پھوپھو۔ بولیں کیا بات ہے۔" کیچڑ سے لت پت ہاتھ لیے کام کرتے ہوئے وہ مکمل طور پہ ان ہی کی

طرف متوجہ تھا۔

"تم تو اتنے مصروف ہو بیٹا۔ اور سارے کپڑے بھی گندے کر دیے ہیں" پھوپھو اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ہاں تو کیا ہوا۔ کپڑوں کے داغ ہیں پھوپھو۔ دھل جائیں گے۔ میں تو ان داغوں کی وجہ سے پریشان ہوں جو لوگوں کے دماغ پر لگ چکے ہیں۔" وہ پودوں کی ٹہنیاں سیدھی کرتے ہوئے بولا۔ جو بارش کی تیزی کی وجہ سے زمین سے لگ رہی تھیں۔

"عہنا کی بات کر رہے ہو۔ تو میں نا امید نہیں ہوں۔ وہ میری ہی بیٹی ہے۔ حقیقت کو ضرور پرکھ لے گی۔" زاہدہ مطمئن لہجے میں بولیں۔

"اچھی بات ہے۔ لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں مجھے پریشانی سے رہتی ہے اس کی طرف سے کہ آپ سے کچھ غلط بی ہیو نہ کرلے۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے دوبارہ شرٹ سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔

"توبہ ہے ارشق۔ کیسے بچوں کی طرح کپڑوں سے ہی ہاتھ صاف کرلیتے ہو" زاہدہ اس کی اس حرکت پر کھل کر مسکرائیں۔

"اچھا لگتا ہے پھوپھو۔ خیر بتائیں آپ کو کیا کام ہے؟"

"وہ کل بارش میں عہنا سے سیل فون گر گیا پانی میں۔ تو مکمل طور پر خراب ہو گیا۔ میں چاہتی تھی تم بازار جاؤ تو نیا لے آنا کوئی اچھا سا۔" انہوں نے کہا۔ اور ارشق کے ہمراہ چلتی اندر کی طرف آئیں۔

"دلیں شکر کریں جان چھوٹی۔ اچھا ہے ان آفت کے پتلوں سے دور رہے گی۔ خواہ مخواہ ہی نہ جانے کیا کیا آگ لگاتے رہتے ہیں اس کے دل میں۔ جتنا فاصلہ رہے گا اتنا ہی بہتر ہو گا۔" باہر آتی عہنا نے اس کی ساری بات بے حد واضح طور پہ سنی تھی۔ دل ایک پل میں شاکی ہوا تھا۔

"بری بات ارشق۔ ایسے نہیں بولتے۔ پھر بھی میں کہہ رہی ہوں نا تم سے۔ پلیز ہو سکے تو آج شام تک لے آنا ہاں۔" زاہدہ نے رکتے ہوئے اسے ٹوکتے کے ساتھ ہدایت بھی کی تو وہ اثبات میں سرہلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ لو جناب۔ آپ کی گرما گرم کافی۔" مائرہ نے کپ اسے تھمایا۔ تو وہ حیران رہ گئی۔

"واؤ۔۔۔ سچ میں بہت طلب ہو رہی تھی۔"

"دیکھا سچی دوستی ہے جناب۔" مائرہ نے ایک آنکھ دباتے ہوئے شرارت سے کہا۔ اور عہنا ہنس دی۔

"ایک بات پوچھوں مائرہ۔" تب ہی اسے کوئی خیال آیا تھا۔

"ہاں جی دس پوچھو۔ وہ بھی مفت۔" وہ فرضی کالر جھاڑتے ہوئے بولی۔

"یہ لڑکی جو اکثر آتی ہے تمہیں ملنے۔ یہ کون ہے؟" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

"رابعہ۔۔۔ ہماری پڑوسن ۔۔۔ رافعہ آنٹی کی بیٹی ہے۔ میری کلاس فیلو رہی ہے۔ مگر میری اس سے اتنی زیادہ دوستی نہیں ہو پائی۔" مائرہ نے جواب دیا تو وہ بس ہوں کر کے رہ گئی۔ یہ وہ بات نہ تھی جو وہ جاننا چاہتی تھی۔ تبھی مائرہ مزید بولی۔

"ہاں مگر ایک مزے کی بات بتاؤں۔ ارشق بھائی پہ فدا ہیں محترمہ" اس کا قہقہہ جاندار تھا۔

"اور ارشق۔" خود بخود اس کے منہ سے پھسلا تھا۔ مائرہ چونک کے سیدھی ہوئی تھی۔ اس کی روشن آنکھیں مزید جگمگائی تھیں۔ عہنا فوراً" نظریں چرا گئی۔ مائرہ مسکرا دی۔

"بھائی کا مجھے پتا نہیں۔ ویسے انہوں نے پڑھائی میں تو اس کی کافی مدد کی ہے۔ ہو سکتا ہے تبھی ایک دوسرے کے قریب آگئے ہوں۔ مگر مجھے ارشق بھائی کے بارے میں ٹھوس معلومات نہیں۔ اگر کہو تو پتا کروں۔" پھر وہی شریر لہجہ۔

"نہیں نہیں۔ میں تو بس ایسے ہی۔۔۔" اس نے فوراً" منع کر دیا۔

"اچھا میں چلوں۔ شام ہو رہی ہے پھر امی ڈانٹیں گی کہ نماز کے لیے دیر کر دیتی ہوں۔" اس نے کھڑکی کے

باہر پھیلتی سرخی پہ نگاہ کی اور تیزی سے کپ اٹھائے باہر چلی گئی۔ وہ بھی آہستہ سے چلتے ہوئے باہر ٹیرس پر چلی آئی۔ جو ارشق اور اس کے کمرے کی مشترکہ ٹیرس تھی۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ ارشق کے کمرے کا وہ چھوٹا سا دروازہ روز کی طرح بند تھا۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی۔ شاید اس نے ٹیرس پہ آنا چھوڑ دیا تھا۔

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تو دل میں بھی اداسی گھر کرنے لگی۔ وہ اس اداسی کو کوئی نام نہ دے سکی۔ دل بھی عجیب شے ہے۔ کبھی سب کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی خوش اور کبھی سب کچھ ہوتے ہوئے بلاوجہ اداس۔ اسی وقت کھٹکا سا ہوا۔ وہ ذرا سا مڑی اور دروازہ کھول کر باہر آتے ارشق پر نظر پڑتے ہی جیسے شام روشن سی لگنے لگی اسے' وہ اپنی کیفیت پر خود حیران رہ گئی۔

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے قریب چلا آیا۔

"کیسی ہو عہنا؟" وہی سادہ انداز' مگر دل اس پر بھی دھڑک اٹھتا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ بمشکل جواب دے پائی۔

"مجھے تو لگتا تھا کہ یہ اتنا سیریس معاملہ نہیں ہے۔ مگر اب تمہارا یہ اداس چہرہ دیکھ کر خوش ہوا کہ میں نے پھوپھو کی بات مان لی۔" وہ ذرا سا مسکرایا۔

"کون سا معاملہ۔" وہ حیرت سے بولی۔ آنکھوں میں تحیر جاگا۔

"تمہارے موبائل والا معاملہ۔ دیکھو تو صرف ایک دن موبائل نہ ہونے کی وجہ سے تمہارا کیا حال ہے؟" اس کے لہجے سے شرارت چھلکی۔ عہنا چڑ گئی۔

"جی نہیں۔ میں ایسے ہی اداس ہوں۔ موبائل کی مجھے اتنی بھی ضرورت نہیں ہے۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"اچھا۔ ایسے ہی اداس ہوں سے مطلب؟" وہ فکر مند ہوا۔ عہنا خاموش رہی۔

"اگر اپنی آنٹی سے ملنے کو دل کر رہا ہے۔ میں چھوڑ آتا ہوں۔ جب واپس آنا ہو مجھے کال کر لینا۔ میں لے آؤں گا۔" وہ خود ہی بول پڑا تھا۔

"نہیں۔ اٹس اوکے" عہنا کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ نہ جانے دل کو کیا ہوا تھا۔ ساون بن کے برسنے کو تیار کھڑا تھا۔ وہ ذرا سا رخ پھیر گئی۔

"اچھا چلو۔ میں تو تمہیں یہ دینے آیا تھا۔ پہلے میں نے سوچا کہ پھوپھو کو دوں گا۔ مگر ابھی کمرے کی کھڑکی سے تم اداس کھڑی نظر آئیں۔ تو خود ہی دینے چلا آیا۔ پھوپھو نے ہی بتایا تھا مجھے تمہارے سیل فون کے بارے میں' اس نے خوبصورت سا گفٹ پیک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ ذرا سا جھجکی ۔۔۔ پھر آہستہ سے وہ پیکٹ تھام لیا۔

"تھینک یو۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ اب موڈ ٹھیک کرو۔ اور جا کر آنٹی سے ہیلو ہائے کرلو۔ نمبر میں نے اپنے نام سے رجسٹرڈ کرالیا ہے۔" اس نے کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عہنا وہیں ٹھہری دیر تک اسے محسوس کرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"عہنا۔ کیسی ہو میری جان۔" چاچی کی محبت بھری آواز سنتے ہی اس کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔

"بولو بیٹا۔ کیا ہوا۔ اداس ہو نا؟" وہ اس کی چپ سے اندازہ لگاتے ہوئے بولیں۔ وہ بے آواز رونے لگی۔ یہ اس کی سگی ماں نہیں تھیں۔ صرف اسے پالا تھا۔ مگر وہ اسے کتنا سمجھتی تھیں۔ اور اس کی اپنی ماں کبھی اس نے بھی سوچا کہ اس کی بیٹی کس اذیت میں ہے؟ وہ سوچے گئی۔

"ہیلو۔ عہنا۔" زینب نے پھر پکارا۔

"جی چاچی۔" اس نے بمشکل کہا۔

"شکر ہے بیٹا۔ تمہاری آواز تو سنی۔ سچ کہوں تو تمہارے بنا اب یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ اوپر سے سارے گھر کا کام کر کے کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ تم نے تو میری عادتیں ہی خراب کردیں۔ بس اب اور دیر نہ

کرو۔ جلدی سے میرے پاس آجاؤ۔" کتنی محبت، کتنی حسرت تھی ان کے لہجے میں۔ وہ دم بخود سنے گئی۔

"کہو تو میں آؤں تمہارا ہاتھ مانگنے۔ بھئی مجھ سے نہیں ہوتا تمہارے بغیر گزارا۔" انہوں نے صاف صاف کہا۔ تو عینا کو عجیب سا لگا۔

"نہیں چاچی۔ ابھی تو میں خود کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی۔ کہ مجھے یہاں مزید کتنا رہنا ہے۔ اور پھر ابھی سے بھی میرا خاص آمنا سامنا نہیں ہو پا رہا۔ کہ ان سے دو ٹوک بات کرلوں۔" اس نے آرام سے انہیں منع کیا۔

"جیسے تم کہو چندا۔ مگر دیکھو کہیں دیر نہ ہو جائے۔ مجھے تو ہر وقت تمہاری فکر رہتی ہے۔ کہیں وہ تمہیں مجبور کر کے تم سے..... میرا مطلب ہے زبردستی تمہارا اور ارشق کا نکاح نہ پڑھوا دیں۔" انہوں نے اپنا اندیشہ بیان کیا۔ عینا کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

"چاچی۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ آپ ایسا ویسا مت سوچا کریں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور پھر میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں۔" وہ مدھم لہجے میں بولی۔ "یہی تو مسئلہ ہے کہ تم اب بچی نہیں ہو۔" زینب بے اختیاری میں بول گئیں۔

"کیا مطلب چاچی۔" عینا چونکی۔

"مطلب یہ کہ..... میرا مطلب ہے اب وہ آرام سے تمہارا نکاح اپنے بھتیجے سے پڑھوا سکتی ہے نا۔ بچی ہوتی تو اور بات تھی۔" زینب بمشکل بات بنا پائیں۔ عینا کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔

"خیر یہ بتاؤ۔ احمد بھائی کی وصیت وغیرہ بھی دیکھی تم نے کہ نہیں۔" انہوں نے فوراً ہی بات بدلی۔

"نہیں۔ مگر مائرہ ایک روز بتا رہی تھی کہ بابا نے سب کچھ میرے نام کیا ہے۔"

"تبھی تو وہ لوگ یوں حق جتانے لگے اتنے سالوں بعد تم پر۔" زینب طنزیہ لہجے میں بولیں۔

"نہیں چاچی مجھے تو ابو کی وصیت کی وجہ سے آنا پڑا۔ ورنہ یقین کریں ان میں سے کسی نے بھی مجھے زبردستی اپنی حیثیت منوانے کی کوشش نہیں کی۔"

اس نے وضاحت کی۔

"تم بہت معصوم ہو عینا۔ ان کی چالوں کو تم نہیں سمجھو گی۔ احمد بھائی جیسا سمجھدار شخص اتنا بڑا دھوکہ کھانے کے بعد بھی آخری عمر میں پھر اس عورت کے جال میں پھنس گیا۔ ورنہ مرتے وقت تمہیں اور جائیداد کو اس کے سپرد کر کے جاتے۔ ہم مر تو نہیں گئے تھے نا۔" وہ شکایت بھرے لہجے میں بولیں۔

"اچھا خیر اب میں فون رکھتی ہوں۔ اور تم اپنا خیال رکھنا۔ کوئی بھی مسئلہ ہو فوراً مجھے کال کرنا اچھا۔"

"جی چاچی۔ اللہ حافظ۔" اس نے بھی کال ختم کر دی تھی۔ چاچی زینب کی آخری بات نے اسے چونکا دیا تھا۔ جو باپ ساری عمر اس کی ماں اور اس کے خاندان سے نفرت کرتا رہا۔ وہ مرتے وقت اس کی ذمہ داری اسی عورت کو کیسے سونپ گیا۔ چاچی، چاچا جو ساری عمر اس کی خدمت کرتے رہے ان کو کیوں نہیں۔ یہ بات تو اس کے ذہن میں کبھی آئی ہی نہیں تھی۔ اس نے اس پوائنٹ کو تو سوچا ہی نہیں تھا۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہونے لگا اس نے بتی بجھائی اور سونے لیٹ گئی۔ یہ اور بات کہ سنہری آنکھوں میں نیند کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

ساری رات منفی سوچتے رہنے اور غلط صحیح کا فیصلہ کرتے کرتے وہ نڈھال ہو گئی تھی۔ نتیجہ شدید بخار کی صورت میں آیا تھا۔ اسے غشی سی ہو رہی تھی مسلسل تبھی وہ اٹھ نہ پائی۔ جب وہ اپنے مقررہ وقت تک نیچے نہ گئی تو ارشق کے کہنے پہ مائرہ اسے دیکھنے چلی آئی۔

"عینا۔" اس نے دستک دیتے ہوئے ہلکے سے اسے پکارا تھا۔ عینا نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام ہو گئی۔ مائرہ دروازہ کھول کے اندر آئی تو وہ بستر پر بے سدھ سی پڑی تھی۔ وہ تیزی سے عینا کے قریب آئی۔

"عینا تم ٹھیک تو ہو نا؟" پریشان سی مائرہ نے بے سدھ پڑی عینا کی پیشانی چھوتے ہوئے کہا اور اگلے ہی

لہجے وہ مزید پریشان ہوگئی۔ عینا کا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔

"عینا' عینا پلیز آنکھیں کھولو۔" وہ پریشان سی چلائی پھر باہر دوڑ گئی۔

"پھوپھو! عینا کو دیکھیں۔" وہ وہیں سے آواز لگا کر واپس پلٹ آئی اور عینا کا چہرہ تھپتھپانے لگی۔ زاہدہ اور عابدہ دونوں ہی دوڑتی ہوئی وہاں پہنچی تھیں۔

"کیا ہوگیا۔ الٰہی خیر۔" عابدہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"امی دیکھیں۔ کتنا سخت بخار ہے اسے اور یہ آنکھیں بھی نہیں کھول رہی۔" مائرہ رو دینے کو تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا مائرہ تم جاؤ۔ پانی اور کپڑا لے آؤ۔ اور ہاں ارشق سے کہو گاڑی نکالے۔ اسے کچھ آرام آئے تو ڈاکٹر کو دکھالائے۔" عابدہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ وہ فوراً" باہر چلی گئی۔ زاہدہ پڑھ پڑھ کے بیٹی پر پھونکنے لگیں۔ زاہدہ اور مائرہ مل کر اسے پٹیاں کرنے لگیں۔ کچھ ہی دیر میں اس کی طبیعت سنبھل گئی۔

"امی۔" ارشق جو کسی کام سے کچھ دیر پہلے ہی باہر گیا تھا۔ مائرہ کی کال پہ فوراً" واپس آیا تھا۔

"آجاؤ ارشق۔" زاہدہ پھوپھو نے کہا۔ تو وہ فوراً" اندر چلا آیا۔ نڈھال سی عینا بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

"کیسی ہے عینا۔" وہ متفکر انداز میں بولا۔

"اب بخار تو کچھ کم ہے۔ مگر تم اسے ڈاکٹر کو دکھالاؤ۔" عابدہ نے بیٹے کو ہدایت دی۔

"ہاں شیور۔" وہ فوراً" راضی ہوا۔

"نہیں ماں میں ٹھیک ہوں اب۔" وہ نقاہت بھرے لہجے میں بولی۔

"ٹھیک کہاں ہو بیٹا۔ اتنا تیز بخار اگر پھر سے پلٹ آیا تو۔ نہ بابا۔ میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتی۔ ارشق تم چلو۔ میں اسے لے کر آتی ہوں۔" زاہدہ نے اس کا تردد قطعی طور پہ رد کرتے ہوئے کہا۔ اور اسے خود سے لگا کر نیچے لے آئیں۔ کچھ ہی دیر میں وہ ارشق کے ہمراہ ڈاکٹر اظہر کے کلینک میں تھی جو ان کے فیملی ڈاکٹر تھے۔

"گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔ کسی بات کا ٹینشن لیا ہے بٹیا نے۔ اسی سب کا نتیجہ تھا یہ۔ میں ایک دو دوائیاں لکھ کے دے رہا ہوں۔ مگر کوشش کرو کہ بنا دوائیوں کے ہی کام بن جائے تو اچھا ہے۔ کیونکہ پریشان رہنا اور پریشانی کا ڈٹ کر مقابلہ کرکے خود کو مطمئن کرلینا سب انسان کے اپنے ہی اختیار میں ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے عینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ سر جھکا گئی۔

"ان پریشانیوں کا کیا علاج ڈاکٹر جو بندہ خود اپنے اوپر طاری کرلے۔ اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے نظر چرا کر۔" ارشق سنجیدہ لہجے میں بولا۔ عینا کو اس کا انداز خفا خفا سا لگا۔ مگر وہ چپ رہی۔

"ہر پریشانی خواہ اپنی خود ساختہ ہو یا حقیقی' سبھی کا علاج ہو سکتا ہے۔ کبھی کبھی تو صرف قوت ارادی ہی کام آجاتی ہے۔ مگر بعض اوقات اپنے اردگرد کے لوگوں کا رویہ اور اچھا سلوک بھی دوا کا کام دیتا ہے۔" ڈاکٹر صاحب ذرا سا مسکرائے۔

"اور میرے خیال میں عینا میں قوت ارادی بھی ہے اور لوگوں کے رویوں کو سمجھنے کی صلاحیت بھی۔ کیوں بیٹا۔ میں صحیح سمجھا نا۔" انہوں نے عینا سے براہ راست سوال کیا وہ دھیرے سے اثبات میں سر ہلا گئی۔

"اوکے ڈاکٹر انکل پھر چلیں۔" ارشق اٹھتے ہوئے بولا۔ تو عینا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کچھ لوگی۔ آئی مین جوس یا کچھ کھانے کے لیے۔" باہر آتے ہی نرم لہجے میں پوچھا گیا۔ کچھ دیر پہلے والی ناراضی کا عنصر غائب تھا لہجے سے۔

"جوس۔" مختصر جواب آیا۔

"تم بیٹھو۔ میں لے آتا ہوں۔" اسے کہتا وہ ایک طرف بڑھ گیا۔ وہ خاموشی سے آکر کار میں بیٹھ گئی۔ تبھی اس کی نگاہ سامنے اٹھی تھی۔ اور اس کا کچھ بہتر ہوتا موڈ بری طرح آف ہوا تھا۔ شاپ کے بالکل سامنے ارشق کے ساتھ رابعہ

کھڑی تھی۔ جو مسلسل بولے جا رہی تھی۔ ارشق کی نظریں البتہ کار کی طرف تھیں۔ جیسے اسے بہت جلدی ہو اور پھر اس نے ان دونوں کو کار کی طرف آتے دیکھا۔

"رابعہ کو بھی گھر جانا تھا۔ سو میں نے سوچا اسے چھوڑنے میں کوئی قباحت نہیں۔" اس کے بالکل برابر والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے نہ جانے کیوں اس نے وضاحت دی تھی۔ عینا کو اچھا سا لگا تھا۔

"اوہ تو یہ ہے عینا۔ کیسی ہو عینا۔" پچھلی سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے وہ ذرا بے زاری سے بولی تھی۔ عینا صرف سر ہلا گئی۔

"میری کزن بہت کم بولتی ہے۔ تبھی مجھے بے حد اچھی لگتی ہے۔" ارشق شوخ لہجے میں کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ عینا نے اس کے چہرے پہ کچھ تلاشنا چاہا مگر سوائے مسکراہٹ کے کچھ نہ ڈھونڈ پائی۔ البتہ بیک ویو مرر میں رابعہ کا تپا تپا سا چہرہ اسے مسکرانے پہ مجبور کر گیا۔

☼ ☼ ☼

"عینا۔ ایک بات پوچھوں۔" عینا کی طبیعت کافی سنبھل چکی تھی۔ لیکن مائرہ ضد کر کے آج اس کے ساتھ ہی اس کا کمرہ شیئر کر رہی تھی۔ لیٹے لیٹے ہی اچانک اس نے کہا۔ تو عینا صرف ہوں کر کے رہ گئی۔

"تم پھوپھو سے اتنی خفا خفا اتنی دور دور کیوں رہتی ہو۔" اس کی بات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کی ماں کی حیثیت سے ناواقف تھی۔ عجیب درد سا جاگا تھا دل میں۔

"جو عورت اپنے شوہر اپنے گھر حتیٰ کہ اپنی چند ماہ کی بیٹی کو بھی بنا کسی قصور کے چھوڑ دے۔ اس سے خفا نہ ہوا جائے تو اور کیا کیا جائے۔" وہ لب کچلتے ہوئے بولی۔

"زاہدہ پھوپھو۔ ارے نہیں۔ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتیں۔ یو نو امی کہتی ہیں میں اور تم ہم عمر تھے۔ تو تمہارے بعد انہوں نے مجھے اپنی گود میں سمیٹ لیا کہ

مجھے بہت دیر بعد یہ حقیقت پتا چلی کہ وہ میری امی نہیں بلکہ پھوپھو ہیں۔" وہ لگاوٹ سے بولی۔

"تم یہ بات کہہ سکتی ہو کیونکہ تم نے ان کی محبت دیکھی ہے۔ جب کہ میں ان کی توجہ کو ترسی ہوں۔ لوگوں کی باتیں ان کے طعنے برداشت کیے ہیں میں نے۔" وہ تلخ ہوئی۔

"زاہدہ پھوپھو کی وجہ سے طعنے۔" مائرہ حیران ہوئی۔

"یہ ایک بہت تلخ سچائی ہے۔ تم نہ ہی جانو تو اچھا ہے۔" عینا نے بات ختم کرنا چاہی۔

"لیکن میں نے تو لوگوں سے سنا ہے کہ انہوں نے اپنی ازدواجی زندگی بچانے کے لیے بہت قربانیاں دیں۔ لیکن پھر بھی ان کے شوہر کی بے حسی اور ناسمجھی کی وجہ سے۔۔۔"

"جسٹ شٹ اپ مائرہ۔" عینا نے فوراً" اسے ٹوکا۔ وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"میرے بابا جیسے نفیس انسان اس دنیا میں نہیں ہوں گے۔ وہ بہت سمجھ دار اور سوبر تھے اور ظاہر ہے ای کا خاندان ہے یہ ان کے کیے پہ تو پردہ ڈالیں گے ہی۔" وہ روڈ ہو جاتی تھی۔

"ایسا بالکل نہیں ہے عینا۔ پھوپھو کی تو سب بہت ریسپکٹ کرتے ہیں۔ ان فیکٹ تمہارے ددھیال کے کئی لوگ آج بھی ان سے رشتہ نبھا رہے ہیں۔ تمہیں کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔" مائرہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"جو بھی ہے میں اس موضوع پہ مزید بات نہیں کرنا چاہتی۔ سو پلیز اب سو جائیں؟" وہ سوالیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" مائرہ نے فوراً" ہار مان لی۔ لیکن عینا کے رویے کو لے کر وہ ساری رات سو نہیں پائی۔

☼ ☼ ☼

"ان کی ہمت کیسے ہوئی امی اور آپ نے انہیں صاف جواب کیوں نہیں دیا۔" وہ غصے میں آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ زاہدہ نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا

"جہاں بیری کا درخت ہو وہاں پتھر آتے ہی ہیں بیٹا۔" عابدہ نے نرمی سے بیٹے کو سمجھایا۔

"پتھر آتے ہیں نا۔ پورے پہاڑ تو نہیں آجاتے لالچ اور حرص کے۔" وہ تیز ہوا۔

"آتے ہیں بیٹا۔ بیٹیاں تو ہیں ہی پرایا دھن۔ اب کوئی ہماری مرضی سے تھوڑی آئے گا۔" اب کی بار زاہدہ نے کہا۔

"مگر جواب تو ہم اپنی مرضی کا دے سکتے ہیں نا۔" وہ اپنی بات پر قائم تھا۔

"تم جانتے ہو حالات کو۔ عینا سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔ اب وہ کیا چاہتی ہے ہمیں کیا معلوم اور پھر میرا نہیں خیال کہ عینا اس سب سے ناواقف ہوگی۔" عابدہ نے کہا تو زاہدہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اسی لیے تو میں نے ان سے وقت مانگ لیا کہ عینا سے اس کی رائے جان کر جواب دے دیں گے۔" زاہدہ بولیں۔

"یہ تو صد شکر کہ عینا اور رائزہ گھر پر نہیں تھیں۔ ورنہ شاید ہمیں یہ ٹائم لینے میں بھی دقت ہوتی۔" عابدہ بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔ عینا کی رائے لینے کا مطلب جانتی ہیں آپ۔ ابھی تک وہ پھوپھو کو اپنی ماں تسلیم نہیں کر سکی۔ زاہدہ پھوپھو کے ساتھ اس کا انداز' برتاؤ اور کھچاؤ سب کچھ ہم پر واضح ہے۔ لیکن پھر بھی آپ لوگ اس سے رائے لینے کا سوچ رہے ہیں واہ جی واہ۔" وہ ضبط نہیں کر پا رہا تھا۔ عابدہ حیرت سے بیٹے کو دیکھے گئیں۔ جو کبھی اتنے غصے میں نہیں آیا تھا۔

"لیکن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ عینا پہ ہمیں نہ تو کوئی اختیار ہے نہ اسے ہم پر اعتماد۔" عابدہ نے جواز پیش کیا۔

"بس۔ اس بات کا ذکر عینا سے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس وقت تک میں کچھ سوچتا ہوں۔" وہ متفکر انداز میں بولا۔

"یہ تو ممکن ہی نہیں۔ وہ عورت ضرور اسے بتائے گی کہ وہ یہاں آئے اور کس مقصد کے لیے اور کیا جواب ملا ان کو۔" عابدہ کی بات ٹھیک تھی۔

"اور اس طرح کچھ اچھا نہیں ہونا بلکہ عینا ہم سے الٹا مزید بدگمان ہو جائے گی۔" زاہدہ پھوپھو نے عابدہ کی حمایت کی۔

"اف... مجھے قطعی امید نہیں تھی کہ وہ لوگ اتنے تیز نکلیں گے۔" وہ سر تھام کے بیٹھ گیا۔

"میں تو پاگل ہو جاؤں گا۔" وہ بے بسی سے بولا تو یک لخت ہی ایک خیال عابدہ کے ذہن میں کوندا۔

"مجھے تو لگتا ہے تم پاگل ہو چکے ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے ذومعنی لہجے میں بولیں تو ارشق کے ساتھ ساتھ زاہدہ بھی چونکیں۔

"ہے نا یہی بات؟" انہوں نے سوال کیا۔

"توبہ ہے امی۔ آپ بھی نا بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہیں۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا تھا اور عابدہ کے ساتھ ساتھ زاہدہ بھی زور سے ہنس دی تھیں۔

"پھر تو سمجھو میری عینا کے بھاگ کھل گئے۔" زاہدہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"یہ بات وہ بھی سمجھے تب نا۔" عابدہ نے کہا تو زاہدہ اثبات میں سر ہلا گئیں۔

☼ ☼ ☼

"آنٹی۔ پلیز ارشق سے کہیں نا مجھے میری دوست کے گھر چھوڑ آئے۔ آپ کو تو پتا ہے امی اس کے علاوہ مجھے اور کسی کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دیتیں ورنہ میں خود ٹیکسی کر کے چلی جاتی۔" عابدہ کچن میں مصروف تھیں کہ رابعہ ان کی منت کرتے ہوئے بولی۔ فریج سے پانی لیتی عینا کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"یہ تو تمہاری امی کی اچھائی ہے کہ وہ ارشق کو اپنا بیٹا مانتی ہیں۔ تم رکو۔ میں ابھی اسے کہہ کر آتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے مڑیں تو نگاہ پانی پیتی عینا پر پڑ گئی۔

"عینا۔ جاؤ بیٹا تم کہہ دو ارشق سے۔" انہوں نے فوراً" ہی اسے کہہ دیا۔ اس کے ہاتھوں سے گلاس

چھونتے چھوٹے بجا۔

"میں آتی۔" وہ ہچکچائی۔

"ہاں بیٹا یا پھر میرے پاس ہی بھیج دو اسے۔" انہوں نے دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا تو ایک نظر چیونگم چباتی رابعہ پر ڈال کر وہ باہر نکل گئی۔

بہت مشکل سے ہمت جمع کر کے اس نے ارشق کے روم کا دروازہ بجایا۔ فوراً" ہی جواب آیا تھا۔

"آجاؤ" لہجے سے ہی بے زاری واضح تھی۔

"اگر رابعہ کی سفارش کرنے کوئی آیا ہے تو الٹے قدموں واپس چلا جائے۔" دروازے کی طرف پشت کیے اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

"وہ آپ کو مامی بلا رہی ہیں ارشق۔" وہ جو اس کی بات سن کر دروازے میں ہی جم گئی۔ بمشکل بولی۔

اس کی آواز پہ وہ اچھل کے مڑا تھا۔

"عہنا! سوری، میں سمجھا امی یا مائرہ ہو گی۔" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔

"نہیں۔ مجھے مامی نے بھیجا کہ آپ رابعہ کو لے جائیں۔ اور مامی نے آپ کو نیچے بھی بلایا ہے۔" ارشق کے نرم لہجے نے اس کا اعتماد لوٹا دیا تھا۔

"مجھے نہیں جانا۔ امی کو صاف منع کر دو۔ وہ کسی اور کے ساتھ چلی جائے گی۔" اس نے دوبارہ سے صاف جواب دیتے ہوئے کہا۔

"آخر کو تمہیں کیا مسئلہ ہے ہاں۔" تبھی رابعہ تن فن کرتی آئی اندر۔

"تمیز نہیں ہے تمہیں۔ جب کسی کے روم میں جاتے ہیں تو ناک کرتے ہیں۔" ارشق کو مزید غصہ آیا۔

"مائی فٹ۔ مجھ سے نہیں ہوتے یہ تکلفات۔" وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ ارشق تاشف سے اسے گھورے گیا۔

"اُف اُف۔ مجھے اب تمہاری امی سے بات کرنا ہی پڑے گی۔" وہ ضبط کے مارے مٹھیاں بھینچ گیا۔ عہنا کو وہاں ٹھہرے رہنا عجیب سا لگا۔ وہ چپکے سے باہر کھسک گئی۔

"ہر روز مجھے یہ دھمکی نہ دیا کرو۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ ارشق نے ایک غصیلی نگاہ اس پہ ڈالی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ رابعہ نے دل ہی دل میں اسے گالیوں سے نوازا تھا۔

☆ ☆ ☆

"توبہ۔۔۔ میں تو سمجھی تھی ارشق کو غصہ نہیں آتا۔ مگر آج اسے اس قدر غصے میں دیکھ کر سچ میں میرا تو بی پی لو ہونے لگا۔" عہنا نے مائرہ کو صبح والا واقعہ بتاتے ہوئے کہا تو مائرہ ہنس دی۔

"بھائی کو غصہ سالوں میں آتا ہے۔ مگر جب آتا ہے نا تو ایسے ہی۔ بالکل آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑتے ہیں۔ اگلا بے چارہ دل تھام کے رہ جاتا ہے۔" مائرہ کی بات پہ وہ سر ہلا گئی۔

"ہاں۔۔۔ مگر رابعہ بھی تو حد کرتی ہے۔ یوں کسی کی اجازت کے بنا ایک تو اس کے کمرے میں آجانا اور پھر یوں پوری جرات سے اپنی غلطی پہ بھی اڑے رہنا۔" عہنا بک شیلف سے ایک کتاب لیتے ہوئے بولی۔

"وہ ہے ہی ایسی۔ ہر وقت بھائی کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ پہلے تو میں یہی سمجھتی تھی کہ بھائی بھی اس میں انٹرسٹڈ ہیں۔ مگر۔۔۔" وہ بولتے بولتے رکی۔

"مگر۔۔۔" عہنا نے فوراً" پوچھا۔

"اب مجھے لگتا ہے ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ میں نے محسوس کیا ہے بھائی کو اس کی عادتیں پسند نہیں اور یہ بھی کہ رابعہ اپنی حد تجاوز کرنے لگی ہے اب۔" اس کی آنکھوں میں سوچ کے گہرے سائے تھے۔

"ایک لڑکی ہو کے وہ کتنا بولڈ ہے نا" عہنا سچ میں حیران تھی۔

"کافی زیادہ۔ مگر میرے خیال میں اب یہ بات امی کے علم میں آجانی چاہیے۔ کہیں بھائی کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہ کردے یہ لڑکی۔ اب تو اسے بھائی کی عزت کا بھی خیال نہیں۔ جہاں دیکھے وہیں چمٹ جاتی ہے۔" مائرہ نخوت سے بولی۔

"عورت کا وقار ہی اس کا غرور ہوتا ہے۔ میں حیران ہوں رابعہ کو تو اپنی عزت کا خیال نہیں۔ یوں کسی کے پیچھے بھاگنے سے جو محبت ملے تو بندہ ایسے ہی ٹھیک ہے۔" عہنا نے ہاتھ جھاڑے۔ مائرہ مسکرادی۔

"محبت وحبت کوئی نہیں۔ بس رابعہ کی پرانی عادت ہے۔ کہیں کوئی گاڑی والا خوبرو نوجوان دیکھا تو آئیڈیل بنالیا۔ اسٹار پلس کی ہیروئن بن جاتی ہے۔" مائرہ ہنسی۔

"پھر بھی میرے خیال میں تمہیں اسے سمجھانا چاہیے۔ تم اس کی کلاس فیلو رہی ہو۔ تمہاری بات وہ زیادہ اچھی طرح سمجھ لے گی۔" عہنا نے کہا۔

"ہاں... مگر آئی تھنک اب امی کو بتانا ہی بہتر رہے گا۔ امی آگے خود سنبھال لیں گی۔ مجھے نہیں لگتا رابعہ پہ میری کسی بات کا اثر ہو۔" وہ صاف گوئی سے بولی تو عہنا بھی سرہلا گئی۔

☼ ☼ ☼

"بہن... آپ یقین جانیں رابعہ مجھے بالکل ایسے ہی عزیز ہے جیسے مائرہ۔ میں کبھی آپ کے پاس نہ آتی۔ اگر مجھے وہ عزیز نہ ہوتی... لیکن مجھے لگا کہ آپ کو اس سب سے آگاہ کرنا بے حد ضروری ہے۔ رابعہ بچی ہے۔ ناسمجھ ہے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی ناسمجھی سے کوئی نقصان اٹھالے۔ مجھے آپ کو یہ سب بتانا بے حد ضروری لگا۔" عابدہ کو مسز رافعہ کو ساری حقیقت بتاتے ہوئے سخت شرمندگی محسوس ہورہی تھی۔ مگر انہیں واقعی یہی بہتر لگا کہ ساری حقیقت ان کو بتادی جائے۔ تاکہ وہ رابعہ کے اچھے مستقبل کے بارے میں کوئی بہتر فیصلہ کرسکیں۔

"آپ خوامخواہ ہی شرمندہ ہورہی ہیں بہن۔ ورنہ یقین مانیں آپ نے بہت بڑا احسان کیا ہے مجھ پر۔ مجھے اندازہ تو تھا کہ رابعہ کچھ لاپرواسی ہوتی جارہی ہے۔ مگر یوں وہ آپ سب کے لیے باعث تکلیف بن جائے گی تو میں کبھی اس کو آپ کے گھر آنے کی بھی اجازت نہ دیتی۔ ورنہ یقین کریں کالونی کے کسی اور گھر اسے میں نہیں جانے دیتی۔" ان کے لہجے میں تاسف تھا' دکھ تھا' عابدہ خود ایک ماں تھیں' ان کا دکھ سمجھ سکتی تھیں۔

"مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ یہ بات مجھے اب پتا چلی۔ جب بہت دیر ہوچکی ہے۔ میرا بیٹا ارشق کسی کو پسند کرنے لگا ہے۔ ورنہ رابعہ جیسی بہو تو ہر عورت کا خواب ہوتی ہے۔ وہ ذرا ناسمجھ ضرور ہے۔ مگر میں جانتی ہوں وہ اندر سے بالکل آپ کا پرتو ہے۔ بہت پیاری نیچر ہے اس کی۔ اگر ارشق کہیں اور انٹرسٹڈ نہ ہوتا تو میں آپ کو یہ بتانے کی بجائے آپ سے رابعہ بیٹی کا ہاتھ مانگ لیتی۔" عابدہ نے کہا۔

"بس آپ دعا کریں بہن۔ ایک ہی بیٹی ہے میری۔ اللہ نصیب اچھے کرے اس کے۔ ایک دو اچھے رشتے آئے ہوئے ہیں۔ بات بن جائے تو۔" "ان شاء اللہ... اللہ کرم کرنے والا ہے۔ آپ بس اللہ پہ بھروسا کرکے بسم اللہ کریں۔" عابدہ نے ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ان شاء اللہ..." انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم چاچی! کیسی ہیں؟" وہ سرمد کے بھیجے ہوئے پیغامات ضائع کررہی تھی۔ نہ جانے آج کل اسے کیا ہوا تھا۔ پوری دنیا کی رومانٹک شاعری چن چن کر اسے بھیج دیتا اور وہ فوراً" سارے کے سارے پیغام ضائع کردیتی۔ اس نے ایک' دوبار اسے منع بھی کیا' مگر اسے کچھ اثر ہی نہ ہوا۔ ابھی بھی وہ پڑھے بغیر ہی اس کے تمام پیغام ڈیلیٹ کررہی تھی کہ گھر سے کال آنے لگی۔ اس نے فوراً" کال پک کی تو زینب چاچی کی آواز سن کر جی خوش ہوگیا۔

"وعلیکم السلام... چاچی کی جان تو ادھر ہے' پھر بھی پوچھتی ہو کہ چاچی کیسی ہے؟" انہوں نے اداس لہجے میں کہا۔ وہ خاموش رہی۔

"لگتا ہے وہاں جی لگ گیا ہے میری بیٹی کا۔ ہمیں بھول بھال گئی ہے۔" اداس مسکراتا لہجہ اسے بھی اداس کرنے لگا۔

"ارے نہیں چاچی۔ بس مائدہ سے ہی گپ شپ لگی رہتی ہے۔ ورنہ باقی گھر والوں سے میری نہیں بنتی اتنی اور آپ سب کو میں کیسے بھول سکتی ہوں۔ آپ سب ہی تو میری پہچان ہو۔" وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولی۔

"لیکن بیٹا۔ یہ کیسی محبت کہ ہم تمہارے گھر آئے اور تم نے حال احوال پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔" عینا ان کی بات پہ حیران رہ گئی۔

"چلو۔ ٹھیک ہے اس وقت تم گھر پہ نہیں تھیں مگر بعد میں تو تم فون کر کے پوچھ سکتی تھیں نا کہ ہم تمہارے گھر آئے تو ہماری کیا خاطر تواضع کی تمہارے ننھیال والوں نے۔" اب کی بار چاچی زینب کی آواز میں خفگی نمایاں تھی۔

"آپ لوگ یہاں آئے تھے۔" عینا حیرت سے بولی۔

"اب یہ نہ کہہ دینا کہ تمہیں کسی نے بتایا ہی نہیں۔ بھئی تم مجھے سگی اولاد کی طرح عزیز ہو۔ اگر تم نے وہاں رہنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو۔ تو مجھے صاف بتا دیا ہوتا اور منع بھی کر دیا ہوتا۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم جو بھی فیصلہ کرو گی' ہمیں منظور ہو گا۔ مگر تم نے کہا کہ تمہیں ہر حال میں میرے پاس واپس آنا ہے تب ہی میں تمہاری ماں ہوں سے۔" وہ رونے لگی تھیں۔ عینا کو برداشت کرنے مشکل ہونے لگا۔

"انہوں نے جو عزت افزائی میری کی۔ وہ تو مرتے دم تک یاد رکھوں گی۔ مگر تم۔ تمہیں تو میں نے ساری عمر سینے سے لگا کر رکھا۔ تم نے بھی میرا مان توڑ دیا۔" وہ روتے ہوئے بولیں۔ عینا نے کال کاٹ دی اور فوراً" زاہدہ کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ ارشق کے بالوں میں تیل لگا رہی تھیں۔

"ارے عینا۔ آؤ تم بھی تیل لگوالو۔ بال صحت مند رہتے ہیں۔" ارشق اسے دیکھتے ہی چونکا تھا۔

"کیا چاچی لوگ آئے تھے یہاں میری غیر موجودگی میں۔" وہ ان کے قریب جا کر بولی تھی۔ زاہدہ کے ہاتھ ایکدم رکے۔ ارشق کو بھی دھچکا لگا۔

"تم بیٹھو تو سہی۔" وہ فوراً اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے؟" وہ مزید تپ کر بولی۔

"ہاں آئے تھے ہم خود یہ بات تمہیں بتانے۔" زاہدہ بولنے لگیں کہ عینا نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بولنے سے روک دیا۔

"بس۔ آگے مجھے کچھ نہیں سننا۔ آپ لوگ ہوتے کون ہیں ان کی بے عزتی کرنے والے۔ لف میں سمجھی آپ لوگ میری محبت' میری حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے مجھے اس گھر کے فرد کی طرح ڈیل کرتے ہیں۔ مگر آپ سب تو گیم کھیل رہے تھے میرے ساتھ۔ میٹھے میں زہر' اندر ہی اندر آپ لوگ میرے اور چاچی کے درمیان دراڑ ڈال رہے تھے۔" وہ غصے سے کانپتے ہوئے بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے عینا۔" ارشق نرمی سے کہتا اس کے قریب آیا۔ وہ دو قدم دور ہٹی۔

"مجھے کچھ نہیں سمجھنا۔ سب کچھ مجھ پہ اچھی طرح واضح ہو گیا ہے۔ لیکن ایک بات اچھی طرح یاد رکھیں عینا احمد' بچی نہیں کہ اپنا اچھا برا نہ سمجھ سکے۔ میں اب بڑی ہو گئی ہوں اور اپنے ہر فیصلے کی خود مختار ہوں۔ میرے بارے میں کوئی بھی فیصلہ آپ کیسے لے سکتی ہیں۔ مجھے اب کہیں جا کر آپ سب پہ اعتماد آنے لگا تھا۔ مگر آپ نے میرا وہ ذرا سا اعتماد بھی توڑ دیا۔ میرا بھروسا کرچی کرچی کر دیا۔" کمرہ کر وہ رکی نہیں۔ تیزی سے باہر نکل گئی۔ ارشق پریشان سا زاہدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"عابدہ کی بات سچ ہو گئی نا۔ وہ جو ذرا لچک دکھانے لگی تھی۔ اب اس کی بھی امید نہیں' بدگمان ہو گئی۔ پہلے سے بھی زیادہ۔" زاہدہ مایوس لہجے میں بولیں' ارشق کے پاس تو گویا الفاظ ہی نہیں رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

رمضان شروع ہو چکا تھا۔ مگر گھر کی فضا۔ عجیب سی کثافت طاری تھی۔ عینا جو اب سب میں گھلنے ملنے لگی تھی۔ پھر سے اپنے کمرے میں قید ہو کے رہ گئی

تھی۔ بس سحری اور افطاری میں ہی وہ نظر آتی۔ سب ہی گھر والے اس کے رویے سے زیادہ اپنے کیے کرائے پہ پانی پھر جانے کی وجہ سے اداس تھے۔ اگر ارشق نے اس وقت یہ سب اسے بتانے دیا ہوتا تو آج اسے غلط طریقے سے پتا نہ چلتا اور نہ ہی وہ یوں سب سے ایک ساتھ بدگمان ہوتی۔ اب تو وہ مائرہ سے بھی کھنچی کھنچی رہنے لگی تھی۔ پہلا عشرہ ختم ہونے کو تھا۔ وہ سب افطاری کے لیے کھانے کے کمرے میں تھے۔ جب عینا بھی وہیں چلی آئی اور خاموشی سے زاہدہ کے ساتھ بیٹھ کر افطاری کرنے لگی۔ سب نے ہی اس کی خاموشی کو بری طرح محسوس کیا۔ مگر کوئی اسے مخاطب نہ کر پایا۔

"امی... عید کے بعد چاچی' چاچا میرے لیے آئیں گے دوبارہ۔ میری بات ہوئی ہے ان سے۔ آپ بس سادہ سی رسم رکھ لیجیے گا۔" افطاری کے بعد وہ نہایت اطمینان سے بولی تو سب ہی اچھل پڑے۔

"یہ فیصلہ کرنے والی تم کون ہوتی ہو؟" سب سے پہلے ارشق تڑخا۔

"تو کیا آپ کریں گے میری زندگی کے فیصلے۔" وہ شاکی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں نے یہ کب کہا۔ پھوپھو زندہ ہیں ابھی۔" وہی بلا کا اعتماد۔ عینا دانت پیس کر رہ گئی۔

"میں نے ان کو کوئی حق نہیں دیا۔" عینا بولی۔

"تمہارے بابا دے کر گئے ہیں یہ حق۔" وہ بھی ارشق تھا۔

"میں یہ حق تسلیم نہیں کرتی۔" وہ قطعی لہجے میں بولی۔ زاہدہ کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

"تب تمہارے بابا کی وصیت کے مطابق تمہیں جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔" ارشق مسکرایا۔ اس وقت وہ عینا کو زہر لگا۔

"ڈیم کیئر۔" وہ تلخی سے بولی۔

"سوچ لو... فٹ پاتھ پہ آجاؤ گی اپنے چاچی لوگ سمیت۔" طنزیہ لہجے میں جیسے اسے ڈرانے کی کوشش کی گئی۔

"فرعون مت بنو ارشق... سب کچھ دینے والی اللہ کی ذات ہے۔ یہ میرا عقیدہ ہے۔" وہ نپتہ لہجے میں بولی۔

"عقیدہ اللہ پر اور کام اس کی مرضی کے خلاف۔" اور طنز...

"والدین کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے جناب۔" ارشق کو غصہ آنے لگا تھا۔ "میں نے آپ سے کوئی بحث نہیں کی۔ امی کو بتانا تھا' بتا دیا۔ سو پلیز آپ ہمارے معاملات سے دور ہی رہیں تو بہتر ہے۔" تلخ لہجے میں کہہ کر وہ جھٹکے سے اٹھی اور وہاں سے چلی گئی۔

"تمہیں سمجھانا تھا ارشق۔" عابدہ' زاہدہ کو ساتھ لگا کر تسلی دیتے ہوئے بولیں۔

"ہاں تو میرا کیا قصور جب اس کے ذہن میں ہی خناس سمایا ہوا ہے۔ میں نے تو اس کا ہی بھلا سوچا تھا۔" ارشق مزید چڑ گیا۔

"اب تو وہ مجھ سے بھی بات نہیں کرتی۔" مائرہ کو افسوس ہوا۔

"ورنہ سمجھانے کی ایک کوشش تو ضرور کرتی۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بڑا شوق ہے نا اسے۔ لگانے دیں چھلانگ کنوئیں میں۔ بس جب وہ رشتہ لے کر آئیں تو انہیں وصیت نامہ اور یہ بات ضرور بتا دیں کہ شادی کے بعد ان کے پاس کچھ نہیں رہنے والا۔" ارشق نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"اس سے کیا ہوگا۔" عابدہ سادہ سے لہجے میں بولیں۔

"جس مقصد کے لیے وہ ان محترمہ کے پیچھے مرے جا رہے ہیں۔ وہ سب کے ساتھ ساتھ ان محترمہ پہ بھی واضح ہو جائے گا۔" وہ بے حد ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

"اور اگر وہ پھر بھی اس رشتے کے لیے راضی رہے تو..." عابدہ بیٹے کی حالت سے بخوبی واقف تھیں۔

"ایسا ہو تو نہیں سکتا' مگر پھر جو اللہ کو منظور۔" وہ گاڑی کی چابی لے کر باہر چلا گیا۔ مائرہ کو بھائی کا یوں اداس ہونا مزید اداس کر گیا۔

"زاہدہ۔ تم تو ہمت کرو۔ ایسے روؤ گی تو ہم سب بکھرنے لگیں گے۔" عابدہ' زاہدہ کو تسلی دینے لگیں۔
"میں تو ابھی اسے بیٹی کی حیثیت سے پا بھی نہیں سکی کہ وہ پھر سے بچھڑنے کا سوچنے لگی۔" وہ سخت رنجیدہ تھیں۔
"اللہ سے اچھے کی توقع رکھو۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔" انہوں نے کہا تو زاہدہ نے بھی سر ہلاتے ہوئے آنکھیں پونچھ لیں۔

☆ ☆ ☆

اللہ پاک نے اس بار رمضان میں خاص کرم کیا تھا۔ ایک دو' دن گرم ہوئے' شدید گرمی پڑ جاتی تو تیسرے روز ہی بادل اُمڈ اُمڈ آتے اور پھر کبھی ہلکی کبھی تیز بارش اور ٹھنڈی ہوا میں تن من کو سیراب کر دیتیں۔ روزہ داروں کے چہرے کھل کھل اٹھتے۔

آج بھی موسم بے حد دلکش تھا۔ گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ وہ اکیلے کمرے میں بیٹھے بیٹھے بور ہو گئی تو باہر نکل آئی۔ دل چاہا کہ اس موسم کو لان میں ٹہل کر انجوائے کیا جائے۔ زاہدہ بیگم کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے بے حد خوب صورت آواز میں تلاوت سنی تو بے اختیار ہی کمرے میں چلی آئی۔ زاہدہ بیگم بیڈ پہ بیٹھی تلاوت کر رہی تھیں۔ دوسری طرف صوفے پہ ارشق لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر اندر آتی عینا پہ ڈالی اور دوبارہ سے کتاب میں گم ہو گیا۔

زاہدہ بیگم نے شاید تلاوت مکمل کر لی تھی۔ تب ہی اس کی طرف پھونکتے ہوئے قرآن پاک ریشمی کپڑے میں لپیٹنے لگیں۔ سفید دوپٹے میں ان کا خوب صورت چہرہ عجیب سے نور سے دمک رہا تھا۔ نہ جانے کیوں عینا کو ان کا یہ روپ تاؤ دلانے لگا۔ اسے لگا آج وہ سارے حساب بے باق کر سکتی تھی۔

"کیا ہوا عینا۔ اِدھر آؤ میرے پاس۔ یوں کیا دیکھ رہی ہو۔" زاہدہ اسے دیکھتے ہی جیسے کھل سی اٹھی تھیں۔

"حیران ہو رہی تھی کہ آپ کو بھی عبادت سے مطلب ہے۔" اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔ ارشق کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

"ویسے آپ شاید یہ سمجھ رہی ہیں کہ آپ کی یہ عبادت' یہ ریاضت دیکھ کر اللہ آپ کو معاف کر دے گا۔ مگر یہ آپ کی بھول ہے۔ اللہ ایسی عورتوں کی عبادت پسند نہیں فرماتے جن کا کردار مشکوک ہو۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"عینا۔" ارشق چیخ اٹھا تھا۔ زاہدہ فوراً" ان دونوں کے درمیان آ گئی تھیں۔

"واٹ۔" عینا نے بے فکری سے کندھے اچکائے۔

"میں نے جھوٹ تو نہیں کہا۔ ساری دنیا اس بات کی گواہ ہے کہ زاہدہ بیگم نے صرف اپنی خواہش کے حصول کے لیے اپنی چھوٹی سی بچی' اپنے نیک شوہر اور ہنستے بستے گھر کو لات مار دی تھی۔" وہ تنفر بھرے انداز میں ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"اس عمر میں پرہیز گاری اور عبادت کس کام کی۔ جب ساری عمر عیش پرستی میں گزار دی ہو۔" ارشق کا صبر جواب دے گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے زور کا تھپڑ رسید کیا تھا۔ زاہدہ اسے روکتی رہ گئیں۔ عینا گال پہ ہاتھ رکھے صدمے سے گنگ ہو گئی۔

"خبردار۔ خبردار جو مزید ایک لفظ بھی منہ سے نکالا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ تم پھوپھو کے وجود کا حصہ رہی ہو۔ کچھ عرصہ ان کا دودھ پیا تم نے تو تم کچھ نہ کچھ تو ان کا پرتو ہو گی۔ مگر نہیں۔ میں غلط تھا۔ تم تو بالکل اپنے باپ پہ گئی ہو۔ وہ باپ جو ساری عمر خود عیاشی کرتا رہا اور اپنی خوب صورت اور پارسا بیوی پہ شک کرتا رہا۔ خود سارا

دن' ساری رات چاہے کو ٹھے پہ گزار آتا کسی طوائف کی بانہوں میں۔۔۔ مگر گھر کی چار دیواری میں قید بیوی کو بھائی تک سے ملنے کی اجازت نہ دیتا۔ عیاشی اور بدکرداری کے طعنے مارتا۔" وہ غصے سے کانپنے لگا تھا۔

"دیکھنا ہے تمہیں۔۔۔ آؤ میں دکھاؤں۔" اس نے زبردستی زاہدہ پھوپھو کی ایک آستین ذرا سی اونچی کی تھی اور عینا شاکڈ رہ گئی تھی۔ ان کا بازو جگہ جگہ سے سگریٹ سے داغا گیا تھا۔

"تمہارے باپ نے جو کچھ میری صابر پھوپھو کے ساتھ کیا۔ اس کے لیے میں کبھی ان کو معاف نہ کرتا' اگر پھوپھو میرے آڑے نہ آتیں۔ میں جب بھی پھوپھو کو روتے بلکتے اور مما کو ان کے زخموں پہ مرہم لگاتے دیکھتا تو میں جو صرف بارہ سال کا تھا تب میرا دل کرتا کہ ان کو گولیوں سے بھون ڈالتا۔ مگر ہم سب نے یہ برداشت کیا۔ جانتی ہو کیوں۔ صرف پھوپھو کی وجہ سے کہ ان کو اپنا گھر عزیز تھا۔ وہ تو ایک دن خود تمہارے باپ نے نشے سے چور حالت میں انہیں طلاق دے کر گھر سے نکال دیا اور ہماری جان چھوٹی۔ انہوں نے تو پھوپھو کی ممتا پہ بھی ترس نہ کھایا۔ پھوپھو روتی رہیں۔ منتیں کرتی رہیں۔ مگر تمہیں بھی چھین لیا۔ بعد میں ہمیں پتا چلا کہ پھوپھو بڑی آسانی سے تمہاری اس سو کالڈ چاچی کی کسی سازش کا شکار ہوئی تھیں اور انہوں نے تمہارے باپ کے آنے کے عین وقت پہ کسی محلے کے لوفر کو پیسے دے کر وہاں بلوایا تھا۔ جسے دیکھتے ہی تمہارے شرابی باپ نے فورا" بیوی کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔" وہ ہانپنے لگا تھا۔

"یہ سب جھوٹ ہے۔" وہ چیخی تھی۔ ارشق نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کے اپنے قریب کیا تھا۔ اس کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔

"یہ سب سچ ہے اور جانتی ہو مجھے یہ سب سچ کس نے بتایا' تمہارے اسی باپ نے۔ جس نے ساری عمر میری پھوپھو کو شک اور نارسائی کی بھٹی میں جھونکے رکھا۔ اس نے مرتے وقت تمہارا' تمہاری سب جائیداد کا کیئرٹیکر ہمیں بنایا' بتاؤ اور چاہیے کوئی ثبوت۔" کتنی نفرت' کتنا غضب تھا اس وقت اس کی خوب صورت کالی آنکھوں میں۔ وہ بلک پڑی تھی۔ ارشق نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا تھا۔ وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی دیوار سے جا لگی تھی۔ زاہدہ نے ارشق کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے چپ کرایا تھا۔ لیکن وہ کب کسی کی سنتا تھا غصے میں بولے گیا۔

"اور پھر اب۔۔۔ اب بھی ہم نے زبردستی تمہیں نہیں بلایا۔ تمہارے باپ نے ہی ہمیں یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ یہ ہمارا احسان ہے کہ ہم نے پھر بھی تمہیں جی جان سے قبول کیا۔ تم آزاد ہو۔ جو چاہے کرو۔ مگر خبردار۔۔۔" وہ انگلی اٹھائے دوبارہ اس کے قریب آیا۔

"خبردار جو دوبارہ کبھی پھوپھو سے اس لہجے میں بات کی ہو۔" ارشق نے وارن کرتے ہوئے کہا۔ وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کے بلکتی ہوئی وہاں سے بھاگ آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ دوبارہ کمرے سے باہر نہ نکلی تھی۔ اور نہ ہی گھر کے افراد میں سے کوئی اسے پوچھنے آیا تھا۔ سلمیٰ افطاری کا سامان اسے دے کر واپس چلی گئی۔ اسی نے بتایا کہ ارشق نے سب گھر والوں کو اس سے بات کرنے سے مکمل طور پر منع کر دیا ہے۔ وہ مزید بکھر گئی تھی۔ ارشق نے جو کچھ بھی کہا تھا۔ وہ اگر اس کا یقین نہیں کر پا رہی تھی تو بالکل رد بھی نہیں کر پا رہی تھی' یہ بات واقعی حیرت انگیز تھی کہ آخر بابا نے مرتے وقت اپنے سگے بھائی بھابھی کو سونپنے کی بجائے اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اولاد بھی اس عورت کو کیسے سونپ دیا تھا کہ جس کے کردار نے انہیں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا تھا۔ تو کیا وہ سب سچ ہے' جو ارشق نے کہا ہے۔" وہ بے طرح تڑپی۔

"نہیں۔ مجھے ان لوگوں پہ یوں اعتبار نہیں کرنا۔ مجھے واپس جانا ہو گا' مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ نہ یہ ماں' نہ یہ رشتے' نہ ہی دھن دولت۔" اس نے سختی سے آنکھیں رگڑتے ہوئے سوچا۔ بددلی سے چند نوالے

لیے اور اپنا سامان پیک کرنے لگی۔ اسے سامان سمیت نیچے آتا دیکھ کر ارشق ایک پل میں اس کا ارادہ بھانپ گیا۔

"زرولی۔" اس نے فوراً ڈرائیور کو آواز دی۔ وہ بھاگتا آیا۔

"انہیں گھر چھوڑ آؤ۔" ارشق نے اشارہ کر کے کہا۔ تو وہ مودب انداز میں سر ہلا گیا۔ ارشق کا اجنبی انداز اسے اندر تک جلا گیا۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ شاکی نظروں سے اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملتے ہی وہ رخ پھیر گیا۔ نہ جانے کیوں اس کی پلکیں پھر سے بھیگنے لگیں۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

سارے رستے وہ آنسو بہاتی رہی۔ دل کیا چاہتا ہے یہ تو وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی یا سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"یا اللہ۔ بابا یہ میرے لیے کیسی پہیلیاں سی چھوڑ گئے۔ سب کو بتا سکتے تھے تو بیٹی کو اس امتحان میں کیوں ڈال گئے۔ مجھے یہ سب ضرور بتاتے وہ۔ سو اب یوں اچانک میں یہ سب کیسے مان لوں۔ میری مدد کر خدایا۔ میری مدد کر۔" وہ دل ہی دل میں کرلائی۔ تبھی گاڑی جھٹکے سے رکی۔ وہ چونکی۔

"کیا ہوا زرولی چاچا۔" وہ پریشان ہو گئی۔

"لگتا ہے کچھ مسئلہ ہو گیا ہے بیٹا۔ مگر فکر نہ کرو۔ گلی کا موڑ ہی ہے۔ گھر تک پیدل جا سکتے ہیں آرام سے۔ آپ کو چھوڑ کر پھر میں دیکھتا ہوں۔" وہ نیچے اترتے ہوئے بولا اور ڈگی سے اس کا بیگ بھی نکال لیا۔ عینا بھی مرے مرے قدموں سے اس کے ساتھ ہولی۔ گھر کا چھوٹا دروازہ کھلا تھا۔ تبھی زرولی کو خدا حافظ کہہ کر اپنا سامان لیے وہ اندر چلی آئی۔ گیٹ کے بالکل سامنے والا کمرہ سرمد کا تھا۔ جو کسی بات پہ چیخ رہا تھا۔

"مگر مجھے شادی کرنی ہے تو بس اسی لڑکی سے۔ جو مجھے پسند ہے۔" وہ شدید غصے میں تھا۔ "مجھے نہیں کرنی اس یتیم مسکین سے شادی۔" اس کے بڑھتے قدم خود

بخود رک گئے۔

"اس سے بھلائی کرنے کے لیے میں ہی رہ گیا ہوں۔" سرمد کس کی بات کر رہا تھا۔ اس کی وہ سوچ کے ہی نڈھال ہونے لگی۔

"بھلائی اس سے نہیں۔ تم سے کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بس ایک دفعہ تمھاری اس سے شادی ہو جائے۔" یہ چاچو تھے۔

"مگر میں نے کہا نا کہ شادی اپنی پسند سے کروں گا۔" وہ پھر چیخا۔

"تو کر لینا پسند کی بھی کس نے منع کیا ہے۔" چاچی زینب نے اسے پیار سے سمجھایا۔ سرمد چونکا۔

"کیا مطلب؟"

"تجھے نہ تو عینا سے کوئی ہمدردی ہے۔ نہ اس کی فکر مجھے تو بس تیری فکر ہے۔ ارے میں نے تو اس کی ماں کو نہیں چھوڑا۔ قسم سے جس دن سے اس گھر میں آئی تھی۔ میرا جینا حرام ہو گیا۔ شریف، سادہ سی وہ عورت تو جیسے پورے گھر پہ حاوی ہونے لگی۔ پھر تیرا چاچا، بلا کا شرابی اور عیش پرست، ایسی عورت بھلا اس کے کس کام کی۔ سو آرام سے پتا صاف کر دیا اس کا۔"

عینا کو زور کا چکر آیا۔ اس نے دیوار کا سہارا لیا۔

"بس تم عینا سے شادی کر کے ایک بار اسے اس گھر میں لے آو۔ ایک تو اس طرح ہم سب کا مستقبل محفوظ ہو جائے گا۔ پھر چاہے تم تین شادیاں کر لو۔ کیا بگاڑ لے گی یہ تمہارا۔ آگے پیچھے تو کوئی رہا نہیں۔ ایک ماں ہے۔ تم سے شادی کر کے وہ یہ در بھی اپنے ہاتھوں سے بند کر دے گی اور پھر سچ کہوں تو اس نے کام کاج سے یوں جان چھڑائی ہے میری کہ اب تو عادت ہی نہیں رہی۔ جب سے گئی ہے کمر ٹوٹ گئی ہے۔" عینا کو سینے میں شدید درد محسوس ہوا تھا۔ اس نے اپنا بیگ وہیں چھوڑ دیا تھا اور خود جیسے اپنے مردہ وجود کو گیٹ کی طرف گھسیٹنے لگی تھی۔

"او کے پھر مجھے بھی منظور ہے۔" اس نے اپنے پیچھے سرمد کی مسکراتی آواز سنی تھی۔ چاچا چاچی بھی ہنسنے لگے تھے۔ اس نے پوری قوت جمع کی بھاگی اور گیٹ سے نکلتی چلی گئی۔ ارشق کا ڈرائیور کچھ دور ہی کھڑا کسی سے شاید مدد مانگ رہا تھا۔ عینا کو لگا جیسے خدا شاید اس کی مدد کر رہا تھا۔ اس نے زور سے زرولی چاچا کو آواز دی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا اور وہ زمین پر گرتی چلی گئی۔ زرولی اور دوسرے آدمی نے اسے زمین پر گرتے دیکھ لیا تھا۔ تبھی تیزی سے اس کی طرف بھاگے تھے۔

☆ ☆ ☆

نہ جانے وہ کتنی دیر تک بے ہوش رہی۔ کبھی کبھی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جانا کتنی بڑی نعمت ہوتا ہے۔ ہوش میں آتے ہی سارے منظر ذہن پہ واضح ہونے لگے تو اس نے بے بسی سے سوچا تھا۔ تبھی اس نے اردگرد نگاہ کی تھی۔ کتنے ہی لوگ امید اور محبت بھری نظروں سے اس کے منتظر تھے۔ وہ سب پریشان تھے اس کے لیے جس نے اس ماہ مقدس میں بھی ان کی عزت پہ انگلی اٹھائی۔ ان کو دکھ اور تکلیف دی۔ وہ تو اپنی ہی نظروں میں گر چکی تھی۔ ان سب سے بھلا کیا نظریں ملاتی۔ تبھی آنسو بہاتی چہرہ جھکا گئی۔

"عینا کیا ہوا بچے سب خیریت تو ہے۔" وہ سب ناواقف تھے۔ ڈرائیور نے بس یہی بتایا کہ وہ گھر جاتے ہی کچھ دیر بعد واپس پلٹ آئی اور گلی میں ہی گر گئی۔

"بولو بیٹا کیا ہوا کسی نے تمہیں کچھ کہہ دیا کیا۔" زاہدہ بری طرح پریشان ہوتے بولیں۔ عینا سے مزید برداشت نہ ہوا۔ وہ لپک کر ماں سے لپٹ گئی۔

"مجھے معاف کر دیں امی۔ میں تو خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی۔" وہ بلک بلک کر رو دی۔ اندر آتے ارشق نے حیرت اور خوشی سے یہ منظر دیکھا تھا۔

"ایسے نہ کہو عینا میری جان۔ میں بھلا تم سے ناراض ہو سکتی ہوں۔" وہ بھی اس کے سر پہ چہرہ ٹکائے رو دیں ...... اللہ نے ان کی ریاضت قبول کر لی تھی۔ بہت پیارا صلہ دیا تھا ان کے صبر کا۔

"میں، میں کتنا بے ادب ہوئی۔ میرا اللہ بھی مجھے

کبھی معاف نہیں کرے گا۔ یہ مجھ سے کیا ہو گیا ہے امی انجانے میں کتنا بڑا گناہ کر گئی میں۔" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔ زاہدہ نے اسے خود میں سمیٹ لیا۔

"تمہیں تو بے خبر رکھا گیا۔ تم جو جانتی تھیں وہی تمہارے ہر عمل میں نظر آتا۔ لیکن اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اپنی غلطی مان کر اس پر شرمندہ ہوں۔ تائب ہوں۔ تم نے کچھ نہیں کیا۔ یوں جان ہلکان نہ کرو۔" وہ اس کی کمر سہلاتے ہوئے بولیں۔

"شکر خدا کا ان کو بھی عقل آئی۔" ارشق پہلی بار بولا تھا۔ عہنا نے چونک کر اسے دیکھا مگر وہاں ہمیشہ والی مسکراہٹ غائب تھی، مطلب وہ طنز کر رہا تھا۔

"ارشق میری بچی کو تنگ نہیں کرو گے تم۔" زاہدہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"بے فکر رہیے پھوپھو۔ یہ حق محترمہ کب کا اپنے ہاتھوں سے کھو چکی ہے۔" وہ نروٹھے انداز میں بولا۔ عہنا کا دل کانپ سا گیا۔ واقعی وہ جہالت میں کتنے مخلص لوگوں کی محبت کو لات مار کر چلی تھی۔

"ہمیں تو کوئی گلہ نہیں رہا عہنا سے۔ وہ واپس آ گئی بس یہی کافی ہے۔" مائرہ مسکرا کر اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے بولی۔ عہنا کو یک گونہ اطمینان سا محسوس ہوا۔

"نہ ہوں۔ مجھے تو ہیں اور بہت سارے۔ جن کا حساب بھی لوں گا۔" کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ باہر چلا گیا۔

"امی، امی میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ اگر آپ۔۔۔" وہ بتاتے ہوئے ہچکچائی۔

"ہاں بولو بیٹا۔" زاہدہ نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"امی۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ گھر اور دکان چاچی کے نام کر دوں۔ میں انہیں بتانا چاہتی ہوں امی کہ پیسہ کچھ نہیں ہوتا۔ خلوص اور رواداری ہی سب کچھ ہے۔"

اس نے ماں کو سارا واقعہ من و عن بتانے کے بعد اپنی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔

"مجھے خوشی ہوئی عہنا تمہاری سوچ جان کر بیٹا۔ میں آج ہی ارشق سے کہہ کر کاغذات بنواتی ہوں۔" انہوں نے فوراً ہامی بھر لی۔ عہنا کو آج ان کی بیٹی ہونے پہ فخر محسوس ہوا تھا۔ وہ مطمئن ہو کر مسکرا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے کافی سوچنے کے بعد چاچی کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری بیل پہ ہی فون اٹھا لیا گیا۔

"چاچی۔ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔ لیکن سچ بتائیں گی۔" وہ سیدھی سیدھی اصل بات کی طرف آئی۔

"کیا مطلب عہنا۔ کیا ہوا ہے؟" چاچی زینب ٹھٹکیں۔

"پہلے آپ بتائیں چاچی۔ میں کتنی چھوٹی سی تھی جب آپ کی جھولی میں ڈال دی گئی۔ کبھی تو آپ نے مجھے دل سے پیار کیا ہو گا۔ یوں کوئی ساری عمر تو کسی کو سینے سے لگا کر نہیں پال سکتا۔ کبھی تو میں بھی آپ کی ممتا کی حقدار ٹھہری ہوں گی نا۔" وہ بے آواز رونے لگی تھی۔ چاچی زینب کچھ دیر خاموش رہیں پھر مدھم لہجے میں بولیں۔

"یہ سچ ہے عہنا کہ تم مجھے کسی بوجھ کی طرح محسوس ہوئیں جب میرے لاکھ کہنے کے باوجود بھی تمہارے باپ نے تمہیں تمہاری ماں کو نہ سونپا۔ مگر کب تک بیٹا۔" تم نے جب مجھے امی پکارا تو جیسے میری ممتا جاگ اٹھی۔ تم اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے میرا لمس محسوس کرتیں تو میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑ جاتی۔ پھر جب تمہارے باپ نے کہا کہ اسے چاچی کہنا سکھاؤ۔ امی نہیں تو سچ میں میرا دل بہت اداس ہوا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے بیٹا کہ سرمد کی محبت تمہاری محبت پہ غالب ہی رہی۔"

"میری ماں کیسی تھی چاچی۔۔۔؟"

"مجھے تم بے حد عزیز ہو عہنا۔ ٹھیک ہے کہ میری محبت میں کچھ ذاتی لالچ بھی شامل تھے۔ لیکن تم کو ماں کا جو پیار دیا آج میں اسے کھوٹا نہیں کروں گی۔ ہو سکتا

ہے خدا مجھے اس کا کوئی اجر دے دے اور میرے گناہ معاف کر دے۔ تمہاری ماں ایک پاک باز اور نیک عورت ہے بیٹا' جو کچھ بھی ہوا وہ بس ایک دھوکا تھا۔ بعض اوقات آنکھوں دیکھا بھی سچ نہیں ہوتا۔ میں تمہاری ماں' تمہارے باپ اور تمہاری مجرم ہوں۔ مجھے معاف کر دینا بیٹا۔" وہ رو رہی تھیں۔ عینا بھی رونے لگی۔

"میں آپ سے بے حد محبت کرتی ہوں چاچی اور اسی مان کے ساتھ آج میں نے آپ کو فون کیا آپ کا شکریہ کہ آپ نے میرا مان ٹوٹنے نہیں دیا اور ہاں چاچی میں نے وہ گھر اور ایک دکان آپ کے' اپنی منہ بولی ماں کے نام کر دیا ہے۔ لیکن چاچی یہ بھی سچ ہے کہ میں اس گھر سے اب کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی۔" وہ قطعی لہجے میں بولی تھی۔

"تم نے ثابت کر دیا بیٹا کہ تم ایک باکردار اور اعلیٰ ظرف ماں کی بیٹی ہو۔" وہ کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بولی تھیں۔

"میں اسی لیے تمہاری ماں سے جلنے لگی تھی۔ میرا شوہر نکھٹو تھا۔ تمہارے بابا عیاش ہونے کے ساتھ ساتھ خوب صورت' ذہین اور قابل تھے۔ تبھی ان کے کاروبار میں اس قدر ترقی ہوئی اور اسی حسد نے مجھ سے کیا کیا گناہ کرا لیے۔ مگر بیٹا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ تمہارے ماں باپ جیسے مخلص رشتے اپنے ہاتھوں سے گنوا دیے اور اب تمہیں بھی کھو دیا۔ تمہارا سب اللہ تمہیں نصیب کرے بیٹا۔" وہ رو رہی تھیں۔

"نہیں چاچی' آپ نے مجھے ماں بن کر پالا آپ کو میں کبھی نہیں بھولوں گی۔ لیکن مجھے وہ گھر اور دکان نہیں چاہیے۔ میں نے کاغذ بنوا لیے ہیں۔ ارشق جلد ہی آپ سے ملنے آئے گا۔ اپنا خیال رکھیے گا چاچی۔" وہ فون رکھنے لگی۔

"مجھے معاف کر دو عینا۔" وہ بلکنے لگیں۔

"میں آپ کو معاف کر دیتی ہوں چاچی۔ میرا اللہ بھی آپ کو معاف کرے آمین۔" محبت سے کہہ کر اس نے کال ختم کر دی تھی دور آسمانوں میں لالی ابھر رہی تھی۔ سورج کا سفر ختم ہونے کو تھا اور اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی زندگی کا سفر ابھی شروع ہوا تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر جھانکتی ناراض ارشق کو سوچنے لگی۔ جس کی اجنبیت اب روح کو گھائل کرنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج چاند رات متوقع تھی۔ تبھی سارے لوگ گھروں کی چھتوں اور ٹیرس پہ جمع تھے۔ عجیب سی گہما گہمی تھی۔ جو دل میں خوشی کے دیپ جلائے دیتی تھی۔ اور اس قدر خوب صورت ماحول میں وہ گلابوں کی کیاری کے پاس اکیلے بیٹھی جیسے اس دنیا کی باسی ہی نہ تھی۔

"ارے۔ میرے گلاب کیوں توڑ رہی ہو۔" عینا اچھلی اور ذرا سا پیچھے کو گری۔ ارشق کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آگئی۔ عینا کو شدید خفت محسوس ہوئی۔ وہ فوراً "سیدھی ہوئی اور دوبارہ ٹانگیں سکیڑ کر بیٹھ گئی۔ آنکھیں خوامخواہ ہی ۔۔۔۔ پانیوں سے بھرنے لگیں۔ ارشق اس کے سامنے دوزانو ہو کے بیٹھ گیا۔ پوری توجہ سے اسے گھورتے ہوئے' سی گرین لان کے سادہ سے جوڑے میں اس کا مکمل سا روپ بے حد دلکش تھا۔

"م' م' میں گلاب نہیں توڑ رہی تھی۔" وہ اس کی نظروں کے حصار سے خائف ہو کر بولی۔

"اچھا مجھے تو ایسا ہی لگا کہ اس وقت جب سب گھر والے وہاں ٹیرس پہ چاند تلاش کرنے میں لگے ہیں۔ تم میری دشمنی ان پھولوں سے نکالنے آئی ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا لہجے میں مصنوعی رعب تھا۔ ارشق نے دھیرے سے ایک قدرے جھکے گلاب کو چھوا۔

"میں آپ سے دشمنی کیوں کروں گی۔ میں تو آپ سے ۔۔۔۔" بے ساختہ ہی بولتے بولتے اس نے اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ کے خود کو روکا تھا۔ ارشق نے فوراً "اس کی طرف نگاہ کی۔ وہ پلکیں جھکا گئی۔

"میں تو کیا۔۔۔؟" وہ شریر لہجے میں بولا۔

"کچھ نہیں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور جانے

کے لیے آگے بڑھی ہی تھی کہ ارشق نے پکار لیا۔ وہ ذرا سا مڑی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"مجھ سے معافی نہیں مانگو گی۔" خدا نے اسے کتنی پیاری مسکراہٹ سے نوازا تھا۔ عینا سوچ گئی۔

"آپ معاف کر دیں گے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"زندگی سے بھی بھلا کوئی خفا رہ سکتا ہے۔" عینا کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔ کتنی اچانک 'کتنے خوب صورت لفظوں میں ارشق نے اسے محبت' زندگی اور خواب دان کیے تھے۔

"کوئی پاگل ہی زندگی سے ناراضی مول لے گا۔" وہ مسکرایا تھا اور عینا کی قلب و روح میں سکون سرایت کرنے لگا تھا۔ کئی دنوں کی کثافت پل میں دور ہوگئی تھی۔ عینا کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

"پتا ہے عینا زاہدہ پھوپھو کہتی ہیں کہ انسان بھی عجیب چیز ہے۔ ہر چھوٹی بڑی بات پہ آنکھوں میں آنسو بھر لیتا ہے۔" وہ ایک خوب صورت گلاب توڑتے ہوئے بولا۔

"لیکن انسان کے یہ آنسو بے حد قیمتی ہوتے ہیں۔ یہ انسان کا دکھ، شکر اور خوشی سب کہانیاں بیان کر دیتے ہیں۔ اب تمہارے آنسوؤں کا میں کیا مطلب سمجھوں' اپنوں کے دھوکے کا دکھ' اس دھوکے سے بچ جانے کا شکر یا پھر اس وقت میرے ساتھ ہونے کی خوشی۔" اس نے قریب آکر پھول اس کی طرف بڑھایا جو ذرا سی ہچکچاہٹ کے بعد تھام لیا گیا۔

"شاید ان تینوں کے لیے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ اور پھول پکڑے اندر بھاگ گئی۔ ارشق نے ایک لمبی سانس خارج کی تھی۔

اسے خوشی تھی کہ اس کی محبت اور توجہ رائیگاں نہ گئی تھی۔ بالآخر عینا کا دل جیت گئی تھی۔ زاہدہ پھوپھو کے امتحان کی گھڑیاں بھی ختم ہوئی تھیں۔ کہ جن کی اداسی نے عرصے تک اس گھر میں خوشیوں کے رنگ پھیکے کر رکھے تھے۔ مگر آج' اسے لگا اللہ نے ان پہ اس بار خاص کرم کیا تھا۔ ان کی محنت صبر کا خاص صلہ عطا

کر دیا تھا۔ اس بار خوشیوں کے رنگ بے حد شوخ تھے۔ محبت' مان اور اعتماد کے رنگوں سے بھرپور تھی اس بار کی عید۔ وہ وہیں کھڑا خدا کا شکر ادا کر تا رہا تھا دل میں۔

اور ادھر ٹیرس پہ سب کے ساتھ کھڑی عینا کے دل کا بھی یہی حال تھا۔ سب کی نظر باریک سے ہلال عید پہ تھی۔ سب خوش تھے۔ چیخ رہے تھے' مبارک بادیں دے رہے تھے۔ مگر اس کی نظر چاند رات کے ستارے پہ جمی تھی۔ جو بالکل اس کی قسمت کی طرح آج کچھ زیادہ ہی جگمگا رہا تھا۔ اس کے لیے خوشیوں کی نوید بن کر آیا تھا یہ چاند رات کا ستارہ۔ مسکراتے ہوئے اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ کا شکر ادا کرنے لگی۔

☆ ☆

ناولٹ

لبنیٰ جدون

عشق سفر کی دھول

"ہیلو..." طارق سومرو کی آواز گونجی تو پاکیزہ کو کچھ لمحے پہچاننے کی کوشش میں خاموشی سے گزارنے پڑے۔

"ہیلو جواب تو دو۔"

"جی کون میں نے پہچانا نہیں..." پاکیزہ نے پوچھا۔

"میں طارق سومرو بات کر رہا ہوں۔ تم پاکیزہ ہی بات کر رہی ہو نا۔" وہ بھرپور یقین سے پوچھ رہا تھا۔ اس کا نام تو ایک ڈراؤنا سپنا تھا جس کو سوچتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ ظالم سے ٹکرانے کا ارادہ بچپن سے باندھ رہی تھی۔ اب وہ اس کے سامنے خود ہی آ رہا تھا لیکن حوصلے پست ہو رہے تھے۔ حالانکہ جب کوئی مرد محبت بھری نظر کسی عورت کی طرف ڈال کر اس کی جانب بڑھتا ہے تو اس کی دہشت میں وہ خوف نہیں ہوتا جو ایک انسان کے وجود کو آدھے آسمان میں لٹکا دیتا ہے۔

"لیکن میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" پاکیزہ کا دل خوف سے دھڑکنا بھول گیا وہ جان بوجھ کے انجان بن گئی۔

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ میرے جاننے والوں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس میں تمہارے نام کی غیر موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوگا۔" شانِ بے نیازی سے جواب آیا تو پاکیزہ کو تو جیسے پتنگے ہی لگ گئے

"لیکن میرے جاننے والوں کی فہرست بہت مختصر ہے مسٹر طارق سومرو اور میں اس میں مزید کسی نئے نام کے اندراج کی خواہش مند قطعاً "نہیں ہوں۔" کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ کچھ لمحوں تک وہ اس بے یقینی کی کیفیت میں رہی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے وہ سب طارق سومرو سے ہی کہا ہے۔ آخر یہ کیا چاہتا ہے؟ وہ خود سے گویا ہوئی۔ جب گھنٹیاں کسی طرح بند نہ ہوئیں تو اسے موبائل اٹھانا ہی پڑا۔

"میری بات غور سے سنو... ایک نام اور اپنی فہرست میں شامل کر لو۔ طارق سومرو۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا تو وہ چپ ہو رہی۔

"پھپھو جان کے گھر شادی میں کافی عرصے بعد تم پہ نظر پڑی... اور..."

"اور آپ کو مجھ سے محبت ہو گئی۔ آپ اپنا دل ہار گئے۔ ایسا ہی کچھ ہوا ہے نا۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے قہقہہ لگا کر بولی تو وہ بھڑک اٹھا۔

"خیر دل ہارنا تو کیا کہ میں نے کبھی ہارنا سیکھا ہی نہیں۔ وہ تو اماں نے پوچھا تو میں نے تمہارا نام لے لیا اور کوئی آپشن جو نہیں تھا۔" ادھار رکھنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

"اس مہربانی کا بہت شکریہ... لیکن میرے متعلق سوچنے سے پہلے آپ کو کم از کم ایک ہزار بار سوچنا چاہیے تھا۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ تم اتنا مشکل سوال ہو۔"

"آپ کی سمجھ پہ مجھے ہنسی آ رہی ہے۔ ایک مشورہ ہے کہ اپنے سے زیادہ دوسروں کو پڑھنے کی کوشش کریں بہتر اندازہ لگا پائیں گے۔"

"اور ایک بات آپ بھی سمجھ لیں کہ میں نے زندگی کا کوئی بھی امتحان رٹ کے نہیں دیا بلکہ زندگی نے مجھ سے سیکھا ہے اور تمہیں کیا اور کیسے سکھانا ہے مجھے آتا ہے۔" کہہ کر کھٹ سے فون بند کر دیا گیا۔

اور اس کا دماغ گھوم گیا۔

"ڈیل..." اگلا سارا دن بھی اس کا دماغ گھومتا رہا۔ کالج سے واپسی پہ بھی الجھی رہی۔

"اماں کھانا چاہیے۔" وہ بیگ مسہری پہ پھینکتے ہوئے بولی۔

"اچھا بیٹا ابھی تم یونیفارم تو بدل کے آؤ۔" وہ ہمیشہ کی طرح اسے سنائے بنا ہی جھٹ اٹھیں۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"کیا بات ہے اماں آج زبان میں بڑی چاشنی ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے بھی کسی کا منہ نہیں نوچا۔ ایسا ہی بولتی ہوں میں۔" وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگی رات کو ہلکا سا دروازہ بجا کے اندر آئیں تو پاکیزہ جان

گئی کہ بات کوئی خاص ہی ہے۔

"اماں مجھے بلوالیا ہوتا۔"

"مجھے تم سے ایک خاص بات کرنی ہے۔" وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"جی اماں۔۔۔ بولیں کیا خاص بات ہے۔۔۔؟" وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"پاکیزہ جب بیٹیاں جوان ہوجاتی ہیں تو ماں باپ کی صرف ایک ہی دعا ہوتی ہے کہ ان کا گھر بس جائے۔ میری بھی یہی دعا ہے کہ تو اپنے گھر کی ہوجائے۔" وہ چند لمحے رکیں۔

"اماں آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں۔۔۔" وہ الجھی۔

"بیٹا میں چاہ رہی تھی کہ اب تو اپنے گھربار کی ہوجائے۔" پاکیزہ نے محسوس کیا کہ وہ بات کرتے ہوئے نظریں چرا رہی تھیں۔

"مگر اماں۔۔۔ اتنی جلدی۔۔۔؟" وہ پریشان ہوا ٹھی۔

"بیٹا ماشاء اللہ اب تم بی اے کرہی لوگی۔"

"لیکن اماں مجھے ابھی پڑھنا ہے۔"

"پڑھنے سے بھلا کون روکتا ہے چندا تو اپنی ہمت دکھانا۔"

"اماں آپ فیصلہ کرکے آئی ہیں تو پھر میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ سر جھکا کے بولی۔

"بیٹا میں نے سوچا ہے کہ تیرے لیے۔۔۔" وہ جانتی تھی کہ پچھلے کچھ دنوں سے خالہ بلقیس کا گھر میں آنا جانا بلاوجہ تو نہیں تھا۔ اس لیے ان کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اچک لیا۔

"اماں مجھے آپ کے فیصلے پہ بھروسہ ہے۔۔۔ آپ بہتر فیصلہ کریں گی۔" اس نے سر جھکا کے سعادت مندی سے کہا تو وہ اس کی تابعداری پہ خوش ہوکے اس کا ماتھا چومتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دینے لگیں۔

میں نے اس لیے بھی ہامی بھرنے میں دیر نہیں لگائی کہ مجھے طارق سومرو سے فرار بھی حاصل کرنا تھا رات بیڈ پہ لیٹی تو دھیان پھر اسی کی طرف چلا گیا۔ کچھ لوگ کس شان سے جیتے ہیں۔ زندگی جیسے ان کے لیے ہی تو ہو۔ اس کے لہجے کا غرور۔۔۔ اس کی آواز کی سختی۔۔۔ میں نے کبھی اپنے خوابوں کو اتنی اونچی پرواز نہیں دی جس کو سنبھالنے کی سکت میرے پروں میں نہ ہو۔ نیند کا جھونکا آیا تو سب سوچیں کہیں کھو گئیں۔

☆ ☆ ☆

"محترمہ آپ کا اور میرا رشتہ تو ہو ہی جائے گا کیونکہ میں اپنے فیصلے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا۔۔۔ ہارنا اور جھکنا میں نے سیکھا ہی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ مجھے سمجھنے کے لیے آپ ایک دو دفعہ مجھ سے مل لیں تاکہ بعد میں آپ کو شکوے نہ ہوں۔" اگلے دن دوبارہ اس کا فون آگیا۔

"کیا بکواس ہے یہ اور آپ مجھے خوامخواہ کیوں پریشان کررہے ہیں۔ میرے گھر والوں نے میری بات طے کردی ہے۔ آپ کسی اور شکار پہ نظر کرم کریں۔" وہ تقریباً چیخ اٹھی۔

"مجھے آپ سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"گویا تم مجھے انکار کررہی ہو۔۔۔"

"جی بالکل۔۔۔ آپ کو مایوسی ہوگی۔"

"تم ابھی تک میری طاقت کا اندازہ نہیں لگا پائیں۔ بہتر یہ ہے کہ میرے ساتھ محاذ کھولنے کے بجائے دوستانہ ماحول میں بات کرلو۔ اگر تم کسی اور کی محبت میں مبتلا ہو تو یقیناً" میں ہرگز کسی ایسی ویسی لڑکی کی خواہش نہیں کرسکتا اور پھر بات سمجھ میں بھی آتی ہے لیکن اگر تم بنا کسی وجہ کے مجھے جھٹلانا چاہ رہی ہو تو پھر تم غلطی پہ ہو کیونکہ طارق سومرو کو ٹھکرا نہیں سکتی ہو تم۔۔۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ طارق سومرو کوئی بات منہ سے نکالے اور پیچھے ہٹ جائے۔ ممکن نہیں۔۔۔" اب کے اس کے لہجے کی سختی میں اضافہ ہوا۔

"مسٹر سومرو میں نے بہت صاف ستھری زندگی گزاری ہے۔ رہی بات اس بارے میں کوئی وضاحتی بیان پیش کرنے کی تو میں اس کے لیے آپ کو جواب دہ نہیں ہوں۔" وہ جھنجلاتے ہوئے بولی۔

"اوکے پھر سن لو بات اگر چیلنج کرنے کی ہے تو پھر تم ہی میری زندگی کی ساتھی بنوگی۔" کہہ کے اس نے

ممانی سے رابطہ منقطع کر دیا۔

"عجیب پاگل شخص ہے۔" ساری رات پاکیزہ نے آنکھوں میں کاٹی۔ "یہ پاگل پن ہے کہ طاقت کا نشہ۔" وہ جان نہ پائی۔

مگر یہ بھی طے تھا کہ اس جیسے سرپھرے انسان زندگی میں بوجھ ہوتے ہیں۔ وہ سب حاصل کر لیتے ہیں اور کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زندگی بھر بس تکبر کرتے ہیں۔ طارق سومرو۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ میری زندگی میں کبھی ایسا موڑ بھی آسکتا ہے۔ مگر ایسے لوگوں کی نہ دوستی اچھی نہ دشمنی اس لیے مجھے اس کی فون کال ریسیو ہی نہیں کرنا۔ اس نے فیصلہ کر لیا۔ اماں نے اسے تب بتایا کہ انہوں نے طارق سومرو کے رشتے کی ہاں کہہ دی ہے تو وہ صدمے سے دوچار ہو گئی۔

"اماں یہ طارق سومرو اماں سے؟ ہیں" وہ چیخ اٹھی۔

"تمہاری تائی اماں آئی تھیں۔ تمہاری پھپھو بھی ساتھ تھیں۔" وہ بات ضرور کر رہی تھیں مگر ان کا چہرہ ان کی آنکھوں کا ساتھ نہیں دے رہا تھا حالانکہ بیٹیوں کے رشتے کرتی ماؤں کا سکون تو ہر انداز سے جھلکتا ہے۔

"آئی تھیں اور آپ نے ہاں بھی کر دی۔" وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ "میرے کہنے یا نہ کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے وہ خود ہی کر لیتی ہیں۔" وہ رو پڑیں۔

"پاکیزہ تمہاری پھپھو بتا رہی تھیں کہ وہ بدل گیا ہے۔" انہوں نے بے ساختہ بات کی حالانکہ انہیں اس بات پہ خود بھی یقین نہ تھا طارق سومرو کی رگوں میں دوڑنے والا خون جس شخص کا تھا وہ تو رشتوں کے احترام سے ہی ناواقف تھا۔

"اماں یہ کیسے ممکن ہے۔ کیا آپ ان لوگوں کے رویے کو بھول گئی ہیں؟"

"کیا تم ان لوگوں کے رویے کو بھول رہی ہے۔" انہوں نے الٹا اسی سے پوچھا۔

"کیا پھر ممکن ہو سکے۔" جس کا جواب وہ جان گئی کہ تائی اماں نے کس انداز میں بات کی ہو گی۔ وہ تو صرف فیصلہ سنانے آئی تھیں۔ رائے جاننے کی زحمت تو کبھی کی ہی نہیں تھی۔ طارق سومرو بگڑے ہوئے خاندان کا بگڑا ہوا چشم و چراغ۔ جس میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی خوبی نہ ملتی تھی۔

"لیکن اماں آپ نے اتنی جلدی انہیں ہاں بھی کہہ دی۔۔؟" وہ بے طرح پریشان ہو گئی۔

"انہوں نے وقت دیا ہی نہیں۔" وہ بے بسی سے سر جھکا کے بولیں تو پاکیزہ ماں کی جھکی گردن دیکھ کے ہی چپ کر گئی۔

اگلے دن تائی اماں پھپھو کے ساتھ آئیں اور کھڑے کھڑے انگوٹھی اس کی انگلی میں ڈال کے گویا فرض نبھایا۔ انہیں اپنے بیٹے کا یہ فیصلہ کوئی اتنا زیادہ پسند نہیں آیا تھا مگر طارق سومرو نے انہیں اس بات کا کوئی حق نہیں دے رکھا تھا۔ کہہ دیا تو انہیں کرنا تھا۔

طارق سومرو ماں باپ کی تربیت کی خوب لاج رکھ رہا تھا۔ تایا ابا جو اب قبر میں اتر گئے تھے۔ ان کا آخری وقت بھی قابل رحم تھا۔ جو حرام مال اکلوتے بیٹے کی رگوں میں اتارا تھا اس نے اس کا حق باپ کو زہر دے کے ادا کیا تھا۔ انہوں نے اپنے سگے بھائی یعنی پاکیزہ کے بابا سائیں کو بھی جائیداد سے محروم کر ڈالا اور سر اٹھانے پہ پاکیزہ کے اکلوتے بھائی مصطفیٰ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کے چار ماہ کے بچے ارسلان کو یتیم کر ڈالا۔ بھابھی اسے لے کے خوف سے ماں باپ کے گھر چلی گئیں اور پاکیزہ اور اس کی ماں یہ مشکل وقت کاٹنے پہ مجبور ہو گئیں۔ پھر ابا جان کی پنشن اور کچھ جمع پونجی کام آئی۔ اس کے بعد تایا ابا کے گھر والوں سے انہوں نے کوئی تعلق نہ رکھا۔ بابا سائیں جلد ہی قبر میں اتر گئے کہ انہیں اپنے اکلوتے بیٹے کا دکھ کھا گیا۔ پاکیزہ اور اس کی اماں نے پورے خاندان میں کسی سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ ایک ہی دفعہ پھپھو کے مجبور کرنے پہ پاکیزہ پھپھو زاد بہن اسما کی شادی پہ گئی اور اس شکاری کی نظر پڑ گئی۔ اسما اور وہ دونوں کلاس فیلو بھی تھیں۔

اگلے دن اس کا فون آگیا۔ پاکیزہ کافی دیر سوچتی رہی۔ عجیب سے شش و پنج میں پڑی تھی، لیکن یہ سوچ کے کہ اب تو اس نے بازی جیت ہی لی تھی۔ اب اس سے ہی تو بات کرنی تھی۔

"ہیلو..."

"ہیلو... محترمہ کیسی ہیں۔" اس کے فاتحانہ لہجے میں غرور کا نشہ بہت واضح تھا۔

"ارے جواب تو دو... اچھا چلو کم از کم اتنا ہی بتا دو کہ یہ شکایتی شرم ہے یا ہارنے کا دکھ۔"

"جی..." وہ بمشکل بول پائی۔ جواباً طارق سومرو کا قہقہہ اس کے دماغ کے اندر جیسے سوراخ سا کرنے لگا تو اسے اپنی بے بسی پہ رونا آگیا۔

"ویسے سچی بات ہے، مجھے یقین نہیں تھا کہ تم اتنی خوب صورت ہو گئی ہو گی۔" بازاری سے انداز میں تعریف کی گئی۔

"ارے... تمہاری تو بولتی ہی بند ہو گئی ہے۔"

"جی..." وہ بمشکل بولی کہ آنسوؤں نے بات، گلے ہی میں روک دی تھی۔

"ویسے میڈم... اتنا ہی حوصلہ تھا کہ پہلی دفعہ اماں آئیں اور منگنی کی انگوٹھی پہن لی۔ بھئی مروتاً ہی سوچنے کے لیے دو چار دن لے لیتے۔" وہ چاہ رہا تھا کہ وہ پھٹ کے کچھ بولے۔ طارق سومرو کو منہ زور گھوڑے قابو کرنا پسند تھا۔ مگر اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"صرف کل اور آج کا ہی فرق دیکھ لو۔ کل تمہارا اعتماد قابل تعریف تھا اور آج تمہارے منہ میں جیسے گونگے کا گڑ ڈال دیا ہو کسی نے... ویسے میرے نام کی دہشت ہی اتنی ہے۔ جب میں نے اسما سے تمہارے بارے میں پوچھا تھا تو اس نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ تم ہر میدان کی فاتح ہوتی ہو... چاہے پڑھائی ہو یا کوئی تقریر وغیرہ۔ اسی لیے میں نے تمہیں شکار کرنے کا سوچا... کیونکہ مجھے جیتنے والوں کو ہرانا اچھا لگتا ہے۔" وہ خود پرستی کی آخری سیڑھی پہ کھڑا اس سے مخاطب تھا۔ پاکیزہ کو افسوس تھا کہ کاش اماں ہمت سے کام لیتیں اور اسے باندھ کے پیش کر کے اتنا ارزاں نہ کرتیں۔

"کیا آپ نے صرف شکار کرنے کی نیت سے رشتہ جوڑا ہے؟" ہمت کر کے زبان کھولی۔

"نہیں تم کافی خوب صورت بھی ہو اور خوب صورت چاہے عورت ہو یا مرغابی دونوں ہی شکار کرنا مجھے پسند ہیں۔"

"جی..." وہ اس کے سوا اور کیا کہتی؟

"تو پھر کل مل رہی ہو؟"

"کیوں...؟" پاکیزہ کو جھٹکا لگا۔

"کیا مطلب کیوں... کیوں نہیں۔" وہ بھڑک ہی تو اٹھا۔

"اس لیے کہ شادی سے پہلے یہ مناسب نہیں لگتا۔"

"پاکیزہ تم میرے نام کی انگوٹھی پہن چکی ہو۔" اس نے یاد دلایا۔ لیکن وہ اپنی بات پہ اڑی رہی اور اس نے غصے سے فون بند کر دیا۔ یونیورسٹی سے واپسی پہ گاڑی خراب ہو گئی۔ وہ پریشان تھی کہ کیا کرے کہ اسے تو صرف گاڑی چلانی آتی تھی۔ باقی سب کام تو اماں ہمسائے میں رہنے والے انکل سے ہی کہہ دیا کرتی تھیں۔

"کیا مسئلہ ہے...؟" مردانہ آواز پہ مڑی تو شاندار ٹیوٹا سرف فرنٹ سیٹ پہ شان سے بیٹھا طارق سومرو اس سے مخاطب تھا۔

"کک کچھ نہیں۔" اس کی دل دھڑکاتی شخصیت پہ اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"گاڑی خراب ہو گئی ہے کیا؟"

"جی..."

"آؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" کہہ کے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنے گارڈ کو اشارہ کیا جو پھرتی سے گاڑی سے اترا اور پاکیزہ سے گاڑی کی چابی لے لی۔ پاکیزہ کو مجبوراً فرنٹ سیٹ پہ بیٹھنا پڑا کہ اس نے دروازہ کھول رکھا تھا۔

"کیا پرابلم ہو گئی تھی؟" اس نے گاڑی گیئر میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں... اچھی بھلی چل رہی تھی کہ اچانک

رک گئی۔" اس نے سر جھکا کے کہا۔
"میرا خیال ہے کہ یہ پرانی ہو گئی ہے۔ میں تمہیں نئی گاڑی دلا دیتا ہوں۔" وہ کرولا کے شوروم کے سامنے گاڑی کھڑی کرتے ہوئے بولا تو اس نے جھٹ بازو پکڑ کے گاڑی سے اترنے سے روکا۔
"طارق پلیز۔ مجھے نہیں چاہیے نئی گاڑی۔"
"تحفہ دے رہا ہوں یار۔"
"نہیں بس مجھے گھر ڈراپ کریں۔" وہ گھبرا گئی۔
"بھئی پہلی ملاقات کی خوشی میں تحفہ دے رہا ہوں۔ بیوی بننے والی ہو اب میری۔ کوئی غیر تو نہیں ہوں میں۔"
"اماں ناراض ہوں گی۔"
"کیوں بھلا۔۔۔؟ اب تم مجھ سے منسوب ہو۔ انہوں نے پوچھا تو میرا نام بتا دینا۔" وہ ہلکے غصے سے بولا۔
"طارق ابھی ہمارے درمیان کوئی پراپر رشتہ نہیں ہے۔" بس یہ کہنا غضب ہو گیا اس نے ۔۔۔ طوفانی رفتار سے گاڑی ریورس کی کہ پاکیزہ کا رنگ فق ہو گیا۔
"طارق گاڑی آہستہ چلائیں' مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ خوف سے رو پڑی' لیکن اس پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ آدھے گھنٹے کا سفر اس نے دس سے پندرہ منٹ میں طے کیا اور گاڑی اس کے گھر کے سامنے لا کھڑی کی۔
"گھر تک لے آیا ہوں۔۔۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ کورٹ لے جاؤں اور نکاح کر کے رشتہ بنا لوں' تاکہ تمہارے پاس میری بات سے انکار کرنے کے لیے یہ بوسیدہ بہانہ نہ ہو۔ اترو۔" حکم صادر ہوا تو پاکیزہ نے ڈرتے ڈرتے اس کی جانب دیکھا جو شیشے سے باہر دیکھ رہا تھا۔ گویا بات کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ مگر اس نے پھر بھی ہمت کی۔
"سوری طارق۔۔۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ ایسے اچھا نہیں لگتا۔" پاکیزہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر کچھ کہے بنا چلی گئی تو وہ اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لے گا۔ اب رشتہ تو جڑ ہی گیا تھا۔ فرار ممکن نہ تھا۔

"سوسوری طارق۔۔۔ میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔"
"کیا برا تھا اس میں۔۔۔ میرے دل کی خوشی ہی تھی نا۔" عجیب دیوانہ تھا۔
"ویسے بھی اب تمہیں میرے علاوہ کسی کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں کیا چاہتا ہوں صرف یہ سوچا کرو۔ پاکیزہ میں بہت ٹیڑھا بندہ ہوں۔ ہاں نہ جانے کیوں تمہیں پھپھو کے گھر دیکھ کے میرا دل تمہاری تمنا کر بیٹھا۔ ورنہ میری کمپنی میں بہت زبردست قسم کی لڑکیاں ہیں اور ان کے دل کی حالت بھی میں جانتا ہوں۔" اس نے جتلایا۔
"طارق کیا میں آپ کے اسٹینڈرڈ کو میچ کر سکتی ہوں۔ میں بہت پرانی سوچوں کی مالک ہوں۔ آپ اپنی گیدرنگ سے ہی کیوں نہیں لائف پارٹنر چن لیتے۔" وہ اس شخص سے بہت ڈر گئی تھی۔
"مشورے کا شکریہ۔۔۔ پھر ملیں گے۔" مسکرا کے کہا گیا اور گاڑی فراٹے بھرتی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی اور سوچوں کے بھنور میں الجھتی ہوئی اندر آ گئی۔ اگلے دن وہ کالج سے لوٹی تو یہ سن کے پتھر ہو گئی کہ تائی اماں آئی تھیں اور اس کا ناپ وغیرہ لے گئیں ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ آنے والے ہفتے میں وہ بارات لا رہی ہیں۔
"ناں جی۔۔۔ اتنی جلدی۔۔۔ اور آپ اکیلی کیسے رہیں گی؟" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
"بیٹا تجھے تو بہرحال رخصت کرنا ہی تھا۔ میں اپنے اکیلے پن کی وجہ سے تجھے تو گھر نہیں بٹھا سکتی نا۔" وہ اپنے آنسو چھپا کے بولیں تو وہ ان سے لپٹ کے رو پڑی۔ اماں نے جہیز کا نام لیا تو تائی اماں نے ایک کپڑوں کا جوڑا بھی لینے سے انکار کر دیا اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے کپڑوں والا سوٹ کیس یہ کہہ کے چھوڑ گئیں کہ جب یہاں آئے گی تو پہن لے گی۔ مہندی سے ایک دن پہلے پھر اس کا فون آ گیا اور فرمائش بھی وہی تھی۔
"پھر کہاں مل رہی ہو؟" وہ خاموش ہو گئی۔
"بولو نا یار۔۔۔ ورنہ اٹھوا لوں گا۔" اس نے کہا تو

پاکیزہ کا دل دہل گیا اس سوچ پہ۔
"کیا بولوں؟"
"کہاں مل رہی ہو۔"
"شادی میں صرف دو دن ہیں۔ ماں اجازت نہیں دیں گی باہر نکلنے کی۔" اس نے بہانہ بنایا۔
"میری خاطر کیا اتنا نہیں کر سکتی ہو؟"
"اچھا میں کوشش کرتی ہوں۔ لیکن طارق میں پرامس نہیں کر رہی۔"
"ڈن کرلی...." اسے یقین نہ آیا۔ لیکن اماں کا ہائی بلڈ پریشر ہونے کی وجہ سے اجازت کے باوجود نہ نکل پائی۔ دل بہت ڈرا ہوا تھا کہ وہ اس سے اس بات پہ ضرور حساب لے گا۔ اس کی انا پہ ضرب بھی پڑی ہوگی۔ ان ہی خدشات کے ساتھ وہ دلہن بن کے اس کے کمرے تک آگئی۔ اسما کے جانے کے بعد دھڑکتے دل کے ساتھ وہ اس کا انتظار کرنے لگی۔ گھڑیال کی ٹک ٹک سے وقت کے گزرنے کا احساس ہو رہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے پاکیزہ کی کمر دکھنے لگی۔ اذان کی آواز سنی تو اسے مجبوراً اٹھنا پڑا کہ نماز کا وقت ہو چلا تھا۔ جائے نماز کو تہ کر کے اٹھی تو وہ روایتی دولہا بنا کمرے میں داخل ہوا۔ پاکیزہ کی جان نکل گئی، لیکن روپ بدل چکی تھی۔
"یہ کیا.... پاکیزہ؟" نظر پڑتے ہی اس کا میٹر گھوم گیا۔ طارق سومرو کو اس کی خود سری اپنے کمرے میں تو بالکل بھی قبول نہیں تھی۔ دھاڑتے ہوئے اس کی طرف مڑا اور اس کا چہرہ سختی سے اپنے ہاتھوں میں پکڑ کے کہا۔
"کس بات کا غرور ہے تمہیں۔ میرا انتظار نہیں کر سکتی تھیں۔" وہ اسے جھٹکا دیتے ہوئے بولا۔
"طارق.... وہ.... نن.... نماز کا وقت ہو گیا تھا۔" کانپتی آواز میں بمشکل بات کی۔
"ایک دن اگر نماز چھٹ جاتی تو جہنم میں نہیں چلے جانا تھا تم نے۔" جس نے خود کبھی منہ قبلہ کی طرف نہ موڑا ہو اسے سجدے کی اہمیت کا کیا اندازہ ہو سکتا تھا۔
"چار بج گئے تھے۔" اس کا کہنا غضب ہو گیا۔
"جانتا ہوں کہ تم کتنی انا پرست ہو۔ اپنی ذات کا زعم لے ڈوبے گا تمہیں، یاد رکھنا۔" وہ پوری قوت سے دھاڑا، یہ سوچے بنا کہ اس کی آواز کمرے کی دیواروں کو توڑتی ہوئی کہاں تک جا رہی ہے۔
"میڈم تو بڑی اصولی ہیں۔ گویا چار بجے کے بعد دلہن کا روپ ختم ہو جاتا ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا اس اصول کا۔" اس نے طنزاً کہا اور راستے میں پڑی میز کو ٹھوکر مارتے ہوئے گرنے کے انداز میں بیڈ پہ بیٹھا۔
"سوری...." وہ ہمت کر کے اس کے قریب آئی کہ اسے اپنی زندگی کی مشکلات کا اندازہ ہو ہی چلا تھا۔
"بہت دیر ہو گئی تھی تو میں سمجھی کہ...."
"چار ہی بجے تھے نا کوئی چار سال تو نہیں گزر گئے تھے کہ تمہیں جلدی پڑی تھی.... تم نے صرف مجھے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ تم کوئی عام چیز نہیں ہو.... بڑی خاص لڑکی ہو۔ بات تین یا چار کی نہیں بلکہ تمہاری انا پرستی کی تھی۔ اسی لیے تم نے میرا انتظار کرنے کی زحمت نہیں کی۔" اس کے لہجے سے آگ نکل رہی تھی۔ وہ بے بسی سے لبوں کو کاٹے جا رہی تھی اور غزال آنکھیں بہے جا رہی تھیں۔
"سوری...." اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔
"غلطی میری ہے۔ معافی تو مجھے مانگنی چاہیے۔" وہ طنزاً بولا تو اس نے سر جھکا لیا۔
طارق سومرو کو یہ دکھ کھائے جا رہا تھا کہ جس روپ کو دیکھنے کا متمنی تھا اسے اس کے سوا سب نے دیکھا تھا۔ صرف وہی محروم رہا۔ اسے یہ ہار منظور نہ تھی کہ عورت کبھی بھی اس کی کمزوری نہ رہی تھی۔ وہ تو شکار کا شوقین تھا۔ گھڑ ریس کا فاتح تھا۔ اس کا شوق مہنگی جدید ماڈل کی اسپورٹس کار تھیں۔ شادی تو اس نے اس لیے کرلی تھی کہ سب کہتے تھے یہ بھی ایک کام ہے کرنے والا۔ پاکیزہ نے قدم قدم پہ اسے چیلنج کیا تھا۔ لیکن اسے وہ منہ زور لڑکی اس لیے بھی کھل گئی پڑی کہ حسن وقتی طور پہ ہی سہی اسے بہلا تو دیتا تھا مگر وہ اسے ہرانے پہ تلی تھی۔ ملنے کا کہا تو انکار کر دیا۔ سب کچھ بھول کے اس کی جانب بڑھنا چاہا تو محروم کر ڈالا۔ کیا اتنا کافی نہیں تھا اس کے ساتھ اعلان جنگ کرنے کے لیے وہ سر

جھکائے تابعدار بن کے کھڑی تھی کہ بادشاہ وقت کا اگلا حکم کیا آتا ہے۔ وہ جان گئی تھی کہ اسے سر جھکانا اور صرف جھکنا ہے۔ ورنہ اس شخص سے کوئی بعید نہ تھا کہ انگلی پکڑ کے اسے اسی وقت کمرے سے نکال دیتا۔

"کیا باقی کا وقت یوں ہی گزارنا ہے اب آجاؤ یا پاؤں پڑوں۔" گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے اس کے لہجے میں ذرا سی نرمی آئی تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس کے سامنے بیڈ پہ آکے بیٹھی تو طارق سومرو نے شان بے نیازی سے سگریٹ نکال کے سلگایا۔ وہ جو سگریٹ کی بو سے دس میل دور بھاگتی تھی جبر کرکے بیٹھی رہی مگر جب اس نے دھوئیں کے مرغولے اس کے چہرے پہ چھوڑے تو اس کا ضبط جواب دے گیا وہ ناگواری سے منہ بنا کے پیچھے ہٹی۔

"اوہ... تو تمہیں طارق سومرو سے ناگواری محسوس ہو رہی ہے۔" حد درجہ تعجب سے کہا اور بازو سے پکڑ کے بیڈ پہ کھینچا۔ "مجھ سے ناگواری جس کے قرب کو لڑکیاں ترستی ہیں۔"

"آپ سے نہیں اس سگریٹ کے دھوئیں سے الجھن ہو رہی ہے۔" اس کی آنکھوں میں پانی آگیا۔

"آنکھوں میں لگ رہا ہے۔" وہ بری طرح آنکھوں کو رگڑنے لگی۔

"یہ لو بھئی پاکیزہ ڈیئر... تم تو بڑی خوش قسمت نکلیں کہ طارق سومرو نے اپنے مزاج کے خلاف تمہاری فرمائش پر اپنی سگریٹ بجھا دی۔" اس نے گویا احسان عظیم کیا تھا۔

"تھینک یو۔" وہ جبراً ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجا کے بولی۔

"یہ رہا تمہارا منہ دکھائی کا تحفہ۔ جیسا منہ ویسا تحفہ... اب جس ماسیوں والے حلیے میں میرے سامنے آئی ہو تو میں نے بھی ایسے ہی رسم نبھائی ہے نا۔ ہاں اگر اس وقت میرے سامنے تم سرخ لباس میں دہکتے وجود کے ساتھ گھونگٹ نکالے بیٹھی ہوتیں۔ میں لاکھ اکھڑ سہی مگر لوکھڑا جاتا تو تحفہ بھی بھرپور محبت سے پہناتا جس کی خواہش بھی تھی مگر..." اس نے اپنی بات مکمل کرنے سے پہلے ویلوٹ کا ڈبا اس کے سامنے پھینکتے ہوئے احسان جتلایا۔ اسے کب توقع تھی کہ وہ یہ رسم بھی نبھائے گا۔ زیر لب شکریہ کہہ کے تحفہ قبول کیا۔

"بس ایک بات یاد رکھنا پاکیزہ کہ مجھ سے پنگا نہ لینا... تمہیں یہاں صرف مجھے خوش کرنے کے لیے لایا گیا ہے اب ساری دنیا کو بھول جاؤ... میری اماں اپنی ماں۔ سہیلیاں رشتے دار سب ختم... صرف اور صرف میری ذات..." اسے قریب کرتے ہوئے اپنے ساتھ رہنے کے اصول بتانے لگا تو اسے لگا کہ اس کی سانسیں سینے میں ہی گھٹنے لگی ہیں۔ وہ اپنی ماں کو کیسے چھوڑ سکتی تھی۔

اگلے دن ولیمہ تھا۔ سارے انتظامات انتہائی شاندار تھے۔ شہر کی سب سے مہنگی اور ماہر بیوٹیشن نے اپنے ہاتھوں سے اسے تیار کرکے حسن کا شاہکار بنا دیا تھا۔ ہر کوئی طارق سومرو کی پسند کو سراہ رہا تھا۔ اسما اس کے ساتھ بیٹھی ہنسی مذاق میں لگی تھی اسی کے ذریعے پتا چلا کہ رات تائی اماں کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اس لیے انہیں اسپتال لے جایا گیا تھا اب بھی وہ ایڈمٹ تھیں۔ مگر طارق سومرو کے نزدیک رشتوں کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی اماں اسپتال میں تھیں اور ولیمہ کینسل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ماں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کی بے چین نگاہیں ہر طرف انہیں ڈھونڈ رہی تھیں مگر ناکامی ہوئی۔ طارق سومرو اس کے ساتھ آکے بیٹھا تو دل کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگیں۔ پسندیدگی اس کی نگاہوں سے عیاں تھی۔ رات کمرے میں آئی تو مصمم ارادہ کر لیا کہ اب اسے ناراض ہونے کا موقع نہیں دے گی۔ لیکن وہ بھی انا پرست جاگیردار کا بیٹا تھا جسے اپنی مردانگی کا وقار عزیز تھا۔ اپنی انا کا علم بلند ہی رکھا اور صبح پانچ بجے کمرے میں آیا۔ پاکیزہ کا دل جو بارہا چاہ رہا تھا کہ اٹھ کے نماز پڑھ لے مگر اس نے اس سے لڑنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اتنی انا پرستی... اتنا زعم... اوہ خدایا... سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ مگر ضبط کا بھی امتحان

تھا سودل پہ جبر کیے بیٹھی رہی۔
"واہ آج تو ہماری بیگم بالکل فریش دکھائی دے رہی ہیں۔" کڑوے تیل میں بھگو کے تیر پھینکا۔ پاکیزہ کو اس کا انداز رلا رلا گیا۔
"ویسے پاکیزہ بی بی... اگر ملاقات کا شرف بخش دیتیں تو شاید مجھے سمجھنے میں آپ کو آسانی ہو جاتی۔ آپ اپنی لاپروائیوں سے بچ جاتیں۔"
"جی..." اس نے سر جھکا کے اپنے اس گناہ کو تسلیم کیا۔ اس کا روپ نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا سو طارق سومرو آج اسے اگنور نہ کر سکا۔ دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما تو پہلی دفعہ پاکیزہ کو اس کا وجود مہربان لگا۔

☆ ☆ ☆

شادی سے ایک ہفتے بعد جب وہ ایک دن کے لیے اماں کی طرف رہنے آئی تو اسے لگا کہ اسے قید سے رہائی ملی ہو۔ ماں بار بار پوچھتیں کہ وہ طارق سومرو کے ساتھ خوش تو ہے تو وہ ہاں کر سکی اور نہ کہہ کے ماں کا دل توڑ سکی۔ بس مسکرا دیتی۔ بھابھی اس سے ملنے آئیں تو وہ کتنی دیر ان سے لگی روتی رہی کہ وہ جانتی تھی کہ بھابھی اگر چپ تھیں تو اس لیے کہ اس شخص اور اس کے خاندان سے اچھی طرح واقف تھیں۔ ورنہ ان کی قطعاً" خواہش نہ تھی کہ ان کے شوہر کے تایاؤں کے گھر ان کی بہن جیسی نند بیاہ کے جائے۔ مگر وہ ماں سے سب حالات سن چکی تھیں۔ ارسلان اب چار سال کا ہو چکا تھا اور پھپھو سے مانوس بھی بہت تھا۔ سارا وقت اس کی گود میں گھسا رہا۔
"ماں نبیہ کا فون دو تین دفعہ آچکا ہے اگر آپ اجازت دیں تو مل آؤں۔" بھابھی کے جانے کے بعد پوچھا تو انہوں نے بغیر کسی اعتراض کے اسے جانے دیا وہ جانتی تھیں کہ نبیہ اس کی بچپن کی سہیلی ہے۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ باتوں میں اسے طارق سومرو کی موبائل کالز کا پتہ ہی نہ چلا۔ ماں خود ہانپتی کانپتی اس کو بلانے آئیں کہ طارق سومرو اس سے ملنے آیا ہوا ہے۔ اس کی تو جان ہی نکل گئی۔ اسے اپنے گناہوں میں

اضافہ ہوتا نظر آیا اور وہ جانتی تھی کہ اس کی سزا بھی کچھ کم نہ ہوگی۔ اب تو اسے ہر بات ہی اپنا گناہ لگتی تھی۔ واپس آئی تو وہ جا چکا تھا۔ پہاڑ جتنی ہمت کر کے اس کا نمبر ملایا۔ کافی دیر بعد ریسیو کیا حالانکہ موبائل ہر وقت اس کے ہاتھ میں رہتا تھا۔
"طارق میں پاکیزہ بول رہی ہوں۔"
"کہاں تھیں تم..." کرخت آواز سے غصہ صاف ظاہر تھا۔
"وہ۔ م۔ میں اپنی دوست..." اس کی آواز گلے ہی میں پھنس گئی۔
"کس کی اجازت سے..." گرجدار آواز پہ اس کا رہا سہا حوصلہ بھی ٹوٹ گیا۔
"وہ ماں سے..."
"اب تم ماں کی نہیں میری بیوی ہو اور تم پہ میرا اختیار ہے۔" وہ بدلحاظی سے چیخا۔ "تیار رہو میں لینے آرہا ہوں۔" اگلا حکم صادر ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ معافی تلافی کرتی فون ڈس کنکٹ ہو گیا۔
"اے میرے اللہ... ہر بار مجھ سے ایسا کیوں ہو جاتا ہے کہ اسے ناراض کر دیتی ہوں۔" وہ رو دینے والی ہو رہی تھی۔ ہمت کر کے اٹھی تاکہ ماں کو بتا سکے کہ وہ جا رہی ہے۔ ابھی بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ گیٹ پہ ہارن بجنے لگا۔
"ارے یہ کیا تم نے تو رات گزارنی تھی۔ میں بات کرتی ہوں طارق سے..." وہ پاکیزہ کے روکنے کے باوجود باہر نکلیں تو وہ بھاگ کے ان کے پیچھے لپکی۔
"بیٹھو گاڑی میں۔" ماں کو نہ سلام دعا کی اور نہ کوئی لحاظ کیا۔
"آؤ بیٹا کچھ دیر بیٹھو تو سہی..." اس کے تیور دیکھ کے ماں نے محبت بھرا لہجہ اپنایا جس کا اس نے قطعاً" کوئی بھرم نہ رکھا۔
"جی نہیں شکریہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ چلو تم نے اگر جانا ہے تو..." کلف دار کرتے کی مانند لہجہ بھی اکڑا ہوا تھا۔
"جی..." مڑ کے ماں کے گلے لگی اور جلدی سے

گاڑی میں بیٹھ گئی کہ کہیں اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی کی گواہ نہ بن جائیں۔

اس نے ماں کو اللہ حافظ کہنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ توہین کا شدید احساس اس کے وجود کو اندر تک جھلسا رہا تھا۔ لیکن اچھا ہی ہے ماں کو سب پتا چل جائے کہ یہ انداز بھلا کب تک چھپ سکتے تھے۔

سارے راستے وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ ماں نے اسے جھٹ فون ملایا۔ ابھی اس نے ہیلو ہی کیا تھا کہ اس نے موبائل اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور سننے لگا۔

"پاکیزہ اداس نہ ہونا۔ دراصل اسے تیری لاپروائی بری لگی ہے۔ تو میرے لیے پریشان نہ ہونا میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بیٹیوں کی ماؤں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں۔ بس تو نے اپنا گھر رکھنا ہے۔ مرد کی ذات کو سمجھنا ہو تو اپنی ہستی کو مٹانا پڑتا ہے۔ اپنے شوہر کے رنگ میں رنگ جاؤ۔ شروع شروع میں ایسا ہو جاتا ہے جب ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھ جاؤ گے تو زندگی سہل ہو جائے گی۔ کچھ وقت تو لگتا ہے بیٹا۔" وہ بولے جا رہی تھیں یہ جانے بغیر کہ کون سن رہا ہے اور پاکیزہ کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا کہ نجانے ماں کیا کہہ رہی تھیں۔ اس نے موبائل اس کی گود میں پھینکا تو اس نے جلدی سے موبائل کان سے لگا لیا۔

"تو میری باتیں سن رہی ہے نا۔" انہوں نے تصدیق چاہی تو اس نے جھٹ جواب دیا۔

"جی سن رہی ہوں۔"

"شاباش میری بچی۔ بس اپنے شوہر کو خوش رکھنا۔"

"ٹھیک ہے اماں۔"

"جیتی رہو۔" انہوں نے الوداعی جملہ بول کے فون بند کیا وہ حوصلہ کرتی اسے سوری کہنے لگی۔ وہ چپ رہا۔ گاڑی پورچ میں روکی اور اتر کے شاہانہ انداز میں چابی ملازم کی جانب پھینکی جو اس نے کیچ کی۔ تائی اماں مسہری پہ بیٹھی تھیں اور ملازمہ ان کی ٹانگیں دبا رہی تھی۔

"السلام علیکم اماں۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ پاکیزہ نے بھی آگے بڑھ کے جھک کے سلام کیا تو انہوں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"اماں ایک بات اسے بتا دیجیے گا کہ آئندہ میری اجازت کے بغیر یہ کہیں نہیں جائے گی۔" اس نے پانی کا گلاس ایک ہی سانس میں چڑھاتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے بولیں۔

"تو تو یہ بات اب میں بتاؤں گی کیا اسے؟"

"اسے نہیں پتا اس بات کا اماں۔ میں جب اس کی طرف گیا تو محترمہ سہیلی کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ میں نے غصہ کیا تو اس کی ماں درمیان میں آگئیں۔ بجائے اس کے کہ سمجھاتیں اس کی طرف داری کرنے لگیں۔" وہ انتہائی مبالغہ آرائی سے کام لے رہا تھا۔

"لڑکی کیوں گئی تو اپنے شوہر کے حکم کے بغیر سہیلی کی جانب۔ تو اب شادی شدہ عورت ہے یہ نٹ کھٹ لڑکیوں والے چونچلے چھوڑنے ہوں گے۔ اور تیری ماں کو کیا ضرورت تھی بولنے کی میاں بیوی کے معاملات میں؟" وہ مالکن تھیں اور مکمل ساس بھی۔ وہ اس دوران اٹھ کے کمرے میں چلا گیا۔

"تائی اماں غلطی ہو گئی۔ معاف کر دیں۔" اس نے سر جھکا کے معافی مانگی۔

"معافی جا کے اس سے مانگ جس کا دماغ گھوم جائے تو کسی کا نہیں رہتا تو کیا ہے۔"

انہوں نے کہا تو وہ کمرے میں آگئی۔

وہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا ریموٹ پکڑے چینل پہ چینل بدلے جا رہا تھا وہ آگے بڑھی اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے کے ٹی وی آف کر دیا اور اس کے پہلو میں بیٹھ کر سر اس کے کندھے پہ ٹکا دیا۔

اس نے حیرت سے اس جرات کا مظاہرہ دیکھا۔ لیکن یہ یقین پاکیزہ کو تھا کہ وہ اسے جھٹلائے گا نہیں۔ ہر جرم ہر گناہ اپنی جگہ لیکن دوسری طرف ایک خوبصورت عورت تھی جس کے لیے اس نے خود خواہش کی تھی۔ وہ خاموش رہا۔

"میرے ایک سوال کا جواب دیں طارق کہ کیا میں صرف آپ کی ضد ہوں۔" سوال بھی کافی جرات مندی سے پوچھا گیا تھا۔ وہ جواب دیے بنا ایزی چیئر پہ جا بیٹھا۔ پاکیزہ نے ڈرتے ڈرتے نگاہیں اٹھائیں اس کے چہرے پہ اپنے سوال کا جواب پڑھنا چاہا مگر وہ کوئی جواب اخذ نہ کر پائی۔

"نہیں ضد نہیں تھی... اچھی لگی تھیں مجھے تم جب پھپھو کے گھر دیکھا تھا۔ لیکن تم نے ہر موقعے پر مجھے چیلنج کیا۔ پھولوں بھری راہ کے قدم قدم پہ کانٹے بچھائے۔ میں نے محبت کا اظہار کرنے کے لیے گفٹ دینا چاہا تب تم نے انکار کیا... میں نے مل کے تمہیں اپنی عادات کا بتانا چاہا۔ تب تم نے میرے ساتھ مقابلہ کیا۔ شادی کی رات میں نے سارے گلے شکوے ختم کر کے تمہیں دیکھنے کی تمنا کی تب تم نے مایوس کیا۔ آج میں تمہاری طرف بڑھا تو تم نے کیبلی کی کمپنی کو مجھ پہ ترجیح دی... میں اتنے موقعے دینے کا عادی نہیں ہوں مگر تمہیں میں نے بار بار دیے... لیکن ہر بار مجھے..." وہ رکا۔

"طارق... میری بات تو سنیں۔"

"صرف میری سنو..." اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے بولنے سے روک دیا۔

"میں طارق سومرو ہوں جس کی تم بیوی ہو اور مجھ سے مقابلہ کرنے کی سکت تو بڑے بڑے سورماؤں میں نہیں ہے۔ تم تو ایک چیونٹی کے برابر بھی اوقات نہیں رکھتیں۔ چاہوں تو ایک چٹکی میں مسل دوں۔ میرے ضبط کو مت آزماؤ..." وہ بولتے ہوئے رشتے کا احترام بھی بھول گیا۔

"اور رہی بات ضد کی تو وہ شادی کے تین بولوں تک تھی۔ اس کے بعد کیا ضد... اب تم نے ایک تابعدار بیوی بن کے رہنا ہے جو ایک مرد کی معاشرتی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس معاشرے کو جواب نہ دینا ہوتا تو پھر مجھے کیا ضرورت تھی کہ خود کو پابند زنجیر کرتا... میری باقی ضرورتیں روز ہی پوری ہو جاتی ہیں۔ خوبصورت سے خوبصورت لڑکی چند ٹکوں کے عوض پوری کی پوری جھولی میں آگرتی ہے۔" اس نے انتہائی حقارت سے عورت کی تذلیل کی جو اس سے برداشت نہ ہوئی وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

"ہر عورت بکاؤ نہیں ہوتی سائیں..." وہ بھڑک ہی تو اٹھا۔

"ہوتی ہے... ہر عورت بکاؤ ہوتی ہے۔ کبھی دولت کبھی نفس کی غلام اور کبھی..." اس سے آگے سنا ہی نہ گیا۔ اس کا بے رحمانہ اور سفاکانہ تبصرہ اسے کند چھری سے کاٹ رہا تھا۔

"جی..."

"سوچا تھا کہ تم میرے ہی خاندان کا خون ہو۔ عزت سے ہی زندگی گزاری ہوگی۔ سو بیاہ لایا۔ بیوی ہو... بچوں کی ماں بھی تم ہی ہوگی... اس لیے فرماں بردار بن کے رہنا۔ مجھے بیویاں بدلنے کا شوق نہیں ہے۔ اپنی ہی زندگی سہل ہوگی۔" اب کے اس نے سر جھکا لیا کہ اگر ذرا سی بھی وضاحت دیتی تو یقیناً" یہ اس کا جرم ٹھہرتا۔ اسے ہارنا تو تھا ہی... تابعدار بننا ہی تھا۔

"یہ جو ٹی وی پہ آ کے بن ٹھن کے عورتوں کے حقوق کی علمبردار بنی پھرتی ہیں نا... تم جیسیوں کا دماغ خراب کرنے کے لیے۔ سب ناکام عورتیں ہوتی ہیں۔ الٹرا ماڈرن... سب ناکام زندگی گزار رہی ہوتی ہیں۔ یہ اپنی ناکام زندگی کا زہر تم جیسی پاگلوں کے دماغ میں عورتوں کے حقوق کے نام پہ انڈیلتی ہیں کسی کو شوہر نے چھوڑا ہوتا ہے اور کوئی شوہر چھوڑ کے بیٹھی ہوتی ہے۔ عورت کا اصل مقام اس کا گھر شوہر اور بچے ہوتے ہیں۔ اسی میں اس کی بہتری ہوتی ہے۔" وہ نصیحت کرتے ہوئے بولا۔

"آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" جب مقدر میں ہی ہارنا لکھا گیا تھا تو اقرار کرنے میں کیا حرج تھا۔ اس نے سر جھکا کے اپنا وقار اپنی انا اپنا غرور سب طارق سومرو کے قدموں کی نذر کر دیا۔ وہ اس کی باندی تھی۔

پھر سب نے دیکھا کہ پاکیزہ نے نیا جنم لیا۔ وہ طارق سومرو کے رنگ میں رنگ گئی۔ ہر ایک کو سوائے طارق

سومرو کے اس سے شکوے تھے۔ اس نے ماں کی ایک ہی بات گرہ سے باندھ لی تھی کہ سدا رانجھا راضی رکھنا اور اس کا رانجھا اس سے راضی تھا۔ وہ تو طارق سومرو کی سانسوں کی رفتار سے بھی واقف ہو چکی تھی۔

شادی کے تین سالوں میں اللہ تعالیٰ نے اسے وانیہ' جہانگیر اور شاہ جہاں سے نوازا۔۔۔ یہ نام خود طارق سومرو نے رکھے اور اس لیے رکھے کہ اس کے بچے راج کرنے کے لیے دنیا میں آئے ہیں۔ وہ شہزادے شہزادیاں۔۔۔ اپنے باپ دادا سے کئی گنا بڑھ کے تھے۔ باپ تو شراب و شباب کا دیوانہ تھا ہی بیٹے نئے دور کے شہزادے تھے۔۔۔ باقاعدہ لڑکیاں آتیں۔۔۔ ڈانس پارٹیاں ہوتی تھیں۔۔۔ رات ویران سڑکوں پہ ون ویلنگ ہوتی۔۔۔ مہنگی گاڑیاں جہاز کی طرح اڑاتے باپ کی شہ تھی کہ زندگی صرف انجوائے کرنے کے لیے ہے۔ پاکیزہ ماں تھی اگر ٹوکتی تو طارق سومرو دقیانوسی عورت کہہ کے سب کے ہنسنے کا گویا سامان کر دیتا۔

وہ یہ بھی سہہ لیتی مگر بیٹی کے رنگ ڈھنگ بھی عجیب ہی تھے۔۔۔ وہ بھی باپ بھائیوں سے کم نہ تھی۔ لیکن باپ کو کوئی پریشانی نہ تھی۔ وہ اپنی زندگی جی رہا تھا۔۔۔ لیکن پاکیزہ کو یہ منظور نہ تھا وہ چیخ اٹھی۔

"نہیں طارق یہ ظلم ہے میں اپنی بیٹی کو گہری کھائی میں گرتے نہیں دیکھ سکتی۔ میں لڑوں گی آپ سے۔۔۔" پاکیزہ نے اعلان جنگ کر کے گویا اپنے لیے زندگی اذیت ناک کر لی تھی۔ باپ تو باپ بیٹی بھی ماں کے خلاف ہو گئی۔

"تم ایک متوسط طبقے کی جاہل عورت تم کیا جانو کہ تربیت کیسے کی جاتی ہے۔"

"بابا سائیں اماں ہمیشہ مجھے ٹوکتی ہیں۔۔۔ میرا سارا اعتماد تباہ ہوتا جا رہا ہے۔" وانیہ نے بھی مداخلت کی۔

"وانیہ۔۔۔"

"بابا سائیں میں جانتی ہوں کہ اماں کو یہ پٹیاں کون پڑھاتا ہے۔" وانیہ نے کہا تو طارق سومرو اور پاکیزہ نے ایک ساتھ اس کی جانب دیکھا۔

"کون۔۔۔؟"

"بابا سائیں۔۔۔ وہ نہیں ہے اماں کے بھائی کا بیٹا ارسلان۔۔۔ وہی رپورٹیں پہنچاتا ہے۔" اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔

"کیا بکواس ہے یہ پاکیزہ۔" طارق سومرو غصے سے اس کی طرف مڑے۔

"وہ کون ہوتا ہے میری یعنی طارق سومرو کی بیٹی کی باتیں کرنے والا۔"

"طارق خدا کا واسطہ ہے آنکھیں کھلی رکھیں۔" پاکیزہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تو طارق سومرو کا تو پارہ ہی چڑھ گیا۔

"تم ہو کیا اور کیا اوقات ہے تمہاری۔۔۔ جھونپڑی سے محل میں آ کے اپنی اوقات ہی بھول گئی ہو۔ میرے بچی کو اس ذلیل کے ذریعے ہراساں کر رہی ہو۔ وہ دو ٹکے کا لڑکا جس سے زیادہ عزت میرے جوتے سیدھے کرنے والے ملازم کی ہے۔" انتہائی نفرت سے کہا تو وہ بنا کسی مروت کے بولی۔

"اسی دو ٹکے کے لڑکے کے باپ کی بہن آپ کی عزت ہے۔۔۔ کیوں لائے تھے مجھے اگر اتنی گھٹیا نسل سے میرا تعلق تھا تو۔۔۔"

"غلطی ہو گئی تھی مجھ سے۔۔۔"

"تو اب طلاق دے دیں۔۔۔ کر دیں اپنے گناہ کا ازالہ۔۔۔!"

"پاکیزہ بی بی یہ ہے تمہاری اوقات اور رہی بات طلاق کی۔۔۔ تو میں تمہیں مرتے دم تک نہیں دوں گا۔۔۔ ہاں سزا تمہیں ضرور ملے گی۔" طارق سومرو نے اسے بازو سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا تہ خانے میں لے گیا۔۔۔ ظلم پہ ظلم کہ اس کے پاؤں میں زنجیریں بھی ڈال دیں۔

"اب تمہیں موت ہی اس سے آزادی دلا سکتی ہے۔" حقارت سے کہہ کے وہ رکے بنا وہاں سے نکل گیا اور وہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

وہ جواب یہ اقرار کرتا تھا کہ کوئی کسی کے رنگ میں یوں بھی ڈھلتا ہے جیسے تم ڈھلی ہو۔ وہ اس کے لبوں سے اقرار سنتی تو چہرے پہ اداسی ٹھہر جاتی۔۔۔ کسی کو

خوش کرنے کے لیے کسی کی ساری زندگی رائیگاں ہوجائے تو کیسا لگتا ہے۔ آج اس کی وفاؤں کے صلہ میں یہ زنجیریں ملی تھیں۔ اس کی زندگی کو طارق سومرو نے اس سے زیادہ برتا تھا۔ کتنے دن گزر گئے مگر کوئی اس کا پتا کرنے نہ آیا طارق سومرو کی تو اس سے جنگ تھی اس کے بچوں نے بھی اس کی طرف پلٹ کے نہ دیکھا۔

✵ ✵ ✵

نجانے ماں میرے بارے میں کیا سوچتی ہوں گی۔ پہلے بھی تو مہینوں ان سے ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ لیکن فون پہ تو رابطہ ہوجاتا تھا۔ لیکن یہ سکون تھا کہ اب بھابھی اور ارسلان ماں کے ساتھ رہنے لگے تھے۔ اس اسیری میں تنہائی ملی تو خود کو سوچی کہ وہ کیا تھی اور کیا ہوگئی۔ وہ جو پڑھنے کی دیوانی تھی کتابیں اٹھانا بھول گئی۔ وہ جو بہت سوچ کے اپنے لیے کپڑوں کے رنگ کا انتخاب کرتی تھی اسے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ ہی بھول گیا۔ دوستوں کے تو نام ہی بھول گئی تھی۔ ماں بھابھی اور ارسلان کی سالگرہ تک بھول جاتی تھی اور ویسے بھی بھابھی اور ارسلان سے تو طارق سومرو کو خدا واسطے کا بیر تھا۔ بھیا کی موت کا ذمہ دار کون تھا وہ بخوبی جانتا تھا اسی لیے بھابھی اور ارسلان کو نظر انداز کرتا تھا۔

پاکیزہ کو اگر کچھ یاد تھا تو صرف یہ کہ وہ ایک بے نشاں مٹی کا ذرہ ہے۔ جس کی اوقات کچھ بھی نہیں۔ نامکمل ہستی۔ نامکمل ذات جس کا اصل کہیں مٹی میں ہی رل گیا تھا۔ صرف ایک ہی تسبیح دن رات کرتی تھی کہ میرا حاکم۔ طارق سومرو ہے۔ میں اسی کی غلام ہوں۔ تابعدار ہوں۔ کبھی کبھی اس سے یہ سوال پوچھنے کو بھی دل چاہتا ہے کہ طارق سومرو کیا تم بھی اچھے ہو۔ اگر تم مبالغہ آرائی سے کام نہ لو سچ بتاؤ۔ کاش میں کہہ پاؤں۔ وہ بہت برا ہے اس نے مجھے مجھ سے چھینا۔ اس نے ایک کمزور ہستی کو رعایا بنایا۔ اس نے پاکیزہ نام کی ایک لڑکی کو زندہ دفن کیا۔ جس کی سوچوں کی اڑان کھلے آسمانوں میں تھی جو زندگی کے

سارے رنگوں کو برتنے کے سلیقے سے آشنا تھی جو
جو ظلم کے نور سے خود کو جگمگاتی تھی وہ

خوشبوؤں اور جگنوؤں کے پیچھے بھاگنے والی پاکیزہ نجانے کہاں گئی۔ بس ایک مٹی کا ڈھانچہ تھا۔ جو زندہ ہونے کی ساری ضرورتیں پوری کررہا تھا اور لب ان زنجیروں میں موت کے لیے دعا کرتا تھا۔ زندگی کو سکون اولاد کا بھی نہ ملا۔ کاش کہ وہی نیک ہوتی اس کو تسلی تو رہتی کہ زندگی نے کچھ تو دیا ہے۔ کوئی یہ خواہش تو پوری ہوئی۔ اے اللہ کیا میں شکوہ کرنے کا حق رکھتی ہوں۔ کیا کچھ لوگوں کے مقدر میں ٹھوکریں ہی تاعمر کھانے کے منتظر ہی رہتے ہیں کہ وہ کھل کے سانسیں تو لے سکیں وہ ان ہی سوچوں میں گم تھی کہ نظر طارق سومرو پہ پڑی۔ وہ سامنے کھڑا تھا نظروں میں عجیب سا تمسخر تھا۔

"کچھ دماغ عرش سے نیچے آیا۔" وہ خاموش رہی۔

"رسی جل گئی مگر بل نہ گیا۔" اس نے سر جھکا دیا۔

"نہیں طارق سومرو۔ اب تو میں جل بھی گئی ہوں اور بل بھی نکل گئے ہیں۔ میں نے ہار مان لی ہے۔" اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیے۔

"اب آئی ہو نا اپنی اوقات پہ۔" اس نے مسکراتے ہوئے اس کی زنجیریں کھول دیں۔

اس کے بعد اس نے اس گھر کے کسی بھی فرد کے معاملے میں بولنا چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ اس نے وامیہ کے معاملات میں بھی مداخلت چھوڑ دی۔

طارق سومرو کی شہ پہ دونوں بھائی ڈگریاں خریدنے کے کاروبار سے بھی واقف ہوگئے تھے۔ نہ جانے کیسے۔ جہانگیر گریجویٹ ہونے کا دعوے دار ہوگیا تھا۔ طارق سومرو کی واہ واہ عروج پہ تھی۔ مہمانوں کی لائن لگی تھی جو مبارک باد دینے چلے آرہے تھے۔ ماں نے فون کرکے بتایا کہ ارسلان نے پوزیشن لی ہے۔ اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس نے اپنے لاڈلے ارسلان کے لیے ڈھیروں دعائیں کر ڈالیں۔ طارق سومرو جہانگیر کی کامیابی کے لیے گرینڈ فنکشن کے

انتظامات پہ بات کر رہا تھا۔

"سائیں اگر اجازت دیں تو میں تھوڑی دیر کے لیے ارسلان کو مبارک باد دے آؤں۔" اتنا پوچھنا غضب ہو گیا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے... گھر میں سو لوگ آ جا رہے ہیں اور تم اوروں کی خوشیاں بانٹنے چلی جاؤ گی... اولاد کی کامیابی پہ بھی کوئی خوشی ہوتی ہے کہ نہیں... دو چار نمبر کیا زیادہ لے لیے ہیں جیسے پہاڑ گرا دیے ہیں۔" جواباً اس نے چپ میں ہی عافیت جانی۔

☆ ☆ ☆

وانیہ یونیورسٹی باقاعدگی سے جاتی تھی۔ ارسلان اسی یونیورسٹی میں فائنل کا اسٹوڈنٹ تھا اور وانیہ کو اس سے اپنے بابا سائیں کی طرح خدا واسطے کا بیر تھا۔ وانیہ کے انداز پاکیزہ کو زیادہ ڈرانے لگے تھے کچھ بھی تھا وہ بیٹی تھی اس کی... اسے گہرے کنویں میں گرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کئی دفعہ طارق سومرو سے دبے لفظوں میں بات کرنی چاہی مگر وہ قہقہہ لگا کے اس کی بات کو ٹال دیتا۔ خود جب اسے سمجھایا تو ہتھے سے ہی اکھڑ گئی۔ سو اس کے معاملے میں بھی پاکیزہ کو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

ایک دن تو حد ہی ہو گئی... جب وانیہ نے ماں کو یہ احساس دلایا کہ

"اس کی دوستوں کی مائیں اتنی خوبصورت اور فٹ ہیں مگر اماں آپ تو بالکل بھی بابا سائیں کے جوڑ کی نہیں لگتیں... دیکھیں وہ کتنے فٹ کتنے ینگ لگتے ہیں۔" وانیہ نے یہ بات باپ کی موجودگی میں کی تو طارق سومرو نے بے ساختہ اس پر نگاہ ڈالی۔

"وانیہ تمہاری ماں نے تمام عمر میری باتوں سے اختلاف کرنا ہی تو سیکھا ہے... میری ہر خواہش کے خلاف گئی ہے... میرا خیال رکھا تو مجھے اذیت دینے کی خاطر خود کو اگنور کیا... تاکہ سب اس کو مظلوم جانیں۔ حالانکہ یہ اچھی طرح جانتی ہے کہ مجھے فٹ فاٹ عورتیں پسند ہیں۔" جوان بیٹی کی موجودگی کا لحاظ کیے بنا بے باکانہ تبصرہ کیا تو پاکیزہ کو پسینہ آ گیا۔

پاکیزہ کو اپنی ساری عبادتوں اور ریاضتوں کا یہ صلہ ملا تھا۔ طارق سومرو نے تمام عمر کی محنتوں کے صلے میں اس کے گلے میں ناکامیوں کا طوق ڈال دیا تھا۔

"میں اپنے دوستوں کی بیویوں کو دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں... کیا مین ٹین رکھا ہوا ہے... حالانکہ عمر میں تمہاری ماں سے سب ہی بڑی ہوں گی۔" طارق سومرو نے اپنے دل کی خوب بھڑاس نکالی۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی... کہنا تو چاہ رہی تھی کہ طارق سومرو میری ظاہری حالت سے زیادہ میری ذہنی حالت پہ ترس کھاؤ۔ میری روح کی اذیت کو محسوس کرو... یہ خوبصورتی یہ حسن تو ظاہری چیزیں ہیں۔

☆ ☆ ☆

"ماں... ماں..." رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ پاکیزہ گھبرا کے اٹھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ ماں اسے بلا رہی ہیں۔ طارق سومرو گہری نیند میں تھے۔ موبائل اٹھایا تو رات کے تین بج رہے تھے۔ بے قراری سے ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ صبح ناشتے کی میز پہ پہلی بات ہی یہ کی اسے ماں سے ملنے جانا ہے۔ جواب حسب عادت ہی ملا۔

"کل چلی جانا... آج دل چاہ رہا ہے کہ دونوں باہر کہیں کھانا کھائیں..." دل تو پتا نہیں چاہ رہا تھا کہ نہیں۔ البتہ اسے کسی بھی کام سے روکنے کا یہی بہانہ ہوتا تھا۔

"شاہ سائیں میرا دل گھبرا رہا ہے مجھے جانے دیں۔" آج وہ بھی ہر حال میں جانا چاہ رہی تھی۔

"بھئی کہا ہے نا کہ کل چلی جانا کوئی قیامت تو نہیں آ جائے گی۔" وہ دھاڑتے ہوئے بولا تو اس نے چپ سادھ لی اور اپنی بات رکھنے کے لیے وہ اسے کھانا کھلانے لے بھی آیا۔ ابھی جا کے بیٹھے تھے کہ موبائل بج اٹھا۔

"ہیلو... کون سی... تم ہو..." پاکیزہ نے پوچھا۔ طارق سومرو نے نظریں اٹھا کے دیکھا جو سادہ سے لباس

میں بھی بہت گریس فل لگ رہی تھی۔
"اچھا۔ کب۔" وہ انتہائی تحمل سے بولی۔
"تدفین کتنے بجے ہے۔ چار بجے۔ ٹھیک ہے میں آجاؤں گی۔ اللہ حافظ۔" موبائل آف کرکے دوبارہ کھانے میں مشغول ہوگئی۔
"آپ سائیں کھانا نہیں کھا رہے۔" یکدم اس نے نظریں اٹھاکے پوچھا تو اسے پوچھنا پڑا۔
"کس کا فون تھا۔"
"ارسلان کا۔" بڑے سکون سے جواب دیا۔
"کیا کہہ رہا تھا کس کی وفات ہوئی ہے۔" اس نے پھر پوچھا۔
"کیا۔ تمہاری اماں کی وفات ہوگئی ہے۔" طارق سومرو کو جھٹکا لگا۔
"ہاں مگر تدفین چار بجے ہے ابھی تو دو ہی ہوئے ہیں۔"
"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ اٹھو۔" طارق سومرو نے اسے اٹھانا چاہا۔ مگر وہ بیٹھی رہی۔
"پاکیزہ تم ٹھیک تو ہو۔ ہوش میں تو ہو۔ تمہاری اماں کا انتقال ہوگیا ہے۔"
طارق سومرو زبردستی اسے اس کے گھر لے آیا مگر اس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔ تائی اماں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ اتنی ہی بے حس ہے۔ اسے ماں کا دکھ۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں تو خوامخواہ ہی پریشان ہوتی ہوں۔
اس کے بعد سب نے دیکھا کہ وہ اپنی ذات میں گم ہوتی چلی گئی۔ کوئی بلاتا تو یوں چونک جاتی جیسے گہری نیند سے جاگی ہو۔ ویران آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھتی رہتی۔ طارق سومرو کو بھی اس کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اس سے منہ نہ پھیر سکا۔
"پاکیزہ۔ ناراض ہو مجھ سے۔" طارق سومرو نے محبت سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔
"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"تو پھر اتنا چپ چپ رہنا کیوں شروع کردیا ہے۔ کوئی بات ہی نہیں کرتی ہو۔" طارق سومرو نے شکوہ کیا۔
"شاہ سائیں مجھے لگتا ہے کہ میں بولنا ہی بھول گئی ہوں۔" اس نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔
"اچھا چلو صبح کسی اچھے سے ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔ لگتا ہے تم نے چچی جان کی موت کا صدمہ لیا ہے۔" طارق سومرو نے سوچتے ہوئے کہا تو وہ افسردگی سے مسکرا دی۔ ہر ڈاکٹر کو دکھایا گیا مگر جب انسان اندر سے ہی ہمت چھوڑ دے تو کوئی ڈاکٹر بھلا کیا علاج کرسکتا ہے اور وہ اندر سے ٹوٹ چکی تھی۔ یہاں تک کہ وہ طارق سومرو کے فرائض سے بھی غافل ہوگئی۔
اسی لیے طارق سومرو کو ایک نئی ہم سفر کی ضرورت پڑنے لگی جو اس سے قدم سے قدم ملا کے چلتی اور اس نے فیصلہ بھی کرلیا۔ اسے زندگی کے یہ پھیکے رنگ قبول نہیں تھے۔ اب عمر کا وہ حصہ آرہا تھا کہ جہاں جوانی ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ باقی عیاشیاں کم ہورہی تھیں۔ اولاد منہ زور ہوگئی تھی اپنے فیصلے اپنی مرضی سے کرنے لگی تھی۔ فیکٹریوں اور ملوں پہ میری میری کی مہریں لگ رہی تھیں۔ ایسے میں وہ اپنی زندگی کا آخری اسٹیج بھی روایتی جاگیرداروں کی طرح ہی گزارنا چاہتا تھا۔
"پاکیزہ مجھے تم سے اجازت لینی ہے۔" ایک دن اس کے سر پہ بم پھاڑ ہی دیا۔ اپنی وارڈروب میں ہینگر میں لگے کپڑے ہینگ کرتے ہاتھ چند ثانیے کے لیے کانپے۔ اس طوفان کے آنے کی خبر کافی دنوں سے سن رہی تھی۔
"سائیں میں نے آپ کو اجازت دی۔" اس نے سنے بغیر ہی کہہ دیا۔
"میں تمہارے حقوق کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کروں گا۔" اس نے روایتی جملہ بولا تو وہ بھرپور اعتماد سے طارق سومرو کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔
"مجھے یقین ہے کہ آپ کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔" چند تسلی بھرے جملے پھر بھی طارق سومرو نے ادا کرنے ضروری سمجھے اور وہ سر جھکا کے سنتی رہی اور پھر اس کے کمرے سے جانے کے بعد ایک تھکا ہوا

آنسو اس کے گالوں سے ہوتا ہوا کہیں کھو گیا۔ اولاد نے بھی ماں ہی کو قصوروار ٹھہرایا۔ بیٹے تھے ہی دوسرے ملکوں میں البتہ وانیہ اس کے پاس چلی آئی۔

"کتنی دفعہ کہا تھا کہ اپنے اوپر توجہ دیں۔ مگر آپ بھلا کسی کی بات سنتی ہیں۔ اب نتیجہ دیکھ لیا آپ نے۔" وانیہ نے کہا۔

"بیٹا نتیجہ تو اچھا ہی ہے۔ میری ذمہ داریاں کم ہو جائیں گی۔"

"اماں آپ ایک انا پرست عورت ہیں۔ آپ کو اتنی بڑی بات پر بھی افسوس نہیں ہوا" وانیہ کو جھٹکا لگا۔

"ہاں بیٹا میں نے تمام عمر اپنی ذات کی تو پرستش کی ہے۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ اگلے دن سے اس نے کمرے سے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔

"یہ کیا کر رہی ہو۔" طارق سومرو نے حیرت سے پوچھا۔

"جگہ بنا رہی ہوں۔"

"اس اتنی بڑی جاگیر میں بہت جگہ ہے۔ تم اپنے کمرے میں رہو گی۔" طارق سومرو نے فیصلہ سنایا مگر اب اس میں کچھ ہمت آ ہی گئی تھی جیسے آخری سانسیں لیتے ہوئے کوئی ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

"سائیں۔ آنے والی کے اپنے ارمان ہوں گے میں اسی سلطنت میں رہوں گی مگر خود کو آپ کی غلامی سے نکال کے۔" اس نے ایک نہ سنی اور مہمان خانے میں چلی آئی۔

"تم مجھے کیا باور کرانا چاہتی ہو۔" وہ کھولتا ہوا اس کے کمرے میں چلا آیا۔

"سائیں میں یہاں بہت آرام سے ہوں۔"

"تم ایک انا پرست اور ضدی عورت ہو۔ تم صرف مجھے جھکانا چاہتی ہو مجھے بتانا چاہتی ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔ ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" وہ کھولتا ہوا وہاں سے نکلا تو پاکیزہ کو لگا کہ سب کچھ ہاتھوں سے نکل گیا ہو جیسے۔ وہ تنہا ہو گئی تھی۔ وہ روتی ہی چلی گئی۔ مگر اس کے آنسو پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ پھر وہ دن بھی آیا جب طارق سومرو کے ساتھ اس سے آدھی عمر کی عورت دلہن کے روپ میں گھر میں داخل ہوئی۔

☆ ☆ ☆

ارسلان کو نجانے کیسے علم ہو گیا تھا اپنی پھپھو کی زندگی میں آنے والے بھونچال کے بارے میں۔ وہ بھاگا چلا آیا۔

"پھپھو چلیں آپ میرے ساتھ میں آپ کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔" وہ بضد تھا اور پاکیزہ انکاری۔

"نہیں میرے بچے۔ یوں میں اپنا گھر نہیں چھوڑ کے جا سکتی۔ میں بیاہ کے یہاں آئی تھی اب مر کے ہی جاؤں گی۔" وہ تھکی تھکی آواز میں بولی۔

"اب اس وجود میں کوئی زندگی باقی ہے۔ کیا یہ زندہ ہے۔ یہ سمجھیے کہ اسے دفنانے ہی لے کے جا رہا ہوں۔" وہ بہت رنجیدہ تھا۔

"لیکن سانسیں تو چل رہی ہیں بیٹا۔ اس کا مطلب ہے کہ ابھی زندہ ہوں۔"

"پھپھو میں آپ کو یوں چھوڑ کے نہیں جا سکتا۔ وہ ایک سنگدل انسان ہیں۔ اتنے سالوں سے آپ ان کی خاطر خود کو تباہ کر رہی ہیں۔" اس کے لہجے میں نفرت بھری تھی۔ یہ حقیقت بھی وجود میں ابال لا رہی تھی کہ یہ شخص اس کے باپ کا قاتل تھا۔ اس کا باپ تو بیٹے کے ہاتھوں اپنی سزا بھگت چکا تھا۔ لیکن اس کی سزا تو باقی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ بدلے کی آگ کو ٹھنڈا کرے مگر پھپھو کی وجہ سے مجبور تھا۔

"مجھے تو افسوس آپ کے بچوں پہ ہو رہا ہے۔ جو اپنی ماں کو مرتے لمحہ لمحہ دیکھ رہے ہیں۔ بیٹے پردیس میں عیاشی کر رہے ہیں اور بیٹی یہاں۔" نجانے وہ کیا کہتے کہتے رکا تھا۔

"تم رک کیوں گئے ارسلان۔ کیا کر رہی ہے وانیہ۔" وہ گھبرا گئی۔

"کک۔ کچھ نہیں پھپھو جانی۔ مجھے کیا پتا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔" ہکلایا۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو نبی... تم کچھ نہ کچھ ضرور دانیہ کے متعلق جانتے ہو... مجھے بتاؤ..." ماں کا دل انجانے خدشوں سے گھبرا گیا۔

"وہ دراصل پھپھو اس کا اٹھنا بیٹھنا اچھے لڑکے لڑکیوں میں نہیں ہے۔" ارسلان نے سر جھکا کے کہا تو اگلے پل ایک طوفان تھا جو اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"اوہ... یو بلڈی... ہاؤ ڈیئر ٹو ٹاک اباؤٹ می..." وہ بھوکی شیرنی کی مانند اس پر جھپٹی۔

"کیا سوچ کے تم نے میرے بارے میں بکواس کی ہے۔" وہ لمحہ میں اس کا گریبان پکڑ چکی تھی۔ پاکیزہ گھبرا کے بیڈ سے اٹھی۔

لمحوں میں ساری صورت حال بدل چکی تھی۔ پاکیزہ کو یہ خوف بھی کھائے جا رہا تھا کہ اگر طارق سومرو آگیا تو بات بہت ہی زیادہ بگڑ جاتی۔ نئی قیامت آجاتی تھی۔

"دانیہ بیٹا... چھوڑو اس کا گریبان... کیا کر رہی ہو تم..." وہ نقاہت بھرے وجود کو بمشکل سنبھال رہی تھی۔

"ہاں یہ ہوتا کون ہے میرے بارے میں بات کرنے والا... میری کمپنی کو برا بھلا کہنے والا... کیوں میری کمپنی کے بارے میں غلط بات کر رہا ہے۔ اس کی اوقات کیا ہے۔ چھوٹے خاندان کی چھوٹی سوچ... جب کسی لڑکے لڑکی کو بات کرتے دیکھا... ایک ہی خیال دل میں آتا ہے ان کے... اپنی ماں بہنوں کے کرتوت نظر آتے نہیں ہیں اور دوسروں کی بات کرتے ہیں... خود جو تم ہر وقت اس حلیمہ کے پہلو میں بیٹھے رہتے ہو۔ وہ کیا ہے... تم پہ روا ہے سب کیونکہ تم مرد ہو..." وہ بدلحاظی کی آخری سیڑھی پہ کھڑی تھی۔

"دانیہ... فضول بکواس مت کرو... تم جانتی ہو کہ تم کیا کرتی پھر رہی ہو..." ارسلان نے جھٹکے سے اپنا گریبان اس کے نازک ہاتھوں سے چھڑایا۔

"مجھے مجبور مت کرو کہ میں وہ ساری باتیں پھپھو کو بتا دوں جو لوگوں کی زبان پہ عام ہیں۔ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری..." وہ غرایا۔

"تمہارے باپ کی چوری کی ہے میں نے۔ تم میرے کیا لگتے ہو جو مجھ سے وضاحتیں مانگ رہے ہو۔ جاؤ جس کو بتانا ہے بتاؤ اور کر دو میرا وظیفہ بند... جو جی چاہے گا کروں گی ڈرتی نہیں ہوں کسی سے۔" وہ نڈر ہو کے چیخنے لگی۔

"چوری تو بزدل لوگ کرتے ہیں چھپ کر... تم تو ڈاکہ مار رہی ہو اپنے ماں باپ کی عزت پہ دن دیہاڑے..."

"تو پھر... کر لو جو کرنا ہے..." وہ میز کو ٹھوکر مارتے ہوئے باہر نکل گئی۔ پاکیزہ نے اپنا سر تھام لیا۔ شرمندگی کا یہ عالم تھا کہ جی چاہ رہا تھا کہ زندگی کا ہی خاتمہ کر ڈالے۔

"پھپھو مجھ سے ہی غلطی ہوئی ہے مجھے اس کی بات ہی نہیں کرنی چاہیے تھی... آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ارسلان اپنی توہین کے احساس کو کچل کے پھپھو کی دل جوئی کرنے لگا۔ وہ خود بھی جانتا تھا کہ سب جھوٹی تسلیاں ہیں۔

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا نبی... کچھ بھی... اس سے پہلے بھلا کچھ ٹھیک ہوا ہے جو اب ہو گا۔ ساری عمر اس شخص کے ساتھ اس آس پہ زندگی گزاری کہ شاید اوپر والے کو مجھ پہ ترس آجائے... ہو سکتا ہے اس نے میری زندگی میں بھی کوئی سکھ کی گھڑی لکھی ہو... مگر... اب تو میری اولاد ہی میری دشمن ہو گئی ہے..." وہ سسکنے لگی۔ وہ اسے حوصلہ دیتا رہا۔ آج پھپھو کی خاطر ہی وہ سب سہہ گیا تھا۔

پھر وہ اور بھی بدلحاظ ہو گئی۔ جونیئر ہونے کے باوجود وہ اور اس کے بگڑے ہوئے نواب زادے رئیس زادیاں ہر وقت اسے ٹارگٹ کرنے لگے۔ اسے ڈسٹرب کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس بار اس کا نتیجہ مایوس کن رہا اور وہ ٹاپ پوزیشن سے چھٹی پوزیشن پہ آگیا۔

"کیوں مسٹر لائق فائق... اس بار کیوں غبارے سے ہوا نکل گئی۔ کس نے اقبال کے شاہین کے پر

کاٹ ڈالے۔" وہ لبوں پہ تمسخرانہ ہنسی لیے اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ وہ چاہ رہا تھا کہ اس کا منہ توڑ ڈالے مگر پھر پاکیزہ پھپھو کا چہرہ نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔

"میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔ میرے راستے میں مت آیا کرو۔ لحاظ اس لیے کر رہا ہوں کہ پاکیزہ پھپھو کا خیال آجاتا ہے۔" وہ دانت پیستے ہوئے یوں بولا جیسے کچا ہی کھا جائے گا۔

"اوہ تو پاکیزہ پھپھو کی وجہ سے میرے آگے پیچھے پھرتے ہو میرے معاملات کو سنبھالنا چاہتے ہو۔ لیکن یاد رکھنا کہ میں تم اور تمہارے جیسے غریب لڑکے کو خریدنے کی طاقت رکھتی ہوں البتہ تم اپنی حیثیت کے پیش نظر صرف اس حلیمہ جیسی لڑکی کو ہی حاصل کرسکتے ہو۔" وہ حلیمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی جو اسی پل وہاں آئی تھی۔ اس کا اتنا بولنا غضب ہوگیا۔ زناٹے دار تھپڑ دانیہ کا گال سرخ کرگیا۔ وہ تو بے عزتی کے احساس سے پتھر کا بت ہی بن گئی۔

"اگر تم دنیا میں موجود آخری لڑکی بھی ہو ناں دانیہ سومرو۔ تو بھی میں کم از کم تمہارے لیے نہیں سوچوں گا۔" وہ کہہ کے آگے نکل گیا اور اسے اپنے کیے پہ کوئی افسوس نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

"اس کمینے کی اتنی ہمت کہ طارق سومرو کی بیٹی پہ ہاتھ اٹھائے۔" گھر کے درودیوار لرز رہے تھے۔

دانیہ نے روتے دھوتے آدھے سچ اور آدھے جھوٹ کے ساتھ باپ کو تمام داستان سنائی تھی اور اب ایک طرف بیٹھی مگرمچھ کے آنسو بہا رہی تھی اور دوسری طرف طارق سومرو شیر کی طرح اسے چیرنے پھاڑنے کو تیار تھے۔ جو منہ میں آرہا تھا بول رہے تھے... پاکیزہ کی اگلی پچھلی نسلوں کو گالیاں دے رہے تھے۔ وہ ایک کونے میں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

"ملاؤ اس کا نمبر پاکیزہ... ابھی بلاؤ اسے یہاں۔" طارق سومرو نے اپنا موبائل ان کی طرف پھینکتے ہوئے کہا تو ان کی ٹانگوں میں سے جان ہی نکل گئی۔

"سائیں... بخش دیں اس کی خطا... میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" وہ کانپتی آواز میں بولیں اور ساتھ ہی طارق سومرو کے قدموں میں اپنا دوپٹہ رکھ دیا۔

"میں تمہاری خاطر اپنی عزت سے نہیں کھیل سکتا۔ ہٹو میرے راستے سے...." وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھے۔

"سائیں میں اس سے کہوں گی وہ ہاتھ جوڑ کے آپ کی بیٹی سے معافی مانگے گا وہ یونیورسٹی چھوڑ دے گا... مگر آپ کو خدا کا واسطہ اس کی جان بخش دیں۔ دانیہ میری بچی۔ ماں کی خاطر اپنے بابا سائیں سے کہہ کے اسے معافی دلوا دے...." وہ دوڑ کے دانیہ کے آگے ہاتھ جوڑنے لگیں کہ وہ اپنے باپ کے خاندان کے آخری چشم و چراغ کو کیسے یوں مرتے دیکھ سکتی تھیں۔

"اماں آپ یوں تو نہ روئیں..." وہ اداکاری کرتے ہوئے بولی۔

"بابا سائیں... اماں کی خاطر سب بھول جائیں... میں بھی بھول جاؤں گی۔" وہ باپ کے سامنے آتے ہوئے بولی۔ اتنے غصے کی توقع تو اسے بھی نہیں تھی اور نہ ہی وہ چاہتی تھی کہ اسے کوئی تکلیف پہنچے۔ ہاں کوئی خوف تھا تو وہ یہ کہ وہ اس سے ہارنا نہیں چاہتی تھی اور وہ اپنے دل کے اندر کے چور سے ڈر رہی تھی جس کی بنا پہ وہ اس کے ساتھ مس بی ہیو کر جاتی تھی۔

"ایسے تو نہیں چھوڑوں گا معافی تو اسے مانگنی پڑے گی اور میرے سامنے مانگنی پڑے گی۔" انہوں نے فیصلہ سنایا۔

"میں بلاتی ہوں اسے۔ وہ معافی مانگے گا۔" پاکیزہ نے اسے اپنے واسطے دے کے وہاں بلالیا۔

"تمہیں... تمہیں ہمت کیسے ہوئی... میری بیٹی کے ساتھ بدتمیزی کرنے کی..." طارق سومرو نے اسے دیکھا تو تمام ضبط کھو بیٹھے۔ اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"سائیں... اللہ سائیں کا واسطہ اسے کچھ مت کہیے گا۔" پاکیزہ نے برستی آنکھوں سے طارق سومرو

کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"ایک تمہاری پھپھو کی بات نہ ہوتی تو آج زندہ یہاں سے واپس نہ جاتے۔" وہ اسے دھکا دے کے بولے تو وہ پھٹ پڑا۔

"زندہ تو اس گھر میں آکے کوئی بھی نہیں رہپاتا۔ مار دیں مجھے بھی اسی طرح جیسے میرے باپ کو مارا تھا۔ جیسے پھپھو کو مار دیا ہے۔"

"ارسلان کیا فضول بول رہے ہو۔ جاؤ یہاں سے۔" پاکیزہ کی روح فنا ہو گئی۔ اسے دھکے دینے لگیں۔

"چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہوں مگر میں تمہارے گندے خون سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتا۔"

"سائیں۔ یہ گندا خون نہیں ہے۔ وہی خون ہے جو آپ کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ آپ اور اس کے باپ کا خون ایک ہے۔" پاکیزہ کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"تم۔ تم میرے مقابلے میں آگئی ہو۔ میری چھت کے نیچے کھڑے ہو کے میرا مقابلہ۔" طارق سومرو نے پل میں پاکیزہ کے عزت وقار کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اس بری طرح اس پہ ہاتھ اٹھایا کہ وہ لہولہان ہو گئی۔ اس صورت حال پہ خود وانیہ بھی گھبرا گئی کہ وہ قطعاً "یہ نہیں چاہتی تھی کہ معاملہ اتنا بگڑ جائے وہ تو صرف ارسلان کو تنگ کرنے کی نیت سے سب کر بیٹھی تھی۔ وہ اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی تھی مگر ارسلان کی سرد مہری پہ اس کے مد مقابل آن کھڑی ہوئی۔

"نہیں بابا پلیز۔" وانیہ نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑے۔ ارسلان نے آگے بڑھنا چاہا مگر ملازموں نے طارق سومرو کے ایک اشارے پہ اسے مار مار کے آدھ موا کر ڈالا اور گیٹ سے باہر مین روڈ پہ پھینک دیا۔ وانیہ پتھرائی سب دیکھتی رہی اور روتے ہوئے اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔

☼ ☼ ☼

"بابا سائیں نے اماں اور ارسلان۔ اوہ میرے خدایا۔" وہ ماں کی طرف آئی تو اس کا سر جھکا تھا اور ہاتھ جڑے ہوئے۔

"وانیہ تمہاری انا کی تسکین ہو گئی۔ چلو کسی کو تو سکون ملا۔" پاکیزہ نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اماں۔" وہ بھاگ کے ان پر جھکی۔ پاکیزہ نے ناراضی سے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"اف میرے خدایا۔ اماں۔ اماں مجھے معاف کر دیں۔ میں ارسلان سے بھی معافی مانگوں گی۔ میں نے قطعاً" ایسا نہیں چاہا تھا۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔"

"وانیہ۔ سائیں نے گارڈز سے ارسلان کو بہت زیادہ زخمی کروا دیا ہے۔ میری خاطر میری جان اپنی ماں کی خاطر اس کی خیریت کا پتا کرو۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہو گا۔" کہتے ہوئے انہوں نے بے بسی سے ہاتھ جوڑ دیے۔

"لیکن اماں میں کیسے پتا کراؤں۔" دل جیسے کوئی آری سے کاٹنے لگا تھا۔

"وانیہ اپنی اماں کی خاطر اسے جا کے دیکھ آؤ۔"

"اچھا ٹھیک ہے آپ فکر نہ کریں میں کل خود چلی جاؤں گی۔" اس نے کہہ تو دیا مگر کمرے میں آئی تو گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

اگلے دن وہ ارسلان کے ڈپارٹمنٹ گئی لیکن وہ ہاسپٹلائزڈ ہے۔ وہ یونیورسٹی سے سیدھی اسپتال آگئی۔

"مامی۔" وہ ارسلان کی ماما کے پاس بینچ پہ بیٹھ گئی۔ ان کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پہ دعائیں تھیں۔

"مامی کیسی طبیعت ہے ارسلان کی۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے پوچھا۔

"کافی چوٹیں آئی ہیں۔ ٹانگ میں فریکچر ہے۔" وہ بتا رہی تھیں اور وانیہ کا دل بیٹھتا چلا گیا۔

"اوہ۔ کافی زیادہ زخمی ہو گیا ہے ارسلان۔ مامی یہ سب کیسے ہوا۔"

"وہ کہہ رہا تھا کہ کچھ یونیورسٹی کے لڑکے تھے ان سے جھگڑا ہو گیا تھا۔" انہوں نے بتایا تو اس نے نظریں

جھکالیں۔

"پاکیزہ نہیں آئیں۔" انہوں نے پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"جی۔ وہ دراصل۔"

"آپ کو ڈاکٹر صاحب نے بلوایا ہے۔" نرس نے آنٹی کو متوجہ کیا۔

"ایک منٹ۔" ماں ڈاکٹر کی طرف چلی گئیں تو وہ آہستہ سے چلتی شیشے کے پاس آن کھڑی ہوئی جہاں سے وہ سفید پٹیوں میں جکڑا بیڈ پہ لیٹا نظر آرہا تھا۔ اس کا دل بری طرح تڑپنے لگا۔ یہ کیا۔ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ اس کا چہرہ پسینے سے بھر گیا۔ جب کسی طرح نہ سنبھل پائی تو گھبرا کے وہاں سے نکل آئی۔

"کیسا تھا ارسلان۔" ماں کی طرف آئی تو انہوں نے بے قراری سے پوچھا۔

"ماں۔"

"ہسپتال میں ہے اور کافی زخمی ہے۔" بتاتے ہوئے گردن جھکی ہوئی تھی اور آواز سے درد صاف ظاہر تھا۔

"میرے اللہ۔" وہ تڑپ تڑپ کے رونے لگیں۔

"یا اللہ تو میرے بچے کو اپنی امان میں رکھنا۔ اے اللہ اس کی تکلیف میرے وجود میں اتار دے۔" وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کے اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگیں۔

وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں آگئی۔ بے کلی ایسی تھی کہ کسی پل سکون نہیں مل رہا تھا۔ وہ پہلی رات تھی جو اس نے ارسلان کے متعلق سوچتے ہوئے جاگ کے گزاری تھی۔ وہ خود بھی اپنی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ یہ ناممکنات میں سے تھا کہ وہ ارسلان کے متعلق نرم گوشہ لیے بیٹھی تھی۔ اگلے دن پاکیزہ کے کہنے پہ وہ پھر اسے دیکھنے چلی آئی۔ ماں گھر گئی ہوئی تھیں اور اس کے ساتھ اس کا دوست ارحم تھا۔ ارحم نے جب اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو سلام دعا کے بعد باہر نکل گیا۔

"پانی۔ مجھے پانی۔" اس نے نقاہت بھری آواز میں پکارا تو وہ جھٹ اٹھی۔

"ارسلان۔ یہ پانی۔" اس نے اسے سہارا دے کے بٹھانا چاہا تو ارسلان کی نظر اس پہ پڑتے ہی رنگ بدل گیا۔ اس نے جھٹکے سے نہ صرف گلاس بلکہ اپنے سرہانے پڑا پھولوں کا گلدستہ بھی دور پھینک دیا۔

"مجھے تم سے یا تمہارے باپ سے کبھی پھولوں کی توقع نہیں رہی۔ تم لوگوں کے پاس دوسروں کی راہ میں بونے کے لیے صرف کانٹے ہی ہوتے ہیں۔"

"ارسلان پلیز۔ مجھے معاف کردیں۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ وہ اسے اپنے اتنے قریب دیکھ کے غصے سے پاگل ہونے لگا۔ اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اسے خود سے دور کر سکتا۔

"پلیز وانیہ یہاں سے چلی جاؤ۔" وہ سختی سے بولا۔

"سوسوری ارسلان۔" پہلی دفعہ وہ اس سے اتنے نرم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ وقتی طور پہ چپ ہو رہا کہ اسے پھپھو سے رابطہ رکھنا تھا۔ وہ انہیں اس وحشی انسان کے پاس چھوڑ تو آیا تھا مگر دل میں ان ہی کی فکر تھی۔

"پھپھو کیسی ہیں۔" کچھ توقف کے بعد نقاہت بھری آواز میں پھپھو کے متعلق پوچھا۔

"بیڈ پہ ہیں۔ بازو میں فریکچر ہے۔" اس کا جواب سن کے ایک اذیت بھری لہر وجود میں اتری۔

"وانیہ زندگی نے اگر ایک دفعہ مجھے موقعہ دیا تو یہ میرا چیلنج ہے طارق سومرو کو کہ میں اس سے بدلہ ضرور لوں گا۔" وہ نقاہت کی وجہ سے رک رک کے بولا۔

اتنے میں کمرے میں حلیمہ داخل ہوئی تو ارسلان نے انتہائی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ اس کے دیے گئے بکے کو تھینک یو کہہ کے سرہانے رکھ لیا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی حلیمہ کو اس کے ساتھ دیکھ کے اس کا دماغ گھومنے لگا۔ اسے حلیمہ اپنے مقابلے میں کمتر نظر آتی تھی۔ وہ دونوں باتوں میں لگ گئے تو وہ وہاں سے چپکے سے نکل آئی۔ ارسلان نے اسے جاتا دیکھا تھا اور دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔

پاگل مجھے تم نے کیا ہے ارسلان۔ مسکرائے

جانے کی اذیت سہنا کوئی آسان کام ہے کیا۔" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ اسی کے متعلق سوچے جا رہا تھی۔ "حلیمہ کو دیکھ کے تمہارے چہرے پہ بکھرنے والے رنگ۔۔۔ میرا جی چاہا کہ میں تمہارا چہرہ نوچ لوں۔ میں دھکے دے کے حلیمہ کو وہاں سے نکال دوں۔ کیا ہے ایسا اس میں جو مجھ میں نہیں ہے۔ اس سے بڑے باپ کی اولاد ہوں۔ اس سے زیادہ خوبصورت ہوں اور تمہاری خواہش بھی کرتی ہوں۔ کتنا نکھوں میں اور۔۔۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ جھکنا میرا مزاج نہیں ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے زور سے ہاتھ اسٹیئرنگ پہ مارا۔ "میں اس عام سی لڑکی سے تمہیں چھین لوں گی ارسلان۔۔۔ میں کم از کم حلیمہ سے نہیں ہار سکتی۔"

"کیسا تھا ارسلان۔۔۔" پاکیزہ نے اسے دیکھ کے بے تابی سے پوچھا۔

"آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ میں اسے دیکھنے گئی تھی۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا۔

"ایک بات تو بتاؤ دانیہ کہ کیا تمہیں ارسلان سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی تم دکھانے کی کوشش کرتی ہو۔" وہ ماں تھیں۔ اس کو اندر سے بھی پڑھنے کا ہنر جانتی تھیں۔

"یہ کیسا سوال ہوا بھلا۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"بہت مکمل سوال ہے۔ جواب نہ دینا چاہو تو الگ بات ہے۔"

"اماں یہ بتائیں کہ آپ نے کھانا کھایا۔" اس نے بات ٹالتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"صبح میں ڈاکٹر کی طرف لے جاؤں گی آپ کو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو پاکیزہ کو ایک خیال آیا۔

"دانیہ اس اسپتال لے جانا جہاں ارسلان ہے۔"

"اور اگر بابا سائیں کو معلوم ہو گیا تو۔۔۔"

"اس سے زیادہ وہ اور کیا برا کریں گے میرے ساتھ۔۔۔ اور سزا سہہ لوں گی۔"

"اور اگر بابا سائیں نے ارسلان کو مزید نقصان پہنچا دیا تو۔۔۔" اس نے کہا تو پاکیزہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ ارسلان کے متعلق اتنا سوچ سکتی تھی۔

"دانیہ تم نے پھر کیوں ہر قدم پہ اس کی تذلیل کی۔۔۔"

"کیونکہ بابا سائیں کو علم ہو جاتا تو وہ اسے جان سے مار دیتے۔ اور وہ خود بھی مجھے تسلیم نہ کرتا کہ وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے۔ میں جو کچھ بھی کرتی تھی یا کرتی ہوں وہ بابا سائیں کی ارسلان سے نفرت اور ارسلان کی حلیمہ سے محبت کا ہی نتیجہ ہے۔ ان دونوں نے مجھے ایسا بننے پر مجبور کیا ہے۔" اس نے سر جھکا کے اعتراف کیا۔

"او میری بچی۔۔۔ میں سائیں سے لڑ بھی لیتی مگر میں ارسلان کی محبت اس سے نہیں چھین سکتی۔۔۔ تو اسے بھول جا۔ اس کی خوشیوں کے لیے میں دعا تو کر سکتی ہوں اسے محروم کرنے کی متمنی نہیں ہو سکتی۔"

انہوں نے اس کی امید ہی توڑ ڈالی۔

"جی اماں۔۔۔" جبراً مسکرائی۔

وہ رات اس نے روتے ہوئے کاٹی۔ صبح اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا مگر اماں سے وعدہ کر رکھا تھا ورنہ اس کی طرف ہرگز نہ جاتی۔ اماں کا چیک اپ کروانے کے بعد اس کا دل چاہا کہ لوٹ جائے مگر اماں کو ارسلان سے ملنا تھا۔ وہ انہیں وہیل چیئر پہ اس کے کمرے میں لے آئی کہ اماں کے پاؤں میں بھی موچ تھی۔

"پاکیزہ۔" بھابھی بھاگ کے ان کی طرف لپکیں۔ ارسلان نے بھی بے ساختہ دروازے کی طرف دیکھا۔

"کیسی ہیں بھابھی۔۔۔"

"مجھے چھوڑو یہ بتاؤ کہ تمہیں کیا ہوا ہے۔۔۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کے پریشانی سے بولیں۔

"ماں یہ سیڑھیوں سے سلپ ہو گئی تھیں۔" دانیہ نے جواب دیا۔

"میرا ونی کیسا ہے۔" پاکیزہ ارسلان کی طرف مڑیں تو دانیہ انہیں اس کے بیڈ کے قریب لے آئی۔ وہ

بمشکل وانیہ کے سہارے سے کھڑی ہوئیں اور اسے خود سے لگا کے رو پڑیں۔ ارسلان کا چہرہ اس کے بالکل قریب تھا۔ وانیہ نے اپنا رخ ماں کی طرف موڑ لیا جو ان کے ساتھ ساتھ رو رہی تھیں۔ ارسلان کتنی دیر انہیں حوصلہ دیتا رہا۔

"اماں آپ نے پرامس کیا تھا کہ خود کو سنبھالیں گی۔ اس طرح آپ سب کو پریشان کر رہی ہیں۔" وانیہ نے انہیں دوبارہ وہیل چیئر پہ بٹھاتے ہوئے کہا۔

"وہ دیکھیں ماں بھی رو رہی ہیں۔"

"سوری بیٹا۔۔۔" وہ کافی دیر ارسلان اور ماں سے باتوں میں مصروف رہیں۔ وہ سائیڈ پہ رکھے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ بے دھیانی میں کئی دفعہ اسے دیکھے چلی گئی۔ اچانک اس کا دل بری طرح گھبرانے لگا۔۔۔ ایک ہی سوچ خود پہ حاوی ہوتی نظر آ رہی تھی کہ وہ اس سے جدا ہو کے مر جائے گی۔ جب خود پہ قابو نہ رکھ سکی تو کمرے سے ہی نکل گئی۔ وہ خوامخواہ لان میں ٹہلنے لگی۔ جب کافی دیر ہو گئی تو واپس کمرے میں لوٹ آئی۔

"ارے تم کہاں چلی گئی تھیں۔" پاکیزہ نے پوچھا تو اس نے سوال کا جواب دینے کے بجائے چلنے کا کہا۔

"ہاں ہاں۔۔۔ چلو میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" وہ فوراً تیار ہو گئیں۔

"اچھا بھابھی میں پھر چکر لگاؤں گی۔" ارسلان کا ماتھا چومتے ہوئے اماں نے کہا تو ایک لمحے کے لیے اس کی نظریں ارسلان سے ملیں۔

"پھپھو آپ کو ہمت سے یہ مشکل وقت کاٹنا پڑے گا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ طارق سومرو چاہے لاکھ طاقت ور بنے۔۔۔ ہے تو ایک معمولی سا انسان ہی نا۔۔۔ اللہ رسی ضرور دراز کرتا ہے مگر جب کھینچتا ہے تو سنبھلنے کا موقع نہیں ملتا۔" وہ بولتے ہوئے تلخ ہو گیا۔

"ایکسکیوزمی ارسلان۔۔۔ وہ میرے بابا ہیں۔" وانیہ نے اذیت سے کہا کہ اس سے اس کا یہ لہجہ برداشت نہ ہو سکا۔

"ایسے باپ کے گلے میں صبح شام پھولوں کے ہار ڈالا کرو۔"

"ارسلان۔۔۔ فضول مت بولو۔" ماں نے اسے ٹوکا۔

"وہ چلیں اماں۔۔۔"

دونوں گھر واپس آئیں تو طارق سومرو لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔ عادلہ بیگم بھی بنی ٹھنی سامنے بیٹھی تھیں اور تمسخرانہ انداز میں پاکیزہ بیگم کو دیکھنے لگیں۔

"کہاں گئے تھے تم لوگ۔۔۔"

"بابا ڈاکٹر کے پاس اماں کو لے گئی تھی۔" وانیہ نے جواب دیا۔ پاکیزہ نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

"کیا کہا ہے ڈاکٹر نے۔۔۔" وانیہ بتانے لگی تو پاکیزہ کرسی دھکیلتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

رات طارق سومرو ان کے کمرے میں چلے آئے۔

"آئی ایم سوری پاکیزہ۔۔۔ مجھے تم پہ کم از کم ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔" انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

"آپ کو ارسلان پہ بھی ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولیں۔

"اس کے ساتھ تو میں نے بہت کم کیا ہے شکر ادا کرو کہ جان بخش دی۔۔۔ وہ بھی صرف تمہاری وجہ سے لیکن آئندہ میں ان سے تمہارا کوئی تعلق نہ دیکھوں۔۔۔"

"میری وجہ سے اوروں کو تو بخش دیتے ہیں آپ سائیں۔۔۔ مجھے کیوں نہیں بخش دیتے۔"

"کیا مطلب۔۔۔"

"اگر میں کہوں کہ آپ کی بیٹی ارسلان سے محبت کرتی ہے اور وہ اسے ٹھکرا چکا ہے تو کیا اسے بخش دیں گے۔۔۔ اگر میں کہوں کہ میں ابھی ابھی اس سے مل کے آئی ہوں تو بھی آپ مجھے بخش دیں گے کیا۔ مگر یہ حقیقت ہے۔۔۔ سائیں میں ان سے تعلق ختم نہیں کر سکتی۔۔۔ وہ میرے اپنے ہیں۔۔۔" وہ ڈٹ گئیں۔

"تو پھر اپنی بیٹی کو تو میں دیکھ لوں گا اور تم بڑے شوق سے جا کے ان کی دل جوئی کرو۔۔۔ دفع ہو جاؤ میری زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔ جاؤ نکل جاؤ میری زندگی سے۔۔۔ رہو انہیں کے پاس جو تمہیں عزیز

ہے۔ البتہ اپنے چہیتے کو بتا دینا کہ اگر میری بیٹی سے کوئی تعلق رکھنے کی کوشش کی تو جان سے ہی جائے گا اپنے باپ کی طرح۔" وہ فیصلہ سنا کے چلے گئے۔ وہ دل تھام کے بیٹھ گئیں اور دروازے میں کھڑی دانیہ سومرو تو جیسے پتھر کا بت ہی بن گئی۔ طارق سومرو کا دھکا لگنے کے باوجود وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

☆ ☆ ☆

"پھپھو۔۔۔" صدمے سے اس کی آواز گلے میں ہی پھنس گئی۔ ارسلان گھر آیا تو اسے سب ماما کی زبانی پتا چلا کہ طارق سومرو نے پاکیزہ پھپھو کو گھر سے نکال دیا ہے۔ ورنہ جتنے دن وہ اسپتال میں رہا اسے لاعلم ہی رکھا گیا تھا۔

"کتنا گھٹیا نکلا ہے وہ شخص۔۔۔" اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"ایسے مت کہو بیٹا۔ پچیس سال گزارے ہیں میں نے اس کے ساتھ۔ دل نہیں مانتا کہ یوں کوئی اسے برا بھلا کہے۔ شاید میرا اور اس کا ساتھ اتنا ہی تھا۔" پاکیزہ کے آنسو نہ چاہتے ہوئے بھی بہنے لگے۔

"ایسے شخص کے ساتھ آپ نے پچیس سال گزار لیے پھپھو۔ جسے رشتوں کا کوئی احترام ہی نہ تھا۔ بہت برا طرح پچھتائے گا۔ اور اس کے ہارنے کا منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔" ارسلان کے اندر آگ لگی ہوئی تھی۔

"ارسلان میرے بچے مجھ سے دور ہو جائیں گے بیٹا۔"

"کیا وہ کبھی آپ کے قریب تھے پھپھو۔ کبھی آپ کے دکھ کو محسوس کیا ہے انہوں نے۔ بیٹے پردیس میں باپ کے نقش قدم پہ چل رہے ہیں اور دانیہ کا توہین آمیز رویہ سب یاد ہے مجھے۔ ایک عمر باپ نے برباد کی۔ باقی کی آپ اس کی اولاد کے لیے برباد کر دیں۔ اللہ کے لیے پھپھو۔" ارسلان کے دل میں ان کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔

"ارسلان میری دانیہ۔۔۔"

"وہ اپنے باپ کی بیٹی ہے۔ آپ والی کوئی خوبی نہیں ہے اس میں۔" کہتے ہوئے ارسلان کی آواز مدھم پڑ گئی۔

"ایسے نہ کہو ارسلان۔۔۔ میں اپنی بیٹی کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔" وہ تڑپ کے بولیں۔

"ارسلان فضول نہ بولا کرو۔ اللہ نہ کرے کہ دانیہ پہ کوئی مشکل وقت آئے۔ اللہ اسے اپنی امان میں رکھے۔" ماما نے کہا تو وہ اٹھ کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

ایک ماہ بعد وہ یونیورسٹی آیا تو ہر کوئی اس سے ملنے آرہا تھا۔ ارحم اور حلیمہ اس کے ساتھ تھے۔ اچانک نظر دانیہ سومرو پہ پڑی جو اسی کی طرف آرہی تھی۔

"السلام علیکم۔۔۔" انتہائی مہذب انداز میں اس نے کہا تو ارسلان کے ساتھ ساتھ ارحم اور حلیمہ نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔" ارسلان چاہتے ہوئے بھی لہجہ سخت نہ کر سکا۔

"اماں کیسی ہیں۔۔۔" اس نے بے قراری سے پوچھا۔

"ایک منٹ۔۔۔" ارسلان نے کہا تو ارحم اور حلیمہ آگے بڑھ گئے۔

"کیسا ہونا چاہیے انہیں۔۔۔" ان دونوں کے جانے کے بعد وہ کڑوے لہجے میں بولتے ہوئے اس کی طرف مڑا۔

"تم لوگوں نے اپنا حق ادا کر دیا ہے اب ان کا پیچھا چھوڑ دو۔ کوئی تعلق نہیں ہے تمہارا ان سے۔۔۔"

"ارسلان۔۔۔ ماں ہیں وہ میری۔۔۔" وہ رو پڑی۔

"ماں کی عزت جتنی تم کرتی ہو وہ میں آنکھوں سے دیکھ بھی چکا ہوں اور کانوں سے سن بھی چکا ہوں۔ اب یہ ڈرامے ختم کرو۔ اپنی زندگی جیو۔ موج کرو۔ کبھی ایک مرد کے ساتھ قہقہے لگاؤ۔ اور کبھی دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈال کے زندگی کے سارے رنگ سمیٹو۔ یاد رکھنا کہ ان کے پاؤں کے نیچے سے تمہاری جنت تمہارے باپ نے چھین لی ہے۔ اب ٹھوکر

ہو کے سنبھل نہیں پاؤ گی۔" وہ بھرا بیٹھا تھا۔

"ارسلان کیا میں ان سے مل سکتی ہوں۔" وہ بنا کوئی مقابلہ کیے بولی تو اس کا مزاج نہیں تھا۔

"اس گندی غلیظ گلی میں تم کیسے پاؤں رکھ سکو گی دانیہ سومرو۔" وہ طنزاً بولا۔

"بس کرو ارسلان۔ مت تمسخر اڑاؤ۔"

"ارے ابھی تو تم انتظار کرو اس دن کا جب ارسلان مصطفیٰ عقل دانیہ سومرو تسمار ہے۔ تمہارے پیچھے دم بلاتا ہوا آئے گا۔ تمہاری دولت میں اتنی طاقت ہے نا۔" وہ اس کی کہی باتوں کو دہرانے لگا۔

"سب باتوں کے لیے شرمندہ ہوں ارسلان۔"

"یہ قیمت کیسے آگئی کہ دانیہ سومرو اپنی ہار تسلیم کر رہی ہے۔" اس نے کہتے ہوئے زوردار قہقہہ لگایا تو وہ آنسو پی گئی۔

"تم نے میرے پاس کچھ نہیں چھوڑا دانیہ۔ اب باقی نہ تم ہو اور نہ میں بچا ہوں۔ اب تمہاری ہار اور میری جیت دونوں میں ہی ذلت ہے۔" وہ اسے جاتے دیکھ کے سوچنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"کیسی ہو جان۔" وہ اپنے خیالوں میں گم سم بیٹھی تھی کہ محسن اس کے سامنے آن بیٹھا۔ اس نے ناگواری سے اس پہ نظریں جمادیں۔

"اتنا غصہ کوئی بات نہیں جس سے محبت ہو اس کے نخرے دل پہ رم جھم پھوار کی مانند برستے ہیں۔" وہ خفیہ انداز میں ——— آنکھ مارتے ہوئے بولا تو وہ تپ ہی تو گئی۔

"مجھے تم سے قطعاً کوئی محبت نہیں ہے۔"

"جان۔ تمہاری آنکھیں کیا جھوٹ بول رہی ہیں۔"

"میری آنکھوں اور دل میں جو ہے تم اس کے قدموں کی دھول کے بھی برابر نہیں ہو۔" دانیہ نے یونہی کہہ ڈالا۔

"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تمہاری زندگی میں کوئی نہیں ہے۔" وہ اسے چڑانے کے انداز میں ہنسا۔

"اچھا۔ تو اس کا نام بتاؤ۔"

"سننا چاہتے ہو تو سنو کہ اس کا نام ہے ارسلان۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں۔" بنا سوچے سمجھے اس نے جو کہا اس پہ اسے خود بھی یقین نہ آیا۔ ساری رات وہ اپنے جملے پہ غور کرتی رہی۔ اسے حیرت اس بات پہ زیادہ تھی کہ اس کا دل ایک بار بھی اس کے بیان کو جھٹلا نہیں پایا تھا۔ ذہن ماننے کو تیار نہ تھا۔

ارسلان کو لگتا کہ وہ کچھ الجھی الجھی سی ہے۔ اس کے پاس بلاوجہ چلی آتی جیسے کچھ کہنا چاہ رہی ہو مگر کسی الجھن میں ہو۔ ارسلان اسے اگنور کرکے آگے بڑھ گیا۔ اسے دیکھتے ہی نفرت کا لاوا ارسلان کے اندر ابلنے لگتا تھا۔

دوسری طرف دانیہ کو لگ رہا تھا کہ وہ اندھیروں کی دلدل میں دھنستی چلی جارہی ہے۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کس سے بات کرے۔ بابا سائیں سے۔ نہیں وہ تو سہہ ہی نہیں پائیں گے۔ اور ویسے بھی چھوٹی ماما کے بھائی نے بابا سائیں کو میری بے راہ روی کے بہت سے ثبوت دے دیے ہیں۔ شراب پینے سے لے کے دوستوں کی محفلوں میں غل غپاڑہ کرنے تک۔ جس پہ وہ اس سے سخت ناراض بھی تھے۔ وہ جان بوجھ کے ایسا کر رہا تھا کیونکہ وہ دانیہ کی طرف اپنا دھیان لگا رہا تھا اور ایسے حالات بنادینا چاہ رہا تھا کہ طارق سومرو دانیہ کی ذمہ داری اسی پہ ڈال دیں۔ محسن جو پہلے کبھی کبھی ذومعنی باتیں کرتا تھا اب کھل کے کھیلنے لگا تھا۔

تو۔ کیا ارسلان سے مدد مانگوں۔ لیکن کس منہ سے۔ کتنا ذلیل نہیں کیا میں نے اسے۔ نہیں۔ خدایا کیا کروں۔ اسے کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ باقی دوست بھی سارے تماش بین عیاش تھے۔ اب جب کہ وہ اپنی ہنگامہ پرور زندگی سے تھکنے لگی تھی تو وہ بھی اس سے بور ہونے لگے تھے۔

باکیزہ پھپھو کے مجبور کرنے پہ ارسلان وانیہ سے ملنے آیا تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

"ارسلان آپ... بیٹھیں... اماں کیسی ہیں..." ارسلان نے دیکھا کہ وہ بہت کمزور ہو رہی تھی۔ رنگت بھی پیلی ہو رہی تھی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے..." ارسلان سے رہا نہ گیا۔

"ہوں... ہاں بالکل ٹھیک ہوں..."

"پھپھو کو تمہاری فکر لگی ہوئی تھی... انہیں کے مجبور کرنے پہ چلا آیا۔" اس نے جتلایا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"یونیورسٹی کیوں نہیں آرہیں تم..." ارسلان نے اس کی دو ہفتوں کی غیر حاضری کے متعلق جاننا چاہا۔

"مجھ سے اب نہیں پڑھا جا رہا۔"

"تو پہلے تم پڑھنے جاتی تھیں کیا..." اس نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اب تمہاری دلچسپیاں بدل گئی ہیں شاید..." بہت سی باتوں کے جواب میں اس نے چپ سادھے رکھی۔ طارق سومرو اپنی بیگم کے ساتھ کسی پارٹی میں گئے ہوئے تھے۔

آج گھر میں اکیلے ہونے کی وجہ سے محسن نے اپنے دوستوں کو بھی بلوایا ہوا تھا۔ وانیہ گاڑی کی چابی لے کے نکلنے لگی تو اس نے چابی اس سے چھین کے اپنے پاس رکھ لی... وہ بہت خوف زدہ سی ہو رہی تھی۔ ایسے میں ارسلان کے آنے سے اسے بہت سہارا ہوا۔

"اچھا... تو پھر میں چلتا ہوں..." ارسلان جانے کے لیے اٹھا تو وانیہ کی جان نکل گئی۔ بھاگ کے اس کے سامنے آگئی۔

"ارسلان... تم بیٹھو نا... میں چائے بنا کے لاتی ہوں..." ارسلان نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اسے اس کی ذہنی حالت پہ شبہ ہوا۔

"شکریہ..." وہ مختصر جواب دے کے آگے بڑھا تو وانیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ارسلان پلیز ہیلپ می... وہ چھوٹی ماما کے بھائی اور اس کے دوست ہیں گھر پہ اور میں اکیلی ہوں... تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ..." اس کی آنکھوں میں واضح بے بسی تھی۔ سوری کہہ کے ارسلان وہاں سے نکل آیا۔ ابھی وہ بائیک پہ مین روڈ پہ ہی نکلا تھا کہ وانیہ کے موبائل سے کال آنے لگی... اس نے بہت حیرت سے اس کے آج کے رویے اور اب ان کالز کے آنے پہ غور کیا۔ بیل ایک تسلسل سے بج رہی تھی۔ تھک کے اس نے ہیلو کہا تو دوسری طرف اس کی گھبرائی ہوئی آواز تھی۔

"ہیلو..."

"دیکھو وانیہ میرا تم سے نہ کوئی تعلق اور نہ رشتہ ہے... اس لیے مجھے اپنے رابطے میں مت رکھو۔" ارسلان نے اس کی بات سنے بغیر ہی کہا تو دوسری طرف وہ رو رہی تھی۔

"ارسلان پلیز ابھی واپس آجاؤ... مجھے آج چھوٹی ماما کے بھائی کے ارادے بہت برے لگ رہے ہیں... اماں بھی نہیں ہیں..."

"میں قطعاً نہیں آؤں گا کیونکہ تمہاری کلاس میں یہ باتیں عام ہیں... اور سب سے بڑی بات کہ میں تمہارا باڈی گارڈ ہوں نہ کچھ اور لگتا ہوں اور وہ... بلکہ وہ تمہارے باپ کا سالا ہے اس سے کیا خوف..." وہ اگلے پچھلے حساب لینے لگا۔

"اللہ کے لیے ارسلان اس وقت میری مدد کرو... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے..." وہ اس کی بات کاٹ کے بولی۔

"سوری..." اسی دوران اس کی چیخوں کی آواز ارسلان کے کانوں تک پہنچی اور رابطہ ٹوٹ گیا۔ ارسلان کو عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا لیکن کافی دیر سوچنے کے بعد وہ واپس گھر آگیا۔ وہ اس کے جملوں کا زہر اب بھی اپنے وجود میں محسوس کر رہا تھا۔ "میں آج اس کے اس کہے کو سچ نہیں کر سکتا کہ ارسلان کی کلاس کے لوگ دولت مندوں کے پاؤں چاٹتے ہیں... وہ جب انہیں بلائیں کتے کی طرح دم ہلاتے چلے آتے ہیں..."

"بس کھانا کھالو بیٹا۔" وہ شدید ذہنی کوفت سے گزر رہا تھا جب ماما کی آواز اسے واپس لے آئی۔
"ماما مجھے آج بھوک نہیں ہے۔ دوست کے ساتھ برگر کھالیا تھا۔" اس نے بہانہ بنایا۔
"اچھا۔ چائے تو لوگے نا۔" وہ اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں تو وہ انکار نہ کرسکا۔ اس ساری ہی رات ارسلان کو خود پہ غصہ رہا کہ اسے وانیہ کو یوں تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔
صبح یونیورسٹی میں بھی بے آرا وہ اس کی تلاش میں رہا۔ لیکن کتنے دن گزر گئے وہ یونیورسٹی بھی نہ آئی۔
ارسلان کو کسی پل سکون نہیں مل رہا تھا۔ عجیب سی بے چینی نے پورے وجود کا احاطہ کر رکھا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس نے اس دن وانیہ کو تنہا چھوڑ کے غلطی کی تھی۔ وانیہ اگر اس کے ساتھ لڑ رہی تھی تو وہ اس کی نفرت تھی مگر ارسلان بھلے تم اپنے وقار کو مجروح نہ کرتے لیکن انسانیت کے ناتے اور پھر سب سے بڑی بات کہ تمہیں اس سے محبت ہے اور تم اسے اندھے کنویں میں گرتا دیکھ کر چھوڑ آئے ہو اور تماش بین بن گئے۔ جب ایک دشمن، ہتھیار پھینک دے تو اس پہ حملہ کیا معانی۔ نہیں۔ نہیں۔ میں کل ہی اس سے ملتا ہوں۔ اس نے خود سے عہد کرلیا کہ وہ بھلے اس سے محبت کا رشتہ نہ رکھے مگر اسے ڈوبتے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اسی سوچ کے ساتھ اگلے دن وہ وانیہ کو یونیورسٹی میں نہ پاکے اس کے گھر چلا آیا۔
"کیسی ہو وانیہ۔ یونیورسٹی نہیں آرہیں تم آج کل۔" اس نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا جیسے اس سے ہزاروں گلے ہوں۔ وہ بہت گم سم اور خاموش خاموش سی تھی۔
"وانیہ۔ کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" اس کی خاموشی ارسلان کو پریشان کرنے لگی۔
"وانیہ تو مرگئی ارسلان۔ اسی دن جب اسے بچانے کوئی نہیں آیا تھا۔ وہ بھی نہیں جسے وانیہ نے اپنا سب کچھ مان رکھا تھا اور جسے اس نے بہت امید سے کئی دفعہ بہت بے بسی سے پکارا تھا۔"

"وانیہ۔" اس کا لہجہ ارسلان کو پشیمان کر گیا۔ وہ اس کے قریب چلا آیا۔ اسی پل محسن بھی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔
"تم کیوں آئے ہو یہاں۔ سائیں نے تمہیں یہاں آنے سے روکا تھا۔" اس نے ارسلان کو دیکھ کے غصے سے کہا۔
"مجھے پھپھو نے وانیہ سے ملنے کا کہا تھا۔"
"لیکن سائیں نے تم پہ یہاں آنے کی پابندی لگا رکھی ہے اگر وہ اس وقت گھر پہ ہوتے تو یقیناً سخت ناراض ہوتے۔" محسن نے کہا تو وانیہ نے اسے ٹوک دیا۔
"ارسلان کو میں نے بلایا تھا۔"
"وجہ۔" اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔
"مجھے اماں کے بارے میں پوچھنا تھا۔"
"او کے" کہہ کے وہ باہر نکل گیا۔
"وانیہ تم مجھے کچھ الجھی الجھی لگ رہی ہو۔ خیریت تو ہے۔" وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔
"ارسلان میں بہت تنہا ہوگئی ہوں۔ یہ دیکھو مجھے معاف کردو۔ میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ مجھے معاف کردو۔" اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔
"جو رویہ تم نے میرے ساتھ روا رکھا وانیہ اس پہ تمہیں یہ دعوا بھی ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت رہی ہے۔ کیا وہ محبت کا اظہار تھا۔" احساس دلانے پہ وہ شرمندہ ہوگئی۔
"تمہیں حلیمہ کے ساتھ دیکھ کے میں پاگل ہو جاتی تھی ارسلان۔"
"اگر تم وہ سب مجھ سے نفرت کرکے کرتیں تو مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا وانیہ۔ محبت میں بھی کسی کو اتنا ذلیل کیا جاتا ہے۔"
"مجھے کچھ نہیں چاہیے ارسلان۔ مجھے صرف تم اپنا نام دے دو۔ وہ مجھے نوچ نوچ کے کھالے گا۔"
"اور وہ جو کہہ رہا تھا کہ تمہاری اور اس کی شادی۔" محسن کا جملہ ارسلان کے کانوں میں گونجنے

لگا۔

"بابا سائیں اس گھٹیا شخص کو اتنا اچھا سمجھتے ہیں کہ اس پہ اندھا اعتماد کرتے ہیں۔۔۔ اور اب اس کے ساتھ بھی مجھے ہمیشہ کے لیے رخصت کرنا چاہ رہے ہیں۔ ارسلان پلیز مجھے اس سے بچالو۔ مجھے تم سے محبت ہے۔۔۔ میں تمہارے بغیر مرجاؤں گی۔۔۔"

"محبتوں کے دعوے چھوڑو اور یہ بتاؤ وانیہ کہ میں زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں۔۔۔"

"مجھے اس سے بچالو۔۔۔ پلیز۔۔۔ وہ ایک نفسیاتی مریض ہے۔۔۔ پلیز کسی رشتے سے ہی سہی مجھے بچالو۔۔۔ یہ دیکھو اپنی پھپھو کی خاطر ہی مجھے بچالو۔۔۔"

"لیکن میں کیا کروں۔۔۔" وہ زچ ہو کے بولا۔

"مجھ سے شادی کرلو۔۔۔"

"کیا۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو وانیہ۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔"

"پلیز۔۔۔" اس کے چہرے سے آنسو ایک تواتر سے گر رہے تھے۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے وانیہ۔۔۔"

"ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔۔۔"

"کورٹ میرج۔۔۔ تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔ تمہارا باپ پہلے ہی میرا دشمن ہے۔۔۔ تم چاہتی ہو کہ میرا بھی وہ ہی حال کرے جو اس نے میرے باپ کا کیا تھا۔ مجھے اپنی ماں کا احساس نہ ہوتا تو اسے مار کے میں ضرور سولی چڑھ جاتا۔۔۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"اور ویسے بھی میرا تم سے اتنا قلبی رشتہ نہیں کہ موت کو گلے لگالوں۔" ارسلان نے صاف صاف بات کی تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

"البتہ میں ماما اور پھپھو سے بات کر کے گھر میں ہی کوئی بندوبست کرتا ہوں۔" ارسلان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ارسلان جلدی ہو جائے گا نا سب۔۔۔"

"کوشش کرتا ہوں۔۔۔"

"رات ہی گھر میں بات کرتا ہوں تم صبح میرے فون کا انتظار کرنا۔" وہ پہلی دفعہ مسکرایا کہ اس کے چہرے پہ تناؤ کم ہو سکے۔

"ارسلان۔۔۔ وہ مان جائیں گے نا۔۔۔" اس نے اس کے سامنے آ کے امید سے پوچھا۔

"دیکھو۔ امید تو کی جاسکتی ہے کیونکہ تم جیسے لوگ ہم جیسوں کو خرید ہی لیتے ہیں۔" اس نے وانیہ کو اسی کا کہا ہوا جملہ یاد دلایا۔

"ارسلان مجھے اپنی باندی بنا کے رکھنا۔۔۔ میں تم سے وہی پانا چاہوں گی جو تمہیں میں نے دیا ہے۔۔۔ میں اف بھی نہیں کروں گی۔۔۔ صرف مجھے اس بھیڑیے سے بچالو۔۔۔ میری دولت نے مجھے جانور بنا دیا تھا۔۔۔ لیکن ارسلان آپ جیسے لوگوں کی وجہ سے دنیا بھی تو قائم ہے۔۔۔"

"میں بھی جانور ہی ہوں۔۔۔ مجھے اس میں تمہارے باپ طارق سومرو کی شکست نظر آتی ہے۔۔۔" ارسلان نے سختی سے کہا اور باہر نکل گیا لیکن پانچ یا دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ وانیہ کی کال آنے لگی۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے فوراً ریسیو کیا۔

"ارسلان۔۔۔ ارسلان۔۔۔" وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔

"وانیہ۔۔۔ وانیہ کیا ہوا ہے۔۔۔ بات کرو۔۔۔ وانیہ۔۔۔" وہ گھبرا گیا۔

"ارسلان۔۔۔ محسن۔۔۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ پائی کہ محسن کے شور شرابے کی آوازیں آنے لگیں۔۔۔ ارسلان نے فوراً گاڑی واپس موڑی۔ اس کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا کہ نجانے کیا ہو چکا تھا۔ وہاں پہنچتے پہنچتے اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ گیٹ پہ چوکیدار موجود نہ تھا۔۔۔ وہ بھاگتا ہوا اس کے کمرے کی طرف آیا مگر اندر کے منظر نے اسے دہلا دیا۔

ڈری سہمی ہوئی وانیہ بیڈ کے پیچھے چھپی تھی اور سامنے کارپٹ پہ محسن خون میں لت پت پڑا تھا۔

"وانیہ۔" ارسلان نے پھٹی ہوئی آواز میں اسے پکارا تو وہ خوف زدہ ہو کے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ اس کا وجود بری طرح کانپ رہا تھا۔

"وانیہ یہ کیا کر دیا ہے تم نے۔۔۔" وہ چلایا۔

"ارسلان میں نے اس کمینے کی کمینگی کا باب ختم کردیا۔" چھرائی ہوئی آواز میں بولی تو ارسلان نے بھاگ کے اس کی نبض چیک کی تو ہلکی ہلکی چل رہی تھی۔ بمشکل اسے گاڑی تک لایا اور اسپتال پہنچایا۔

اسپتال انتظامیہ نے کاغذی کارروائی کے لیے پولیس کو کال کرلیا۔ طارق سومرو پریشان حال اور ان کی بیگم روتی دھوتی وہاں پہنچ گئیں۔

طارق سومرو کی طاقت نے ایک دفعہ پھر اپنی بیٹی کو معاملے سے الگ کرلیا۔ بیان کے فوراً" رپورٹ یہی درج کی گئی کہ ارسلان مصطفیٰ طارق سومرو کی بیٹی دانیہ سومرو کو اغوا کرنے ——— کی نیت سے گھر میں داخل ہوا تو گھر میں موجود محسن نے مزاحمت کی جس پہ ارسلان مصطفیٰ نے اسے مارڈالا۔ آلہ قتل موقع واردات سے برآمد۔

ایک آہ و فغاں تھی جو ارسلان مصطفیٰ کے گھر مچی تھی۔ بیوہ ماں کو غش پہ غش آرہے تھے۔ پاکیزہ پھپھو غم کی شدت سے دیوانی ہوئی جارہی تھیں۔ دانیہ چیخ چیخ کے ارسلان کی بے گناہی ثابت کرنا چاہ رہی تھی مگر طارق سومرو نے اسے ایک کمرے میں بند کردیا۔

"بابا سائیں میرا یقین کریں۔ محسن کا قتل میں نے کیا ہے۔ اس بے گناہ پہ اتنا ظلم نہ کریں۔" وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ انہیں پکارتی رہی مگر بے سود۔ وہ بری طرح تڑپ تڑپ کے روتی رہی۔ ارسلان کو ایک ہفتے کے جسمانی ریمانڈ پہ جیل بھیج دیا گیا تھا۔

پاکیزہ بھاگتی طارق سومرو کے در پہ آن کھڑی ہوئیں۔

"سائیں ارسلان کو معاف کردیں۔ میں ہاتھ جوڑ کے آپ سے اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں۔" انہوں نے اپنا دوپٹہ طارق سومرو کے قدموں میں رکھ دیا۔

"کیسے معاف کردوں۔ اس نے میرے سالے کو میرے گھر میں داخل ہو کے مارا ہے۔ میری بیٹی کی عزت پہ ہاتھ ڈال رہا تھا۔"

"سالا تو ایک دفعہ پہلے بھی آپ کا مارا گیا تھا اس کا قاتل بھی تو آزاد ہی رہا۔ اس کو بھی تو آپ کے ہی گھر میں بلا کے مارا گیا تھا۔ کچھ یاد ہے کہ بھول گئے۔" وہ اپنے بھائی کو یاد کرکے رو پڑی۔

"جاؤ یہاں سے پاکیزہ۔" طارق سومرو نے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"اسے اس کے کیے کی سزا ملے گی۔" انہوں نے اسے مایوس لوٹا دیا۔

☆ ☆

(دوسرا اور آخری حصہ آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

دُرِشہوار ارشد

آصلہ کی تیز طراری اور شرارت عادل کے ایک جملے نے ختم کر دی تھی۔

"اگر تمہیں زندگی میرے ساتھ گزارنی ہے تو یہ جنسی مذاق اور جملے پھینکنے کی عادت ترک کر دو۔ ورنہ۔" وہ لمحے بھر کو سکتے میں آ گئی۔

"لیکن میں نے ایسا کیا کہا ہے؟" وہ بے بسی کی تصویر بن گئی تھی۔

"وہ دو کوڑی کا انسان اس قابل ہے کہ تم اس کے ہر سوال کا جواب دو' مجھے یہ سب بالکل پسند نہیں ہے۔" عادل کا انداز اس کا لہجہ اس قدر کاٹ دار تھا کہ اسے محبت کی دیواریں گرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

آصلہ گنگ بنی عادل کو دیکھنے لگی۔ یہ ہی باتیں تو تھیں جن سے شروع دن سے ہی وہ متاثر ہوا تھا اور کتنا ہنستا تھا اس کی برجستگی پر اس کے شوخ جملوں پر تعریف کے پل باندھ دیا کرتا تھا لیکن آج اچانک ہی اسے کیا ہو گیا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ آصلہ کی حاضر جوابی اور برجستگی کے سب قائل تھے۔

محبت بھی ایک پھول کی طرح ہے جو سدا کھلا رہتا ہے لیکن جہاں محبت ختم ہو جائے وہاں پھول مرجھا جاتا ہے اور انسان پتیوں کی طرح مسلا جاتا ہے اور وہ اپنی محبت زندہ رکھنا چاہتی تھی اس لیے اس نے اپنے جملوں کو اپنی شوخی کو دل کے قبرستان میں دفنا دیا اور لوگوں کے سوالوں سے بچنے کے لیے خود کو کتابوں کی دنیا میں مگن الجھا دیا مگر جس سوال کا جواب وہ چاہتی تھی وہ تو صرف عادل کے پاس تھا اور وہ روز اس سے یوں ملتا جیسے کبھی کوئی بات ہوئی ہی نہیں تھی۔ شاید یہ مرد کی فطرت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ گزرے ہوئے کل کی بات دوسرا یاد رکھے اور وہ خود بھول جاتا ہے!

"کیا ہوا ہے" مریم نے اس کا راستہ روک کر پوچھا تو آصلہ نے ذرا سی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور کترا کر نکلنا چاہتی تھی کہ وہ پھر سے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"جب تک بتاؤ گی نہیں جانے نہیں دوں گی۔"

"کیا بتاؤں؟" آصلہ نے الٹا اس سے پوچھا تو مریم بغور اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ ہی کہ تمہاری طبیعت کو کیا ہوا ہے۔ کیوں اتنی چپ چاپ رہنے لگی ہو۔" آصلہ کیا بتاتی کیونکہ وہ خود ہی ابھی تک حیرت کے جھٹکوں سے نہیں نکل پائی تھی۔ ایک شخص کا اسے پسند کرنا پھر اس سے اس کی تمام شرارت چھین لینا۔ وہ اب تک نہیں سمجھ پائی تھی۔

"بس طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور گھریلو مصروفیات کے ساتھ یونیورسٹی کو ٹائم دینا تھوڑا مشکل لگ رہا ہے اس لیے۔"

زبان پہ آنے سے پہلے ہی بات کٹتی ہے
کوئی نہ ہو گا حاضر جواب ایسا تجھ

وہ کہہ کر فوراً" ہی مریم کے پاس سے ہٹ گئی تھی جانتی تھی وہ مزید سوال کرے گی اور اب ان سوالوں کا جواب وہ خود بھی نہیں جانتی تھی لیکن اتنا ضرور سمجھ آ گیا تھا کہ محبت خود کو مار کر دوسرے انسان کو زندہ رکھنے کا نام ہے مگر وہ یہ بھول گئی تھی کہ مردوں سے محبت نہیں رہتی!

اور منگنی کی انگوٹھی پہنا کر اس نے آصلہ کو خرید لیا

تھی۔

"کیسی ہو آصلہ" وہ لائبریری کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی جب عادل نے سامنے سے آتے ہوئے اس سے پوچھا تو چاہنے کے باوجود بھی وہ اپنی مسکراہٹ ہمیشہ کی طرح تازہ نہیں کر سکی تھی۔

"بالکل ٹھیک۔ تم سناؤ۔"

"ویسا ہی۔ چائے پیو گی میرے ساتھ" آصلہ خاموشی سے اس کے ساتھ کینٹین کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

ابھی دو سال پہلے ہی کالج سے فارغ ہو کر اس نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا اس وقت تک اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی لڑکا یوں آندھی طوفان کی طرح اس کی زندگی میں آجائے گا بلکہ وہ تو ہر ایک بات سے بے خبر زندہ دل لڑکی تھی اس لیے کالج کی طرح یہاں بھی ہر موڑ پر نئے دوست بنتے چلے گئے بہت کم وقت میں ہی اس کی شہرت اس کے ڈپارٹمنٹ سے لے کر قریب تمام ڈپارٹمنٹ میں ہو گئی تھی۔

وہ ساری خوشیاں جو اس نے چاہیں
اٹھا کے جھولی میں اپنے رکھ لیں
ہمارے حصے میں عذر آئے
جواز آئے ، اصول آئے

آصلہ کی شہرت سے متاثر ہو کر یا اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر عادل نے پہلے سال کے آخر میں دوستی کا ہاتھ آصلہ کی طرف بڑھایا تھا۔

"ہزاروں میں ایک اضافہ آپ کا بھی" آصلہ نے اپنے مخصوص انداز سے کہا تو اس کی تمام سہیلیاں ہنسنے لگی جس پر ایک لمحے کو تو عادل کا رنگ بدلا تھا لیکن پھر فوراً" خود کو سنبھالتا ہوا مضبوط لہجے میں بولا۔ "ہوں گے۔ لیکن میرا شمار سب سے پہلے ہو گا" یہ کہہ کر وہ ٹھہرا نہیں، بلکہ تیز قدموں سے وہاں سے چلا گیا تھا۔ ایک لمحے کو آصلہ کے چہرے کا رنگ اڑا مگر وہ سب کے قہقہوں میں کھو گئی اور پھر اس کے بعد سے ہی عادل سے ملاقاتیں روز ہونے لگی تھیں۔ یہ ملاقاتیں محبت کا رنگ اختیار کریں گی یہ آصلہ خود نہیں جانتی تھی لیکن

عادل نے اپنی محبت کا اعتراف پہلے ہی مرحلے پر کر دیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ میں اب تمہارے بغیر ایک پل اور نہیں رہ سکتا۔" آصلہ اس کے جملے پر حیران کھڑی رہ گئی تھی۔ شاید اس کی جگہ کوئی بھی لڑکی پہلی بار کسی لڑکے سے یہ بات سنے گی تو حیران ہی ہو گی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے یا اس کی بات کو مذاق میں لے۔

اس بات کا وہ ابھی فیصلہ بھی نہیں کر پائی تھی کہ وہ فوراً" ہی بولا۔

"میری بات کو مذاق مت سمجھو آصلہ۔ مجھے واقعی تم سے محبت ہو گئی ہے۔" وہ کچھ نہیں بولی تھی بہت خاموشی سے اس کے سامنے سے اٹھ گئی تھی اس نے سوچا تھا کہ ابھی عادل جذبات میں آ کر یہ بات کہہ رہا ہے دو دن جب اس کے سامنے نہیں آؤں گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

مگر دو دن میں اس خود پر بھی انکشاف ہوا تھا کہ وہ ناحق اس سے چھپتی پھر رہی ہے اور جب سامنے آئی تو الفاظ نہیں تھے' کہاں اتنی باتیں تھیں کہ وقت گزرنے کا پتا نہیں چلتا تھا اور اب خاموشی کی دیواران دونوں کے درمیان کھڑی تھی' محبت کو الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ہر انداز سے بیان ہو جاتی ہے۔

وہ محبت کے حصار میں تھی' ہواؤں میں تھی ہاں اس کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرنے میں گم تھی سب کچھ صحیح مگر وہ شوخی محبت کی نذر ہو چکی تھی۔

وہ دونوں کینٹین میں خاموش بیٹھے تھے آصلہ کافی کے کپ سے اٹھتے دھوئیں کو دیکھ رہی تھی جبکہ عادل کی نظریں آصلہ پر جمی تھیں۔

"کچھ بولتی کیوں نہیں۔" کافی دیر بعد عادل کی آواز نے خاموشی کو توڑا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی چند آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرائی تھیں اس کے بعد وہ کچھ سننے کی روادار نہیں رہی تھی۔ آصلہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ جملے اس کے لیے ہیں۔

"یار عادل تو نے اس کو بالکل ہی خاموش کر دیا۔"

عادل نے بوکھلا کر آصلہ اور اپنے دوستوں کو دیکھا تھا جو اپنی باتوں کے ساتھ آصلہ کا تمسخر اڑا رہے تھے۔

"کتنا بولتی تھی یہ۔ مذاق شرارت یہ سب تو اس کی زندگی تھی اور تو نے اس سے یہ سب کچھ چھین کر اسے مردہ کر دیا۔ واہ یار تیرا بھی کمال نہیں۔"

"یہ.... یہ تو بہت بڑی ڈھیلو اور پھر چپ حیرت ہے۔" عادل کے ایک دوست نے ہنستے ہوئے کہا۔

"شعر کہنا' جملے مارنا کہاں گیا وہ سب!.... ہوا ہو گئے یا پھر سردی میں جم گئے ہوں گے۔"

"نہیں' محبت میں فنا ہو گئے۔" اس بات پر تمام دوست قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے تھے۔

"ارے اپنا ہی کوئی تازہ کلام سنا دیں" آصلہ سن بیٹھی تھی جبکہ عادل اپنی فتح پر مغرور تھا اور دوستوں کی باتوں سے انجوائے کر رہا تھا۔" آصلہ کچھ عادل کو ہی سنا دو کھری کھری۔ ایسا بھی عادل نے کیا کر دیا۔ محبت کا کون سا امرت پلا دیا۔" کسی نے شرارت کی وہ کیا بولتی۔

"اب تو کچھ بول دو۔" آخری الفاظ اس کی سماعت کے لیے آخری تھے۔ وہ صرف دیکھتی رہی اور لب خموش رہے۔ اب عادل کے دوستوں کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔

"یہ سب تمہارے ساتھ ہونا تھا آصلہ۔" ملیحہ کی آواز پر ہی دل کی دھڑکنوں نے خاموشی اختیار کی اس کی آنکھوں میں آنسو آ کر ٹھہر گئے تھے مگر بت کہاں روتے ہیں۔

عادل کے دوستوں نے اور بھی بہت کچھ کہا تھا لیکن وہ کچھ اور نہیں سن سکی تھی یا شاید ہمت نہیں تھی آسمان سے گرنے کے بعد شاید انسان بچ جاتا ہو لیکن نظروں سے گرنے کے بعد اپنے وجود میں بھی پناہ مشکل سے ملتی ہے۔ جبکہ عادل دیوانوں کی طرح چیخ رہا تھا۔

"آصلہ۔ بولو نہ سو مذاق کرو۔" لیکن شاید بہت دیر ہو گئی تھی جس نے الفاظوں کی قبر اپنے دل میں بنائی تھی وہ اب اپنی یادوں کے دیپ عادل کے دل میں جلا کر رخصت ہو گئی تھی۔

☆ ☆

ناولٹ
فاخرہ گل

۲ دوسری قسط

جس طرح ملاکی روڈ مسجد تک مشہور ہے بالکل اسی طرح اہل محلہ کے نزدیک ضمیر بھائی کی روڈ بھی اپنے کلینک تک ہی تھی اور کلینک بھی وہ جوان کے "تکرار ہاؤس" ہی کے اندر موجود تھا۔ نیچے والا پورشن کرایہ پر لینے کے لیے پسند ہی اسی لیے کیا گیا تھا کہ کلینک گھر میں ہوگا تو وہ چینا کی نظروں کے سامنے رہیں گے لیکن ذرا سا نقصان یہ ہوا کہ نئی نویلی بیوی کی طرح وہ کبھی گھر سے باہر نکلے ہی نہیں کہ اکثر تو وہ خود ہی اپنے کلینک میں مصروف ہوتے اور یوں بھی جب سے چینا سے شادی ہوئی تھی دوست احباب تو آہستہ آہستہ کراچی میں امن وامان کی طرح ختم ہوتے گئے۔ البتہ اب بھی کچھ ایسے تھے کہ جو کلینک پر ان سے ملنے آتے تو ضمیر بھائی خاطر مدارات کرتے ہوئے نزلہ زکام بخار کی گولیاں دے دیا کرتے۔ وہ ان سے ملنے کے بہانے دوائیاں لے جاتے تھے یا دوائیوں کے بہانے ملنے آتے تھے یہ بات البتہ غور طلب تھی مگر یہ بھی اطمینان تھا کہ چلو ان چند دوستوں سے اب تک رابطہ تو ہے۔

گھر بسانے کے لیے دو بول پڑھوانے گئے
یوں سمجھ لو اپنی گردن آپ کٹوانے گئے
اب کہاں فرصت نبھائیں دوستوں سے دوستی
"اک ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے"

اور آج جب بڑے اہتمام سے کلف دار شلوار سوٹ پہن کر دوستوں سے ملنا چاہا تو وارڈروب نے ہی ساتھ نہ دیا ٹی وی سے رغبت معمولی تھی - سو لاسٹ آپشن کے طور پر اخبار کا چناؤ کیا گیا یوں بھی ضمیر بھائی ٹی وی کے مقابلے میں اخبار ہی کو زیادہ پسند اس لیے کرتے تھے کہ خبریں پسند نہ آنے کی صورت میں اخبار پھاڑا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اخبار حالات حاضرہ سے باخبر رہنے کے لیے نہیں بلکہ اس بری خبر کو ڈھونڈنے کے لیے پڑھ رہے تھے جسے پڑھنے کے بعد اخبار کو پھاڑے جانے کا جواز مل سکے۔

چینا کو پتا تھا کہ ان کا موڈ اس وقت کسی امیرزادے کی طرح بگڑا ہوا ہے جب ہی چائے لے کر آئی اور چہرے پر بڑی محبت کے تاثرات سجاتے ہوئے بایاں ہاتھ بڑے پیار سے ان کے ہاتھ پر رکھا اور آہستگی سے اخبار لے کر پرے رکھ دیا۔

اندھا کیا چاہیے دو آنکھیں، ضمیر بھائی کو صرف توجہ ہی تو چاہیے تھی سو ذرا سی محبت کے ساتھ چینا نے حقیقتاً "انہیں شوہر سمجھا تو تازہ ترین چپقلش بھلا بیٹھے۔

"ایسا کیا لکھا ہے اس اخبار میں" چینا نے ضمیر بھائی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو' کچھ ایسا خاص نہیں لکھا بب بب بب بس میں یہی کہ جیز ایک......"

ضمیر بھائی کی خوشیوں کے لمحات اکثر ہی انڈین اداکاراؤں کے کپڑوں کی طرح مختصر ثابت ہوا کرتے تھے سو اب بھی باہر سے آتے علی کو دیکھ کر یہی ہوا۔ چہرے پر پھیلتی مسکراہٹ اور دل میں اترتا ہلکا ہلکا رومانس ایک دم تلخی اور کڑواہٹ میں جو بدلا تو علی کو دیکھ کر ادھورا رہ جانے والا جملہ بھی اپنی مرضی کے لفظوں سے پورا کیا۔

"لعنت ہے!" مخاطب ظاہر ہے کہ علی ہی تھا۔

اور یوں ایک دم اندر آنے پر چینا بھی جز بز دکھائی دی فوراً" ضمیر بھائی کے ہاتھ پر رکھا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔

"علی' چینا نے تم سے کتنی دفعہ کہا ہے نا کہ بتا کر اندر آتے ہیں۔"

"چھوڑو چینا' یہ برا وقت بھی کبھی بتا کر آتا ہے کیا؟" علی کے بجائے ضمیر بھائی نے جواب دے کر دکھی دل کی بھڑاس نکالی تو علی نے منہ لٹکا لیا۔

"واپس چلا جاؤں آپی؟"

"ارے نہیں نہیں......" چینا فوراً" سے اٹھ کر

اس کے قریب گئی اور ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھایا۔
"چینا کے لاڈلے اکلوتے اور پیارے بھائی چینا کا یہ مطلب تھوڑی تھا۔"
"ہاں بلی والیس نہیں بچ جاؤ کیونکہ مصیبت تو اپنے بقت پر ہی ٹلتی ہے۔" ضمیر بھائی کو چینا کی محبت اور توجہ سے بلی بال بچ جانے کا دکھ بھلائے نہیں بھول رہا تھا۔
"آپ نے مجھے مصیبت کہا ضمیر بھائی۔" علی نے انجان بننے کی ناکام اداکاری کی لیکن چینا نے بڑے لاڈ سے ضمیر کو کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔
"بس کریں ناں ضمیر' آپ بھی تو چینا کے اکلوتے اور پیارے میاں جانی ہیں نا۔"
"چلو تت تت تم کہتی ہو تو ٹھیک ہے۔" بات کرتے ہوئے یونہی بے دھیانی میں ضمیر بھائی کی نظر علی کے جوتوں پر پڑی تو یہ یاد ہی نہ رہا کہ ابھی چینا نے خاموش رہنے کی التجا کی تھی۔ سو پھر سے بول اٹھے۔
"علی' ذرا دیکھو تو تت تت تمہارے جوتوں سے کتنی زیادہ مم مم مٹی اندر آئی ہے۔"
"اچھا؟" ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر پاؤں ہلاتے ہوئے علی نے حیرت سے کہا اور اپنا پاؤں ٹانگ سیدھی کرتے ہوئے عین ان کے سامنے کر دیا۔
"نظر تو نہیں آرہی' پر ذرا میرے جوتے اتاریں' ہو سکتا ہے نیچے ہو۔"
علی کے اس تضحیک آمیز انداز پر ضمیر بھائی یوں ایک دم غصے میں کھڑے ہوئے کہ ہاتھ میں پکڑی چائے ان کی شرٹ پر جا گری۔ چینا بھی ضمیر کے ساتھ ہی ایک دم کھڑی ہو گئی تھی اور اب کھڑی دونوں ہاتھ کی انگلیاں مسل رہی تھی۔
"کوئی بات نہیں ضمیر' چینا اور لا دیتی ہے۔۔۔ بس دو منٹ۔"
وہ فوراً لاؤنج سے تقریباً بھاگتے ہوئے نکلی ضمیر بھائی نے شرٹ اتار کر وہیں کارپٹ پر پھینک دی تھی اب بڑے غصے میں سامنے بیٹھ کر تیزی سے پاؤں ہلاتے اور بل چباتے علی کو دیکھ کر جلائے۔

"چینا۔ اب لے بھی آؤ۔"
چند ہی لمحوں بعد ہانپتی کانپتی چینا ہاتھ میں چائے کا ایک اور کپ لیے سانسیں بحال کرتی ان کے سامنے تھی۔
"یہ لو ضمیر۔ چینا تمہارے لیے اور چائے لے آئی ہے۔"
"چائے؟" ضمیر بھائی کا دل چاہا کہ اس گرماگرم چائے میں اور کچھ نہیں تو سامنے بیٹھے علی کو تو ضرور ہی غسل دے ڈالیں۔
"ہاں وہ' چینا نے سوچا کہ تمہاری چائے گر گئی تھی نا تو اس لیے' چینا کو ضمیر بھائی کے تاثرات سمجھنے میں دشواری ہو رہی تھی کہ آخر وہ اب تک خوش کیوں نہیں ہو رہے۔
"چینا۔ مجھے شش شرٹ چاہیے تھی۔ چائے نہیں۔" ضمیر بھائی نے غصے میں کارپٹ سے شرٹ اٹھا کر مسکراتے ہوئے علی کو دے ماری۔
"تم نے چینا کے بھائی کو شرٹ ماری ہے ضمیر؟"
"ہاں ماری ہے پھر؟" دوبدو جواب آیا۔
"کاش چینا تمہیں گھٹیا کہہ سکتی" غصے میں چینا نے چائے کا کپ وہیں میز کے کونے پر رکھا اور خود پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔
"ایک میرا چھ چھ چھٹی کا دن ہوتا ہے وہ بھی برداشت نہیں ہوتا کسی سس سے۔" ضمیر بھائی بھی اس سے پہلے کہ غصے میں وہاں سے جاتے کہ اچانک ٹیبل کی ٹھوکر سے یوں نیچے گرے کہ کونے پر رکھا کپ ان کی پینٹ پر الٹنے سے ساری چائے اب ان کی پینٹ پر جا گری۔ جس سے علی کے ہونٹوں پر موجود طنزیہ مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔
"جی تو ضمیر بھائی۔۔۔ اب کیا اتار کر پھینکیں گے؟"
ضمیر بھائی کا بس چلتا تو وہ ابھی اور اسی وقت علی کو بے ہوشی کا ٹیکہ لگا دیتے' لیکن افسوس یہ کہ ان کے اختیار میں نہیں تھا' گھر میں ان کی حیثیت بالکل ملک کے صدر جیسی تھی کہ سربراہ کے طور پر نام بے شک

انہی کا لیا جاتا تھا لیکن اختیار کے معاملے میں وہ بھی بے اختیار تھے۔ اس لیے بس کھا جانے والی نظروں سے علی کو دیکھنے کے لیے عینک کو درست کیا اور اس پر خونخوار نگاہ ڈال کر چپ چاپ باہر نکل گئے کہ اب انہیں پینٹ بھی تو تبدیل کرنا تھی۔

☆ ☆ ☆

خالہ نے ضمیر بھائی کے دراز سے جو پیسیوں کی آواز ان کے اسٹیتھو اسکوپ کے ذریعے سنی تھی وہ اتنی خوبصورت تھی کہ ان کا دل چاہا دنیا بھر کو سنائی جائے اسی خواہش کی تکمیل کے لیے وہ چینا کے ساتھ بازار گئی تھیں جہاں سے گھر سجانے کی دلدادہ چینا ایک خوبصورت سی پینٹنگ لے کر آئی تھی جبکہ ضمیر بھائی کو جب سے اس کی قیمت کا پتا چلا تھا تب سے جز بز ہو رہے تھے۔ اور چینا عین انہی کے سامنے وہ پینٹنگ ہاتھ میں لیے یہاں وہاں ہر دیوار پر اسے لگانے کی کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھی۔ علی کے سامنے چائے گرنے کا جو واقعہ پیش آیا تھا اس پر چینا انہیں منا چکی تھی یوں بھی اکثر اوقات تو ضمیر بھائی کو خود ہی جان بوجھ کر یادداشت کے کمزور ہونے کا بہانہ کرتے ہوئے اس طرح کے واقعات بھولنے ہی پڑتے۔ خالہ کھیرے کے پتلے پتلے ٹکڑے کاٹ کر آنکھوں پر رکھتے ہوئے اب صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھی تھیں۔ اور آخر کار ضمیر بھائی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا۔

"چینا بھلا تمہیں ضرورت ہی کیا تھی اتنے روپے خرچ کرنے کی جبکہ گھر میں اس کی جگہ بھی نہیں ہے۔" چینا نے ایک نظر ضمیر بھائی کی طرف دیکھا اور ان کی بات کو کسی جانبدار صحافی کا سوال جان کر نظر انداز کر دیا۔

"ضمیر خراب ایسے تو نہ کہو' اتنی ہینڈسم تو ہے یہ پینٹنگ۔۔۔ خالہ نے بند آنکھوں کے ساتھ منہ کھولا۔" آپ سے کس نن نے کہا کہ پینٹنگ کو ہینڈسم کہتے ہیں۔"

"مجھے خود پتا ہے میں کوئی illustrate ہوں کیا؟"

باز ماننا تو انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا اور تب ہی کل کے ٹیسٹ کی تیاری کرتا علی ہاتھ میں کتاب پکڑے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں داخل ہوا۔

"خالہ آپ تو اتنی ذہین ہیں کہ دل چاہتا ہے آپ کو بھی ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری مل جائے۔"

"بس ہیرے کی قدر تو جوہری ہی جانتا ہے۔" اپنی تعریف پر انہوں نے علی کی بھی تعریف کرنا چاہی مگر اس سے پہلے ہی علی کا اگلا جملہ کان تک پہنچا تو ارادہ ملتوی کر دیا۔

"خالہ illiterate ہوتا ہے۔" عادت سے مجبور علی نے تصحیح کی۔

"خالہ ہوتا نہیں ہوتی ہے کم عقل۔۔۔ ہونہہ بڑا آیا پڑھا لکھا۔"

علی کو کسی سے سخت سست سننا پڑتا' یا کبھی اس کی بے عزتی ہوتی یہ وہ لمحات تھے جب ضمیر بھائی کی باچھیں کھل کھل جاتیں اور وہ بڑی مشکل سے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اپنے آپ کو بھنگڑا ڈالنے سے روکتے' ورنہ دل تو چاہتا کہ عین اس کے منہ کے سامنے جا کر بھنگڑا ڈالنے کے دوران گلوکوز کی ڈرپ بھی تحفہ کر دیتے۔

"علی دیکھا تت تت تمہاری تو شکل ہی عزت والی نہیں ہے۔"

"آپی جلدی دیکھیں خدانخواستہ میری شکل ضمیر بھائی سے تو نہیں مل رہی۔" ہاتھ میں پینٹنگ لیے دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑی چینا کے آگے ایک دم علی نے اپنا چہرہ جائزے کے لیے پیش کیا تو وہ چونک گئی۔

"اوہو علی۔۔۔ تمہارے منہ پر اتنی پریشانی۔۔۔ ذرا مسکراؤ پلیز کیا شادی شدہ مردوں جیسا بیچارہ سا لک (Look) آرہا ہے۔" چینا کے کہنے کی دیر تھی علی نے آئی بروز کو اٹھک بیٹھک کرواتے ہوئے ضمیر بھائی کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے آنکھ بھی مار ڈالی۔

"خالہ' دراصل علی کی تت تت تو نظر ہی خراب ہے۔" ضمیر بھائی ہر صورت میں خالہ کو اس محاذ پر

اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔

"ہاں بالکل' اسی لیے جس پر ڈالے خراب نظر ہی ڈالتا ہے۔" آنکھوں سے کھیرے ہٹا کر انہوں نے وہی ٹکڑے اب' گالوں اور پیشانی پر رگڑنے شروع کردیے تھے۔

"آپی' آپ سن رہی ہیں نا سب۔" علی نے وارننگ دینے کے انداز میں مطلع کیا۔ تو چینا کو ضمیر بھائی سے سیز فائر کرنے کی درخواست کرنی پڑی۔

"ضمیر پلیز' کیوں جنگ شروع کررکھی ہے چینا کے بھائی کے ساتھ؟"

"اور کیا' حالانکہ میں نے ان کے ساتھ کبھی جنگ نہیں کی۔" یقیناً" علی آج سکون کے موڈ میں تھا۔

"اب ہمیں کیا پتا کہ تم نے کبھی بھنگ نہیں پی۔" خالہ نے کھیرے کے ٹکڑوں سے ریگ۔ مار کا کام لینا شروع کررکھا تھا۔ شاید ان کا خیال چند ہی منٹس میں اپنا آپ بدل ڈالنے کا تھا۔

"او خدایا' آج میں کہاں پھنس گیا ہوں۔" کتاب کو سامنے ٹیبل پر اچھالتے ہوئے علی نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔ جبکہ ضمیر بھائی اس کی اس حالت سے محظوظ ہورہے تھے۔

"نن نن نن نہ کیا کرو نا اتنے فیشن۔" موضوع کے بالکل برعکس جملے پر علی نے حیرت سے سر اٹھایا۔

"کس نے کہا تھا اتنی ٹائٹ شش شرٹ پہننے کا' نہ اتنی ٹائٹ شرٹ پہنتے نہ اس میں پھنستے۔"

"آپی' آپ تو اس تصویر کی جان چھوڑیں' کب سے یہ لوگ مجھے باتیں سنا رہے ہیں۔"

"تو کیا خیال ہے تمہیں میڈونا کے گانے سنائیں؟" خالہ نے اب اس نادیدہ کھیرے کے بیج ہاتھ میں لے کر کھجانے کے انداز میں بالوں میں کہیں گم کیے تو علی چینا کی اس بے توجہی پر زچ ہوکر کھڑا ہوگیا۔

"میں تو صرف یہ بتانے کمرے سے نکلا تھا کہ اوپر والے پورشن میں کرائے دار آگئے ہیں۔"

"کیا...؟" چینا بڑی حیرت سے تصویر سمیت ایڑیوں کے بل پیڈسٹل فین بن کر گھومی۔

"یہی بب بب بب بات تو خود میں اتنی دیر سے بتانا چاہتا تھا لیکن تت تت تم یہ تصویر چھوڑو تب نا" ضمیر بھائی ثابت کرنا چاہتے تھے کہ وہ بھی اس انکشاف سے واقف تھے۔ چینا نے ان تینوں کو فرداً" فرداً" دیکھا پھر ایک نظر ہاتھ میں پکڑی تصویر کو دیکھا اور بولی۔

"تم تینوں یہی چاہتے ہونا کہ میں یہ تصویر چھوڑدوں؟" تینوں نے ہی فوراً" اثبات میں سرہلایا تو چینا نے ہاتھ میں پکڑی تصویر کو لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر چھوڑا تو وہ نیچے گرتے ہی ٹوٹ گئی اور تینوں کے منہ کھلے کے کھلے چھوڑ گئی۔

"عقل میں تو یہ خود کفیل ہے خیر سے۔" خالہ کی بڑبڑاہٹ چینا کے علاوہ باقی دونوں نے سنی "دیکھا' چینا نے تصویر چھوڑی تو ٹوٹ گئی نا۔" چینا کا منہ لٹک گیا تھا۔

"کاش یہ شش شش شادی نہ ہوئی ہوتی تو کتنا سکون ہوتا۔" ضمیر بھائی نے بھی خالہ کی طرح بڑبڑانا چاہا مگر ناکام رہے اور آواز چینا کے کانوں سے جو ٹکرائی تو اسے ایک دم غصہ میں آتا دیکھ کر ضمیر بھائی گھبرا گئے۔

"ارے نہیں نہیں ہماری نہیں..... تمہارے ابا کی۔"

"سو سوئیٹ ضمیر..... کاش میں سب کے سامنے تمہیں "ڈارلنگ آئی لویو" کہہ سکتی۔" ضمیر بھائی پر واری صدقے جاتی چینا اس وقت جھوم ہی تو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

چینا' اوپر والے پورشن میں آنے والے نئے ہمسایوں سے ملنے کے لیے تیار ہوکر خالہ کے کمرے میں پہنچی تو وہ میوزک کی فاسٹ بیٹ پر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تیاری میں مصروف تھیں' دو تین مرتبہ تو چینا نے آواز دی لیکن ایک تو ویسے بھی خالہ کی سماعت سرکاری تھی اس پر اب ساتھ میوزک بھی تن تھا سو ان کی طرف سے کسی بھی قسم کی توجہ نہ دینے پر

اسے آگے بڑھ کر میوزک بند کرنا پڑا تھا۔

"خالہ مہنگائی ہے یا آپ کی تیاری... ختم ہونے میں ہی نہیں آتی۔"

"ارے تم؟" خالہ نے "یقیناً" اسے اب ہی دیکھا تھا سو حیران ہوئیں۔

"چینا کہہ رہی ہے اب چلو بھی نا" اکتاہٹ بھرے لہجے میں اس نے کہا تو خالہ کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

"بس چینا میں دو منٹ میں کمپلیٹ ہو جاؤں گی۔ لو ضمیر بھی آ گیا... تم دونوں دس پندرہ منٹ باتیں کر لو۔"

"شش شش شادی نہیں ہو رہی کسی کی خالہ آپ..." ضمیر بھائی نے خالہ کی ہوشربا تیاریوں کو دیکھا تو بولے بغیر نہ رہ سکے۔

"خبردار جو مجھے آپ آپ کہہ کر دوسروں کے سامنے گریٹ (Great) ثابت کرنے کی کوشش کی۔" عمر کا معاملہ تو گویا ان کی دکھتی رگ تھا جسے چھیڑنا وہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ "اور شادی ہو نہیں رہی تو کیا ہوا... ہو تو سکتی ہے نا" شرماتے ہوئے انہوں نے آئی پنسل دانتوں میں دبائی۔

"کیا ان کے گھر یا جماعت جانا ہے؟" مکمل تیاری کے ساتھ علی اندر آیا تو اس کے پرفیوم کی خوشبو جلسے میں سیکورٹی اہلکاروں کی طرح پورے کمرے میں پھیل گئی۔

"تو اور کیا علی، تاکہ انہیں پتا چلے کہ ہم میں کتنا اتفاق ہے۔" فخریہ انداز چینا کے لہجے سے ظاہر تھا۔

"بب بب بالکل اتحادی جماعتوں کی طرح اوپر اوپر سے اندر سے تو..." علی کو دیکھتے ہوئے ضمیر بھائی نے جملہ ادھورا چھوڑا جسے علی نے بھی جواب دینے کے قابل نہ سمجھا اور خالہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"خالہ اتنا میک اپ؟" علی نے آنکھیں پوری طرح کھول کر خالہ کو اس ناقابل یقین حالت میں دیکھا سر پہ دھوپ کا چشمہ، ایک کندھے کے اوپر اور دوسرے کندھے کے نیچے سے گزار کر ٹین ایجرز کی طرح ڈالا گیا ننھا سا پرس اور پشتو فلموں کی ہیروئن کے میک اپ کو ٹکر دیتا تیز ترین میک اپ... اپنے تئیں تو وہ تیار کھڑی تھیں۔

"پتا بھی ہے تیز میک اپ سے لڑکیاں اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑی معلوم ہوتی ہیں۔"

"سچی مچی؟" خالہ کو اپنا بلڈ پریشر لو ہوتا محسوس ہوا۔

"تو اور کیا..."

"چینا، تمہارے بتانے کی باتیں یہ لڑکا بتا رہا ہے مجھے... اوہ یو جیلس" قریب تھا کہ وہ رونے لگتیں۔

"ارے نہیں نہیں خالہ، تم تو ایک دم پیاری لگ رہی ہو آج" چینا نے اپنا دفاع کیا۔

"کنواری لگ رہی ہوں آج؟ یعنی پہلے میں تمہیں شادی شدہ لگتی تھی؟"

"خالہ، پپ پلیز یہ باتیں بعد میں کریں گے ابھی ایسے ہی آ تج جائیں۔" ضمیر بھائی کی اس قدر بے تابی اور جلد بازی کو نوٹ کرتے ہوئے چینا نے بڑے غور سے ضمیر بھائی کو دیکھا۔

"مم میرا مطلب تھا کہ کتنی دیر ہو گئی ہے۔"

"تاہم بھی اب چینا ہی بتائے گی کیا... خود دیکھو لو کتنی دیر ہو گئی ہے۔" چینا اور ضمیر بھائی کا موڈ بگڑتے دیکھ کر خالہ نے فوراً درمیان میں بولنا مناسب خیال کیا۔

"اچھا ایسا کرو تم لوگ آؤٹ ہو جاؤ، میں ذرا اپنا ماؤتھ واش کر کے آ جاتی ہوں۔" خالہ نے واش روم جاتے ہوئے انہیں اجازت دی تو سب نے سکون کا سانس لیا اور فوراً دروازے کی طرف لپکے۔

☼ ☼ ☼

اکثر اوقات لوگوں کے کنجوس ہونے نہ ہونے کے بارے میں سنا تو ضرور گیا تھا مگر جس طرز کے کنجوس آج اپنی آنکھوں سے دیکھے گئے تھے یہ تجربہ "یقیناً" ان تینوں کے لیے زیرو میٹر تھا اور وہ سب یہ سوچنے پر بھی بری طرح مجبور ہو گئے تھے کہ آخر ایسا کون سا لفظ ہو جو ان کی کنجوسی کو بہتر طور پر بیان کر سکے۔ کنجوس، مہا کنجوس،

بخیل جیسے اور دوسرے کئی الفاظ بھی ابا کی کنجوسی کے آگے ہاتھ باندھے نظر آئے تو اردو ڈکشنری میں مزید ایک لفظ کا اضافہ ترک کر دیا گیا۔ اور ایک بار پھر لاؤنج میں موجود ہر چیز کو بے حد حیرت سے یوں دیکھنے لگے جیسے آج ہی آنکھ کھلی ہو۔

صوفوں سے لے کر ڈیکوریشن پیسز تک ہر چیز پر پلاسٹک چڑھایا گیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ کارپیٹ کو بھی محفوظ رکھنے کے لیے اس پر ہلکا سا پلاسٹک ڈالے جانے کا انکشاف تب ہوا جب چینا کی ہیل سے کڑک کڑک کی آوازیں آنے لگیں۔ اسی دوران سامنے سے ابا اور چندا آتے دکھائی دیے تو علی زکر میاں میں کھڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں کو کہنیاں مار کر متوجہ کیا۔

"اپنے اپنے پھاٹک بند کرلیں سامنے سے ٹرین آرہی ہے؟" اور تب چینا اور ضمیر نے یوں ایک جھٹکے سے اپنا منہ بند کیا کہ ان کی اوپر نیچے کی داڑھوں کے ٹکرانے کی بھی آواز سنی گئی۔

"آؤ جی آؤ میں ابھی تم سب کو ہی یاد کر رہا تھا؟" تہبند سنبھال کر بیٹھتے ہوئے ابا نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو علی اتنی اہمیت پاکے بے حد خوش ہوا۔

"ہمیں یاد کر رہے تھے لیکن کیوں؟"

"او کاکے' اس لیے کہ کدرے تم لوگ ہمارے گھر آہی نہ جاؤ۔" ابا کے اس انتہائی براہ راست بے عزتی والے جواب پر تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور آخر کار چینا بولی۔

"یعنی چینا ان دونوں کو لے کر واپس چلی جائے؟"

"نہیں نہیں' یہ بھلا کہا کس پاگل نے؟" چندا نے مصالحتی کردار ادا کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تت تت تمہارے ابا نے کہا ہے اور کس نے؟" ضمیر بھائی نے نرسری کے بچے بن کر شکایت لگائی۔

"بس تو پھر ثابت ہوا۔۔۔۔"

"وہ سب جو ٹوٹا ہوا تھا۔" علی کے پاؤں پر پاؤں مارتے ہوئے چینا نے جملہ مکمل کیا۔

"چلو خیر اب آہی گئے ہو تو ٹھیک ہے۔۔۔۔ ذرا تعارف تو کرواؤ۔"

"میں چینا ہوں۔" ابا کی طرف سے تعارف کروانے کا کہا گیا تو سب سے پہلے چینا نے اپنے بارے میں بتایا۔

"اچھا اچھا' بس تم بھی ہے ناں کی او؟" ابا نے اس کے نام اور نقوش کو متضاد دیکھ کر پوچھا۔

"میں نئی ناں ہوں۔۔۔ چینا۔" چینا نے لفظوں کو الگ الگ کیا۔

"یہ میری مم مم مسز ہے چچ چچ چینا۔" شاید ابھی وہ مزید بھی کچھ کہتے کہ چندا نے اٹھ کر ٹشو پیپر ان کی طرف بڑھایا تو ضمیر بھائی سمیت باقی سب بھی نا سمجھی سے اس کے عمل کو دیکھنے لگے۔ "وہ دراصل' بات کرتے ہوئے اگل رہا تھا آپ کے منہ سے تھوک" چندا کی بات پر ضمیر بھائی تو شرمندہ ہوئے ہی مگر علی نے بات کرنے کا موقع ہرگز نہ گنوایا اور ہاتھ سے ہی اپنا منہ پونچھتے ہوئے بولا۔

"میں بھی سوچ رہا تھا کہ بغیر بارش کے یا تو آپ کی چھت ٹپک رہی ہے اور یا باہر سے پھوار آرہی ہے۔"

"یہ ضمیر ہیں' چینا کے خاوند اعلا۔" علی کو آنکھیں دکھاتے ہوئے چینا نے اس کا تعارف کروایا تو ابا نے ضمیر بھائی کو یوں غور سے دیکھا جسے لوگ قربانی کے جانور کو دیکھا کرتے ہیں۔

"ویسے آپس کی بات ہے پتری' ڈر تو نئیں لگتا بلیڈ سے؟"

"بلیڈ سے؟" ضمیر بھائی کے بولنے کی کوشش کرنے کے دوران ہی چینا نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کہ اگر شیو کرتے ہوئے تو بلیڈ کے انچ ڈیڑھ نزدیک ہو جاتا نا تے آج ہمیں تیرا یہ منہ نہ دیکھنا پڑتا۔"

"ابا۔۔۔ یہ آپ کر رہے ہیں کیسی باتیں؟" ابا کے یوں دو ٹوک اعتراض پر چندا شرمندہ ہوئی تھی "مم مم میں نے کہا تھا نا تمہیں کہ مجھے شش شش شیشہ لا دو جس میں میرا منہ نظر آجائے لیکن تم۔۔۔۔" ضمیر بھائی کا وہاں سے غائب ہو جانے کا دل چاہا تھا۔

"دیکھیں پلیز آپ کریں حوصلہ۔" چندا کی کوشش

بتی کہ ابا کی کی ئی بات کا اثر زائل کیا جا سکے۔ "ایسے کیسے حوصلہ کریں' کوئی کولڈ ڈرنک وغیرہ تو پلائیں نا انہیں" علی نے طبی مشورہ دیا۔

"ہاں کیوں نہیں' میں لاتی ہوں ابھی۔" اور اس سے پہلے کہ وہ جاتی ابا نے روک لیا۔ "پتری سادہ پانی ہی لائیں۔"

"لیکن ابا... آئے ہیں ہمارے گھر میں یہ مہمان بن کر۔" چندا کو اس لمحے اپنا اور ان کا باپ بیٹی ہونا یاد آیا تو سوائے ان کی اس کنجوسی کی عادت پر افسوس کے اور کچھ نہ کر سکی۔

"اچھا..." ابا نے برا سامنہ بنا کر ان تینوں کو دیکھا جن کے چہروں پر کراچی کی بسوں میں بیٹھے مسافروں جیسی ہونق طاری تھی۔

"چل فیر ادی چچی گلوکوز کی ڈال لئیں... اور سن زیادہ نہ ڈالیں ایویں کہیں شوگر نہ ہو جائے شودوں کو۔" چندا نے شکل ایئر ہوسٹس فرمانبرداری کے سر ہلایا اور کچن کی طرف منہ موڑ گئی تو ابا ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کیوں جی... میں نے ٹھیک کہا نا؟"

تینوں ہی مجبور تھے آخر کیا کہتے' ایک دوسرے کو بے چارگی سے دیکھتے ہوئے گردن ہلا دی۔

"ہاں' جی بالکل ٹھیک کہا۔" علی اور چینا نے تو جملہ پورا کر لیا جبکہ ضمیر بھائی ہاں جی کہنے کے بعد بب بب بب تک ہی پہنچے تھے کہ ابا نے ٹوک دیا۔

"او یار تو کیوں بیٹھا بیٹھا چبیں لگا تا رہتا ہے' رست دے زبان کو۔"

ضمیر بھائی نے شرمندگی سے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹشو کو استعمال کرتے ہوئے منہ صاف کیا۔

"ٹشو پیپر کو سکھا لیں... فیر دی کم آجائے گا۔"

چینا نے بڑی بے چینی سے ان کی بات سنتے ہوئے چندا کو دیکھا جو ٹرے میں پانی کے گلاس لا کر اب ان تینوں کو دے رہی تھی۔ بد مزا تو ابا کی باتوں سے ہی ہو چکے تھے اور اس پر سادہ پانی دیکھ کر ہی حلق تک میں لونگ پھنسے ہوئے محسوس ہوئے۔

"آپ ضمیر بھائی سے ذرا چھوٹی یا تھوڑی بڑی لگتی ہیں۔ کیا ان کی ہے آپ سے دوسری شادی" چندا نے دھیان پانی سے ہٹانے کے لیے بات چھیڑی تو جواباً چینا کے بجائے ضمیر بھائی بولے۔

"دوسری شادی؟ اجی مم میری ایسی قسمت کہاں؟" لفظ لفظ سے بے چارگی ٹپک رہی تھی۔ چینا نے حیرت جبکہ علی نے بڑے مزے سے ضمیر بھائی کو دیکھا۔

"لے وائی کا کے... میں تو دوسری شادی کر چکا ہوں۔" ابا نے فاتحانہ انداز میں اعلان کیا۔

"اوہ یعنی چندا آپ کی دوسری بیوی کی اولاد ہے۔" علی نے پانی کے گلاس کو بغیر چکھے ہی واپس ٹرے میں رکھا۔ جسے ابا نے ناپسندیدگی سے دیکھتے ہوئے خود اٹھا لیا۔

"دوسری بیوی؟ او پر میری تے اکو اک ہی بیوی تھی۔"

"بیوی ایک ہوگی' لیکن شادیاں تو دو کی تھیں نا۔" چینا نے بھی گلاس عین ابا کے سامنے رکھ چھوڑا۔

"او ہو' نہیں کیں میرے ابا نے دو شادیاں۔" چندا نے مدد طلب نظروں سے ابا کو دیکھا جن سے ایک گلاس پانی پورا نہیں پیا گیا تھا اور سامنے ایک گلاس اور موجود تھا۔ "او تم لوگ میرے اوپر الزام لگاتے ہو؟"

"نہیں تو کیا آپ کے اوپر اسٹیکر لگائیں؟" ان کی خاطر مدارات کے طور پر پیش کیا گیا گلوکوز ملا پانی علی کو رنجیدہ اور سنجیدہ کر گیا تھا۔

"ابھی آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ دوسری شادی کر چکے ہیں۔" چینا کا ذہن افریقی حسیناؤں کے بالوں کی طرح الجھ کر رہ گیا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ایک گلاس پانی ابا کے سر پر بھی ڈالا جائے تاکہ ان کی بھولی بھٹکی یادداشت لوٹ جائے۔

"آہو' وہ تو میں کر چکا ہوں... فیر..."

"بیوی ایک ہی تھی ابا کی۔" چندا نے ابا کی بات کاٹی تو ضمیر بھائی نے اپنا گلاس بھی پانی سے بھرا ہونے کی وجہ سے آہستگی سے اٹھا کر ابا کے عین سامنے سابقہ دونوں

گلاسوں کی قطار میں رکھ دیا۔

"یعنی آپ نے ایک ہی بب بب بیوی سے دو مرتبہ شادی کی تھی۔"

"او بے شرما' دراصل دوسری شادی کے لیے اجازت لینی پڑتی ہے ناتو میں نے دوجی شادی ہی پہلے کرلی تھی۔۔۔ اب جب دل کیا' پہلی وی کرلوں گا۔" ابا کی تفصیلی وضاحت نے ضمیر بھائی کو سر پکڑنے پر مجبور کردیا تھا۔

"لگتا ہے ضمیر بھائی نے کرلی ہے پہلی شادی پہلے ہی۔" چندا نے مسکراہٹ چھپائی۔

"ویسے بات تو بالکل سچ ہے کہ نیا جوتا اور پرانی بیوی ہمیشہ کٹ کٹ کاٹتے ہیں۔"

"اسی لیے تو میں ہمیشہ پرانے جوتے اور نئی بیوی کی طلبش میں رہتا ہوں۔" ضمیر بھائی ابا کے خیالات سے خطرناک حد تک متاثر نظر آرہے تھے اور چاہتے تھے کہ ابا کے تجربات سے مزید فائدہ اٹھایا جائے کہ باہر ہوتے کھٹر پٹر نے سب کو ادھر متوجہ کردیا۔

"میں دیکھتی ہوں۔"

"نہیں پتری تو بیٹھ میں دیکھ کے آتا ہوں کہ یہ کون ہے؟" ابا نے چندا کو ان سب کے پاس بیٹھنے کا کہہ کر اس بیرونی ہاتھ کو بے نقاب کرنا چاہا جو ان کے سکون میں خلل ڈال رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

خالہ اس وقت تیز پرفیوم اور نسبتاً "ہلکے میک اپ" کے ساتھ چندا کے کوریڈور میں موجود تھیں البتہ پرس ابھی ٹین ایجر والا تھا اور سر پر رکھا چشمہ بھی۔ پانچ چھ انچ کی ہیل والا جوتا وہ بہت ہی خاص مواقع پر نکال کر پہنا کرتی تھیں۔ اور ان کے خیال میں آج وہی خاص موقعہ تھا جو ان کی زندگی میں شاید کسی نئے خاص موقع کی وجہ بن سکے۔ لیکن شاید ابھی عشق کے امتحان' وائیوا سیت اور بھی تھے جبھی تو اس سے پہلے کہ وہ کوریڈور کراس کرکے ان کے کمرے تک پہنچیں لمبی ہیل کی وجہ سے اچانک ہی پاؤں مڑ گیا اور گرنے سے بچنے کے لیے دیوار کا سہارا لینے کی کوشش میں پہلے تو ایک آرٹیفیشل پلانٹ گرایا اور پھر ایک دم دوسرے ہاتھ سے دیوار کو تھام لیا اسی دوران ابا اپنے سفید کرتے کے بٹن بند کرتے جیسے ہی کوریڈور میں آئے تو گویا پہلی نظر میں خالہ پر پڑنے کے بعد وہ خیال کی دنیا میں خود کو رانجھا سمجھ کر بانسری بجاتے اور خالہ کو ہیر کے روپ میں کھانا لاتے دیکھ کر کسی رومینٹک گانے کی دھن میں مگن بے خودی میں خالہ کا ہاتھ پکڑ کر جو کھڑے ہوئے تو خالہ نے بھی انہیں "ڈسٹرب" کرنا مناسب نہ خیال کرتے ہوئے ایک چھوڑ دونوں ہاتھ Take one get one free کے طور پر پیش کردیے خیالات کا تسلسل ٹوٹا تو تب جب اچانک ہی خالہ کا دوسرا پاؤں بھی مڑ گیا اور بے اختیار ان کے منہ سے بڑھاپے کی چھینک جیسی چیخ برآمد ہوئی۔

"اوہ مائی فٹ۔"

"او جی کی ہوگیا اے سوہنیو؟" ابا کی ادائے دلبرانہ قابل دید تھی۔ سو خالہ نے بھی نخرہ دکھایا۔

"میرا پاؤں ذرا ٹرن ہوگیا ہے۔"

"فکر نہ کرو جی' میں آگے کھڑا ہو جاؤں نا تو گڈیاں نئیں مڑتیں۔۔۔ یہ تو خیر ایک پیر ہے۔"

"او اچھا یعنی تم ٹیریفک میں کانچ ٹیبل ہو؟" خالہ نے تصدیق کرنا چاہی۔

خالہ نے دو چار انگریزی کے صحیح غلط الفاظ بول کر ابا پر رعب ڈال دیا تھا اور وہ بے چارے بھولے بادشاہ انہیں اچھا خاصا پڑھا لکھا سمجھنے لگے تھے۔ جب ہی ان کی قابلیت کے بوجھ تلے دبتے ہوئے خود کو بھی کوئی کم ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے۔

"کانچ ٹیبل نئیں جی۔۔۔ ذرا ہاتھ لگا کر تو دیکھو' کیسا ویجی ٹیبل ہوں میں۔۔۔ آہو!" بڑے فخریہ انداز میں ابا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جسے پہلے تو خالہ نے لنگر کی نیاز سمجھ کر فوراً "پکڑ لیا پھر اچانک کچھ خیال آنے پر بڑی ادا سے شرماتے ہوئے پہلے سے تھاما گیا ہاتھ بھی چھوڑ دیا

اور دونوں ہاتھوں کو باندھ کر سر جھکا لیا جس سے سر پر رکھا دھوپ کا چشمہ ابا کے قدموں پر آ گرا اور یہی وہ لمحہ تھا جب ابا کو لگا جیسے خالہ ان کے دل کی ویگن میں کنڈیکٹر کی طرح اپنا حق جان کر بغیر کرایہ دیے براجمان ہو گئی ہیں۔

"ہائے اوئے۔" ابا نے عینک اٹھا کر پھول کی طرح پیش کی۔

"او میں کہتا ہوں' کتنی بولی (بھولی) تے معصوم ہو جی تسی... پر اب دنیا بدل گئی ہے تے فیر اب تسی وی چالاک ہو جاؤ۔"

حسب توفیق رومانٹک انداز اپنا کر کی گئی سرگوشی کا جواب ابا کے خیال میں جو تھا سو تھا' لیکن اکثر اوقات خیال غلط بھی تو ہو جاتے ہیں۔ ابا کے بات ختم کرتے ہی خالہ کو تو ایک دم کرنٹ سا لگ گیا تھا۔ چند لمحوں پہلے نظر آنے والی ادائیں' شرماہٹ اور ناز نخرے کہیں غائب ہو گئے تھے۔ ابا کا خیال تھا کہ شاید خالہ کی شرافت طبع کو یہ پیار کا پہلا پہلا اظہار معیوب لگا ہے۔ سو جلدی سے بیان بدلا۔

"او جی دیکھو' میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کے سامنے پیار کا اظہار کیا ہے۔ اگر کش اونچ نیچ ہو گئی ہو تو چھوٹا بھائی سمجھ کر معاف کر دینا۔" لاؤنج سے اٹھتے قدموں کی آواز ابا کو بری طرح بوکھلائے دے رہی تھی۔

"او یو ہمپٹی ڈمپٹی... تمہاری یہ جرات۔" خالہ کا غصہ سونے کا بھاؤ بنا چڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"بھول چوک معاف کر دیو جی' صرف چالاک ہونے کا ہی کہا تھا۔"

"ہلاک ہو جاؤ تم یا ہوں تمہارے ہوتے سوتے۔" خالہ نے سرخ چہرے کے ساتھ انتہائی غم و غصے میں بات شروع کی تھی اور خالہ کی چیخ و پکار نے چینا' علی' ضمیر بھائی اور چندا کے بڑھتے قدموں میں بھی تیزی پیدا کر دی تھی۔

اس اچانک پڑنے والی افتاد پر چینا سمیت سب ہی سر پر پاؤں رکھ کر اس مقام کی طرف بھاگے تھے جہاں سے خالہ کی موٹر گاڑی کی اچانک بریک جیسی پکار انہیں سنائی دی تھی۔ وہاں کا منظر دیکھا تو ناسمجھی سے منہ ایسا کھلا کہ لگا شاید اب بند کرنا محال ہو۔ خالہ بھی اپنے حمایتی سامنے دیکھ کر شاید یہ سمجھ بیٹھیں کہ وہ کسی جلسے میں کھڑی ہیں سو نہایت غصے میں کنپٹی کی رگیں پھلاتے ہوئے چیخیں۔

"ضمیر... کچھ سنا تم نے؟"

"خالہ... آہستہ بولیں' یوں لگ رہا ہے کسی پنجابی فلم کی ڈبنگ کروا رہی ہیں اور مم میں کوئی بہرہ تھوڑی ہوں۔"

"بس ذرا سا موسمی ہکلا ہوں۔" علی نے ضمیر بھائی کی بات کو سنسر شدہ ٹیپ سمجھ کر کاٹنا ضروری خیال کیا تو ابا کو بھی موقع مل گیا۔

"اس کی زبان کو کوئی تیل شیل دے کر لاتا تھا نا' رواں تو ہوتی۔" علی پر قہر بھری نظر ڈالنے کے بعد ضمیر بھائی ابھی مکمل طور پر سنبھل بھی نہیں پائے تھے کہ ابا نے ایک پیڑولی بیان جاری کر دیا۔ ادھر خالہ اپنے ہلاک کیے جانے کی دھمکیوں کے زیر اثر خود پر سرسوں کا رنگ جمانے کی تحریک چلائے ہوئے تھیں۔ سو اس خیال سے کہ کہیں توجہ ان کے نازک ترین مسئلے سے ہٹ کر ادھر ادھر نہ ہو جائے' دہائی دے ڈالی۔

"لو' یہ تو مجھے بھی ہلاک ہونے کا کہہ رہے تھے۔"

"ارے واہ' میں تو آپ کو بس سبزی کے ساتھ آئے دھنیے کی طرح سمجھتا تھا' لیکن آپ تو کیا قیامت کی نظر رکھتے ہیں... بھئی واہ۔" بجائے اس کے کہ علی خالہ سے اظہار ہمدردی کرتا وہ تو ابا کے ساتھ اپوزیشن بینچوں پر جا بیٹھا تھا اور علی کے اسی سراہتے انداز و بیان نے ابا کو مزید حوصلہ بخشا۔

"او نئیں جی... میں قیامت کی نظر نہیں رکھتا...

میں تو قیامت پر نظر رکھتا ہوں۔" مخاطب یقیناً" خالہ ہی تھیں۔

"اور میں قیامت کی طرح ٹوٹ پڑتا ہوں۔" ضمیر بھائی ابا کی طرف بڑھنے لگے تو چندا گھبرائی۔

"لوجی۔ یہ آخر کیا ہو رہا ہے سب؟"

"شوربے میں سے بوٹی ڈھونڈ رہے ہیں، تمہیں بھی چاہیے تو پلیٹ آگے کردو۔" علی نے چڑ کر جواب دیا۔

"ویسے چندا" کاش چینا تمہیں گنوار کہہ سکتی کیوں کہ تمہیں جیسے لوگ ہوتے ہیں جو سوئے ہوئے بندے کو جھنجوڑنے کے بعد پوچھتے ہیں۔ "تم سو تو نہیں رہے۔"

"ارے اسے چھوڑو، ضمیر کو دیکھو۔" خالہ نے توجہ دلاؤ نوٹس جاری کیا تو ضمیر بھائی کی بھی جان میں جان آئی۔

"کیا دیکھیں خالہ، ضمیر چینا تو کہتی ہے جو دل میں آتا ہے کرڈالو۔ زیادہ سے زیادہ جیل ہی جاؤ گے نا۔"

چینا کی آواز تھی کہ ٹریفک سارجنٹ کی سیٹی، ابا کی طرف ضمیر بھائی کے بڑھتے قدم ست روی کا شکار ہونے لگے تھے۔ پہلے بڑبڑا کر اور پھر انتہائی زخمی نظروں سے چینا کو دیکھا تو ان کی آنکھوں میں چینا کو اس شعر کے حروف ٹائی ٹینک سے نظر آئے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

"تو اور کیا ضمیر۔ جیل جاؤ گے تو کچھ بن کر ہی نکلو گے نا۔"

"بہت سارا مال اور تھوڑی سی جیل کی ہوا کھانا تو ویسے بھی ہمارا قومی ٹوٹکا ہے۔" خالہ بولیں۔

"ہاں سچ کتنا مزا آئے گا تا جب میں بھی سب کو بتایا کروں گا کہ میرے بہنوئی آج کل جیل گئے ہوئے ہیں۔" چینا، خالہ، علی اپنے تئیں ضمیر بھائی کو جوش دلا رہے تھے، مگر کون جانتا تھا کہ بظاہر خود کو گوگا پہلوان دکھانے والا اندر سے اس وقت کس قدر خوفزدہ ہے۔

"مم مم میں کہتا ہوں مجھے روک لو پکڑ لو ورنہ۔"

ضمیر بھائی کی دھمکی آمیز للکار سننے کے بعد بھی کوئی آگے نہ بڑھا تو انہیں اپنا وقتی بھرم رکھنے کے لیے سر کھجانا پڑا۔

"ورنہ؟ اوئے کیا ورنہ؟" ابا خود کو سلطان راہی سمجھتے ہوئے دھاڑے۔

"ورنہ میں نیچے گر جاؤں گا چینا۔ بہت زور سے چکر آرہے ہیں۔" چینا نے فوراً "مشرقی بیوی کا رول نبھاتے ہوئے آگے بڑھ کر ضمیر بھائی کو سہارا دیا۔

"شکر ہے عین وقت پر چکر آگئے، ورنہ تو ضد میں آکر ضمیر پتا نہیں کیا کر جاتا۔"

"آپ کو نہیں پتا، لیکن ہمیں تو لگ گیا ہے سب پتا۔"

"کیا۔" ضمیر، چینا اور علی بیک وقت بولے تھے۔

"کیا پتا چل گیا ہے؟"

"یہی کہ آپ ہیں واقعی خاوند اعلا۔"

"دیکھا، ہوگئی نا تیری پچھان۔" (پہچان) ابا کا جوش قابل دید تھا، لیکن چینا کو ضمیر بھائی کی انسلٹ میں اپنی انسلٹ ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

"کاش چینا تمہیں منہ پھٹ کہہ سکتی۔" چینا کے غیر متوقع ردعمل پر چندا کا منہ بن گیا تھا۔

"تو اور کیا، تم لڑکی ہو تو لڑکی ہی بن کر رہو۔ زیادہ میڈیا بننے کی کوشش نہ کرو۔" علی نے بھی کھانے کے ساتھ پانی کا کردار نبھانا ضروری خیال کیا۔

"شٹ اپ علی، نہیں ہے یہ کسی میوزک چینل کا لائیو شو۔ کہ جو تمہاری مرضی ہوگی۔ کہتے رہو گے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے، چینا کا بھائی تمہیں فرشی سلام کرے؟" حکومت کی طرح اصل مسائل سے ہٹ کر سب اپنے اپنے مسائل کا راگ الاپ رہے تھے۔

"چینا آپی کا بھائی ہونے کی وجہ سے پاگل نہ سمجھنا۔ میں بڑا تیز ہوں۔" علی کو یقیناً گمان گزرا تھا کہ کہیں رشتے داری کی بنیاد پر اس کی ذہنی حالت پر شبہ نہ کیا جانے لگے جب ہی وضاحت لازمی خیال کی۔

"عیز...؟ کیوں اوئے 'تونے دو سو میٹر کی ریس جیتی ہے؟" علی کی وضاحت بے کار گئی تھی۔

"علی، تمہیں چینا کا بھائی بنتے ہوئے شرم آتی ہے؟" چینا روہانسی ہی ہوگئی تھی۔ جب ہی خود بخود آواز میں اداکارہ شبنم کی سی جھلک محسوس ہوئی۔

"حالانکہ شرم تو چینا تمہیں آنی چاہیے اسے نائی بناتے ہوئے۔"

"اوہو خالہ خدا کا واسطہ ہے کبھی تو آپ بھی کان کھول کر بات سنا کریں۔" ضمیر بھائی نے لو بلڈ پریشر کے مریض کی طرح التجا کی جو خالہ کے سر سے جہاز کی طرح بغیر محسوس کیے گزر گئی۔

"حد ہوگئی ہے ضمیر... ڈاکٹری کی دکان تمہاری ہے' میں کیوں تمہاری دکان کھول کر بات سنوں۔"

"اف... کیسے گزارا کرتے ہیں آپ ان کے ساتھ؟" چندا نے سوال اس قدر سنجیدگی سے پوچھا تھا جیسے تحقیقی مقالہ اسی سوال کے گرد گھومتا ہو۔ سو آگے سے جواب بھی پروفیسر بننے سے بال بال بچ جانے والے ضمیر بھائی کی طرف سے ایسا ہی آیا۔

"ایسے ہی گزارا کرتے ہیں جیسے عوام حکومت کے ساتھ اور آپ اپنے ابا کے ساتھ کرتی ہیں...

"مجبورا!" عوام اور حکومت تو ٹھیک تھا' لیکن اپنی ذات پر ایسا تبصرہ سن کر ابا کا بے اختیار دل چاہا کہ وہ بھی ہمارے حاضر سروس سیاست دانوں کی طرح انہیں سر عام غلیظ گالیوں سے نواز ڈالیں اور اگر ایسا نہ کریں تو کم از کم ایک تھپڑ تو لگا ہی دیں تاکہ بدنام ہو کر ہی سہی کچھ نام تو کمائیں' لیکن پھر سوچا وہ سب تو بڑے سیاست دان ہیں اور ان میں سے اکثر تو ایسے لوگ بھی مخالفین پر ہتک عزت کا دعوا دائر کر دیتے ہیں جن کی عزت خود ان کی بیوی کی نظر میں روزانہ کے اخبار سے بڑھ کر نہیں ہوتی کہ گھر آگیا تو ٹھیک نہ آیا تو بھی پروا نہیں...

"وے ڈاکٹرا... پنگا نہ لئیں' دو ہزار کمانے والا دو مرغیوں کے مالک سے لڑائیاں لیتا ہے ہونہہ۔" لڑائی مار کٹائی کر کے "گلو بٹ" بننے کی بجائے ابا نے محض للکار کر "سکندر" بننے کو ترجیح دی۔

"صرف دو..." چینا کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

"چینا کے کچن میں چھ قسم کے مربے رکھے ہیں... لیکن کبھی غرور نہیں کیا۔"

"کرنا دی نا... لوکی (لوگ) پتھر ماریں گے۔" اپنی زمین جائیداد کی بے حرمتی پر ابا کی آنکھوں میں ہارننگ شوز کے اینکرز کے نقلی آنسو اتر آئے تھے۔

"آپ نے ہمیں طعنہ دیا؟"

"نہیں تو کیا کھانا دوں؟" علی کے سوال پر ابا کا فوری جواب 1122 کی سروس کو مات دے گیا تھا۔

"خالہ... بہت ہو گیا' اب چلیں واپس اپنے پورشن میں... ارے ایسے پڑوسی تو خدا پڑوسی ملک کو بھی نہ دے۔" گردن جھٹک کر اپنے تئیں نفرت کا اظہار کرتے ضمیر بھائی' علی اور چینا اپنے پورشن کو جانے والی سیڑھیاں اترنے لگے تو ابا موقع غنیمت جان کر سرگوشیانہ انداز میں خالہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میں نے کہا سونہو' میرے پہلے پہلے پیار کا پہلا پہلا اظہار تھا... کوئی کمی بیشی رہ گئی تھی تے چھوٹا بھائی سمجھ کے معافی دے دینا تھی..."

"ابا..." چینا نے عین موقع پر آکر کیدو کا کردار نبھاتے ہوئے غصے میں ابا کا بازو پکڑا اور لاؤنج سے بیڈ روم کی طرف لے گئی جبکہ خالہ وہیں پر حیران پریشان کھڑی "بھائی" سے کہیں زیادہ لفظ "چھوٹا" میں الجھی ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

یہ سچ ہی تو ہے کہ ہمیشہ وہ نہیں ہوتا جو انسان چاہتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ابا اور چندا جیسے لوگ ان کے سایوں کے روپ میں ان کے سروں پر چنے بھننے کے لیے موجود نہ ہوتے اور "تکرار ہاؤس" کی یہ فیملی جن سے بہت سے لوگ بات کرنے کے بعد بوکھلا اور گھبرا جاتے تھے آج وہ خود اس کیفیت کا شکار تھے جو سوچ رہے تھے کہ اوروں کے دل پر حقیقتاً" یہی بیتی ہوگی جو آج ان کے دلوں پر گزر رہی ہے اور تب انہیں اپنے

ان تمام ملنے والوں پر لوٹ پھوٹ کر پیار بھی آیا جو اس کیفیت کے باوجود ان سے ملتے رہتے ہیں۔ اس نئے نویلے واقعے کے زیراثر خالہ، ضمیر بھائی اور چینا بڑی ہی سنجیدگی سے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے جب علی اندر داخل ہوا۔

"آپ سب کا منہ پیدائشی نیوز کاسٹرز جیسا ہے یا غالبہ حادثے کے بعد مسکرانا بھولے ہیں؟"

گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتے ہوئے علی نے ان کی ذاتیات پر سوال کیا تو تینوں ہی خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور ان کی یہی خاموشی علی سے ہضم نہیں ہو پا رہی تھی جب ہی دوبارہ بات شروع کی تو لہجے میں منت سماجت ریلوے اسٹیشن کے قلیوں کی طرح خود بخود آن حاضر ہوئی۔

"خدا کا واسطہ ہے، اتنے سیریز نہ بنیں آپ لوگ۔ ورنہ نیوز چینلز والے تجربے کے لیے اٹھا کر لے جائیں گے۔" منت سماجت کا اثر ہوا تو یوں کہ چینا کی زباں بندی ختم ہو گئی۔

"چینا ابھی تمہیں فون کرنا چاہ رہی تھی مگر۔۔۔"

"مگر۔۔۔؟"

"مگر چینا کو تمہارا فون ہی نہیں مل رہا تھا۔"

"کیا مطلب ہے آپی؟ فون تو آپ نے اپنے فون سے کرنا تھا نا۔" جھنجلاہٹ اب علی سے اتنی ہی دور تھی جتنی ہاتھ کنگن سے آرسی۔

"ہاں، لیکن تمہارا فون تو یہ اس لیے ڈھونڈ رہی تھی کہ پتا چلے کہیں تم گھر پر تو نہیں بھول گئے اور اگر تم اپنا فون گھر بھول گئے تو خواہ مخواہ تمہیں فون کرنے میں وقت ضائع نہ ہو۔" خالہ نے تفصیلی وضاحت پیش کی تو ٹائم کو ضائع ہونے سے بچانے کے اس اقدام پر علی کا دل چاہا سر کے بل ہی بھنگڑا ڈالنے لگے۔ سر کے بل ہونے کا واحد مقصد خود کو اذیت دینا ہی تھا کیوں کہ وہ مکمل طور پر

اظہار بھی مشکل ہے، کچھ کہہ بھی نہیں سکتے
مجبور ہیں اف اللہ، چپ رہ بھی نہیں سکتے

کی تفسیر بنا ہوا تھا۔

"مم مم میں نے تو کہا بھی کہ میرے نمبر سے کر دو مگر اسے تمہارا نمبر بھی یاد نہیں تھا۔" سنجیدگی سے ضمیر بھائی نے بتایا۔

"تو مس کال ہی کر دیتے، میں خود آپ کو فون کر لیتا اگر اتنی ہی ایمرجنسی تھی تو۔"

"کیا بتاؤں علی۔۔۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا آج تو چینا کو۔"

"آپی کوئی نئی بات کریں، بعض ڈائجسٹوں کے مستقل سلسلوں کی طرح ہمیشہ وہی حساب مولوا اپنے تک ہی رکھیں۔" علی نے جی بھر کے بور ہونے کے ساتھ جوتے اتارنے کے لیے ایک دوسرے میں۔۔۔ گم تھے آزاد کیے۔

"دراصل تمہاری ۔۔۔۔ آپی کا خیال ہے کہ خولو خولو اوپر گئے۔"

"نہ اوپر جاتے نہ ڈیپریس ہوتے۔" خالہ نے ضمیر کا جملہ اچکنے میں وہی کردار ادا کیا تھا جو آج کل کچھ نو آموز شعرائو فیس بک پر مستند شعرائو کے کلام کی "نوک پلک سنوار کر" اپنے نام کے ساتھ وال پر پوسٹ کر کے ادا کرتے ہیں۔

"اوہ اچھا۔۔۔ تو یعنی آپ سب ڈیپریس ہیں؟" کچھ دیر ان کے چہروں پر برستی نحوست کو دیکھنے کے بعد علی نے جوتے ایک طرف رکھے۔

"ڈیپریس کہنا چاہ رہی ہیں۔" چینا نے ترجمان کا کردار نبھایا۔

"ڈیپریس ہوئے ہیں تو ڈیپریس ہوئے ہیں نا؟" چینا اور ضمیر بھائی نے فوراً ہی لرزش سے "آف" کہہ ڈالنے کا فرض ادا کیا۔

"فکر ناٹ آپی! ہمیں بھی ملنے کا جو لب تو ہمیں بہت جلد میں ہی ہوں گا۔"

(باقی آئندہ)

☆ ☆

مقابل ہے آئینہ

نشانورین

ادارہ

س ۔ آپ کا پورا نام گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟

ج ۔ میرا جناب پورا نام نشانورین ہے پیار سے سب نشی اور صلہ کہتے ہیں۔

س ۔ کبھی آپ نے آئینے سے یا آئینے نے آپ سے کچھ کہا؟

ج ۔ آئینے کا تو پتا نہیں مگر میں نے آئینے کو دیکھ کر اکثر کہا ہے بھلا ہو جس نے تمہیں ایجاد کیا (کم از کم اپنا چہرہ تو دیکھ سکتے ہیں)

س ۔ آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟

ج ۔ میرا بھائی فیض صرف میرا بھائی۔

س ۔ اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟

ج ۔ جب میں بیمار ہوئی تھی میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔

س ۔ آپ کے لیے محبت کیا ہے؟

ج ۔ کچھ بھی نہیں صرف افسانوی باتیں ہیں۔

س ۔ مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟

ج ۔ بھائی کی شادی کرنا اس سال۔

س ۔ پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور و مطمئن کردیا؟

ج ۔ کرن کے ہر سلسلے میں میری تحریر شائع ہونا۔

س ۔ آپ اپنے گزرے کل آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟

ج ۔ خدا کرے اچھا گزرے اور ہمیشہ سچ بول کر۔

س ۔ اپنے آپ کو بیان کریں؟

ج ۔ غصے کی بری ہوں مگر دل کی صاف۔

س ۔ کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوں؟

ج ۔ رائٹر بننے کا شوق ہے بس لکھتے وقت ڈر رہتا ہے پتا نہیں کیا بنے گا۔

س ۔ آپ کی کمزوری اور آپ کی طاقت؟

ج ۔ میری امی میری کمزوری اور میرا بھائی فیض میری طاقت۔

س ۔ آپ خوشگوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟

ج ۔ تنہا گزارتی ہوں۔

س ۔ آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟

ج ۔ یہ تو ہاتھ کی میل ہے مگر ہونا بھی کچھ ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر رشتے داروں سے ملا نہیں جاتا۔

س ۔ گھر آپ کی نظر میں؟

ج ۔ جنت سے کم نہیں۔

س ۔ کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کردیتی ہیں؟

ج ۔ میں معاف کردیتی ہوں ہر ایک کو۔

س ۔ اپنی کامیابیوں میں کسے حصہ دار ٹھہراتی ہیں؟

ج ۔ اپنی ماں کو۔

س ۔ کامیابی کیا ہے آپ کے لیے؟

ج ۔ محنت ہی سے کامیابی ملتی ہے۔

س ۔ سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر کے کاہل کردیا کیا یہ واقعی ترقی ہے؟

ج ۔ سو فیصد سچ ہے جی ہر انسان کام چور ہوگیا ہے۔

س ۔ کوئی عجیب خواہش یا خواب؟
ج ۔ ضروری نہیں انسان کی ہر خواہش پوری ہو۔
س ۔ برکھارت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟
ج ۔ کرن پڑھ کر۔
س ۔ آپ جو ہیں وہ نہ ہوتی تو کیا ہوتیں؟
ج ۔ پرندہ ہوتی کم از کم ڈھیر ساری سیر کرتی۔
س ۔ آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟
ج ۔ جب گھر والے میرے۔ پکے ہوئے کھانوں کی تعریف کریں۔
س ۔ آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟
ج ۔ کرن کی ہر تحریر۔
س ۔ کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب پالیا جو آپ چاہتی تھیں؟
ج ۔ نہیں ویسے بھی کچھ پانے کے لیے کھونا پڑتا ہے۔
س ۔ اپنی ایک خوبی اور خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟
ج ۔ خوبی یہ کہ میں دل کی صاف ہوں خامی یہ کہ غصے کی تیز ہوں۔ (جو ایک لڑکی کو نہیں ہونا چاہیے)
س ۔ کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی آپ کو شرمندہ کردیتا ہے؟
ج ۔ کوئی بھی نہیں۔
س ۔ کیا آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوفزدہ ہو جاتی ہو؟
ج ۔ جی بھر کے انجوائے کرتی ہوں۔
س ۔ متاثر کن کتاب مصنف مووی؟
ج ۔ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار فضا۔
س ۔ آپ کا غرور؟
ج ۔ میں غرور نہیں کرتی۔
س ۔ کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو اداس کر دیتی ہو؟
ج ۔ شکر ہے خدا کا کوئی نہیں البتہ دوست کی شادی ہو گئی ہے اس کی یاد میں کبھی کبھی اداس ہو جاتی ہوں۔
س ۔ کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے آپ کو حسد میں مبتلا کیا ہو؟
ج ۔ میں کسی سے حسد نہیں کرتی یہ تو اپنی اپنی قسمت ہوتی ہے۔
س ۔ مطالعہ کی اہمیت آپ کی نظر میں؟
ج ۔ بہت اچھا تنہائی کا ساتھی۔
س ۔ آپ کے نزدیک زندگی کی فلاسفی کیا ہے جو آپ اپنے علم تجربہ اور مہارت میں استعمال کرتی ہیں"
ج ۔ زندگی ایک کچا دھاگا ہے جو کسی وقت بھی ٹوٹ سکتا ہے۔
س ۔ آپ کی پسندیدہ شخصیت؟
ج ۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
س ۔ ہمارا پیارا پاکستان سارا کا سارا خوب صورت ہے آپ کا کوئی خاص پسندیدہ مقام؟
ج ۔ میرا گاؤں اور میرا گھر۔

☼ ☼

پیغامِ دوست

ادارہ

نمرہ کشور کا پیغام' میلسی سے ابدی نیند سوجانے والے پیاروں کے نام

اے لحد اپنی مٹی سے کہہ دے داغ لگنے نہ پائے کفن کو
آج ہی ہم نے بدلے ہیں کپڑے آج ہی کے نہائے ہوئے ہیں

یوں محسوس ہوتا ہے آج سے پہلے کوئی غم کوئی دکھ زندگی میں آیا ہی نہیں ہے کہ اس صدمے سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے فرحانہ آپی۔ آپ نے کہا تھا امنل نے میسج کیا ہے "اکتوبر کے خواتین میں تمہارے لیے سرپرائز ہے" آج وہ سرپرائز تو ہے مگر آپ نہیں ہیں اتنا پیار تھا آپ کو ایک دوسرے سے کہ سب ایک ساتھ چلے گئے اور ہمارے لیے بس اپنی یادیں چھوڑ گئے فری آپی کیسے برداشت کریں یہ جان لیوا حقیقت۔ کتنی باتیں کتنی خواہشیں ادھوری رہ گئیں ایک لمحے میں سب چھن گیا۔ ہم اللہ پاک سے آپ سب کی مغفرت کے طالب ہیں اللہ آپ کو آپ کے پیاروں کے ساتھ جنت میں اعلا مقام عطا فرمائے۔

آہ مرحومین کہتے کیسے دل کٹ کٹ جاتا ہے یا اللہ پیچھے رہ جانے والوں کو اپنے ہاں سے صبر عطا فرما یا مالک!

اے چشم فلک' اے چشم زمیں ہم لوگ تو پھر آنے کے نہیں
دو چار گھڑی کا سپنا ہیں' دو چار گھڑی کا خواب ہیں ہم

فوزیہ ثمرث کا پیغام واہ کینٹ میں مقیم اپنی پیاری دوست ثمو نعیم کے نام

کیسی ہو جی 10 اکتوبر کو تم نے مجھے جس شاندار انداز میں سالگرہ وش کی ــــ اب بھی جب تمہاری یاد آتی ہے تو ہنسی آتی ہے۔ بہت بہت شکریہ تم نے مجھ نا چیز کو یاد رکھا۔ حق دوستی کوئی تم سے سیکھے۔ میری دعا ہے۔ بس تم ہمیشہ یونہی ہنستی مسکراتی رہو۔ طلحہ اور نور فاطمہ کو بہت پیار کرنا۔ کہ جب سے تم مل کر گئی ہو' آمنہ اور رہانیہ تمہیں یاد کرتی ہیں۔ تمہارا اصرار کہ واہ کینٹ ملنے آؤں تمہیں میری مجبوری کا پتا تو ہے نا۔ چلو اس سال منت مان لیتی ہوں تمہارے پاس آنے کی۔ کیسا؟ اور ہاں بھائی جان نعیم سے کہنا۔ سالگرہ والے دن لڑکیوں سے ان کی عمر نہیں پوچھا کرتے۔

شکیلہ شہزادی کا پیغام ملکوال سے اپنی دوست سنبل تحریم کے نام

میری بہترین دوست سنبل تحریم جس کا خوب صورت نام میری زندگی سے جدا ہو کر "شہر خاموشاں" میں اس کی آخری آرام گاہ پہ لگے کتبے کا حصہ بن گیا۔ وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گی۔ مگر اس یقین کے ساتھ میں اپنا پیغام معطر اور پاکیزہ ہوا کے سپرد کرتی ہوں کہ وہ آسمانوں پہ جہاں کہیں بھی ہو گی۔ میری صدا سن رہی ہو گی۔

آسمانوں اور زمینوں کا رب اسے جنت میں اعلا مقام عطا کرے۔ آمین

نشا نورین کا پیغام اپنی دوست ناصرہ خاتون کے نام

کیسی ہو؟ ناصرہ تم تو بھول ہی گئی ہو مسیج نہ کال یار کہاں گم ہو جیسے میرا پیغام پڑھو رابطہ کرنا۔

ایسا کوئی تو آیا ہے تیری زندگی میں
جو تجھے میری یاد کا موقع بھی نہیں دیتا

شگفتہ عمیر

بیٹیوں کی پرورش کی فضیلت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "میرے پاس ایک عورت آئی۔ اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ اس نے مجھ سے کچھ مانگا مگر میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہ تھا۔ میں نے وہی کھجور اسے دے دی۔ اس نے وہ کھجور لے لی اور اپنی دونوں بیٹیوں کے درمیان اسے تقسیم کر دیا اور خود اس میں سے کچھ بھی نہ کھایا۔ پھر کھڑی ہوئی اور وہ اور اس کی بیٹیاں باہر نکل گئیں۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس (عورت) کا قصہ بیان کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو کوئی بیٹیوں سے امتحان میں ڈالا گیا پھر اس نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے ڈھال بن جائیں گی۔
(مسلم شریف باب فضل الاحسان الی البنات)

خالدہ پروین۔۔۔۔ بھائی پھیرو

اچھا کون۔۔۔۔!

تاتاری جب بغداد کی سلطنت پر غالب آگئے تو ان کے اندر احساس برتری پیدا ہو گیا۔ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے بہت اونچا سمجھنے لگے۔ ایک تاتاری شہزادہ ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کے لیے جا رہا تھا' اس کے ساتھ اس کا کتا بھی تھا۔ راستے میں اسے ایک مسلمان بزرگ ملے۔ اس نے انہیں اپنے پاس بلایا اور کہا۔

"تم اچھے ہو یا میرا کتا؟"

مسلمان بزرگ نے مشتعل ہونے کی بجائے اطمینان سے جواب دیا۔ "اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہو تو میں اچھا۔۔۔ ورنہ تمہارا کتا اچھا ہے۔"

یہ جملہ اس وقت اتنا موثر ثابت ہوا کہ تاتاری شہزادے کا دل ہل گیا۔ وہ اس ایمان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا' جس پر آدمی کا خاتمہ نہ ہو تو وہ کتے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اس تلاش کا بالآخر یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ وہ شہزادہ مسلمان ہو گیا۔

کہکشاں انجم۔۔۔ فیصل آباد

مہکتے پھول

☆ ہمیشہ اپنی نشست و برخاست ان لوگوں میں رکھو جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد آئے۔

☆ انسان کو خیالات کا بلند ہونا چاہیے باتوں کا نہیں۔ کیونکہ ایک چھوٹا پرندہ اونچی عمارت پر بیٹھ کر عقاب نہیں بن جاتا۔

☆ اگر شخصیت میں پختگی ہو تو عادات میں سادگی خود بخود آجاتی ہے۔

☆ اگر تم والدین کی باتوں پر توجہ دو تو لوہے کی پتھر کی سلیں بھی تمہارے ہاتھوں میں موم بن جائیں گی۔

☆ خوش بختی ایک ایسا پرندہ ہے' جو تکبر کی منڈیر پر کبھی نہیں بیٹھتا۔

☆ آپ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ آپ کی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔

☆ اس سے بڑا سچ اور سچی بات کوئی اور نہیں کہ زندگی کے آنگن میں کامیابی کے پھول کھلنے کو ہمیشہ تیار ہوتے ہیں۔ ہاں جو توجہ اور پیار بھری محبت سے ان کو

سینچے ان کا دامن خوشبو اور رنگ سے بھر جاتا ہے۔

☆ اللہ انسان کو معاف کر دیتا ہے اور انسان انسان کو معاف کر دیتا ہے۔ مگر انسان کی بھول اسے کبھی معاف نہیں کرتی۔

☆ زندگی گزارنے کے صرف دو طریقے ہیں یا تو ہر بات پہ یقین کر لو یا ہر بات پہ شک۔

فوزیہ ثمرسٹ۔۔۔ گجرات

کیا ہوا

عشق منت کش قرار نہیں
حسن مجبور انتظار نہیں
تیری رنجش کی انتہا معلوم
حسرتوں کا مری شمار نہیں
اپنی نظریں بکھیر دے ساقی
مے باندازہ خمار نہیں
زیر لب ہے ابھی تبسم دوست
منتشر جلوہ بہار نہیں
اپنی تکمیل کر رہا ہوں میں
ورنہ تجھ سے تو مجھ کو پیار نہیں
چارہ انتظار کون کرے
تیری نفرت بھی استوار نہیں
فیض زندہ رہیں وہ ہیں تو سہی
کیا ہوا اگر وفا شعار نہیں

(فیض احمد فیض)

روبینہ شریف' کراچی

انسان

انسان عجب مخلوق ہے خود تماشا ہے اور خود ہی تماشائی۔ انسان خود ہی میلہ لگاتا ہے اور خود ہی میلہ دیکھنے نکلتا ہے۔ ہجوم میں ہر انسان ہجوم کا حصہ ہے اور ہر انسان اپنے علاوہ انسانوں کو ہجوم کہتا ہے۔ تنہائیاں اکٹھی ہو جائیں تو میلے بن جاتے ہیں۔ ننھے چراغ مل کر چراغاں بن جاتے ہیں۔

(واصف علی واصف کی کتاب "دل دریا سمندر" سے)

شگفتہ۔۔۔ کراچی

پریکٹس

پانچویں جماعت کے مذہبی پیریڈ میں پادری معجزے کی وضاحت کر رہا تھا۔ وہ جماعت کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ معجزہ کیا ہوتا ہے۔ "عزیز طلبا و طالبات!" پادری نے سنجیدگی سے کہا۔

"فرض کیجیے! میں ایک دس منزلہ عمارت کی چھت سے توازن کھو کر نیچے گروں اور دفعتاً" ہوا کا ایک بگولہ مجھے صحیح سلامت زمین پر اتار دے تو اسے آپ کیا کہیں گے۔ اس صورت حال کی عکاسی کے لیے آپ کون سا لفظ استعمال کریں گے؟"

چند لمحے کلاس میں خاموشی طاری رہی پھر ایک لڑکے نے اٹھ کر کہا۔ "خوش بختی۔"

"جواب تو کسی حد تک درست ہے۔" پادری نے کہا۔ "آپ اسے خوش بختی بھی کہہ سکتے ہیں مگر میں یہ لفظ نہیں چاہتا۔ فرض کیجیے یہی بات دوبارہ ہو گئی ہے اور میں صحیح سلامت دس منزلہ عمارت کی چھت سے زمین پر اتر جاتا ہوں تو آپ اس کے لیے کون سا لفظ استعمال کریں گے؟"

"حادثہ۔۔۔" ایک لڑکی نے بے ساختہ چلا کر کہا۔

"نہیں بھئی۔" پادری جھلا گیا' اس نے پھر اپنی کہانی دہرائی اور بولا "میں تیسری مرتبہ دس منزلہ عمارت کی چھت سے گر کر زمین پر صحیح سلامت پہنچ جاتا ہوں تو آپ اس کے لیے کون سا لفظ استعمال کریں گے؟"

لڑکوں اور لڑکیوں نے کورس کے انداز میں جواب دیا۔ "پریکٹس۔"

عمارہ ناصر۔۔۔ کراچی

شخص

ہر شخص ہی جیسے رخ باطل سے ملا ہو
ایک بھی نہیں ایسا جو ہمیں دل سے ملا ہو

پھر راہ سے راہبر سے مسافت سے گلہ کیا
جب حکم پلٹ جائے کا منزل سے ملا ہو
فوزیہ ثمرٹ۔۔۔ گجرات

نصیحت

ایک حکایت ہے کہ تین شخص ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب رخصت ہونے لگے تو بزرگ نے فرمایا۔ "ہاتھی کا گوشت مت کھانا۔" وہ یہ نصیحت سن کر رخصت ہو گئے۔ اتفاق سے وہ راستہ بھول کر ایک جنگل بیابان میں جا نکلے' اسی سرگردانی میں زاد راہ بھی ختم ہو گیا۔ جب بھوک سے مرنے لگے تو ایک ہاتھی کا بچہ نظر آگیا' وہ اس کو ذبح کر کے کھانے لگے۔ ان میں سے ایک آدمی نے ان کو اس کام سے روکا اور بزرگ کی ہدایت یاد دلائی۔ دونوں نے کہا کہ "یہ گوشت اس وقت تک حرام تھا' جب تک اضطرار کی حالت پیدا نہیں ہوئی تھی' اب تو ہم مر رہے ہیں چنانچہ ہمارے لیے یہ گوشت حلال ہے۔" تیسرے نے کہا۔ "میں تو بزرگ کی بات پر عمل کروں گا اور یہ گوشت ہرگز نہیں کھاؤں گا۔" اور وہ بھوکا ہی سو گیا۔

کچھ دیر کے بعد ایک ہتھنی وہاں آئی۔ تین آدمیوں کو سوتے ہوئے دیکھ کر وہ ان کے قریب گئی اور ہر ایک کا منہ سونگھنے لگی۔ جن کے منہ سے بچے کے گوشت کی بو آئی' ان دونوں آدمیوں کی ٹانگیں پکڑ کر چیر ڈالیں اور جس آدمی نے گوشت نہ کھایا تھا' اس کو اپنی پشت پر ڈال کر سیدھے راستے پر ڈال گئی۔

(مولانا سید زوار حسین شاہ کی کتاب "مقامات فضیلہ" سے اقتباس۔)

رفعت جبیں۔۔۔ ملتان

ترویج

نہ ہر سحر کا وہ جھگڑا' نہ شب کی بے چینی
نہ چولہا جلتا ہے گھر میں' نہ آنکھیں جلتی ہیں
میں کتنے امن سے گھر میں اداس رہتا ہوں
(گلزار)

فرزانہ۔ کراچی

سروے رپورٹ

ایک شخص نے اخبار میں سروے رپورٹ پڑھتے پڑھتے سر اٹھا کر اپنے دوست سے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں اسی لاکھ ٹی وی اور ساٹھ لاکھ باتھ روم ہیں۔"

"اچھا۔۔۔! دوست نے کہا۔ "مگر اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟"

"یہی کہ بیس لاکھ آدمی نہائے بغیر ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔" ان صاحب نے سر کھجاتے ہوئے تشویش سے کہا۔

عفت ارشد۔۔۔ ڈیرہ غازی خان

مجبوری

ایک بچے کو دکانوں سے چھوٹی چھوٹی چیزیں چرانے کی عادت پڑ گئی تھی۔ اس کے والد اسے سمجھا سمجھا کر ہار گئے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اسے خوفزدہ کرنے کے لیے چند گھنٹوں کے لیے حوالات میں بھجوا دیا جائے۔

انہوں نے تھانیدار سے بات کی' جس نے تجویز مان لی اور بچے کو حوالات میں بند کروا دیا گیا۔

اس وقت حوالات میں ایک اور پختہ عمر کا مجرم بھی بند تھا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا۔ "تمہیں کس جرم میں یہاں لایا گیا ہے؟"

"میں دکانوں سے چھوٹی موٹی چیزیں چراتا ہوں۔" لڑکے نے بتایا۔

"بے وقوف۔۔۔! تم کوئی بینک کیوں نہیں لوٹتے؟" مجرم نے کہا۔

"کیا کروں جناب۔۔۔ مجھے اسکول سے تین بجے چھٹی ہوتی ہے۔ تب تک بینک بند ہو چکے ہوتے ہیں۔" لڑکے نے بے بسی سے کہا۔

شبانہ افضل۔۔۔ قصور

بشریٰ محمود

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر

مومن خان مومن کی غزل

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھا بیشتر وہ کرم کہ تھا میرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا — تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر اک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ بات ایسی اگر ہوئی کہ تمہارے جی کو بُرا لگا
اور بیاں سے پہلے ہی بولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سنو ذکر ہے کئی سال کا، کیا آپ نے اک وعدہ تھا
وہ نباہنے کا ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی، کبھی ہم میں تم میں بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ کہتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ثناء شہزاد، کی ڈائری میں تحریر

پروین شاکر کی غزل

یہ کب کہتی ہوں، تم میرے گلے کا ہار ہو جاؤ
وہیں سے لوٹ جانا، تم جہاں بے زار ہو جاؤ

ملاقاتوں میں وقفہ اس لیے ہونا ضروری ہے
کہ تم اک دن جدائی کے لیے تیار ہو جاؤ

بہت جلدی سمجھنے میں آنے لگتے ہو زمانے کو
بہت آسان ہو تھوڑے بہت دشوار ہو جاؤ

بلا کی دھوپ سے آئی ہوں میرا حال تو دیکھو
بس اب ایسا کرو تم سایۂ دیوار ہو جاؤ

ابھی پڑھنے کے دن ہیں لکھ بھی لینا حال دل اپنا
مگر لکھنا تبھی جب لائق اظہار ہو جاؤ

حمیرہ مہتاب، کی ڈائری میں تحریر

ناصر کاظمی کی غزل

نصیب عشق دل بے قرار بھی تو نہیں
بہت دنوں سے ترا انتظار بھی تو نہیں

تلافی ستم روزگار کون کرے
تو ہم سخن بھی نہیں رازدار بھی تو نہیں

زمانہ پرسش غم بھی کرے تو کیا حاصل
کہ تیرا غم غم لیل و نہار بھی تو نہیں

تری نگاہ تغافل کو کون سمجھائے
کہ اپنے دل پہ مجھے اختیار بھی تو نہیں

تو ہی بتا کہ تری خامشی کو کیا سمجھوں
تری نگاہ سے کچھ آشکار بھی تو نہیں

وفا نہیں نہ سہی رسم و راہ کیا کم ہے
تری نظر کا مگر اعتبار بھی تو نہیں

اگرچہ دل تری منزل نہ بن سکا اے دوست
مگر چراغِ سرِ رہ گزار بھی تو نہیں

بہت فسردہ ہے دل، کون اس کو بہلائے
اداس بھی تو نہیں بے قرار بھی تو نہیں

تو ہی بتا ترے بے خانماں کدھر جائیں
کہ راہ میں شجرِ سایہ دار بھی تو نہیں

فلک نے پھینک دیا برگِ گل کی چھاؤں سے دور
وہاں پڑے ہیں جہاں خار زار بھی تو نہیں

جو زندگی ہے تو بس تیرے درد مندوں کی
یہ جبر بھی تو نہیں اختیار بھی تو نہیں

وفا ذریعۂ اظہارِ غم سہی ناصر
یہ کاروبار کوئی کاروبار بھی تو نہیں

نمرہ اقراء کی ڈائری میں تحریر

ایک غزل

شامِ فراق اب نہ پوچھ، آئی اور آ کے ٹل گئی
دل تھا کہ پھر بہل گیا، جاں تھی کہ پھر سنبھل گئی

بزمِ خیال میں ترے حسن کی شمع جل گئی
درد کا چاند بجھ گیا، ہجر کی رات ڈھل گئی

جب تجھے یاد کر لیا صبح مہک مہک اٹھی
جب ترا غم جگا لیا، رات مچل مچل گئی

دل سے تو ہر معاملہ کر کے چلے تھے صاف ہم
کہنے میں ان کے سامنے بات بدل بدل گئی

آخرِ شب کے ہم سفر فیض نجانے کیا ہوئے
رہ گئی کس جگہ صبا، صبح کدھر نکل گئی

عذرا ناصر کی ڈائری میں تحریر

انور شعور کی غزل

دن تمہارا ہے، شب تمہاری ہے
عمر جتنی ہے، سب تمہاری ہے

کیوں نہ رشک اپنی زندگی پہ کروں
پہلے میری تھی، اب تمہاری ہے

نظم میں تم ہو، نثر میں تم ہو
بزمِ شعر و ادب تمہاری ہے

یہ ہمیں اور وہ تمہیں حاصل
غم ہمارا، طرب تمہاری ہے

اپنی سمجھو نہ کوئی دور کی چیز
ہاتھ آ جائے، تب تمہاری ہے

ہر تمنا چلی گئی دل سے
ہے اگر تو طلب تمہاری ہے

تم ملے ہو نہ مل سکو گے ہمیں
آرزو بے سبب تمہاری ہے

اپنی دنیا بساؤ، یہ دنیا
کب ہماری ہے کب تمہاری ہے

کیا کرے کوئی چارہ ساز شعور
کیفیت ہی عجب تمہاری ہے

شگفتہ سلیمان

مجھے ہے حکم اذاں

ثنا شہزاد ______ کراچی

اس کو کچھ تو بنا دیا ہے
ہم نے تھوڑا سا دھیان دے کر

رانی ______ کراچی

خاک اُڑتی ہے رات بھر مجھ میں
کون پھرتا ہے در بدر مجھ میں
مجھ کو مجھ میں جگہ نہیں ملتی
وہ ہے موجود اس قدر مجھ میں

ثنا ______ کراچی

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
یہ الزام بھی میرے اجداد کے سر جائے گا

شہلا احمد ______ سیالکوٹ

خلقت نہیں ہے ساتھ تو پھر بخت بھی نہیں
کچھ دن ہی رہے گا تو یہ تخت بھی نہیں
مایوس ہو کے دیکھ رہے ہیں خلائیں گھر
اتنی تو یہ زمین مگر سخت بھی نہیں

امبر خان ______ کراچی

تھک گیا ہے دلِ وحشی مرا فریاد سے بھی
جی بہلتا نہیں اے دوست تری یاد سے بھی
اے ہوا کیا ہے جواب نظم چمن اور ہوا
صید سے بھی ہیں مراسم ترے، صیاد سے بھی

سحرش ناز ______ کراچی

مرے حق میں مخالف میں کبھی کچھ کہا تو ہو گا
تجھے چھوڑ جانے والا مجھے سوچتا تو ہو گا
یہ اداس اداس پھرنا، یہ کسی سے بھی نہ ملنا
ہے یونہی نہیں یہ سب کچھ کوئی سانحہ تو ہو گا

راحیلہ ______ لاہور

نہیں اس میں کوئی منطق ہے یقین کی بات ساری
کہ جہاں رکھا ہے پاؤں، وہاں راستہ تو ہو گا
کوئی درمیاں نہیں تھا، کوئی درمیاں نہیں ہے
تو پھر ایسی قربتوں میں، کہیں رابطہ تو ہو گا

مینا ______ پشاور

کہا نہ تھا اسے مت ضبط کرنا
وہ آنسو اب سمندر ہو گیا نا!

مہرین خان ______ کراچی

یہ دکھ نہیں کہ وہ سمجھا نہیں مرے فن کو
مخالفت کا سلیقہ نہیں تھا دشمن کو
میں کس مقام سے بولوں میں کس سے بات کروں
کہ خواہشات کا کاسہ ملا ہے اس تن کو

افشاں علی ______ کراچی

اگرچہ تجھ سے بہت اختلاف بھی نہ ہوا
مگر یہ دل تری جانب سے صاف بھی نہ ہوا
تعلقات کے برزخ میں ہی رکھا مجھ کو
وہ میرے حق میں نہ تھا اور خلاف بھی نہ ہوا

مریم ساجد ______ سیالکوٹ

نہ جانے کون سا منظر کہاں رقم ہو جائے
دلوں کا حال بھی اب کون کس سے کہتا ہے
میرے بدن کو نمی کھا گئی ہے اشکوں کی
بھری بہار میں کیسا مکان ڈھلتا ہے

دنیزہ اسلم ______ کوئٹہ

لب خاموش، چشم خشک کیا سمجھائیں گے تجھ کو
جو بارش دل میں ہوتی ہے جو دریا دل میں بہتا ہے

فرخندہ ______ لاہور

وہ اک سایا جو تحفے میں دیا تھا اس کو خوابوں نے
وہی اب اس کا آنچل ہے وہی اب اس کا گہنا ہے
لکھا تھا ریت پر اک دوسرے کا نام کیوں ہم نے
نتیجے میں جو صدمہ ہے وہ ہم دونوں کو سہنا ہے

شبنم ______ کوئٹہ

سنتا ہوں اب کسی سے وفا کر رہا ہے وہ
اے زندگی خوشی سے کہیں مر نہ جاؤں میں
اک شب بھی وصل کی نہ مرا ساتھ دے سکی
عہدِ فراق آ کہ تجھے آزماؤں میں

فرحین ظفر ـــــ کورنگی کراچی

پھر کہیں دُور سے اک بار صدا دو مجھ کو
میری تنہائی کا احساس دلا دو مجھ کو
تم چاند ہو تم کو میری ضرورت کیا ہے
میں دیا ہوں کسی چوکھٹ پہ جلا دو مجھ کو

سیمی ظفر ـــــ کراچی

اتنا آساں بھی نہیں اپنی ہستی سے گزر جانا
اترا جو سمندر میں تو دریا بہت رویا
جو شخص نہ رویا تھا تپتی ہوئی راہوں میں
سایۂ دیوار میں بیٹھا تو بہت رویا

بینا ظفر ـــــ کراچی

ٹپک پڑتے ہیں آنسو جب تمہاری یاد آتی ہے
یہ وہ برسات ہے جس کا کوئی موسم نہیں ہوتا

بینش آفتاب ـــــ دبئی

اپنی ہر اک شام ہر اک رات بیچ کر
اب آ گیا ہے جینا ہمیں ذات بیچ کر
ہم بھی ہیں کیا عجب کہ کڑی دھوپ کے تلے
صحرا خرید لائے ہیں برسات بیچ کر

فریحہ شبیر ـــــ شاہ نکڈر

ڈسنے لگی ہے اب شب فرقت کی تیرگی
آ جاؤ صبح روز منور لیے ہوئے
ہر غم پہ ہے اک نئی الجھن کا سامنا
ہم آئے ہیں عجب مقدر لیے ہوئے

پارس شاہ ـــــ چکوال

نم ہیں پلکیں تری موج ہوا رات کے ساتھ
کیا تجھے بھی کوئی یاد آتا ہے برسات کے ساتھ

حافظہ سمیرا ـــــ 157/ این بی

نامرادی کا اب یہ عالم ہے کہ کچھ یاد نہیں
تو بھی شامل تھا کبھی میری تمناؤں میں

رابعہ اسلم وڑائچ ـــــ رحیم یار خان

نہ پوچھ عہد الفت کی، بس اک خواب پریشاں تھا
نہ دل کو راہ پر لائے، نہ دل کا مدعا سمجھے

سدرہ سلیم ـــــ شریف آباد

ٹھہرو یہ جھڑی اشکوں کی تھم جانے دو
برسات میں یہ عزم سفر ٹھیک نہیں ہے

لائبہ امین ـــــ مظفر آباد

بدنصیبی کا میں قائل تو نہیں ہوں لیکن
میں نے برسات میں جلتے ہوئے گھر دیکھے ہیں

صدف نور ـــــ جھنگ

کبھی برسات میں شاداب بیلیں سوکھ جاتی ہیں
ہرے پیڑوں کے گرنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا

شازیہ اصغر ـــــ لاہور

اس قحط دوستی میں کوئی مجھ سے کیا ملے
خود اپنے آپ کو بھی میسر نہیں ہوں میں

آمنہ ناز محمد ـــــ میر پور ساکرو

کبھی کبھی یوں ہی چھلک پڑتی ہیں آنکھیں
اداس ہونے کا کوئی سبب نہیں ہوتا

عاصمہ ندیم ـــــ صدر کراچی

افسانوں کی دنیا میں سب جھوٹ نہیں ہوتا
دل اور بھی الجھے گا پڑھیے نہ کتابوں کو

عائشہ ـــــ محراب پور

رسم سجدہ بھی اٹھا دی ہم نے
عظمت عشق بڑھا دی ہم نے
دل کو آنے لگا بسنے کا خیال
آگ جب گھر کو لگا دی ہم نے

نوزیہ ثمر بٹ ـــــ گجرات

توڑ دے ہر اک آس کی ڈوری آسوں میں کیا رکھا ہے
عشق محبت باتیں ہیں سو باتوں میں کیا رکھا ہے
قسمت میں جو لکھا ہے وہ آخر ہو کر رہتا ہے
چند لکیریں الجھی سی اور ہاتھوں میں کیا رکھا ہے

نوشابہ منظور ـــــ بھریا روڈ

موم کی طرح پگھلتے ہوئے دیکھا اس کو
رت جو بدلی تو بدلتے ہوئے دیکھا اس کو
جانے کس غم کو چھپانے کی تمنا ہے اسے
آج ہر بات پہ ہنستے ہوئے دیکھا اس کو

سعدیہ عرفان ـــــ گارڈن

وہ سمندر ہے تو بہتا ہے ٹھہرا کیوں ہے
وہ ہوا ہے تو گزر جائے ہواؤں کی طرح

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

گوبھی سبز مرچوں کے ساتھ

اشیا :

پھول گوبھی	ایک عدد
سبز پیاز	تین عدد
چینی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
پانی	ایک کھانا کا چمچہ
مرغی کی یخنی	دو کپ
سبز مرچیں	حسب پسند
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
تیل	چار کھانے کے چمچے

ترکیب :

کڑاہی میں تیل گرم کریں اور ادرک پیسٹ ڈال کر ایک منٹ تک بھونیں۔ آگ دھیمی کر کے گوبھی اور سبز مرچیں (گول کٹی ہوئی) ڈال دیں۔ تین سے چار منٹ بھونیں۔ اب نمک اور چینی ڈال کر پیاز ڈال دیں۔ اس کو کفگیر سے چلاتے ہوئے ملائیں۔ پھر یخنی ڈال کر ڈھانپ کر دو منٹ تک پکائیں۔

اب کارن فلور اور ایک بڑا چمچہ پلانی ملا کر لئی بنا کر ڈالیں اور گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ کالی مرچ چھڑک کر جب گاڑھا ہو جائے تو گرم گرم پیش کریں۔

آلو کریلے کی بھجیا

اشیا :

آلو	ایک پاؤ
پیاز	ایک پاؤ
سبز دھنیا	ایک گڈی
ٹماٹر	ایک پاؤ
سبز مرچ	دس عدد
سفید زیرہ	دو چائے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
سوکھا دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
گھی / تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

کریلے باریک کاٹ کر کڑواہٹ ختم کرنے کے لیے نمک لگا کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں پھر کریلوں کو اچھی طرح دھولیں۔ اب ایک کڑاہی میں تیل یا گھی ڈالیں اور کریلوں کو ہلکا سا فرائی کریں۔ باقی گھی / تیل میں آلو باریک گول کر چوکور کاٹ کر ڈال دیں۔ اور ساتھ ہی ایک

چائے کا چمچہ نمک اور سفید زیرہ ڈال دیں اب آلوؤں کو ہلکی آنچ پر گلالیں۔ اس طرح کہ آلو ہلکے براؤن ہو جائیں۔

کڑاہی سے آلو نکال لیں۔ اب کڑاہی میں باریک کٹی ہوئی پیاز، ٹماٹر اور سارے مسالے ڈال دیں۔ مسالے اور پیاز کو تھوڑا سا پکا کے اس میں کریلے آلو، سبز دھنیا (باریک کٹا ہوا) اور سبز مرچ ڈال کر مکس کریں اور ہلکی آنچ پر پانچ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ مزے دار آلو کریلے کی بھجیا تیار ہے۔

اسپیشل نوڈلز

اشیا:

نوڈلز	275 گرام (نمک ملے پانی میں ابال لیں)
چکن بریسٹ	(بون لیس) ایک عدد
گوشت کے پارچے	115 گرام
جھینگے	175 گرام (صاف کیے ہوئے)
پیاز	ایک عدد (چوپ کریں)
ادرک	3/4 انچ کا ٹکڑا
لہسن کے جوے	2 عدد
سویا ساس	تین کھانے کے چمچے
چلی سوس	دو کھانے کے چمچے
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
شکر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
پالک	115 گرام
ہری پیاز	تین عدد
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:

چکن بریسٹ اور گوشت کو دھو کر خشک کر کے اس کے سلائس کاٹ لیں۔ ایک بڑے سوس پین میں تیل گرم کر کے اس میں چکن، گوشت اور جھینگوں کو ڈال کر دو سے تین منٹ کے لیے فرائی کریں اس کے بعد اس میں پیاز اور ادرک لہسن پسا ہوا ڈال کر دو سے تین منٹ بھونیں اب اس میں سویا سوس، سرکہ، چلی سوس شکر اور نمک ڈال کر ملائیں۔ اب اس میں باریک کٹی ہوئی پالک اور ہری پیاز ڈال کر ڈھک کر پانچ منٹ تک پکانے کے بعد نوڈلز شامل کریں اور اچھی طرح مکس کر کے دو منٹ پکالیں اور سرو کریں۔

پالک چاول

اشیا:

چکن	(کیوبز) آدھا کلو
چاول	تین سو گرام
تیل	چوتھائی کپ
پالک	ایک گڈی
ادرک لہسن	پیسٹ (ایک کھانے کا چمچہ)
پیاز	ایک عدد
ہری مرچ	تین سے چار عدد
ٹماٹر	دو عدد
پانی	سوا گلاس
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

پالک صاف کر کے کاٹ لیں۔ پیاز باریک کاٹ لیں۔ پالک کو پانی میں دو منٹ ابالیں پھر چھلنی میں ڈال دیں اور اوپر ٹھنڈا پانی ڈالیں۔ ٹماٹر کو لمبائی میں کاٹ لیں کہ ایک ٹماٹر کے چار حصے ہوں۔ چاولوں کو تیس منٹ کے لیے پانی میں بھگو دیں۔ دیگچی میں تیل گرم کر کے ادرک لہسن پیسٹ ڈالیں جب اس کا کچا پن ختم ہو جائے تو چکن ڈال دیں اور نمک ڈال کر چمچہ چلائیں جب چکن کی رنگت بدل جائے تو اس میں پیاز اور

ثابت ہری مرچ شامل کرکے اتنا پکائیں کہ پیاز نرم ہو جائے۔ پھر سوا گلاس پانی ڈال دیں۔ پانی میں ابال آنے لگے تو چاول شامل کردیں۔ جب پانی تھوڑا سا رہ جائے تو املی پانی اور ٹماٹر شامل کرکے ہلکے ہاتھوں سے مکس کریں۔ آٹھ سے دس منٹ دم پر رکھ دیں۔ دم سے ہٹا کر ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

ہری اور کالی مرچ کا گوشت

اشیا:

بکرے کا گوشت	ایک کلو
پیاز	ایک کلو (باریک کٹی ہوئی)
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچ	ایک مٹھی (چھوٹی والی)
ہرا دھنیا	ایک گڈی (باریک کٹا ہوا)
گھی/تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

دیگچی میں گوشت، پیاز، لہسن، ادرک، نمک اور دو گلاس پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکانے کے لیے رکھ دیں۔ جب گوشت گل جائے تو اس میں تیل یا گھی ڈال کر خوب بھونیں۔ یہاں تک کہ مسالا تیل سے الگ ہو جائے۔ گوشت میں کالی اور ہری مرچ پیس کر ڈال دیں کچھ دیر بھون کر ہلکی آنچ پر دم پر لگا دیں۔ پیش کرنے سے پہلے ہرا دھنیا ڈال دیں۔

کالے چنے کے کباب

اشیا:

کالے چنے	آدھی پیالی
لونگ	دو عدد
سیاہ مرچ	حسب ضرورت
دار چینی	ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن کے جوے	چار عدد
چنے کی دال	دو چمچے
نمک	حسب ذائقہ
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
ڈبل روٹی کے سلائس	دو عدد
میدہ	آدھی پیالی
دودھ	آدھی پیالی
ثابت لال مرچ	چار سے پانچ عدد
کوکنگ آئل	تلنے کے لیے

ترکیب:

کالے چنے اور چنے کی دال کو نیم گرم پانی میں دو گھنٹوں کے لیے بھگو دیں۔ پریشر ککر میں دو سے ڈھائی پیالی پانی، کالے چنے، چنے کی دال، کالی مرچ، ثابت لال مرچ، ادرک لہسن، دار چینی کا ٹکڑا ڈال کر ڈھک کر پکنے کو رکھ دیں۔ جب گل جائیں تو ٹھنڈا ہونے پر گرائنڈ کرلیں۔ ڈبل روٹی کے سلائس آدھی پیالی پانی میں بھگو کر ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر دبائیں پانی نکل جائے تو انہیں بھی دال اور چنوں کے ساتھ گرائنڈ کرلیں۔ اب کڑاہی میں تیل گرم کریں میدہ میں دودھ ڈال کر گاڑھا آمیزہ تیار کرلیں اب کباب بنا کر ایک ایک کباب کو اس آمیزہ لتھیڑ کر آئل میں ڈال دیں اور سنہری ہونے پر نکال لیں اور چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

مرغ حلیم

اشیا:

مرغی کا گوشت	ڈیڑھ کلو
جو کا دلیہ	آدھا کلو
چنے کی دال	ایک پاؤ
ماش کی دال	آدھا پاؤ
ادرک	ایک پاؤ
دال مونگ	آدھا پاؤ
چاول	آدھا پاؤ
گندم	آدھا کلو
دال مسور	آدھا پاؤ
لال مرچ پاؤڈر	دو چمچے
لہسن، ادرک کا پیسٹ	دو، دو چمچے
پیاز	ایک کلو

گرم مسالہ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
ہری مرچ (پسی ہوئی)	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ڈھائی چائے کے چمچے
ٹماٹر	6عدد
کوکنگ آئل	ایک کپ

ترکیب :

سب سے پہلے چکن کو دس بڑے حصوں میں کاٹ لیں ایک دیگچی میں پیاز ہلکی براؤن کرکے اس میں تمام مسالے ڈال دیں۔ ساتھ مرغی بھی ڈال دیں۔ تقریباً" 185 گرام ادرک کو اچھی طرح پیس کر ڈال لیں اور گوشت کو اچھی طرح گلنے کے لیے رکھ دیں۔ کسی دوسرے برتن میں جو کو آدھے گھنٹے کے لیے پانی میں بھگونے کے بعد اچھی طرح پکالیں۔ اسی طرح تمام دالوں کو بھی اچھی طرح گلالیں۔ جو سمیت تمام دالیں بلینڈر میں ہر ممکن باریک پیس لیں اور ان سب کو کسی الگ دیگچی میں ڈال کر رکھ دیں۔ جب آپ دیکھیں کہ مرغی کا گوشت اچھی طرح گل چکا ہے تو اسے آہستہ آہستہ ڈوئی کے ساتھ پیٹتے ہوئے اس میں سے ہڈیاں الگ کریں اور گوشت کو اس وقت تک پیٹیں جب تک کہ وہ اچھی طرح ریشوں میں تبدیل نہ ہو جائے اب جو سمیت دیگر پسی ہوئی دالیں گوشت والے مسالے میں ملا دیں اور ایک بار پھر انہیں ابال آنے تک پکائیں۔ مزے دار مرغ حلیم تیار ہے۔ آخر میں کوکنگ آئل میں پیاز فرائی کریں۔ بچی ہوئی ادرک کو باریک کاٹ لیں۔ لیموں اور سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

ارغوانی بینگن

اشیا :

لمبے بینگن	1کلو
دہی	ڈیڑھ کپ
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک	پیسٹ ایک کھانے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کٹی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ
ٹماٹر (درمیانے)	8عدد
پیاز (درمیانے)	4عدد
ہری مرچیں	6عدد
ہرا دھنیا	تھوڑا سا
کوکنگ آئل	حسب ضرورت

ترکیب :

سب سے پہلے بینگن گول قتلوں میں کاٹ لیں اور حسب ضرورت کوکنگ آئل میں ڈال کر تل لیں۔ جب بینگن سرخ ہو جائیں تو انہیں نکال کر دیگچی کے پیندے میں ترتیب سے رکھ دیں۔ اب پین میں تیل گرم کریں اور لچھے دار کٹی ہوئی پیاز ڈال کر فرائی کریں۔ جب پیاز ہلکی سرخ ہو جائے تو ادرک اور لہسن کا پیسٹ ڈال کر ہلکا سا بھونیں اور پانی کا چھینٹا دیں۔ اب دھنیا پاؤڈر ڈال دیں۔ اگر محسوس کریں کہ پانی کم ہے تو تھوڑا سا اور ڈال سکتی ہیں تاکہ مسالا جلنے نہ پائے اب نمک، سرخ مرچ پاؤڈر اور ہلدی پاؤڈر ڈال کر ملائیں اور پانی کا چھینٹا لگائیں۔ آنچ ہلکی کر دیں۔ مسالا بھن جانے پر باریک کٹے ہوئے ٹماٹر ڈال کر تھوڑی دیر پکائیں تاکہ یہ نرم ہو جائیں۔ مسالا تیار ہونے پر اسے بینگن والی دیگچی میں ڈال کر پھیلا دیں اور اسے ہلکی آنچ پر رکھ دیں۔ پھر باریک کٹی ہوئی ہری مرچیں اور ہرا دھنیا ڈال دیں اور ایک دو منٹ بعد کٹی ہوئی لال مرچیں بھی اوپر پھیلا دیں۔ اب پھینٹا ہوا دہی اس کے اوپر برابر کا پھیلا دیں اور لیموں کا رس ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ دم آنے کے بعد کسی ڈونگے میں نکال لیں۔ لیجیے مزے دار چٹ پٹے ارغوانی بینگن تیار ہیں۔ انہیں ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ پیش کریں۔

بالوں کا رنگ برقرار رکھیں

اگر آپ ٹھیک ٹھاک پیسے خرچ کرکے اپنے بالوں کو رنگوا رہی ہیں تو آپ ہرگز یہ نہیں چاہیں گی کہ ایک شیمپو کرنے کے بعد یہ رنگ پھیکے پڑ جائیں۔ یہ بات سچ ہے کہ اگر آپ نے بالوں کے لیے پرفیکٹ کلر پالیا تو پھر یہ کلر سالوں چل جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے کچھ ایسے ٹپس ہیں جنہیں اپنا کر آپ اپنے رنگے بالوں کو تروتازہ اور روشن ہفتوں تک رکھ سکتی ہیں۔

☆ اس بات کو یقینی بنائیں کہ آپ کے بال اس پوزیشن میں ہوں کہ یہ رنگ کو نہ صرف قبول کرلیں بلکہ دیر تک برقرار بھی رکھیں۔ ایسے بال جو دھوپ اور کیمیکل کے استعمال سے خراب ہوچکے ہیں، رنگ کو دیر تک برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ رنگ لگانے سے قبل اگر بالوں کو کسی طرح کا نقصان پہنچا ہے تو پہلے اسے دور کیا جائے پھر کلر کے بارے میں سوچیں۔ کسی وجہ سے آپ کو جلدی ہے تو بالوں میں رنگ لگانے سے قبل بالوں میں ڈیپ کنڈیشن ضرور کرلیں۔ کنڈیشننگ اور رنگ کرنے کے عمل کے درمیان چند دن کا وقفہ ضرور دیں۔

☆ رنگ کروانے سے قبل بالوں کو ہرگز نہ دھوئیں مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ آپ ایک ہفتے تک بالوں کو ایسے ہی چھوڑ دیں۔ اس طرح بال گندے ہوجائیں گے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بالوں میں رنگ لگانے سے قبل بالوں کو دھویا جائے اور رنگ لگانے کے عمل کو چوبیس سے 36 گھنٹے بعد کیا جائے۔ اس تاخیر کا مقصد یہ ہے کہ بالوں کو جس قدرتی تیل کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس دوران ان کو مل جائے تاکہ یہ رنگ کو قبول کرلیں۔ قدرتی تیل بالوں میں رنگ کو چپکنے میں مدد دیتا ہے اور رنگ ہفتوں برقرار رہتے ہیں۔

☆ بالوں کو رنگ کروانے کے بعد جو شیمپو اور کنڈیشنر آپ استعمال کرنے جارہی ہیں، ان پر محتاط رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ پروڈکٹس رنگوں کو نمایاں کرنے، نکھارنے اور ان کو برقرار رکھنے میں

مددگار ثابت نہیں ہوتی ہیں تو پھر آپ غلط پروڈکٹس استعمال کر رہی ہیں۔ ایسے شیمپو اور کنڈیشنرز کو ترجیح دیں جو خاص کر رنگے ہوئے بالوں کے استعمال کے لیے بنائے گئے ہیں۔ شیمپو تبدیل کرنے کے دوران آپ کو کنڈیشنرز پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ بالوں میں ضرورت سے زیادہ اور بار بار شیمپو نہ لگائیں۔ اگر آپ اپنے بالوں کو روزانہ دھوتی ہیں تو پھر ہر دوسرے روز شیمپو استعمال کریں۔ اچھا ہو گا کہ آپ یہ عمل ہر تیسرے دن کریں۔ یہ عمل ہفتہ میں دو بار ضرور کرنا چاہیے۔ اس سے ہر طرح کے بالوں کو فائدہ ہوتا ہے کیونکہ بالوں میں رنگ ہونے کے بعد یہ تھوڑے سے خشک ہو جاتے ہیں... یہ بات دھیان میں رکھیں کہ شیمپو کا جھاگ نہ صرف یہ کہ آپ کے بالوں سے قدرتی تیل کو دھو ڈالتا ہے بلکہ یہ بالوں کے رنگ پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر ایک بار جھاگ بنانا کافی ہے تو دوسری بار یہ عمل نہ کریں۔ اچھا ہو گا کہ آپ ایسا شیمپو استعمال کریں جو جھاگ نہ بناتا ہو ایسے شیمپو کو "نن لادر" شیمپو کہتے ہیں۔

☆ آپ شیمپو کرتے وقت بالوں میں ایسا پانی استعمال کر رہی ہیں جس میں بھاری پن ہے تو آپ کو چاہیے کہ پانی کو ہلکا کرنے والا آلہ "واٹر سوفٹنگ" گھر میں لگائیں۔ بھاری پانی میں کئی طرح کی معدنیات ہوتی ہیں جو بالوں کی شافٹ پر جمع ہو سکتی ہیں اور اس طرح بالوں کا رنگ ہلکا پڑنے لگے گا۔

☆ بالوں کو شیمپو کرتے وقت اس کا خیال رکھیں کہ پانی کس قدر گرم ہے۔ یہ بہت ضروری ہے خاص کر ان سروں کے لیے جن میں خارش یا دانے ہوتے ہیں اور ایسے بالوں کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں جن کو سرخ رنگ سے رنگا گیا ہو۔ گرم پانی تیزی سے سرخ رنگ کو پھیکا کر دیتا ہے۔ گرم پانی کی بجائے نیم گرم پانی سے شیمپو کریں اور بالوں کو ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے کھنگالیں۔

☆ جس قدر ممکن ہو، دھوپ میں نہ نکلیں۔ چاہے جتنے بھی اچھے اور ماہرانہ انداز میں بالوں کو رنگا گیا ہو، چند گھنٹے کی دھوپ ان کا ستیاناس مار دیتی ہے۔ ویسے بھی دھوپ بالوں کے لیے نقصان دہ ہے تو آپ خود اندازہ کریں کہ رنگے بالوں پر دھوپ کس قدر اثر انداز ہوتی ہو گی۔ جن بالوں کو دھوپ سے نقصان پہنچتا ہے ان کے رنگ پھیکے پڑنے لگتے ہیں۔ اگر آپ کو دھوپ میں نکلنا ہی پڑے تو ہیٹ پہنیں یا اسکارف کا استعمال کریں تاکہ بالوں کو تحفظ مل سکے... دوسرا آپشن یہ ہے کہ آپ ڈیپ کنڈیشنرز لگائیں۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ یہ دھوپ میں سرگرم ہو جاتا ہے اور بالوں کا تحفظ کرتا ہے۔

☆ سوئمنگ پول سے دور رہیں۔ اس کے پانی میں کلورین شامل ہوتا ہے جو ایک کیمیکل ہے اور عین ممکن ہے کہ یہ آپ کے رنگ ہوئے بالوں پر منفی طریقے سے اثر انداز ہو۔ بالوں کے رنگوں میں آل ریڈی کیمیکل ہوتا ہے اگر اس میں کوئی اور کیمیکل مکس ہوا تو ری ایکشن کے طور پر بالوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے اور بالوں کے دو منہ بھی بن سکتے ہیں۔

☆ ہاٹ ٹب اور ٹیننگ باتھ سے بھی دور رہیں۔ ان کا استعمال... آپ کے جسم سے مسلسل پسینہ خارج کرنے کا باعث بنے گا۔ حرارت بالوں میں مسام کو اوپن کر دے گی جس کے بعد رنگوں کے مالیکول آسانی سے بالوں کی شفٹ سے الگ ہو جائیں گے اور رنگ پھیکا پڑ جائے گا۔

☆ بالوں کو رنگوانے کے بعد دو ہفتے تک بالوں کو پرمنگ کروانے سے گریز کریں۔ اگر آپ نے ایسا کروالیا تو رنگ میں فرق آجائے گا اور رنگ بالوں میں پٹی کی شکل میں نظر آنے لگے گا۔

رنگے ہوئے بال اپنے قدرتی اور فطری انداز میں رنگت کھوتے چلے جاتے ہیں۔ آپ اس عمل میں کمی بیشی نہیں کر سکتی ہیں... البتہ اوپر جو کچھ بتایا گیا ہے اگر ان پر عمل کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ رنگ دیر تک برقرار رکھا جا سکتا ہے بلکہ بال غیر ضروری نقصان سے بھی محفوظ رہیں گے۔

☆ ☆

آوے کا آوا بگڑا ہوا

ایک محکمہ تعلیم کے ڈائریکٹر نے اسکول کا معائنہ کیا۔ ایک کلاس میں بچوں کو چیک کرنے کے لیے بورڈ پر انگریزی لفظ Nature (نیچر) لکھا اور بچے کو بلا کر پوچھا "بیٹا یہ کیا لکھا ہے؟"

بچہ کچھ دیر دیکھتا رہا پھر بولا "نتورے۔"

ڈائریکٹر بولا "غور سے پڑھو پھر بتاؤ۔"

"سر۔ نتورے لکھا ہے۔"

ڈائریکٹر صاحب غصے سے کانپنے لگے اور خاتون کلاس ٹیچر سے کہا۔

"آپ نے اس کو یہ کیا پڑھایا ہے؟ یہ بچہ تو ساری عمر ہی غلط پڑھتا رہے گا۔"

کلاس ٹیچر نے کہا۔ "سر! آپ ناراض نہ ہوں بچہ جب متورے (میچور Mature) ہو جائے گا تو صحیح پڑھے گا۔"

اب ڈائریکٹر صاحب ٹیچر کو پرنسپل صاحب کے پاس شکایت کے لیے لے گئے۔ پرنسپل صاحب نے تمام بات نہایت تحمل سے سنی اور پھر گرج کر ٹیچر سے کہنے لگے۔

"آخر آپ اس بچے کا فتورے (فیوچر Future) خراب کرنے پر کیوں تلی ہوئی ہیں۔"

کرن سرمد۔۔۔ برمنگھم

احساسات

لڑکی بہت امیر تھی' اسے چاہنے والا نوجوان غریب لیکن دیانت دار اور راست گو تھا۔ لڑکی اسے پسند ضرور کرتی تھی لیکن اس سے زیادہ اس کے دل میں لڑکے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ وہ اس سے شادی کے لیے تیار نہیں تھی' لڑکا بھی اس حقیقت سے آگاہ تھا۔ ایک روز وہ معمول سے کچھ زیادہ ہی اداس نظر آرہا تھا۔

"تم ایک دولت مند باپ کی اکلوتی بیٹی ہو۔" لڑکے نے بات شروع کی۔

"ہاں۔" لڑکی نے تسلیم کیا۔ "میں اپنے والد کی دولت اور جائیداد کی اکلوتی وارث ہوں جس کی کل مالیت تقریباً" ساڑھے پانچ کروڑ روپے ہے۔"

"اور میں غریب ہوں۔" لڑکے نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"بے شک۔" لڑکی نے دیانتداری سے کام لیا۔

"کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

"ہرگز نہیں۔"

"مجھے معلوم تھا تم یہی جواب دو گی۔" لڑکا اداسی سے بولا۔

"تو پھر تم نے پوچھا ہی کیوں؟" لڑکی حیرت سے بولی۔

"بس' میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ جب انسان کے ہاتھ سے ساڑھے پانچ کروڑ روپے جاتے ہیں تو وہ کیا محسوس کرتا ہے۔" لڑکے نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

شاہدہ۔ کوئٹہ

صحیح طریقہ

ایک بچے کے والد کی ٹانگ لکڑی کی تھی۔ اس نے ڈاکٹر کو بتایا کہ اس کے ابو کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے لہٰذا اسے نئی ٹانگ دے دی جائے۔

خیراتی اسپتال کے ڈاکٹر نے سائز کے مطابق لکڑی کی ٹانگ دے دی۔

دوسرے ہفتے یہ بچہ ڈاکٹر کے پاس آیا اور بتایا کہ اس کے ابو سے وہ ٹانگ بھی ٹوٹ گئی ہے۔ ڈاکٹر نے پھر اسے نئی ٹانگ دے دی۔ اس طرح وہ بچہ تیسری بار بھی آیا اور ڈاکٹر سے نئی ٹانگ لے گیا۔

جب بچہ چوتھی بار آیا تو ڈاکٹر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آخر تمہارے ابو ٹانگوں کا کرتے کیا ہیں؟"

بچے نے جواب دیا۔ "وہ ڈائننگ ٹیبل بنا رہے ہیں۔"

صائمہ۔۔۔ شہداد پور

باعث حیرت

ہوٹل میں دو آدمی گفتگو کر رہے تھے۔

ایک نے کہا۔ "یار! جب تم رات گئے گھر جاتے ہو تو تمہاری بیوی کیا کہتی ہے؟"

دوسرے نے جواب دیا۔ "کچھ نہیں... دراصل ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔"

"پھر تم اتنی دیر تک باہر کیوں رہتے ہو؟" پہلے شخص نے حیرانی سے کہا۔

دانیہ۔۔۔ ڈیرہ غازی خان

سخن فہم

شاعر صاحب نے چند دن پہلے جو غزلیں لکھی تھیں انہیں پورے گھر میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے لیکن وہ نہیں مل رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے وہ بچوں نے چولہے میں پھینک دی ہوں گی۔" آخر کار وہ مایوسی اور اندیشوں سے لرزتی آواز میں بولے۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔" بیوی نے انہیں ڈانٹا۔

"بچوں کو ابھی پڑھنا کہاں آتا ہے۔"

عیب

انٹرویو لینے والے صحافی نے پوچھا۔

فلمی ہیروئن سے

"کیا آپ چائے پیتی ہیں؟"

"جی نہیں۔"

"اور سگریٹ؟"

"وہ بھی نہیں؟"

"شراب۔"

"بالکل نہیں۔"

"کمال ہے اتنی بڑی ہیروئن ہونے کے باوجود آپ میں کوئی عیب نہیں۔"

"جی عیب تو بس ایک ہی ہے۔"

"وہ کیا؟" صحافی نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے صرف جھوٹ بولنے کی عادت ہے۔" ہیروئن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ارم۔۔۔ لاہور

بھرم

چار دوست شراب پی رہے تھے۔ ٹیبل پر رکھے چاروں کے موبائل میں ایک بجنے لگا۔ ایک دوست نے اٹھایا اور بات کرنے لگا۔ "ہیلو۔"

دوسری طرف سے ایک عورت بولی۔ "جان میں بازار میں ہوں تمہارا کریڈٹ کارڈ میرے پاس ہے کیا میں ایک لاکھ کا جیولری سیٹ خرید لوں۔"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں ہاں بیگم لے لو۔"

بیوی پھر بولی "سلک کی ساڑھی بھی جو بیس ہزار کی ہے۔"

"ایک نہیں دو چار لے لو۔ بیگم۔" پھر فون رکھ دیا۔

باقی دوستوں نے حیرت سے کہا۔ "تم پاگل ہو یا تمہیں زیادہ چڑھ گئی ہے یا بھرم دکھا رہے ہو ہمیں۔"

"یہ سب چھوڑو۔ پہلے یہ بتاؤ یہ موبائل کس کا تھا۔" اس نے آرام سے پوچھا۔

ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

محبوب برفیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

سیما مقیم احمد.... کراچی

س : ”آپ کو اس خوب صورت بزم میں میزبان بننے پر مبارک باد۔ امید ہے کہ ذوالقرنین صاحب کی طرح آپ بھی اس کو کامیابی سے چلانے کی کوشش کریں گی یا گے؟“

ج : ”افسوس ہے کہ آپ کا سابق میزبان حاضر ہے فرمائیے۔“

فریدہ یاسمین.... ملتان

س : ”نین یہ بتاؤ کہ کنوارے آدمی کو مکان کرائے پر کیوں نہیں ملتا؟“

ج : ”اس لیے کہ آدمی کنوارا ہوتا ہے مکان نہیں۔“

شاہدہ رحمن مغل.... بہاول پور

س : ”لڑکیوں کو تو بی بی کہا جاتا ہے مگر لڑکوں کو بیبا کیوں نہیں کہتے؟“

ج : ”پنجابی میں لڑکے کو بیبا کہا جائے تو بہت سوہنا لگتا ہے۔“

صالحہ رحمان مغل.... بہاولپور

س : ”آج کل کے نوجوان، نوجوان بہنوں پر آوازیں کیوں کستے ہیں؟“

ج : ”نا تو آپ کے خیال میں معمر بہنوں پر آوازیں کسیں۔“

نوشین ناز.... شکارپور

س : ”آپ کو عید پر کس کی یاد آئی؟“

ج : ”صرف اپنے بھائی جان ابن انشاء کی۔“

روبینہ شاہین.... میرپور خاص

س : ”جب یاد تمہاری آتی ہے سنسان اکیلی راتوں میں دل خون کے آنسو روتا ہے ساون بھری برساتوں میں۔“

ج : ”نا تو صرف میری یاد کیوں آتی ہے۔ سنسان اکیلی راتوں میں۔“

س : ”نین جی! مرجا ہے کالا ہی کیوں نہ ہو“ اماں ان کی چاند سی بہو ہی ڈھونڈیں گی۔ آخر وجہ؟“

ج : ”چاند میں داغ جو ہوتا ہے۔“

س : ”لوگ تنہا پیدا ہوتے ہیں اور تنہا مر کر چلے جاتے ہیں۔ لیکن ہم سفر کی ضرورت کیوں محسوس کرتے ہیں؟“

ج : ”پیدا ہونے سے مرنے تک کسی ساتھی کی ضرورت تو ہوتی ہی ہے نا۔“

ادارہ کرن

ام ایمان قاضی.... کوٹ چھٹہ

رات کو تقریباً" دس بجے بچوں کو سلا کر سکون سے خط لکھنے بیٹھی ہوں کہ سیل پر بہن کا میسج موصول ہوا۔ آپی! فرحانہ ناز کوئی رائٹر ہیں؟ میں نے لکھا ہاں۔۔۔ کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ لکھ کر خط کا سلسلہ دوبارہ وہیں سے جوڑ دیا' پر اگلا آنے والا میسج پڑھ کر میں کتنی دیر اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ فرحانہ ناز کی آج ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی ہے۔ دل دہلا دینے والی روح فرسا خبر تھی۔ جس سے کچھ دیر کے لیے حواس کام کرنا چھوڑ گئے۔ ہمارے ہی شہر سے تعلق رکھنے والی فرحانہ سے نجانے کیوں آج تک ملاقات نہ ہوسکی تھی' پر اپنی تحریروں سے وہ شوخ' چنچل تین بچوں کی اماں ان کے فیس بک پر بچوں کی تصاویر کے ساتھ تفاخرانہ و ممتا بھرے کمنٹس آنکھوں میں آنسو لے آئے۔ قاری اور رائٹر کا رشتہ بظاہر نہ نظر آنے والا' لیکن اتنا مضبوط کہ اگلے کی ہر خوشی پر دل خوش اور پریشانی پر دل دکھی ہوجائے' یہاں تو ایک بھرا پرا گھر اجڑ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی بہن' بھائی اور والدہ کو جنت میں جگہ دے۔ (آمین) اور ان کے بچوں کو صبر۔ انسان تقدیر کے آگے بے بس ہے۔ کل ہی تو ان کی ایک شرارتی سی تحریر خواتین میں پڑھی۔

بنت شوکت.... ڈیرہ غازی خان

ایک بہت ہی افسوس ناک خبر کے ساتھ شرکت کررہی ہوں۔ گیارہ اکتوبر کا دن کسی کی سالگرہ کا دن' تو کسی کی موت کا دن۔ ہمارے ڈیرہ غازی کا ایک چمکتا ہوا ابھرتا ستارہ "فرحانہ ناز ملک" ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہوگئیں۔ ایکسیڈنٹ میں فرحانہ ناز کی والدہ' بہن اور بھائی بھی جاں بحق ہوگئے۔

شادی میں شرکت کے لیے تمام اہل خانہ ڈیرہ غازی خان سے تونسہ جارہے تھے کہ راستے میں ہی فیصرانی کے مقام پہ ٹرالر نے کار کو کچل دیا۔ جس کے نتیجے میں فرحانہ ناز' ان کی والدہ فرحت' ان کی بہن مہرالنساء جو کہ ڈاکٹر تھیں اور بھائی موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے' جبکہ فرحانہ ناز کا چھوٹا بیٹا شدید زخمی ہوا ہے۔

خوشیوں سے بھرا شادی والا گھر ماتم کدہ بن گیا۔ جب ہمیں اس خبر کے بارے میں پتا چلا تو پہلے تو ہمیں یقین ہی نہیں آیا۔ لیکن جب اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو گھر کے ہر فرد کی آنکھ اشک بار تھی اور دل دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔ میری امی جو کہ تیس سال سے شعاع' خواتین اور کرن پڑھ رہی ہیں۔ ان کے لیے خود کو سنبھالنا مشکل ہوگیا۔

"فرحانہ ناز ملک" ان کے لیے کچھ لکھنے بیٹھوں تو شاید الفاظ ختم ہوجائیں۔ چھوٹی عمر میں ہی ان کی شخصیت میں ایک خاص وقار اور تمکنت تھی۔ جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ رواں سال میں ایک سالگرہ کے موقع پر فرحانہ ناز سے ملاقات ہوئی۔ جب ہمارے جاننے والوں نے یہ بتایا کہ یہ فرحانہ ناز ہیں۔ جو شعاع' خواتین اور کرن میں کہانی لکھتی ہیں۔ تو ہمیں ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی اور خود انہیں حیرانی۔۔۔ کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ یہ پہلا موقع ہے جب ان کی فینز انہیں اس طرح پہلی مرتبہ مل رہی ہیں۔ وہ کافی دیر ہمارے پاس بیٹھی رہیں۔ ہم سے باتیں کرتی

رہیں۔ خاص طور پر امی کے ساتھ اس لیے ان کی وفات کی خبر سن کر اہی بہت غم زدہ ہوئیں۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی مغفرت اور بخشش فرمائے اور ان کے تمام گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

رانیہ...سیالکوٹ

ہرا ہرا سرورق دیکھ کر یقین مانو دل ہرا بھرا ہو گیا۔ غالباً" اس مہینے خاصی گھاس اور کھل بھی دیکھی اوپر سے سرورق... اور رسالے کو چار چاند مصباح علی کی "تبدیلی" نے لگا کر بازی مارلی۔ واہ ایمان سے پڑھ پڑھ کر پیٹ میں بل پڑ گئے۔ کیا زبردست لکھتی ہیں، کیسے کرنٹ افیئرز سے لفظ ملا دیے۔ سنجیدہ لکھیں تو ان کے حرف بولتے ہیں اور جب مزاح پر اتریں تو ہمارے پیٹ... اور دل تو تب کھٹا ہوا جب چار صفحات میں ہی قصہ تمام ہو گیا۔ بھئی یہ کیا ظلم کیا۔ یہ کہانی تو کم از کم دس بیس صفحات پر ہونی چاہیے تھی۔ اور جناب فاخرہ گل نے بڑی مزے دار کہانی لکھی ہے۔ مصباح اور فاخرہ نے مل کر عید واقعی عید کردی۔ فاخرہ نے ابا کی باتیں بڑی مزے دار لکھیں۔ مگر ضمیر بھائی کی ہکلاہٹ نے تھوڑا سا تنگ کیا مگر بے چاری چینا کا کیا بنے گا۔ ساری زندگی اف...
"شہر ملال" میں حمرہ احمد کا ملال ہمارے اندر بھی سرایت کر گیا۔ بہت اداس تحریر... سائرہ رضا نے دیہاتی کلچر کی منظر کشی خوب نبھائی اور اب بات کروں گی اپنی "شام آرزو" کی تو جناب فرحانہ ناز آپ نے کامیابیوں کے راستے خوب چڑھ لیے۔ اس کہانی کو پڑھ کر ذکریا آفندی جیسے مرد بھی بہت برے لگتے ہیں تو کبھی سائیکو۔ ویسے ایسے حالات میں نقصان صرف سنعان جیسے بچوں کا ہی ہوتا ہے۔
باقی رسالہ پڑھنے میں تو بہت دن لگ جائیں گے اور ہمارے جیسے قاری جہاں رسالہ ہی 15 تاریخ کو ملے تو تبصرہ کیا خاک کریں۔ مگر ہمارا بھی ہر ماہ دل چاہتا ہے۔ خط لکھنے کو اور وہی تاخیر آڑے آجاتی ہے کہ اب تو دیر ہو گئی کیا ہی شائع ہوگا۔ لیکن پھر بھی میں نے دل کڑا کرکے کل پرچہ ڈھونڈا اور رات ہی رات میں پڑھا۔ آخر "تم ہو میرے نام" پر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ خط لکھنے کے بعد میں یہ تمام کہانیاں اور جو رہ گئیں وہ بھی مزے لے لے کر دوبارہ پڑھوں گی اور ان سب کے لیے زیادہ زیادہ لکھنے کی دعا کروں گی۔ دعا آپ کے بہترین انتخاب چھاپنے پر بھی کروں گی۔

نشانورین... بوتالہ جھنڈا سنگھ

سردی کی پہلی بارش اور کرن کا جلد اس دفعہ مل جانا۔ واہ سونے پر سہاگہ... مسکراتی ہوئی ماڈل کو دیکھ کر موسم کا مزا دوبالا ہو گیا۔ مسکراتی ہوئی ماڈل نے دل خوش کردیا۔ پہلے تو بہت تھینکس کہ "پیغام دوست" شروع کیا۔ اب کم از کم اپنوں سے شکوے کا اظہار ہم کوئی پیغام تو دے سکتے ہیں۔
مکمل ناول تینوں اچھے تھے۔ ناولٹ میں فاخرہ گل نے دل جیت لیا۔ افسانے سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔
"دو مسکراتی کرنوں" میں سونیا نے مسکرانے پر مجبور کردیا۔ "تم ہو میرے نام" میں شاہ شہزاد نے میرا ذکر کیا شکریہ اپنی رائے دینے کا۔

اسماء خان... کے جی ایم

جو خوشی شمارے میں اپنا نام دیکھ کر ہوتی ہے۔ ناقابل بیان ہے۔ اس بار کرن 15 کو ملا ہے اور پھر اب آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ اس بار ٹائٹل ٹھیک ہی تھا۔ تمام تحریریں بہت اچھی تھیں۔
مصباح علی کا افسانہ "تبدیلی" ہلکی پھلکی تحریر کے ساتھ سبق آموز تھا۔ بہت اچھا لگا۔ "دل اک شہر ملال" کا اینڈ اچھا تھا۔ حمرہ کا دل بہت بڑا تھا اور ظرف بھی جو اپنی ساس نند کو معاف کردیا۔ "شام آرزو" اور "اک ساگر ہے زندگی" مجھے بے حد پسند ہے۔ ام ثمامہ

کی تحریر "بلاوا" پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ دل نے بے اختیار خواہش کی کہ کاش میرا بلاوا بھی آجائے۔ (آمین)

ایک دن میں کرن پڑھ کر پھر اگلے ماہ کا بے صبری سے انتظار کرتے ہیں کہ کب کرن آئے گا۔ 8 تاریخ ہے ہی بک اسٹال کے جو بچوں کو چکر لگواتے ہیں وہ ہمارا دل جانتا ہے۔

فوزیہ ثمر بٹ... گجرات

اکتوبر کا شمارہ پندرہ تاریخ کو ہاتھ لگا۔ عید اسپیشل سرورق بیسٹ تھا۔ تنقید کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ حسب عادت حمد و ثناء سے دل کو شاد کیا۔

"پروہ شب میں چھپ گیا خورشید" ساجدہ حبیب نے تو رلا ہی دیا۔ ہوتے ہیں کچھ ایسے لوگ۔ جو نہ ہوتے ہوئے بھی دلوں میں زندہ جاوید ہوتے ہیں۔

"میری بھی سنیے" میں عابدہ پروین کی باتیں بہت اچھی لگیں۔ ان کی تو کتنی بھی تعریف کی جائے کم ہوگی۔ "عید الاضحی اور آپ" کے جوابات بھی پسند آئے۔ "مقابل ہے آئینہ" میں آسیہ آفتاب کی باتیں بھی پسند آئیں۔ پتا نہیں کیوں یوں لگا جیسے محترمہ کو کہیں دیکھا ہوا ہے۔

اس بار افسانے پہلے پڑھے کیونکہ ناول رات کو پڑھتی ہوں۔ وجہ سارے کام ختم کرکے پڑھنا ہوتا ہے۔ عید الاضحی کے حوالے سے سب ہی نے اچھا لکھا۔ قربانی کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس مذہبی فریضہ کو مذہبی طریقہ سے ہی سرانجام دیں۔ جو دل کو لگا وہ ام ثمامہ کا افسانہ "بلاوا" تھا۔ آمنہ بی بی کی طرح دل کو شدت خواہش ہے روضہ رسول پہ حاضری کی۔ بس جی اسی امید پہ دل کو لگایا ہوا ہے کب حاضری کا وقت آجائے۔

"دل اک شہر ملال" چوتھی اور آخری قسط... معذرت کے ساتھ عنیقہ جی کبھی آپ کو چائے کی شدت طلب ہو اور جب وہ آپ کے پاس آئے۔ چائے ایک تو ٹھنڈی اور پھر پھیکی ہو تو سوچیے آپ کی کیا حالت ہو۔ اس تحریر کو پڑھتے ہوئے میری بھی کچھ ایسی ہی فیلنگ تھی۔ کہانیاں پڑھنے کا خیال بھی چائے جیسا ہوتا ہے۔ جیسی بھی ہو چائے پینی ہے اور کہانی پڑھنی ہے۔

"خالہ سالا" اور "اوپر والا" فاخرہ گل جی کیا شاندار تحریر تھی۔ ہر سطر ہر جملے میں ہنسی کے فوارے تھے اور ضمیر کا لفظوں کا گھسنا اور چند ایک جملے کے پہلے فقرہ کو آخر میں استعمال کرنا کافی مزے دار تھا۔ کیا جدید محاورے جملے استعمال کیے ہیں۔ رائٹر صاحبہ نے حقیقتاً داد دینے کا دل کیا۔ باقی آئندہ نظر آیا تو... بس پھیکی لگی۔ چاکلیٹ کھاتے کھاتے کڑوا بادام منہ میں آگیا ہو۔ میرے خیال میں اس ماہ کی یہ واحد مزاحیہ تحریر تھی۔ ایسی تحریریں دل کا خون بڑھاتی ہیں۔ "حرف دعا" میں

زارش کی سادگی اچھی لگی۔ ارحم تو ایک مرد تھا۔ اس نے زارش کو یہ جتانے کے لیے کہ اس کی دوستیں بدفطرت ہیں۔ آزمالیا کیا ایسا زارش کرتی تو کیا ارحم اسے معاف کرتا۔

مستقل سلسلے اس بار کچھ بجھے بجھے سے لگے۔

"کرن کرن خوشبو" میں ثریا شاہ کی چاہت دل کو لگی۔

"مجھے یہ شعر پسند ہے" میں صدف عمران' آسیہ حفیظ کا شعر اچھا لگا۔ مگر یہ کیا ہم تو کہیں نہیں تھے۔ "نامے میرے نام" کچھ بے رنگ تھے۔ پیغام دوست اچھا سلسلہ ہے۔

رابعہ عمران چوہدری.... رحیم یار خان

اکتوبر کا "کرن" عید کے حوالے سے ملا۔ جلدی جلدی کھولا۔ اپنی تحریر دیکھنے کے لیے۔ مگر کہیں نظر نہیں آئی۔ چلیں جی "مرضی تمہاڈی" جب مرضی لگا دیں۔ اس کے بعد حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم انٹرویوز بھی خوب رہے۔ عابدہ پروین کا انٹرویو اچھا لگا۔ عید سروے بھی لاجواب رہا۔

ام ثمامہ کی تحریر "بلاوا" لاجواب رہی۔ واقعی اللہ پاک دلوں کے حال بھی جانتا ہے۔ عائشہ ناز علی کی تحریر بھی کافی اچھی لگی۔ میمونہ صدف نے عید کے حوالے سے زبردست لکھا۔ سب کی تحریریں عید کے حوالے سے ہی تھیں تو میری تحریر شاید آپ کو لیٹ ملی تھی۔ بے چاری راستے میں ہی رہ گئی۔

"فاخرہ گل" واہ واہ۔ کیا زبردست ناولٹ لکھا۔ خالہ کے تصور میں خود کو دیکھنا تو بہت دلچسپ لگا اور ساری کہانی ہی بڑی دلچسپ لگی۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ مصباح علی کی "تبدیلی" بھی اچھی لگی۔ کاش یہ تبدیلی ہم سب میں آجائے تو ہر بھوکا کھانا کھا کر سوئے ہر بچہ کپڑے پہنے ہوئے نظر آئے۔ سائرہ رضا کی تحریر "سودہ کا کرم خان" بہت منفرد اور اچھی لگی اور صفیہ احمد کی تحریر بھی بہت منفرد پڑھ کر مزا آگیا۔ لیعنی ٹاپک منفرد ہوں تو پڑھنا بھی اچھا لگتا ہے۔ "سکھو" کی سوچ بھی کتنی دکھی کردینے والی تھی کہ سیلاب ہی آجاتا تو کم از کم حکومتی امداد تو مل جاتی۔ واقعی غریب بے چارہ مفت میں مارا جاتا۔ عنیقہ ملک کا مکمل ناول ابھی پڑھ نہیں سکی۔ غزالہ جلیل راؤ کی "حرف دعا" بھی ایک ہلکی پھلکی اچھی تحریر تھی۔

باقی سلسلے ہمیشہ کی طرح خوب رہے۔

ثناء شہزاد.... کراچی

اکتوبر کے شمارے نے 12 تاریخ کو اپنے رخ روشن کا دیدار کروایا۔ ماڈل کا میک اپ بہت اچھا لگا۔ حمد و نعت پڑھی اور بابر بھائی کے لیے دعائے مغفرت کی۔ اس کے بعد منشا پاشا سے ملاقات کی' اچھا لگا۔ ان سے مل کر اور عابدہ پروین کے بارے میں بہت ساری باتیں پتا چلیں ویسے ہم نے سنا تھا کہ عابدہ پروین نے شادی نہیں کی' مگر یہ بات تو غلط نکلی۔ ان کی نہ صرف شادی ہوئی ہے۔ بلکہ ماشاء اللہ تین بچے بھی ہیں۔

سروے میں سب کے جوابات اچھے تھے۔ افسانے سارے بیسٹ تھے جو نمبر ون پہ رہا۔ وہ "بلاوا" تھا۔

ناولٹ ابھی نہیں پڑھا۔ کیونکہ پھر اگلی قسط کا انتظار کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مکمل ناول میں "دل ایک شہر ملال" بازی لے گیا۔ بہت زبردست کہانی تھی۔ اینڈ بھی بہت اچھا کیا۔

"حرف دعا" اور "ایک رشتہ" بھی اچھے تھے۔ لیکن دونوں کو بہت جلدی میں سمیٹا گیا۔ اینڈ تھوڑا اور دینا چاہیے تھا۔ ان دونوں کہانیوں کو پڑھ کر دل سے دعا نکلی کہ کاش شیر دل اور ارحم جیسا شریک سفر ہمیں بھی مل جائے۔

اس کے علاوہ کرن کے تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح اے ون تھے۔ "کرن کرن خوشبو" میں "پڑوسیوں کا حق" اور "بڑھیا" زیادہ اچھے تھے۔ "یادوں کے دریچے" میں سب کا انتخاب اچھا لگا۔

☼ ☼